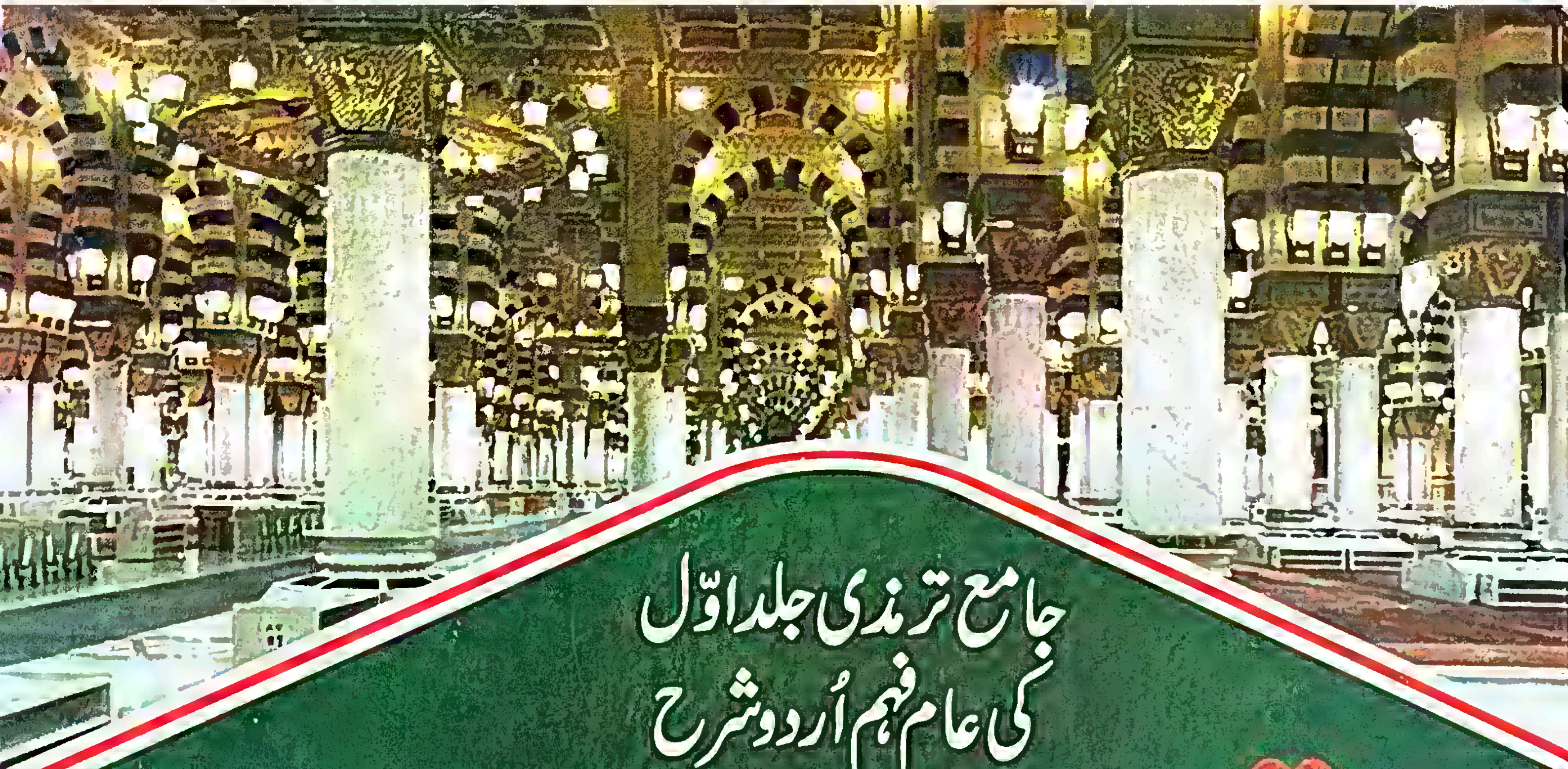

جامع ترمذی جلد اوّل
کی عام فہم اُردو شرح

تقریراتِ ترمذی

جلد ۴

اَبوابُ النکاح۔ اَبوابُ الرّضاع۔ اَبوابُ الطّلاق واللّعانؒ
اَبوابُ البُیوع۔ اَبوابُ الاحکام۔ اَبوابُ الدّیاتؒ۔ اَبوابُ الحُدود
اَبوابُ الصّید۔ اَبوابُ الاضاحی۔ ابوابُ النذور والاَیمانؒ۔ اَبوابُ السّیر۔
اَبوابُ فضائل الجہاد۔ اَبوابُ الجہاد۔ اَبوابُ اللّباس

مجموعہ افادات

حضرت مولانا
محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ

حضرت
مولانا شبیر الحق کشمیری دامت برکاتہم
اُستاذ الحدیث (جامعہ خیر المدارس ملتان)
ودیگر جدید وقدیم شیوخ الحدیث

کلماتِ تحسین

حضرت مولانا محمد اکبر صاحب دامت برکاتہم
(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان)
حضرت مولانا محمد امینؒ صاحب دامت برکاتہم
(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریراتِ ترمذی

جلد چہارم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِيِّ
الْأُمِّيِّ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا

ہدیۂ مُحبّت

بخدمت جناب..
....
....
....

نوٹ:۔ دوست احباب کو ہدیہ کر کے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنایئے

جامع ترمذی جلد اوّل کی عام فہم اُردو شرح

تقریراتِ ترمذی

جلد چہارم

مشتمل برابواب

ابواب النکاح۔ ابواب الرضاع۔ ابواب الطلاق واللعان۔ ابواب البیوع۔
ابواب الاحکام۔ ابواب الدیات۔ ابواب الحدود۔ ابواب الصید۔ ابواب الاضاحی۔
ابواب النذور والایمان۔ ابواب السیر۔ ابواب فضائل الجہاد۔ ابواب الجہاد۔ ابواب اللباس

مجموعہ افادات

حضرتؒ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ
اُستاذ الحدیث مولانا شبیر الحق کشمیری مدظلہ العالی
ودیگر جدید وقدیم شیوخ الحدیث

کلمات تحسین

شیخ الحدیث مولانا محمد اکبر صاحب دامتؒ برکاتہم
(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان)
حضرتؒ مولانا محمد امینؒ صاحب دامتؒ برکاتہم
(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان)

ترتیب وتالیف

اشرفیہ مجلس علم وتحقیق ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

تقریراتِ ترمذیؒ

تاریخ اشاعت.............. ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ
ناشر.............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.......... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ
اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

قانونی مشیر
محمد اکبر ساجد
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور
دارالاشاعت.......اُردو بازار.........کراچی
مکتبہ علمیہ............اکوڑہ خٹک......پشاور
مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ.....کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص.....قصہ خوانی بازار.....پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

اجمالی فہرست

أَبْوَابُ النِّكَاحِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۳۷
ابواب الرضاع	۹۳
أَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۱۰۹
أَبْوَابُ الْبُيُوعِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۱۴۴
أَبْوَابُ الْأَحْكَامِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۲۲۰
أَبْوَابُ الدِّيَاتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۲۶۰
أَبْوَابُ الْحُدُودِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۲۸۶
أَبْوَابُ الصَّيْدِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۳۲۸
أَبْوَابُ الْأَضَاحِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۳۴۷
أَبْوَابُ النُّذُورِ وَالْأَيْمَانِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۳۶۷
أَبْوَابُ السِّيَرِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۳۸۴
أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۴۲۲
أَبْوَابُ الْجِهَادِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۴۴۶
أَبْوَابُ اللِّبَاسِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۴۶۹

تقریظ و تاثرات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اکبر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم گلگشت ملتان)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

امابعد! ''تقریرات ترمذی'' جامع ترمذی کی جلد اوّل کی جدید اُردو شرح ہے جس کی جلد اوّل اس وقت میرے سامنے ہے۔ ماشاء اللہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی علمی و اصلاحی تالیفات وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں۔ زیرنظر شرح بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ادارہ کے زیراہتمام ''اشرفیہ مجلس علم وتحقیق'' جوکہ اہل علم پر مشتمل ہے۔ ماشاء اللہ ان احباب نے بڑی کاوش سے اس شرح کو اکابر شیوخ الحدیث کے افادات سے مزین کر کے عام فہم انداز میں مرتب کیا ہے جو جامع ترمذی کا درس دینے والے شیوخ الحدیث کے لیے بالعموم اور حدیث شریف کے طلبہ و طالبات کے لیے بالخصوص عظیم نعمت ہے۔ اس کی خصوصیات کا اندازہ تو اس کے بالاستیعاب مطالعہ سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں جن ارباب علم وفضل سے وابستہ فرمایا ہے' انہوں نے جہاں عملی میدان میں اسلاف کی یادیں تازہ کی ہیں وہاں علم وفضل انمٹ نقوش چھوڑے۔ علوم تفسیر، علوم حدیث، فقہ واحکام اسی طرح دیگر علوم وفنون میں ہمارے اکابر نے ایسی خدمات سرانجام دی ہیں کہ بعض شخصیات اپنے دور کی رازی اور غزالی کہلائیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عبقری شخصیت کو دیکھا جائے کہ صرف کثرت تصانیف کے باعث سیوطی وقت کہلائے۔ ہمارے اکابر میں سے وہ اہم شخصیات جنہوں نے علم حدیث میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، ان میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ

اللہ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمہ اللہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن، محدث اعظمی رحمہ اللہ ،شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ وغیرہ۔

دار العلوم دیوبند سے وابستہ اہل علم شخصیات میں سے یہ چند اسماء ارتجالاً زیر قلم آ گئے جنہوں نے اپنی حیات مستعار میں علم حدیث کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور اپنی محدثانہ خدمات سے ایک عالَم کو گرویدہ کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ان اکابر اہل حق سے وابستگی فرمائی اور انہی حضرات کی نسبت ہی ہماری کامیابی کی کلید ہے۔ زیر نظر شرح ایسے ہی سلاطین علم کے افادات کا مجموعہ ہے جس میں علم حدیث کی مروجہ مباحث کو بالتفصیل لیکن آسان انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ زیر نظر شرح میرے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کے افادات سے بھی آراستہ ہے۔

اس جدید شرح کی تالیف اور اشاعت پر محترم حافظ محمد اسحق ملتانی مدظلہ اہل علم کی طرف سے خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ جن کی شبانہ روز کاوشوں سے علم حدیث کی اس خدمت کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ اللہ تعالیٰ اس جدید شرح کو شرف قبول نصیب فرمائے اور اسے طلبہ وطالبات کے لیے نافع بنائے اور ہم سب کو خدمت دین کے اعلیٰ کام سے وابستہ فرمائے اور مذکورہ محدثین عظام کو ہم سب کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے جو ہمارے لیے بہترین علمی سرمایہ چھوڑ گئے۔

دل سے دُعا ہے کہ حق جل مجدہ اس تالیف اور اس کی اشاعت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور اسے ہم سب کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے اور راقم السطور کو تاحیات خدمت حدیث کے شرف سے نوازتا رہے۔ (آمین)

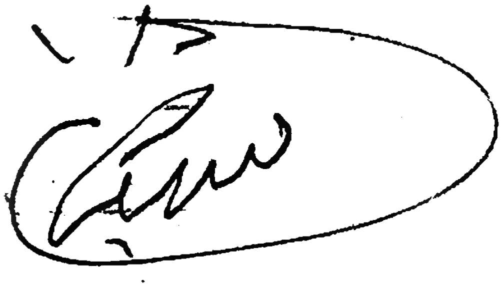

تقریظ و تاثرات

حضرت مولانا محمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب شاہ رکن عالم کالونی ملتان)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

امابعد! تقریرات ترمذی اُردو شرح جامع ترمذی کی جلد اول دیکھنے کا شرف نصیب ہوا۔ ماشاء اللہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے زیر اہتمام ''اشرفیہ مجلس علم وتحقیق'' نے بڑی کاوش سے آسان انداز میں اس کی شرح مرتب کی ہے جس میں برصغیر پاک وہند کے جملہ شیوخ الحدیث کے افادات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مجھ سے اس شرح کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ اگرچہ بندہ حدیث شریف کی اس اہم کتاب کے متعلق کہ صحاح ستہ میں جامع ترمذی فضیلت واہمیت اور اپنی گوناگوں خصوصیات کی بدولت جس مقام کی حامل ہے اس کی اُردو شروحات کا میدان تاہنوز تشنگی کا شکار ہے۔ ان حالات میں اس جدید شرح کی اشاعت بڑی مبارک اور امید افزا ہے۔ رائے دینے کا مجاز نہیں۔ تاہم شروحات حدیث میں اس جدید شرح کا اضافہ خوش آئند ہے۔

اس سے قبل ادارہ کی مطبوعہ کتاب خیر المفاتیح (جو کہ حضرت مولانا شبیر الحق کشمیری مدظلہ کے افادات پر مشتمل چھ جلدوں کا مجموعہ ہے) کے مطالعہ کی توفیق ہوئی تو ماشاء اللہ ادارہ کی علمی خدمات کا اندازہ ہوا۔ ان شاء اللہ یہ جدید شرح بھی اہل علم کیلئے بالخصوص اور حدیث شریف کے طلبہ وطالبات کے لیے نہایت نافع ہے۔

اللہ تعالیٰ ادارہ کی اس دینی کاوش کو خالصتاً لوجہ الکریم بنائے اور راقم السطور کے علاوہ جملہ مستفیدین کے لیے سرمایہ آخرت بنائے۔ آمین

محمد امین نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن الخطاب

محمد امین نائب شیخ الحدیث

جامعہ عمر بن الخطاب

فہرست عنوانات

أَبْوَابُ النِّكَاحِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّزْوِيجِ، وَالحَثِّ عَلَيْهِ	۳۷
دلیل اوّل: امام شافعی رحمہ اللہ	۳۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّبَتُّلِ	۴۰
باب ما فی من ترضون دینه فزوّجوه	۴۱
باب ما جاء فی من ینکح علی ثلث خصال	۴۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَرِ إِلَى المَخْطُوبَةِ	۴۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْلَانِ النِّكَاحِ	۴۳
بعض اہل علم کی دلیل	۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا يُقَالُ لِلْمُتَزَوِّجِ	۴۴
بَابُ ما جاء فيما يَقُولُ إِذَا دَخَلَ عَلَى أَهْلِهِ	۴۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَوْقَاتِ الَّتِي يُسْتَحَبُّ فِيهَا النِّكَاحُ	۴۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الوَلِيمَةِ	۴۶
سند پر کلام:	۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَابَةِ الدَّاعِي	۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَجِيءُ إِلَى الوَلِيمَةِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ	۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَزْوِيجِ الأَبْكَارِ	۴۸
بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ	۴۹
احناف کی دلیل اوّل:	۵۰

آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل:	۵۲
پہلی حدیث کا جواب اوّل:	۵۲
حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب اوّل:	۵۴
بَاب مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ	۵۶
بَاب مَا جَاءَ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ	۵۷
بَاب مَا جَاءَ فِي اسْتِئْمَارِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ	۵۸
بَاب مَا جَاءَ فِي إِكْرَاهِ الْيَتِيمَةِ عَلَى التَّزْوِيجِ	٦۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الْوَلِيَّيْنِ يُزَوِّجَانِ	٦۱
بَاب مَا جَاءَ فِي نِكَاحِ الْعَبْدِ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ	٦۱
بَاب مَا جَاءَ فِي مُهُورِ النِّسَاءِ	٦۲
احناف کی دلیل اوّل:	٦۳
شوافع کے دلائل، دلیل اوّل:	٦۴
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ الْأَمَةَ ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا	٦٦
امام احمد امام شافعی رحمہا اللہ کی دلیل:	٦٦
بَاب مَا جَاءَ فِي الْفَضْلِ فِي ذَلِكَ	٦٦
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا هَلْ يَتَزَوَّجُ ابْنَتَهَا أَمْ لَا	٦۷
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا آخَرُ فَيُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا	٦۸
بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُحِلِّ وَالْمُحَلَّلِ لَهُ	٦۹
بَاب مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ	۷۰
حرمت متعہ کے قائلین کے دلائل:	۷۱
متعہ جائز سمجھنے والوں کی دلیلیں:	۷۲
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الشِّغَارِ	۷۴
تشریح:......شغار کا لغوی واصطلاحی معنی	۷۵

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا	۷۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّرْطِ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ	۷۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ	۷۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أُخْتَانِ	۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْجَارِيَةَ وَهِيَ حَامِلٌ	۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْبِي الْأَمَةَ وَلَهَا زَوْجٌ هَلْ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا	۸۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَهْرِ الْبَغِيِّ	۸۱
بَابُ مَا جَاءَ أَنْ لَا يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ	۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ	۸۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَزْلِ	۸۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِسْمَةِ لِلْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ	۸۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ	۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الزَّوْجَيْنِ الْمُشْرِكَيْنِ يُسْلِمُ أَحَدُهُمَا	۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَمُوتُ عَنْهَا قَبْلَ أَنْ يَفْرِضَ لَهَا	۹۲
ابواب الرضاع	
بَابُ مَا جَاءَ يُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ	۹۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي لَبَنِ الْفَحْلِ	۹۴
بَابُ مَا جَاءَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ	۹۵
دلیل امام شافعی رحمہ اللہ:	۹۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي شَهَادَةِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فِي الرَّضَاعِ	۹۶
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَا تُحَرِّمُ إِلَّا فِي الصِّغَرِ دُونَ الْحَوْلَيْنِ	۹۸
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُذْهِبُ مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ	۹۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تُعْتَقُ وَلَهَا زَوْجٌ	۹۹

شوافع کی دلیل اوّل:	۱۰۰
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الوَلَدَ لِلْفِرَاشِ	۱۰۲
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَرَى المَرْأَةَ تُعْجِبُهُ	۱۰۳
بَاب مَا جَاءَ فِي حَقِّ الزَّوجِ عَلَى المَرْأَةِ	۱۰۳
بَاب مَا جَاءَ فِي حَقِّ المَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا	۱۰۴
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَدْبَارِهِنَّ	۱۰۵
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الزِّينَةِ	۱۰۶
بَاب مَا جَاءَ فِي الغَيْرَةِ	۱۰۷
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُسَافِرَ المَرْأَةُ وَحْدَهَا	۱۰۷
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى المُغِيبَاتِ	۱۰۸
باب بلاترجمه	۱۰۸
باب بلاترجمہ	۱۰۸
باب بلاترجمہ	۱۰۹
أَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَاب مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ السُّنَّةِ	۱۰۹
چوتھی بات: طلاق کی اقسام	۱۱۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ البَتَّةَ	۱۱۲
دلائل غیر مقلدین	۱۱۵
بَاب مَا جَاءَ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ	۱۱۷
بَاب مَا جَاءَ فِي الخِيَارِ	۱۱۸
امام احمد کی دلیل	۱۱۹
بَاب مَا جَاءَ فِي المُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا لَا سُكْنَى لَهَا وَلَا نَفَقَةَ	۱۱۹
شوافع ومالکیہ کی دلیل:	۱۲۰

بَابُ مَا جَاءَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ	۱۲۱
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ طَلَاقَ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ	۱۲۳
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ	۱۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجِدِّ وَالْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ	۱۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلْعِ	۱۲۴
احناف کی دلیل اوّل	۱۲۵
باقی آئمہ کی دلیل اوّل:	۱۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخْتَلِعَاتِ	۱۲۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي مُدَارَاةِ النِّسَاءِ	۱۲۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْأَلُهُ أَبُوهُ أَنْ يُطَلِّقَ زَوْجَتَهُ	۱۲۸
بَابُ مَا جَاءَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا	۱۲۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الْمَعْتُوهِ	۱۲۹
باب بلا ترجمہ	۱۳۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا تَضَعُ	۱۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا	۱۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ	۱۳۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ	۱۳۵
مسئلہ اولیٰ: کفارہ ظہار کیا ہے؟	۱۳۶
مسئلہ ثانیہ: اگر کفارہ سے پہلے جماع کر لیا؟	۱۳۶
مسئلہ ثالثہ: اگر کفارہ بصورت طعام ہو تو پھر اس کی مقدار کیا ہے؟	۱۳۶
باب ماجاء فی کفارۃ ایلاء	۱۳۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي اللِّعَانِ	۱۳۹
مسئلہ اولیٰ: لعان کی حقیقت کیا ہے؟	۱۴۰

مسئلہ ثانی: آیا لعان کے بعد قاضی کی تفریق کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟	۱۴۱
مسئلہ ثالث: آیا یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہے یا حرمت دائمہ کے حکم میں؟	۱۴۲
بَاب مَا جَاءَ أَيْنَ تَعْتَدُّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا؟	۱۴۳
أَبْوَابُ الْبُيُوعِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَاب مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الشُّبُهَاتِ	۱۴۵
بَاب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الرِّبٰوا	۱۴۶
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي الْكَذِبِ وَالزُّورِ وَنَحْوِهِما	۱۴۶
گناہ کبیرہ کی تعداد	۱۴۷
بَاب مَا جَاءَ فِي التُّجَّارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُمْ	۱۴۷
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ كَاذِبًا	۱۴۸
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّبْكِيرِ بِالتِّجَارَةِ	۱۴۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشِّرَاءِ إِلَى أَجَلٍ	۱۴۹
بَاب مَا جَاءَ فِي كِتَابَةِ الشُّرُوطِ	۱۴۱
بَاب مَا جَاءَ فِي الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ	۱۵۱
بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ مَنْ يَزِيدُ	۱۵۲
بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُدَبَّرِ	۱۵۲
شوافع وحنابلہ کی دلیلیں، دلیل اوّل:	۱۵۳
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَلَقِّي الْبُيُوعِ	۱۵۴
بَاب مَا جَاءَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ	۱۵۵
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ	۱۵۶
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا	۱۵۸
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ	۱۵۹
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْغَرَرِ	۱۶۰

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ	۱۶۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَه	۱۶۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ	۱۶۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً	۱۶۳
دلائل شوافع، دلیل اوّل:	۱۶۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدَيْنِ	۱۶۵
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَرَاهِيَةَ التَّفَاضُلِ فِيهِ	۱۶۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّرْفِ	۱۶۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي ابْتِيَاعِ النَّخْلِ بَعْدَ التَّأْبِيرِ وَالْعَبْدِ وَلَهُ مَالٌ	۱۶۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَيِّعَيْنِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا	۱۷۰
دلائل ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۷۱
شوافع کی دلیلیں:	۱۷۲
باب بلا ترجمہ	۱۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ	۱۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُصَرَّاةِ	۱۷۴
مذہب اوّل والوں کی دلیل	۱۷۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ ظَهْرِ الدَّابَّةِ عِنْدَ الْبَيْعِ	۱۷۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِنْتِفَاعِ بِالرَّهْنِ	۱۷۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْقِلَادَةِ وَفِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ	۱۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ الْوَلَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذَلِكَ	۱۸۱
باب بلا ترجمہ	۱۸۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُكَاتَبِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي	۱۸۳
بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَفْلَسَ لِلرَّجُلِ غَرِيمٌ فَيَجِدُ عِنْدَهُ مَتَاعَهُ	۱۸۴

قول اوّل کی دلیل اوّل:	۱۸۵
قول ثانی کی دلیل:	۱۸۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى الذِّمِّيِّ الْخَمْرَ يَبِيعُهَا لَهُ	۱۸۶
قول اوّل کی دلیل اوّل:	۱۸۶
دوسرا مسئلہ: مسئلۃ الظفر	۱۸۷
امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل:	۱۸۷
امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل:	۱۸۸
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل:	۱۸۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ	۱۸۸
قول اوّل کی دلیل:	۱۸۹۱
قول ثانی کی دلیل:	۸۹
حضرت قتادہ کا حضرت حسن بصری پر اعتراض:	۱۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاحْتِكَارِ	۱۹۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُحَفَّلَاتِ	۱۹۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ الْفَاجِرَةِ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ الْمُسْلِمِ	۱۹۱
بَابُ مَا جَاءَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ	۱۹۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ	۱۹۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ عَسْبِ الْفَحْلِ	۱۹۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَمَنِ الْكَلْبِ	۱۹۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ	۱۹۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ	۱۹۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ	۱۹۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمُغَنِّيَاتِ	۱۹۷

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ الْأَخَوَيْنِ أَوْ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَ وَلَدِهَا فِي الْبَيْعِ	۱۹۸
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ وَيَسْتَغِلُّهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا	۱۹۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَارِّ بِهَا	۱۹۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الثُّنْيَا	۲۰۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ	۲۰۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ	۲۰۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْخَمْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ ذٰلِكَ	۲۰۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي احْتِلَابِ الْمَوَاشِي بِغَيْرِ إِذْنِ الْأَرْبَابِ	۲۰۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ	۲۰۴
باب ماجاء فی کراهیة الرجوع من الهبة	۲۰۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرَايَا وَالرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ	۲۰۶
حنفیہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر	۲۰۷
مالکیہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر	۲۰۷
شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر	۲۰۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّجْشِ فِي الْبُيُوعِ	۲۰۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّجْحَانِ فِي الْوَزْنِ	۲۰۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرِّفْقِ بِهِ	۲۱۰
پچھلی اُمتوں کے ایک صاحب کا واقعہ	۲۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي مَطْلِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ ظُلْمٌ	۲۱۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ	۲۱۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّلَفِ فِي الطَّعَامِ وَالتَّمْرِ	۲۱۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَرْضِ الْمُشْتَرِكِ يُرِيدُ بَعْضُهُمْ بَيْعَ نَصِيبِهِ	۲۱۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ	۲۱۴

باب بلا ترجمہ	۲۱۵
کیا کسی کو تسعیر کی اجازت ہے؟	۲۱۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الغِشِّ فِي البُيُوعِ	۲۱۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِقْرَاضِ البَعِيرِ أَوِ الشَّيْءِ مِنَ الحَيَوَانِ	۲۱۷
باب بلا ترجمہ	۲۱۸
بَابُ النَّهْيِ عَنِ البَيْعِ فِي المَسْجِدِ	۲۱۹
أَبْوَابُ الأَحْكَامِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي القَاضِي	۲۲۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي القَاضِي يُصِيبُ وَيُخْطِئُ	۲۲۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي القَاضِي كَيْفَ يَقْضِي	۲۲۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِمَامِ العَادِلِ	۲۲۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي القَاضِي لَا يَقْضِي بَيْنَ الخَصْمَيْنِ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَهُمَا	۲۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَامِ الرَّعِيَّةِ	۲۲۴
بَابُ مَا جَاءَ لَا يَقْضِي القَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ	۲۲۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي هَدَايَا الأُمَرَاءِ	۲۲۵
قاضی کے لیے ہدیہ قبول کرنے کا حکم	۲۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّاشِي وَالمُرْتَشِي فِي الحُكْمِ	۲۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الهَدِيَّةِ وَإِجَابَةِ الدَّعْوَةِ	۲۲۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عَلَى مَنْ يُقْضَى لَهُ بِشَيْءٍ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ	۲۲۷
بَابُ مَا جَاءَ البَيِّنَةَ عَلَى المُدَّعِي، وَاليَمِينَ عَلَى المُدَّعَى عَلَيْهِ	۲۲۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي اليَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ	۲۳۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي العَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ	۲۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي العُمْرَى	۲۳۳

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّقبٰی	۲۳۴
بَاب مَا ذُكِرَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصُّلْحِ بَيْنَ النَّاسِ	۲۳۵
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَضَعُ عَلَى حَائِطِ جَارِهِ خَشَبًا	۲۳۵
بعض اہل ظاہر کا مسلک	۲۳۶
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى مَا يُصَدِّقُهُ صَاحِبُهُ	۲۳۶
بَاب مَا جَاءَ فِي الطَّرِيقِ إِذَا اخْتُلِفَ فِيهِ كَمْ يُجْعَلُ؟	۲۳۷
بَاب مَا جَاءَ فِي تَخْيِيرِ الْغُلَامِ بَيْنَ أَبَوَيْهِ إِذَا افْتَرَقَا	۲۳۸
باب ماجآء أَنَّ الْوَالِدَ يَأْخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِه	۲۳۹
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يُكْسَرُ لَهُ الشَّيْءُ مَا يُحْكَمُ لَهُ مِنْ مَالِ الْكَاسِرِ؟	۲۳۹
بَاب مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ	۲۴۰
بَاب ماجاء فِيمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ	۲۴۱
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الآخَرِ فِي الْمَاءِ	۲۴۱
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يُعْتِقُ مَمَالِيكَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ	۲۴۳
باب مَا جَآءَ فِي مَنْ مَلَكَ ذَا مَحْرَمٍ	۲۴۴
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ	۲۴۴
قول اوّل کی دلیل اوّل	۲۴۴
قول ثانی کی دلیل:	۲۴۵
بَاب مَا جَاءَ فِي النُّحْلِ وَالتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْوَلَدِ	۲۴۵
بَاب مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ	۲۴۶
بَاب مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ لِلْغَائِبِ	۲۴۶
غیر منقولہ چیز میں شفعہ کا کیا حکم ہے؟	۲۴۷
بَاب مَا جَاءَ إِذَا حُدَّتِ الْحُدُودُ وَوَقَعَتِ السِّهَامُ فَلَا شُفْعَةَ	۲۴۷
تشریح:......اقسام شفعہ میں ائمہ کے مختلف اقوال	۲۴۷

دلائل امام شافعی، دلیل اوّل:	۲۴۸
دلائل احناف، دلیل اوّل:	۲۴۸
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الشَّرِيكَ شَفِيعٌ	۲۴۹
بَاب مَا جَاءَ فِي اللُّقَطَةِ وَضَالَّةِ الإِبِلِ وَالغَنَمِ	۲۴۹
امام شافعی وائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات:	۲۵۳
تیسری دلیل کا جواب:	۲۵۳
بَاب ماجاء فِي الوَقْفِ	۲۵۴
بَاب مَا جَاءَ فِي: العَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ	۲۵۶
بَاب مَا ذُكِرَ فِي إِحْيَاءِ أَرْضِ المَوَاتِ	۲۵۶
بَاب مَا جَاءَ فِي القَطَائِعِ	۲۵۷
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الغَرْسِ	۲۵۸
بَاب مَا ذُكِرَ فِي المُزَارَعَةِ	۲۵۹
بَاب مِنَ المُزَارَعَةِ	۲۶۰
أَبْوَابُ الدِّيَاتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
ان اقسام کی دیت کا حکم:	۲۶۳
بَاب مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الإِبِلِ	۲۶۴
بَاب مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الدَّرَاهِمِ؟	۲۶۵
بَاب مَا جَاءَ فِي المُوضِحَةِ	۲۶۵
بَاب مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الأَصَابِعِ	۲۶۵
بَاب مَا جَاءَ فِي العَفْوِ	۲۶۶
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ رُضِخَ رَأْسُهُ بِصَخْرَةٍ	۲۶۷
بَاب مَا جَاءَ فِي تَشْدِيدِ قَتْلِ المُؤْمِنِ	۲۶۸
بَاب الحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ	۲۶۸

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ ابْنَهُ يُقَادُ مِنْهُ أَمْ لَا	۲۶۹
بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ	۲۷۰
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقْتُلُ نَفْسًا مُعَاهِدَةً	۲۷۲
باب بلاترجمہ	۲۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي حُكْمِ وَلِيِّ الْقَتِيلِ فِي الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ	۲۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ	۲۷۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الْجَنِينِ	۲۷۶
بَابُ مَا جَاءَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ	۲۷۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ عَبْدَهُ	۲۷۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ هَلْ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا؟	۲۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِصَاصِ	۲۸۱
اپنے دفاع کا حق کس حد تک حاصل ہوگا؟	۲۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَبْسِ فِي التُّهْمَةِ	۲۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ	۲۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَسَامَةِ	۲۸۳

أَبْوَابُ الْحُدُودِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حدود کی اقسام	۲۸۷
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ	۲۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي دَرْءِ الْحُدُودِ	۲۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ	۲۹۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّلْقِينِ فِي الْحَدِّ	۲۹۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي دَرْءِ الْحَدِّ عَنِ الْمُعْتَرِفِ إِذَا رَجَعَ	۲۹۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُشْفَعَ فِي الْحُدُودِ	۲۹۳

بَاب مَا جَاءَ فِي تَحْقِيقِ الرَّجْمِ	۲۹۴
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ عَلَى الثَّيِّبِ	۲۹٦
باب منه	۲۹۸
بَاب مَا جَاءَ فِي رَجْمِ أَهْلِ الكِتَابِ	۲۹۹
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّفْيِ	۳۰۰
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الحُدُودَ كَفَّارَةٌ لِأَهْلِهَا	۳۰۱
تیسری بات،حدیث کے الفاظ کی وضاحت:	۳۰۲
واقعہ	۳۰۴
امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اور اس کے جوابات:	۳۰۵
واقعہ	۳۰٦
بَاب مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الحَدِّ عَلَى الإِمَاءِ	۳۰۷
بَاب مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّكْرَانِ	۳۰۸
بَاب مَا جَاءَ مَنْ شَرِبَ الخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ، وَمَنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ	۳۱۰
بَاب مَا جَاءَ فِي كَمْ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ	۳۱۱
مسئلہ اولیٰ:	۳۱۱
بَاب مَا جَاءَ فِي تَعْلِيقِ يَدِ السَّارِقِ	۳۱۴
بَاب مَا جَاءَ فِي الخَائِنِ، وَالمُخْتَلِسِ، وَالمُنْتَهِبِ	۳۱۵
بَاب مَا جَاءَ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ	۳۱۵
بَاب مَا جَاءَ أَنْ لَا تُقْطَعُ الأَيْدِي فِي الغَزْوِ	۳۱٦
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ	۳۱۷
بَاب مَا جَاءَ فِي المَرْأَةِ إِذَا اسْتُكْرِهَتْ عَلَى الزِّنَا	۳۱۷
ایک اشکال اور اس کا جواب:	۳۱۹
جس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے،اس پر سزا نہیں	۳۱۹

حضرت علقمہ کا سماع اپنے والد وائل سے ثابت ہے	۳۱۹
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقَعُ عَلَى الْبَهِيمَةِ	۳۲۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ اللُّوطِيِّ	۳۲۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُرْتَدِّ	۳۲۲
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ شَهَرَ السِّلَاحَ	۳۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّاحِرِ	۳۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَالِّ مَا يُصْنَعُ بِهِ	۳۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقُولُ لِآخَرَ يَا مُخَنَّثُ	۳۲۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعْزِيرِ	۳۲۶
أَبْوَابُ الصَّيْدِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُؤْكَلُ مِنْ صَيْدِ الْكَلْبِ وَمَا لَا يُؤْكَلُ	۳۲۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوسِ	۳۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبُزَاةِ	۳۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَغِيبُ عَنْهُ	۳۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَجِدُهُ مَيِّتًا فِي الْمَاءِ	۳۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَلْبِ يَأْكُلُ مِنَ الصَّيْدِ	۳۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْمِعْرَاضِ	۳۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبِيحَةِ بِالْمَرْوَةِ	۳۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْمَصْبُورَةِ	۳۳۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَكَاةِ الْجَنِينِ	۳۳۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كُلِّ ذِي نَابٍ وَذِي مِخْلَبٍ	۳۴۰
بَابُ مَا جَاءَ مَا قُطِعَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ	۳۴۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّكَاةِ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ	۳۴۱

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الوَزَغِ	۳۴۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الحَيَّاتِ	۳۴۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الكِلَابِ	۳۴۳
بَابُ مَا جَاءَ مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا مَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ	۳۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّكَاةِ بِالقَصَبِ وَغَيْرِهِ	۳۴۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي البَعِيرِ وَالبَقَرِ وَالغَنَمِ إِذَا نَدَّ فَصَارَ وَحْشِيًّا يُرْمَى بِسَهْمٍ أَمْ لَا؟	۳۴۶
أَبْوَابُ الأَضَاحِيِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الأُضْحِيَةِ	۳۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الأُضْحِيَةِ بِكَبْشَيْنِ	۳۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الأُضْحِيَةِ عَنِ المَيِّتِ	۳۴۹
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الأَضَاحِيِّ	۳۴۹
بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الأَضَاحِيِّ	۳۴۹
بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الأَضَاحِيِّ	۳۵۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ فِي الأَضَاحِيِّ	۳۵۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الاِشْتِرَاكِ فِي الأُضْحِيَةِ	۳۵۱
بَابٌ فِي الضَّحِيَّةِ بِعَضْبَاءِ القَرْنِ وَالأُذُنِ	۳۵۲
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّاةَ الوَاحِدَةَ تُجْزِي عَنْ أَهْلِ البَيْتِ	۳۵۳
مسئلہ اختلافی: کیا ایک بکری پورے گھر کی طرف سے کافی ہوگی؟	۳۵۴
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک:	۳۵۴
باب بلا ترجمہ۔۔۔۔	۳۵۴
بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الأُضْحِيَةَ سُنَّةٌ	۳۵۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبْحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ	۳۵۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الأُضْحِيَةِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ	۳۵۷

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِهَا بَعْدَ ثَلَاثٍ	۳۵۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَرَعِ وَالْعَتِيرَةِ	۳۶۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَقِيقَةِ	۳۶۱
بَابُ الْأَذَانِ فِي أُذُنِ الْمَوْلُودِ	۳۶۳
باب بلاترجمہ	۳۶۴
باب بلاترجمہ	۳۶۴
بَابُ الْعَقِيقَةِ بِشَاةٍ	۳۶۴
باب بلاترجمہ	۳۶۵
بَابٌ مِنَ الْعَقِيقَةِ۔۔۔۔باب بلاترجمہ	۳۶۵
بَابُ تَرْكِ أَخْذِ الشَّعْرِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ۔۔۔۔باب بلاترجمہ	۳۶۶
حدیث باب سے آئمہ ثلاثہ کا استدلال اور اس کا جواب:	۳۶۶
حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال اور اس کا جواب:	۳۶۷
أَبْوَابُ النُّذُورِ وَالْأَيْمَانِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ	۳۶۷
بَابُ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ	۳۷۰
بَابُ مَا جَاءَ لَا نَذْرَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ	۳۷۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ	۳۷۱
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا	۳۷۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ	۳۷۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِينِ	۳۷۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلِفِ بِغَيْرِ اللّٰهِ	۳۷۴
باب بلاترجمہ	۳۷۵
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَحْلِفُ بِالْمَشْيِ وَلَا يَسْتَطِيعُ	۳۷۵

مشی الی الکعبة کی نذر کا حکم	۳۷۶
حدیث عقبہ کا جواب	۳۷۶
بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ النَّذْرِ	۳۷۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي وَفَاءِ النَّذْرِ	۳۷۸
بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ كَانَ يَمِينُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۳۷۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً	۳۷۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَلْطِمُ خَادِمَهُ	۳۸۰
باب بلا ترجمہ	۳۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلِفِ بِغَيْرِ مِلَّةِ الإِسْلَامِ	۳۸۰
باب بلا ترجمہ	۳۸۱
ننگے پاؤں بیت اللہ جانے کی نذر کا حکم؟	۳۸۲
باب بلا ترجمہ	۳۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ النَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ	۳۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ أَعْتَقَ	۳۸۳
أَبْوَابُ السِّيَرِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ	۳۸۵
باب بلا ترجمہ	۳۸۷
بَابٌ فِي الْبَيَاتِ وَالْغَارَاتِ	۳۸۷
بَابٌ فِي التَّحْرِيقِ وَالتَّخْرِيبِ	۳۸۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَنِيمَةِ	۳۸۸
بَابٌ فِي سَهْمِ الْخَيْلِ	۳۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّرَايَا	۳۹۱
بَابُ مَنْ يُعْطَى الْفَيْءَ	۳۹۱

بَاب هَلْ يُسْهَمُ لِلْعَبْدِ	۳۹۲
بَاب مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الذِّمَّةِ يَغْزُونَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ هَلْ يُسْهَمُ لَهُمْ؟	۳۹۳
بَاب مَا جَاءَ فِي الِانْتِفَاعِ بِآنِيَةِ الْمُشْرِكِينَ	۳۹۴
بَاب فِي النَّفَلِ	۳۹۵
بَاب مَا جَاءَ فِي مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ	۳۹۵
بَاب فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقْسَمَ	۳۹۶
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ وَطْءِ الْحَبَالَى مِنَ السَّبَايَا	۳۹۶
بَاب مَا جَاءَ فِي طَعَامِ الْمُشْرِكِينَ	۳۹۷
بَاب ماجاء فِي كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبْيِ	۳۹۷
بَاب مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْأُسَارَى وَالْفِدَاءِ	۳۹۷
ایک اشکال اور اس کا جواب:	۳۹۸
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ	۳۹۹
باب بلا ترجمہ	۴۰۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الْغُلُولِ	۴۰۰
غلول کی وجہ تسمیہ	۴۰۱
غلول گناہ کبیرہ کیوں ہے؟	۴۰۱
بَاب مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ	۴۰۱
بَاب مَا جَاءَ فِي قَبُولِ هَدَايَا الْمُشْرِكِينَ	۴۰۲
بَاب فِي كَرَاهِيَةِ هَدَايَا الْمُشْرِكِينَ	۴۰۲
بَاب مَا جَاءَ فِي سَجْدَةِ الشُّكْرِ	۴۰۲
بَاب مَا جَاءَ فِي أَمَانِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ	۴۰۳
بَاب مَا جَاءَ فِي الْغَدْرِ	۴۰۳
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ	۴۰۴

بَابُ مَا جَاءَ فِي النُّزُولِ عَلَى الحُكْمِ	۴۰۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الحِلْفِ	۴۰۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الجِزْيَةِ مِنَ المَجُوسِ	۴۰۶
بَابُ ماجاء مَا يَحِلُّ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الذِّمَّةِ	۴۰۷
جبری بیع کا حکم	۴۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الهِجْرَةِ	۴۰۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۴۰۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي نَكْثِ البَيْعَةِ	۴۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ العَبْدِ	۴۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النِّسَاءِ	۴۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ أَصْحَابِ أَهْلِ بَدْرٍ	۴۱۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الخُمُسِ	۴۱۲
باب ماجاء فی کراهية النهبة	۴۱۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى أَهْلِ الكِتَابِ	۴۱۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ المُقَامِ بَيْنَ أَظْهُرِ المُشْرِكِينَ	۴۱۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِخْرَاجِ اليَهُودِ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ العَرَبِ	۴۱۴
سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ کا واقعہ:	۴۱۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرِكَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۴۱۶
بَابُ مَا جَاءَ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: إِنَّ هٰذِهِ لَا تُغْزَى بَعْدَ اليَوْمِ	۴۱۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّاعَةِ الَّتِي يُسْتَحَبُّ فِيهَا القِتَالُ	۴۱۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الطِّيَرَةِ	۴۱۹
بدفالی اور بدشگونی لینا:	۴۲۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصِيَّتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي القِتَالِ	۴۲۰

أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْجِهَادِ	۴۲۲
پہلی قسم:	۴۲۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا	۴۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۲۵
روایات میں تعارض:	۴۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخِدْمَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۲۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا	۴۲۷
تجہیز سے کیا مراد ہے؟	۴۲۷
ایک اشکال اور اس کا جواب:	۴۲۷
بَابُ مَا جَاءَ مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۲۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُبَارِ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۲۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۲۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ ارْتَبَطَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۲۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الرَّمْيِ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۳۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْحَرَسِ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الشُّهَدَاءِ	۴۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللهِ	۴۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزْوِ الْبَحْرِ	۴۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُقَاتِلُ رِيَاءً وَلِلدُّنْيَا	۴۳۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُدُوِّ وَالرَّوَاحِ فِي سَبِيلِ اللهِ	۴۳۷
بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ	۴۴۰

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ	۴۴۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُجَاهِدِ وَالنَّاكِحِ وَالْمُكَاتَبِ وَعَوْنِ اللّٰهِ إِيَّاهُمْ	۴۴۱
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ	۴۴۲
بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ	۴۴۲
باب بلا ترجمہ۔۔۔	۴۴۳
بَابُ مَا ذُكِرَ أَنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ	۴۴۳
بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ	۴۴۴
بَابٌ فِي ثَوَابِ الشَّهِيدِ	۴۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْمُرَابِطِ	۴۴۵

أَبْوَابُ الْجِهَادِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِأَهْلِ الْعُذْرِ فِي الْقُعُودِ	۴۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ خَرَجَ فِي الْغَزْوِ وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ	۴۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُبْعَثُ وَحْدَهُ سَرِيَّةً	۴۴۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُسَافِرَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ	۴۴۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْكَذِبِ وَالْخَدِيعَةِ فِي الْحَرْبِ	۴۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزَوَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَمْ غَزَا؟	۴۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّفِّ وَالتَّعْبِئَةِ عِنْدَ الْقِتَالِ	۴۵۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ عِنْدَ الْقِتَالِ	۴۵۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَلْوِيَةِ	۴۵۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّايَاتِ	۴۵۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الشِّعَارِ	۴۵۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيْفِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۴۵۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفِطْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ	۴۵۲

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُرُوجِ عِنْدَ الْفَزَعِ	۴۵۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّبَاتِ عِنْدَ الْقِتَالِ	۴۵۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّيُوفِ وَحِلْيَتِهَا	۴۵۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّرْعِ	۴۵۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِغْفَرِ	۴۵۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخَيْلِ	۴۶۸
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْخَيْلِ	۴۵۷
گھوڑوں کی پسندیدہ اقسام:	۴۵۷
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخَيْلِ	۴۵۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّهَانِ وَالسَّبَقِ	۴۵۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُنْزَى الْحُمُرُ عَلَى الْخَيْلِ	۴۶۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاسْتِفْتَاحِ بِصَعَالِيكِ الْمُسْلِمِينَ	۴۶۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَجْرَاسِ عَلَى الْخَيْلِ	۴۶۱
بَابُ مَا جَاءَ مَنْ يُسْتَعْمَلُ عَلَى الْحَرْبِ	۴۶۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِمَامِ	۴۶۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي طَاعَةِ الْإِمَامِ	۴۶۲
امیر اور حاکم کی اطاعت واجب ہے	۴۶۳
بَابُ مَا جَاءَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ	۴۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ وَالضَّرْبِ وَالْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ	۴۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ، وَمَتَى يُفْرَضُ لَهُ	۴۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُسْتَشْهَدُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ	۴۶۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ الشُّهَدَاءِ	۴۷۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشُورَةِ	۴۶۵

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُفَادَى جِيفَةُ الْأَسِيرِ	۴۶۵
مشرکین کی لاشوں کے بدلے رقم لی جائے گی یا نہیں؟	۴۶۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفِرَارِ مِنَ الزَّحْفِ	۴۶۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ الْقَتِيلِ فِي مَقْتَلِهِ	۴۶۷
باب (بلا ترجمہ)	۴۶۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلَقِّي الْغَائِبِ إِذَا قَدِمَ	۴۶۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَيْءِ	۴۶۷
أَبْوَابُ اللِّبَاسِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ	۴۶۹
عذر کی وجہ سے مردوں کیلئے ریشم پہننا	۴۷۰
عذر کی وجہ سے کیسا ریشم پہننا جائز ہے؟	۴۷۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ فِي الْحَرْبِ	۴۷۱
باب بلا عنوان	۴۷۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ لِلرِّجَالِ	۴۷۲
سرخ کپڑے کی اقسام:	۴۷۳
سرخ کپڑے کا مکروہ ہونا اور اس کی دلیل:	۴۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُعَصْفَرِ لِلرِّجَالِ	۴۷۳
معصفر کا حکم	۴۷۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْفِرَاءِ	۴۷۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ	۴۷۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ جَرِّ الْإِزَارِ	۴۷۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي جَرِّ ذُيُولِ النِّسَاءِ	۴۷۶
پہلے قول والوں کی دلیل:	۴۷۸

پہلے قول والوں کی دوسری دلیل	۴۷۸
دوسرے قول والوں کی دلیل	۴۷۹
دوسرے قول والوں کی دوسری دلیل	۴۸۰
اسبال ازار کی حرمت معلول بالعلۃ ہے	۴۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الصُّوفِ	۴۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي العِمَامَةِ السَّوْدَاءِ	۴۸۱
بَابُ فِي سَدْلِ العِمَامَةِ بَيْنَ الكَتِفَيْنِ	۴۸۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خَاتَمِ الذَّهَبِ	۴۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ الفِضَّةِ	۴۸۳
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ فِي فَصِّ الخَاتَمِ	۴۸۵
دوسری بات، انگوٹھیوں کی تعداد:	۵۸۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الخَاتَمِ فِي اليَمِينِ	۵۸۶
پہلی بات: کون سے ہاتھ میں انگوٹھی پہننی چاہیے؟	۵۸۷
دوسری بات: انگوٹھی کون سی انگلی میں پہننی چاہیے؟	۵۸۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي نَقْشِ الخَاتَمِ	۵۸۸
پہلی بات: انگوٹھی کا نقش	۵۸۸
دوسری بات: انگوٹھی میں محمد رسول اللہ لکھنے کا انداز	۴۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصُّورَةِ	۴۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي المُصَوِّرِينَ	۴۹۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الخِضَابِ	۴۹۱
خضاب لگانے کا کیا حکم ہے؟	۴۹۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الجُمَّةِ وَاتِّخَاذِ الشَّعَرِ	۴۹۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّرَجُّلِ، إِلَّا غِبًّا	۴۹۴

بالوں میں کنگھی کرنے میں اعتدال	۴۹۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاكْتِحَالِ	۴۹۴
مرد کا زینت کے لیے سرمہ لگانا	۴۹۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَالِاحْتِبَاءِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ	۴۹۷
اشتمال الصماء کی پہلی تفسیر	۴۹۷
اشتمال الصماء کی دوسری تفسیر	۴۹۷
احتباء فی ثوب واحد کا معنی	۴۹۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ	۴۹۸
بالوں میں پیوندکاری کرنے والیاں	۴۹۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ	۴۹۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۵۰۰
وسادہ کا معنی	۵۰۰
بستر بنانا اور اس کا استعمال	۵۰۰
بستر میں تکلف کی بجائے سادگی اختیار کرنا	۵۰۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَمِيصِ	۵۰۱
بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا	۵۰۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّيْنِ	۵۰۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي شَدِّ الْأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ	۵۰۴
سونے، چاندی کے مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری	۵۰۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ	۵۰۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۵۰۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ	۵۰۶

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ	۵۰۶
بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ	۵۰۶
بَابُ مَا جَاءَ بِأَيِّ رِجْلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ	۵۰۷
اکرام یمین یعنی دائیں جانب کو ترجیح دینا:	۵۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْقِيعِ الثَّوْبِ	۵۰۷
اغنیاء کی مجالست سے بچو:	۵۰۸
باب (بلاترجمہ)۔۔۔۔بَابُ دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ	۵۰۸
باب (بلاترجمہ)۔۔۔۔بَابُ كَيْفَ كَانَ كِمَامُ الصَّحَابَةِ؟	۵۰۹
باب (بلاترجمہ)۔۔۔۔بَابُ فِي مَبْلَغِ الْإِزَارِ	۵۰۹
باب (بلاترجمہ)۔۔۔۔بَابُ الْعَمَائِمِ عَلَى الْقَلَانِسِ	۵۰۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَاتَمِ الْحَدِيدِ	۵۱۰
باب (بلاترجمہ)۔۔۔بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّخَتُّمِ فِي أُصْبُعَيْنِ	۵۱۱
باب (بلاترجمہ)	۵۱۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَحَبِّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۵۱۱

درود شریف ابراہیمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

حدیث مبارک کی مجالس کے چند آداب

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب الشفاء میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ ان کی تعظیم وتکریم کرنا' حرمین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہد ومساکن کی تعظیم کرنا اور وہ چیزیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکاری جاتی ہوں یا جن کو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے چھوا ہو اُن سب کا ادب واکرام کرنا درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اکرام میں داخل ہے۔ سلف صالحین کا دستور تھا کہ جن محفلوں میں حدیث نبوی سنی یا سنائی جاتی ہو' محفلوں میں باادب اور باوقار بیٹھتے' جس طرح صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باادب ہو کر بیٹھتے تھے۔ یہ سب اس لیے تھا کہ وہ حدیث رسول کے ادب کو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب تصور کرتے تھے۔

(۱) افضل درجہ تو یہ ہے کہ غسل کر لیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم باوضو ہو کر شاملِ مجلس ہونا۔

(۲) جسم اور کپڑوں پر خوشبو لگانا۔ (۳) دوزانو ہو کر بیٹھنا۔

(۴) پڑھنے والے کے لیے حدیث مبارک اونچی جگہ پر بیٹھ کر پڑھنا۔

(۵) جب حدیث مبارک پڑھی جائے تو آواز کو پست رکھنا۔

(۶) سننے والوں کے لیے حدیث مبارک خاموشی سے سننا۔

(۷) حدیث مبارک پڑھنے یا پڑھانے کے دوران اگر کوئی مہمان بھی آجائے تو اس کی تعظیم کے لیے نہ اٹھنا۔

(۸) اگر کوئی حدیث مبارک پہلے پڑھی یا سنی ہو تو اسے بھی اس طرح پوری توجہ سے سننا جیسے پہلی دفعہ سن رہا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ النِّكَاحِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے متعلق منقول احادیث کے ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّزْوِيجِ، وَالحَثِّ عَلَيْهِ

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ.

ترجمہ حضرت ابی ایوب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں سب پیغمبروں کی سنت ہیں: شرم اور عطر لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَابٌ لَا نَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ، فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ عَلَيْكُمْ بِالبَاءَةِ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور جوان جوان تھے قدرت اور مقدور نکاح کا نہ رکھتے تھے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ جوانوں کے تم ضرور نکاح کرو اس لیے کہ وہ آنکھوں کو نیچا رکھتا ہے یعنی جھانک تاک سے بچاتا ہے اور بہت حفاظت کرتا ہے فرج کی یعنی زنا سے بچاتا ہے سو جو شخص تم میں سے طاقت نہ رکھتا ہو نکاح کی تو وہ روزے رکھنا اختیار کرے کہ روزہ اس کے حق میں گویا خصی کرنا ہے۔

تشریح پہلی بات، ربط: ابواب الجنائز کے بعد ابواب النکاح لائے، اس بات کو بتلانے کے لیے کہ آدمی کو مرتے وقت انسان کو اس طرح رُخصت ہونا چاہیے کہ مغفرت کے اسباب چھوڑے اور ان اسباب میں سے ایک سبب ولد صالح بھی ہے اور

اولاد پیدا ہوگی، نکاح سے بہت مناسب ہوا کہ ابواب الجنائز کے بعد ابواب النکاح لائے یا پھر اس لیے لائے کہ پہلے عبادات چلتی رہی، ان سے فارغ ہونے کے بعد اب نمبر ہے معاملات کا اور معاملات دو قسم پر ہیں۔

(۱) جو من وجہ عبادت ہیں اور من وجہ معاملات، (۲) معاملات محضہ، نکاح پہلی قسم سے ہے یعنی من وجہ عبادت بھی اور من وجہ معاملات بھی اور بیوع وغیرہ دوسری قسم سے ہیں، اہمیت کی وجہ سے نکاح کو مقدم کیا۔

دوسری بات: نکاح کے دو معنی ہیں لغت میں وطی کے ہیں یا بمعنی العقد لیکن اختلاف ہے کہ کون سا معنی حقیقی ہے۔ "فقیل هو حقيقت في الوطي و مجاز في العقد وقيل بالعكس وهذا الشافعي نسبه" بعض اہل العلم الی الشافعی یہ دو قول ہوئے۔

(۳) "وقيل مشترک لفظي" کہ دونوں معنی حقیقی ہیں۔ (۴) "وقيل هو مشترک معنوي وفي معنه موضوع له لغتاً الضم" اور ضم صادق ہے العقد پر بھی اور وطی پر بھی۔ (فتح الملہم، ج:۳، ص:۴۲۶)

تیسری بات: نکاح کی حیثیت کیا ہے؟

تو حالات جو ہیں وہ مختلف ہوتے ہیں اس کا حکم بھی حالات کے ساتھ مختلف ہوگا جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور نکاح کے علاوہ بچنے کی کوئی صورت نہ ہو تو نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ حقوق زوجیت پر طاقت ہو اور اگر غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہو تو نکاح واجب ہے بشرطیکہ حقوق زوجیت پر قدرت ہو اور اگر اعتدال ہو تو پھر سنت مؤکدہ ہے اور اگر حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام ہے اور اگر حقوق ادا نہ کرنے کا ظن غالب ہو تو پھر مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا نصوص میں کوئی تدافع نہیں ہے اور اگر قضاء شہوت مقصود ہو پھر اباحت ہے۔

چوتھی بات: مسئلہ اشتغال بالنکاح افضل ہے یا اشتغال بالنوافل

قول اوّل: احناف کے ہاں اشتغال بالنکاح افضل ہے۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اشتغال بالنوافل افضل ہے۔

دلیل احناف: نکاح خود بھی عبادت ہے اور حدیث میں ہے دو عبادتیں ایسی ہیں جو آدم سے چلیں۔ (۱) نکاح (۲) ذکر اللہ۔ اور پھر نکاح جو ہے صرف عبادت نہیں بلکہ بہت سی عبادات کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہے۔ مثلاً عفت زوجین اور اولاد صالح کے حصول کا ذریعہ اور اُمت محمدیہ کے کثرت کے حصول کا ذریعہ ہے، تربیت اولاد کا ذریعہ ہے، خانہ داری کے انتظام کا ذریعہ اور ذاکرین کے حصول کا ذریعہ ہے، یوں سمجھیں کہ نکاح نور علی نور ہے۔

دلیل اوّل: امام شافعی رحمہ اللہ

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفت اپنے قرآن میں "سیدًا و حصورًا" اور حصور اسی کو کہتے ہیں جو قدرت کے باوجود نکاح

نہ کرے اور بطور مدح کے ذکر کیا اور یہ مدح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس وجہ سے کی گئی کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ اشتغال بالنکاح اشتغال بالنوافل سے افضل نہیں ہے۔

دلیل ثانی: نکاح کی حقیقت خواہشات کی تکمیل ہے اور نوافل میں مشغول ہونا خواہشات کو کچلنا ہے۔ جواب: ممکن ہے پہلی شریعتوں میں نکاح نہ کرنا افضل ہو، ہمارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسوۂ حسنہ ہیں۔

دلیل ثانی کا جواب: بیشک خواہشات نفسانیہ کی تکمیل ہے لیکن اصل مقصود عفت ہے اولاد صالح کا حصول بھی۔

دلیل ثالث: "انما اموالکم واولادکم فتنة"

جواب: بیشک فتنہ ہے لیکن جب تربیت نہ ہو ورنہ اصل کے لحاظ سے قرۃ اعین ہے۔

پانچویں بات: نکاح کے کچھ فوائد بھی ہیں اور آفات بھی ہیں۔ اس کے فوائد متعدد ہیں۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے فوائد النکاح خمس علامہ زبیدی شارح احیاء مزید تین فوائد بتلاتے ہیں اور کتاب مقامات رفعیہ اسماعیل دمشقی نے اس کے پندرہ فوائد ذکر کیے ہیں۔ البتہ بڑے فوائد پانچ ہیں۔

فائدہ اولیٰ: تحصیل الولد اور یہ سب سے بڑا فائدہ ہے اور حدیث میں تکثیر وتحصیل اولاد کی ترغیب دی گئی ہے "تزوّج الولود الودود"

علماء لکھتے ہیں عورت کے رشتہ داروں سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے۔ تحصیل ولد اور توصل الی الولد یہ قربت ہے بوجوہ اربعہ۔

وجہ اوّل: موافقت "محبت الله لا بقاء نوع الانسان ... توالد والتناسل المضى اليه النكاح لا ينقطع نوع الانسان" اور اللہ جل جلالہ کو "نوع بقاء انسان على وجه الارض" محبوب ہے کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ علی الارض ہے اور اللہ تا قیامت نوع انسان کی موجودگی چاہتے ہیں اور دُنیا دار الاسباب ہے اور اولاد کے لیے سبب عظیم نکاح ہے علامہ دوانی نے کتاب انموذج میں لکھا ہے کہ اگر ایک سو سال تک توالد وتناسل کا سلسلہ ختم ہوجائے تو زمین پر شاید ایک انسان بھی باقی نہ ہوگا۔ الا ماشاء اللہ "قالوا النكاح سبب التوالد والتوالد سبب بقاء الانسان والانسان سبب امارة الارض فلو انقطع التوالد الى مائة سنة حالت الارض عنه ولا انتحت امور صارت اسبابا للامارة الارض وزينتها ولان خرجت الديار ولصارت العروش خاوية"

وجہ ثانی: اظہار محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فی تكثير أمته وفي مباحاته يوم القيامة"

وجہ ثالث: "التبرك بدعاء الولد الصالح ان صار كبيرًا اذا حفظ طفل القرآن"

علماء نے لکھا ہے کہ والدین سے کون مراد ہے؟ بعض نے کہا حقیقی والدین اور بعض نے کہا والدین، دادا، پڑدادا وغیرہ مراد ہیں۔

وجہ رابع: حصول شفاعت ہے "لموت ولد الصغير" کیوں کہ چھوٹا بچہ مرگیا وہ والدین کی سفارش کرے گا، اسی لیے اس کو فرط کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے والدین کا استقبال کریں گے اور وہ اکیلے جنت میں نہیں جائیں گے۔

وجہ خامس: "مجاهدة النفس بقيام حقوقهم"

فائدہ ثانیہ: کسر الشہوت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:...... اور شہوت انسان کو بہت سے گناہوں کی طرف دھکیلتی ہے۔

فائدہ ثالث: تدبیر منزل ہے یعنی عورت گھر کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

فائدہ رابع: "کثرۃ العشرہ" رشتہ دار اور قبیلے کی تعداد بڑھتی ہے اور یہ انسان کے لیے معاون ہوتے ہیں تکثیر سے مال، عزت وہیبت بڑھتی ہے۔

آفات نکاح بھی متعدد ہیں: (۱): العجز عن طلب الحلال (۲) القصور عن قیام بحقوقھن (۳) ان یکون الولد والاھله شاغلاً له عن عبادۃ اللہ و عن الطمانیه۔

"اربع من سنن المرسلین" حدیث چار کا ذکر حصر نہیں۔

سند پر کلام: اس حدیث کی سند میں مکحول اور ابی ایوب کے درمیان ابو الشمال کا واسطہ ہے یا نہیں؟ حفص بن غیاث اور عباد بن ابان نے ابو الشمال کا واسطہ ذکر کیا ہے لیکن ہشیم، محمد بن یزید اور ابو معاویہ وغیرہ ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حفص بن غیاث اور عباد بن ابان وغیرہ کے حق میں فیصلہ دیا ہے اگرچہ واسطہ ذکر کرنے والے تھوڑے ہیں۔ "حدثنا محمود بن غیلان... خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم" اگر ہجرت مراد ہو تو پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی معیت ثابت نہیں اور اگر مطلق خروج مراد ہو تو پھر اشکال نہیں۔ "الباءۃ" اس کے دو معنی ہیں (۱) عقد نکاح (۲) جماع۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّبَتُّلِ ترکِ نکاح کی ممانعت

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ قبول نہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے جدا اور بے تعلق رہنے کو جو عثمان بن مظعون چاہتے تھے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیتے عورتوں سے ہمیشہ جدا رہنے کو تو ہم خصی ہو جاتے۔

عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّبَتُّلِ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکِ نکاح کی ممانعت فرمائی۔

تشریح: تبتل سے مراد یہاں انقطاع عن النساء ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے تبتل منہی عنہ ہے اور قرآن میں ہے "وتبتّل الیه تبتیلا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبتل مامور بہ ہے۔

جواب: جو تبتل منہی عنہ ہے وہ اور معنی میں ہے اور جو تبتل مامور بہ ہے وہ اور معنی میں ہے۔ "منھی عنه بمعنی انقطاع

عن النساء" ہے اور جو مامور بہ ہے وہ بمعنی اعراض عن الدنیا ہے "والدّعیہ الی الاخرۃ"

سوال: حدیث کی عبارت میں ظاہر کا مقتضی یہ تھا کہ "ولو اذن لہ لتبتلنا" ہوتا حالانکہ سعد کہہ رہے ہیں "لاختصینا"

جواب (۱): اصل میں حضرت عثمان بن مظعون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اختصاء ہی کی اجازت لے رہے تھے، راوی نے مجازاً توسعاً تبتل سے تعبیر کر دیا کیوں کہ اختصاء کا نتیجہ تھا اب معنی یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختصاء کی اجازت نہیں دی، اگر اختصاء کی اجازت دیتے تو "لاختصینا" کیونکہ اصل مقصد اختصاء تھا اور اس پر قرینہ وہ روایات ہیں جن میں تصریح ہے کہ حضرت عثمان مظعون اختصاء کی اجازت مانگ رہے تھے۔

جواب (۲): اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دے دیتے تو ہم مبالغہ فی التبتل اختیار کرتے اور مبالغہ فی التبتل میں ہمارا حال ہوتا، جیسا مخصیین کا حال ہوتا ہے گویا کہ مبالغہ فی التبتل کو بتلانا ہے نہ کہ حقیقت میں وہ اختصاء کرتے کیوں کہ اختصاء تو بنی آدم میں حرام ہے۔

جواب (۳): ممکن ہے یہ اس زمانے کا قصہ ہو جب ابھی تک اختصاء کی ممانعت بنی آدم کے لیے نہیں تھی اور اسی انقطاع والے معنی کے اعتبار سے حضرت فاطمہ کو بتول کہا جاتا ہے کہ وہ دُنیا سے منقطع تھی فضل وکمال کے اعتبار سے۔

"عن سمرۃ" اس حدیث میں اس آیت "ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ" کے پڑھنے سے مقصود یہ ہے کہ تبتل سنت انبیاء کے خلاف ہے۔ باقی معاذ اس حدیث کو مسندات سمرہ رضی اللہ عنہ میں سے اور حسن اس کو مسندات عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں سے قرار دے رہے ہیں اور یہ دونوں صحیح ہیں۔

باب ما فی من ترضون دینہ فزوّجوہ

دینی اعتبار سے بہترین آدمی کے ساتھ نکاح کرو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پیغام بھیجے تمہارے پاس ایسا شخص کہ جس کی دینداری تم پسند کرتے ہو اور خلق بھی اس کے تو نکاح کر دو اس کو اگر ایسا نہ کرو گے تو بڑا فتنہ زمین میں ہوگا اور بہت بڑا فساد پڑے گا یعنی دینداری کم ہو جائے گی اور بے دینی پھیلے گی۔

عَنْ أَبِي حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ قَالَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ ثَلاثَ مَرَّاتٍ.

ترجمہ حضرت ابوحاتم مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئے تمہارے پاس ایسا شخص کہ تم پسند کرو اس کے دین کو اور خلق اور عادت کو تو نکاح کردو اس سے اگر ایسا نہ کرو گے تو بڑا فتنہ ہوگا زمین میں اور بہت فساد۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ! اگر اس میں کچھ ہو یعنی مفلسی یا تنگدستی کہ بیوی کو اپنی روٹی نہ دے سکے تو فرمایا آپ نے جب آئے تمہارے پاس ایسا شخص کہ پسند کرو تم اس کا دین اور عادات تو نکاح کردو اس سے تین بار یہی فرمایا۔

تشریح جب پیغام نکاح دینے والے کئی ہوں تو دینداری کو ترجیح دینی چاہیے دُنیاداری پر، اس لیے کہ اگر دُنیاداری کو ترجیح دی تو زمین پر فتنہ فساد ہوگا کیونکہ دیندار بااخلاق کے مقابلے میں جب فاسق بداخلاق کو ترجیح دیں گے تو وہ فساق وفجور والا معاملہ کرے گا جس کی وجہ سے گھر کا سارا نظام تباہ وبرباد ہوجائے گا اور دونوں خاندانوں میں لڑائیاں ہوں گی یا پھر مطلب یہ ہے کہ اگر دیندار بااخلاق کو نکاح نہ کرکے دیا تو بہت ساری عورتیں بلانکاح اور بہت سارے مرد بلانکاح رہ جائیں گے جس کی وجہ سے زنا وفحش عام ہوگا اور دُنیا میں معصیت کا پھیلنا یہ دُنیا کا فساد ہے۔

باب ماجاء فی من ینکح علی ثلث خصال

لوگ تین چیزیں دیکھ کر نکاح کرتے ہیں

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْكَحُ عَلَى دِيْنِهَا وَمَالِهَا وَجَمَالِهَا فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ.

ترجمہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے نکاح کرتے ہیں دین اور مال اور جمال کیلئے سو دین کے لیے نکاح کر یعنی ایسی عورت کہ دیندار ہو خواہ مال و جمال ہو یا نہ ہو پھر فرمایا خاک آلودہ ہوں تیرے ہاتھ۔

تشریح عادت الناس کا بیان ہے کہ عام طور پر تین وجوں سے یعنی مال، جمال (حسب) و دین کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، ان میں سے سب سے زیادہ قابل رعایت دین داری ہے اور ابوداؤد میں چار چیزوں کا ذکر ہے اس میں نسب وحسب کا بھی ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ منسوبہ (منگیتر) کو دیکھنا

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا.

ترجمہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پیغام دیا ایک عورت کو نکاح کا سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ لے اس کو کہ دیکھنے میں اُمید ہے بہت اُلفت ہو تم دونوں میں۔

تشریح مسئلہ "نظر الی المخطوبه" جائز ہے یا نہیں؟ تو جائز ہے بشرطیکہ ظن غالب یہ ہو کہ میرا پیغام نکاح قبول ہو جائے گا اور نظر بلاشہوت بلاتردد جائز ہے اور اگر شہوت کا خطرہ ہو تو پھر بھی جائز ہے کیوں کہ اگر بلا دیکھے نکاح ہوا تو بعد طبیعتیں نہ ملیں پھر فساد برپا ہوگا، اس لیے شریعت نے برداشت کرایا کہ اگر شہوت کا خطرہ ہو تو تب بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ایسے عضو کی طرف نہ دیکھا جس کو دیکھنا حرام ہو اور جائز ہی نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْلَانِ النِّكَاحِ نکاح کا اعلان کرنا

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمَحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ.

ترجمہ محمد بن حاطب جمحی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام میں فرق فقط دف بجانے اور آوازوں کا ہے یعنی حرام چوری سے ہوتا ہے اور حلال شہرت سے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشہور کرو اس نکاح کو اور عقد نکاح باندھو مسجدوں میں اور دف بجاؤ یعنی بعد نکاح ہو جانے کے۔

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَيَّ غَدَاةَ بُنِيَ بِي فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي وَجُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِدُفُوفِهِنَّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِلَى أَنْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْكُتِي عَنْ هَذِهِ وَقُولِي الَّتِي كُنْتِ تَقُولِينَ قَبْلَهَا.

ترجمہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت ہے کہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں صبح کو اس شب کی کہ زفاف کیا گیا میرے ساتھ اور بیٹھ گئے میرے بچھونے پر جہاں تو بیٹھتا ہے میرے نزدیک اور ہماری لونڈیاں دف بجاتی تھیں اور مرثیہ گاتی تھیں ان لوگوں کا جو شہید ہوئے تھے ہمارے باپ دادوں میں سے جنگ بدر کے دن یہاں تک کہ ایک ان میں سے یہ مصرع گانے لگی "وفینا" سے "غد" تک یعنی ہمارے درمیان ایک نبی ہے کہ کل کی بات جانتا ہے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار! چپ رہ اس بات کو نہ بول اور وہی کہہ جو پہلے کہتی تھی۔

تشریح اعلانِ نکاح سے مراد تشہیر نکاح ہے۔

مسئلہ اختلافی اولیٰ: نکاح کے موقع پر ضرب الدف کی کیا حیثیت ہے؟
قول اوّل: محققین کی رائے کے مطابق لا یجوز۔
قول ثانی: بعض علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے لیکن مطلقاً نہیں، چند شرائط (۱) ایک شرط یہ ہے کہ دف سادہ ہو، گھونگھروں ساتھ نہ ہوں۔ (۲) بقدر ضرورت ہو۔
محققین کی دلیل: ازواج مطہرات کے نکاح ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات کا نکاح ہوا لیکن کہیں نہ ازواج مطہرات کے نکاح میں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات کے نکاح میں، ضرب الدف کا ذکر نہیں۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ "نهى النبی صلى الله عليه و آله و سلّم عن ضرب الدّف" اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "ليس الدّف بسنة المسلمين"

بعض اہل علم کی دلیل:

حدیث الباب۔ جواب (۱): ابتداءً اباحت تھی بعد میں منسوخ ہوگئی۔
جواب (۲): جب مبیح اور محرم میں تعارض ہو جائے تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔ نیز موجودہ زمانے کے ڈھول کو دف پر قیاس نہیں کر سکتے کیوں کہ دف ایک جانب سے بجائی جاتی ہے اور طبلہ دونوں جانبوں سے بجایا جاتا ہے تو یہ طبلہ ڈھول کے حکم میں ہوگا۔
مسئلہ ثانیہ: نکاح کے موقع پر گانے کا کیا حکم ہے؟ تو اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ گانا بجانا جائز نہیں، نصوص کثیرہ کی وجہ سے مثلاً "ومن الناس من يشترى لهو الحديث" اور "الغناء ينبت النفاق فی القلب كما ينبت الماء الزرع، او كما قال"
ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صوت احمقین سے منع فرمایا۔ (۱) نوحہ (۲) گانا۔ آوازیں تو احمق نہیں لیکن گانے والے احمق ہیں۔ باقی اس حدیث میں صوت تشہیر کے معنی میں ہے اور اگر گانے معنی بھی ہو تو پھر منسوخ ہے۔
"حدّثنا حميد بن مسعده...... مجلس على فراشى كلبسک منى"
سوال: ربیع بنت معوذ تو نامحرم ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے بیٹھ گئے؟
جواب: یہ بیٹھنا عدم حجاب کو مستلزم نہیں، درمیان میں پردہ ہوگا۔ باقی اس حدیث سے گانے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ گانے والیاں بچیاں تھیں وہ ان شہداء کا مرثیہ تھا جو مدینہ میں شہید ہو گئے تھے، عشقیہ مضامین نہیں تھا اور پیشہ ور گانے والی بھی نہیں تھیں، موجودہ زمانہ کی فاحشات کو ان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا يُقَالُ لِلْمُتَزَوِّجِ دولہا کو کیا دعا دی جائے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ الإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي الْخَيْرِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو مبارکباد دیتے اور اس نے نکاح کیا ہوتا تو فرماتے بارک سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں برکت دے اللہ تجھ کو اور برکت دے تیرے تئیں اور جمع کرے تم دونوں کو خیر وخوبی کے ساتھ۔

تشریح زمانہ جاہلیت میں شادی کے وقت یہ الفاظ بولے جاتے تھے۔ "بالرفاء والبنین" یعنی سازگاری اور بیٹیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اس کی جگہ دُعا میں مذکورہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے جو زیادہ جامع ہیں۔

بَابُ ماجاءَ فیما یقولُ إذا دخلَ عَلَی أَهْلِهِ

جب صحبت کا ارادہ کرے تو یہ دُعا پڑھے

عَنْ ابنِ عَبّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَی أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَإِنْ قَضَی اللهُ بَیْنَهُمَا وَلَدًا لَمْ یَضُرَّهُ الشَّیْطَانُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی تم میں سے جب ارادہ کرے اپنی بیوی سے صحبت کا اور کہے بسم اللہ سے رزقتنا تک تو اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان میں کوئی اولاد مقرر کی ہوگی تو اس کو شیطان کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

تشریح "لم یضرہ الشیطان" مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا نقصان نہیں پہنچائے گا جس کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج ہو جائے اور جب انزال ہو تو پھر یہ دُعا پڑھے "اللّٰھم لا تجعل الشیطان فیما رزقتنا نصیبًا"

سوال: کشف عورت کی حالت میں یہ دُعا کیسے پڑھے گا؟

جواب: انزال سے پہلے والی دُعا وہ لفظی ہے اور انزال کے وقت کی دُعا دُعاء نفسی ہے۔ اس دُعا کے پڑھنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس کو مرگی کی بیماری نہیں پڑے گی اور شیطان اس کو راہِ حق سے نہ ہٹا سکے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَوْقَاتِ الَّتِي یُسْتَحَبُّ فِیهَا النِّكَاحُ

جن اوقات میں نکاح کرنا مستحب ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ وَبَنَی بِي فِي شَوَّالٍ وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ یُبْنَی بِنِسَائِهَا فِي شَوَّالٍ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نکاح کیا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

شوال میں اور صحبت کی مجھ سے شوال میں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دوست رکھتی تھیں کہ زفاف کیا جائے ان کی قرابت کی عورتوں میں سے شوال میں۔

تشریح جمعہ کے دن اور مہینوں میں سے شوال کے مہینے میں مستحب ہے اصل میں زمانہ جاہلیت کے ذہن کی تردید کرنی ہے کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے ماہ میں جو نکاح ہوتا ہے وہ بے برکت ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تردید کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا نکاح شوال میں ہوا اور میری رُخصتی بھی شوال میں ہوئی، میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان محبت بے مثال ہے۔ "وتستحب ان یبتنی بنسائها" مطلب یہ ہے کہ اپنے قبیلہ کی عورتوں کی رُخصتی کو شوال میں پسند کرتی تھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلِيمَةِ ۔۔۔۔۔ ولیمہ کے متعلق

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ، فَقَالَ مَا هٰذَا فَقَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اثر زردی کا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ تو کہا انہوں نے میں نے نکاح کیا ہے ایک عورت سے چھوہارے کی ایک گٹھلی سونے کے مہر پر سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ برکت دے تجھ کو ولیمہ کر اگرچہ ایک بکری کا ہو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَمَ عَلَى صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ بِسَوِيقٍ وَتَمْرٍ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کیا صفیہ کا جو بیٹی ہیں حی کی اور ستو اور کھجور پر۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ أَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طعام روزِ اوّل واجب ہے اور طعام روز ثانی سنت ہے اور طعام روز ثالث سمعہ ہے اور جو لوگوں کو سنانے کے لیے کوئی کام کرے اللہ اس کے کام سنا دے گا یعنی آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا۔

تشریح پہلی بات: ولیمہ سنت ہے بشرط استطاعت قرض اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔ باقی ولیمہ کب کیا جائے؟ دو قول ہیں (۱) بوقت عقد نکاح (۲) دخول کے بعد اور یہی راجح اور مشہور ہے۔ باقی کتنے دن کیا جائے، حدیث میں آتا ہے پہلے دن

احباب کا حق ہے، دوسرے دن بھی سنت سے ثابت ہے اور تیسرے دن محض شہرت ہے، یہ اس زمانے کے اعتبار سے فرمایا، اس زمانے میں تیسرے دن ولیمہ سے مقصود ریا کاری ہوتی، اگر یہ علت نہ پائی جائے تو تیسرے دن بھی جائز ہے، چوتھے دن بھی، ساتویں دن تک اور امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ سات دن تک کیا جاسکتا ہے۔

دوسری بات: "علی وزن نواۃ" دو قول ہیں۔(۱) ساڑھے تین درہم کا وزن (۲) پانچ درہم کا وزن۔ یہ وزن کے اعتبار سے ہے مالیت نہیں، مالیت کے اعتبار سے دس درہم سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے اور یہ حدیث احناف کے خلاف بھی نہیں کیونکہ یہ وزن کے اعتبار سے ہے اور وزنِ نواۃ کی مالیت دس درہم سے زیادہ ہوسکتی ہے اور یقیناً زیادہ ہوگی کیونکہ یہ سونا ہے۔

"قولہ من سمع سمع اللہ بہ" ایک مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں مقصود حاصل ہوجائے گا لیکن آخرت میں سزا ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈال دیں گے کہ یہ ریا کار ہے "اعاذ اللہ بہ" اور ریا کار سے لوگ نفرت کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن اوّلین وآخرین کے سامنے اس کے ریا کار ہونے کا اعلان کریں گے۔

سند پر کلام:

اس حدیث کی سند میں زیاد بن عبداللہ ہیں، وکیع کہتے ہیں کہ یہ باوجود اپنی شرافت کے حدیث میں خطاء کر جاتے ہیں، لہٰذا حدیث سنداً قابل استدلال نہیں۔

سوال: یہ تو بخاری شریف کے رواۃ میں سے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں ان سے روایت لی ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے روایت لے رہے ہیں، پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے نقل کیا "یکذب فی الحدیث"

جواب: یہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح ہے نقل میں اصل یہ وکیع کا قول ہے زیاد بن عبداللہ اشرف ہیں۔ "ان یکذب فی الحدیث"

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَابَةِ الدَّاعِي ـــــ دعوت قبول کرنے سے متعلق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتُوا الدَّعْوَةَ إِذَا دُعِيتُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعوت میں جاؤ جب بلائے جاؤ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَجِيءُ إِلَى الْوَلِيمَةِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ
جو شخص دعوت کے بغیر ولیمے میں جائے

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ إِلَى غُلَامٍ لَهُ لَحَّامٍ، فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً، فَإِنِّي رَأَيْتُ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ قَالَ فَصَنَعَ طَعَامًا ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَاهُ وَجُلَسَاءَهُ الَّذِينَ مَعَهُ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبَعَهُمْ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ حِينَ دُعُوا فَلَمَّا انْتَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْبَابِ، قَالَ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ إِنَّهُ اتَّبَعَنَا رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَنَا حِينَ دَعَوْتَنَا فَإِنْ أَذِنْتَ لَهُ دَخَلَ، قَالَ فَقَدْ أَذِنَّا لَهُ فَلْيَدْخُلْ

ترجمہ: حضرت ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آئے ایک شخص کہ ان کو ابوشعیب کہتے تھے اپنے غلام کے پاس کہ اسے لحام کہتے تھے اور کہا اس سے پکاؤ ہمارے لیے اتنا کھانا کہ کفایت کرے پانچ آدمیوں کو اس لیے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں اثر بھوک کا سو پکایا اس غلام نے کھانا پھر بلا بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نشینوں سمیت جو اُن کے ساتھ تھے سو جب کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانے کو تو ساتھ ہو لیا ایک مرد کہ وہ دعوت دینے کے وقت نہ تھا پھر جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر پہنچے صاحب خانہ سے کہا کہ ہمارے ساتھ ایک اور آدمی بھی ہے کہ دعوت دینے کے وقت نہ تھا سو اگر تم اجازت دو تو وہ بھی آئے صاحب خانہ نے کہا ہم نے اجازت دی وہ بھی آئے۔

تشریح: سوال (۱): باب تو ولیمہ کا چل رہا تھا جبکہ حدیث میں تو مطلق دعوت کا ذکر ہے، باب اور حدیث میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: یہ حدیث اپنے اطلاق وعموم کی وجہ سے ولیمہ اور اس کے ماسواء تمام دعوات کو شامل ہے، اس لیے عنوان قائم کر دیا۔

"من یجئ الی الولیمۃ بغیر دعوۃ"

سوال (۲): حدیث الباب واقعہ مذکورہ غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا اور اسی طرح ایک اور واقعہ جو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی واقع ہوا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان دونوں واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے حالانکہ ان کو دعوت نہیں دی گئی تھی تو حدیث الباب اور دونوں واقعات میں تعارض ہو رہا ہے؟

جواب (۱): جہاں پر معلوم ہو کہ صاحب دعوت کو تکلیف یا تنگ دلی محسوس نہیں ہوگی وہاں ایسا کرنا جائز ہے اور ان دونوں واقعات میں بھی ایسا ہی ہوا۔

جواب (۲): ان دونوں مواقع میں کھانا کثیر بھی ہو گیا، اس اعتبار سے بھی داعی کو کسی قسم کی پریشانی کا خطرہ نہیں تھا۔ لہٰذا یہ واقعات حدیث الباب کے ساتھ متعارض نہیں ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَزْوِيجِ الْأَبْكَارِ ۔۔۔۔ کنواری لڑکی سے شادی کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ، فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا فَقُلْتُ لَا بَلْ ثَيِّبًا، فَقَالَ هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ»، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ

اللهِ إِنَّ عَبْدَ اللهِ مَاتَ وَتَرَكَ سَبْعَ بَنَاتٍ أَوْ تِسْعًا فَجِئْتُ بِمَنْ يَقُومُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ فَدَعَالِي

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے نکاح کیا میں نے ایک عورت سے اور آیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نکاح کیا تم نے اے جابر! سو کہا میں نے ہاں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری عورت سے یا بیوہ سے؟ کہا میں نے بیوہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کنواری عورت سے کیوں نہ نکاح کیا کہ وہ تجھ سے کھیلتی اور تو اس سے سو عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! تحقیق کہ عبداللہ نے وفات پائی یعنی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے اور چھوڑ گئے سات لڑکیاں یا نو۔ راوی کو شک ہے تو میں ایسی عورت کو بیاہ لایا کہ جو خدمت کرے ان کی اور پرورش کرے اور لڑکیوں کا پالنا جیسا بیوہ سے ہوتا ہے باکرہ سے کہاں ہوتا ہے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی میرے لیے۔

تشریح ابکار کے ساتھ نکاح کرنا مستحسن ہے اور اگر عوارض ہوں، پھر ثیبہ کے ساتھ نکاح کرنا بھی مستحسن ہے کیوں کہ مقاصد علی طریق الاحسن حاصل ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث باب میں واقعہ مذکور ہے۔ ”دعالي“ دُعا اس لیے کی کہ میں نے اپنی ذاتی مصلحت پر بہنوں کی مصلحت کو ترجیح دی۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ۔۔۔۔ بغیر ولی کے نکاح درست نہیں ہوتا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ح وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، ح وحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ.

ترجمہ ہم سے حضرت علی بن حجر نے روایت کی انہوں نے شریک بن عبداللہ سے انہوں نے ابی اسحق سے اور کہا مؤلف نے کہ روایت کی ہم سے قتیبہ نے انہوں نے ابوعوانہ سے انہوں نے ابی اسحق سے پھر کہا مؤلف نے روایت کی ہم سے بندار نے انہوں نے عبدالرحمن بن مہدی سے انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے ابی اسحق سے پھر کہا مؤلف نے روایت کی ہم سے عبداللہ بن ابی زیاد نے انہوں نے زید بن حباب سے انہوں نے یونس بن ابی اسحق سے انہوں نے ابی بردہ سے، انہوں نے ابی موسیٰ سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح درست نہیں ہوتا بغیر ولی کے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ

فَرْجِهَا فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت نکاح کرے اپنے ولی کی بغیر اجازت کے تو نکاح اس کا باطل ہے، نکاح اس کا باطل ہے نکاح اس کا باطل ہے پھر اگر خاوند نے اس سے صحبت کی یا خلوتِ صحیحہ تو اس پر کامل مہر ہے، عوض میں اس کے جو حلال کیا اس نے اس کی فرج کو یعنی اس کی صحبت کے عوض پھر اگر تنازع ہوا اور اختلاف پڑے تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

تشریح مسئلہ اولیٰ: عورت کی تعبیر سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ اپنا خود ایجاب وقبول کرے یا دوسری عورت کی طرف سے وکیلہ بن کر نکاح کرے۔

مسئلہ ثانیہ: عاقلہ بالغہ عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثالثہ: میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ عورتوں کی تعبیرات سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

قول اوّل: آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی تعبیرات سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے۔

قول ثانی: اور دوسرے مسئلے میں امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر عاقلہ بالغہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو منعقد ہو جائے گا لیکن اگر غیر کفو میں کیا تو ولی کو اعتراض کا حق ہوگا اور دوسری روایت یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا لیکن یہ غیر ظاہری الروایت ہے۔

قول ثالث: صاحبین کی روایات بھی مختلف ہیں اور راجح روایت امام صاحب والی ہے کہ عاقلہ بالغہ کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ البتہ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ قدر مشترک یہ ہے کہ منعقد ہو جائے گا۔

قول رابع: آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ بالغہ کے نکاح کے انعقاد کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے، ہر دونوں مسئلوں میں۔

احناف کی دلیل اوّل:

وہ آیت قرآنیہ جن میں نکاح کی نسبت نساء کی طرف ہے، اگر عورتوں کی تعبیر سے نکاح منعقد نہ ہو تو پھر نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کرنے کا کیا فائدہ ہے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نیز یہ آیات اس بات پر بھی دال ہیں کہ عاقلہ اور بالغہ کا نکاح بھی ہو جائے گا، اگر اجازت نہ ہو۔ باقی وہ آیات جن میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہے۔ (۱) "فان طلقها فلا تحلّ لهٗ حتی تنکح زوجًا غیرهٗ" (۲) "فلا تعضلوهن ان ینکحن" (۳) "فلا جناح علیکم فیما فعلن" (۴) "وان امراۃً مؤمنۃً وهبت نفسها للنبی" یہاں وہبت سے مراد نکاح ہے ہبہ کی نسبت نکاح ہی کی نسبت ہے، ان تمام آیات میں عورتوں کی طرف نکاح کی اسناد ہے اور یہ دال ہیں، اس بات پر کہ عبارات النساء معتبر ہیں۔ نیز ان میں تعمیم ہے ولی کی اجازت ہو یا نہ ہو۔

دلیل ثانی: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "الایم احق بنفسها" ایم بے نکاحی عورت کو کہتے ہیں، باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، اس

سے معلوم ہوا کہ عورت کو اپنے نفس پر دو حق ہیں، ایک حق اپنا اور دوسرا ولی کا اور جب حقین میں تعارض ہو جائے تو عورت کے اپنے حق کو ترجیح ہوگی کیونکہ "احق" اسم تفضیل ہے اور اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جب تقابل ہو اور تقابل تب ہوگا جب عورت کی رائے اور ہو اور ولی کی رائے اور ہو اور اگر ولی کی رائے بھی وہی ہو تو پھر تقابل ہی نہیں رہے گا، لہٰذا عورت کی رائے اور حق کو ترجیح ہوگی اور یہ اس پر بھی دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عبارات النساء معتبر ہوگی۔

اعتراض: اس سے احناف کا استدلال تب تام ہوگا، جب یہ معنی کیا جائے کہ عورت کو اپنے نفس پر ولی کے مقابلے میں زیادہ حق ہے جبکہ معنی یہ نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ عورت کی اجازت و رضامندی کے بغیر ولی کو اس کا نکاح نہیں کرنا چاہیے یعنی ولی عورت عاقلہ بالغہ پر جبر نہیں کرسکتا، یہ معنی کیوں ہے اس لیے کہ اس حدیث کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور دوسری طرف روایت کر رہے ہیں "لا نکاح الا بولیٍ" اور فتویٰ بھی یہی ہے۔ اگر احناف والا معنی کیا جائے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت اور فتویٰ کے درمیان تعارض ہو جائے گا۔ لہٰذا وہی معنی راجح ہوگا جس کی وجہ سے رفع تعارض ہو جائے اور وہ یہی معنی ہے کہ ولی کو عاقلہ بالغہ کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرنا چاہیے۔

جواب: کوئی تعارض پیدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ "لا نکاح الا بولیٍ" کا یہ مدلول ہے ہی نہیں کہ ولی عاقلہ بالغہ کا نکاح، اس کی اجازت کے بغیر نہ کرے اور جواب آگے جائیں گے، باقی رہا فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارے بھائی جب قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاویل ہوسکتی ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کی توجیہ کیوں نہیں ہوسکتی۔

دلیل ثالث: واقعہ نکاح حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر، یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی بیٹی تھی، حضرت عبدالرحمن شام کے سفر میں گئے ہوئے تھے، ان کی عدم موجودگی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بھتیجی کا نکاح کیا، منذر بن زبیر کے ساتھ جب حضرت عبدالرحمن واپس ہوئے تو ناراض ہوئے کہ میری عدم موجودگی میں نکاح کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے منذر کو بلایا کہ بچی کا والد اعتراض کر رہا ہے اس پر منذر نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں طلاق دے دیتا ہوں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ میرا مقصد نکاح کو فسخ کرنا نہیں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ کم از کم مجھ سے مشورہ تو لے لیتے۔ اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کروایا اور یہ نکاح تعبیرات النساء ہے اور بغیر ولی کی اجازت ہوا، اس کے باوجود منعقد ہو گیا، دونوں مسئلے ثابت ہو گئے دلیل عمل عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہونے کی حیثیت سے، "اخرجہ مؤطا امام مالک"

دلیل رابع: واقعہ نکاح اُم سلمہ رضی اللہ عنہا طحاوی شریف میں مفصلاً مذکور ہے۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد استدلال کیا ہے کہ عبارۃ النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند جب فوت ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام نکاح دیا تو اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرا کوئی ولی موجود نہیں، میں کیسے پیغام نکاح قبول کروں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرا ولی غائب ہو یا حاضر ہو، میرے ساتھ نکاح کرنے کو ناپسند نہ سمجھے گا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چھوٹے بچے کو کہا کہ میرا نکاح کر دے،

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وہ بچہ تین سال یا چھ سال کا تھا، خود ایجاب وقبول کیا، بچہ کو دل لگی کے طور پر کہا اب نکاح عبارۃ النساء سے ہوا اور بغیر ولی کی اجازت کے ہوا۔

دلیل خامس: جن صورتوں میں مرد کا نکاح صحیح ہوتا ہے محض اس وجہ سے کہ اس کو ولایت حاصل ہے بالکل اسی طرح حرہ عاقلہ کو بھی تو ہے مال میں تصرف کرنے کی اور درایت کا مقتضی بھی یہی ہے کہ جس طرح مرد کا نکاح صحیح ہے عورت کا نکاح بھی صحیح ہونا چاہیے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل:

آیت کریمہ "فلا تعضلوھن ان ینکحن" اس آیت میں ہے اولیاء کو نکاح سے روکنے کا حق حاصل ہے۔ معلوم ہوا کہ ولی کو روکنے کا حق حاصل ہے اور یہ تب ہی ہے کہ جب ان کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہ ہو۔

جواب: یہ استدلال مبنی ہے اس بات پر کہ خطاب اولیاء کو ہو حالانکہ یہ احتمال ہے کہ خطاب ازواج کو ہو۔ ثانیاً یہ کوئی تلازم نہیں کہ جس چیز سے کسی کو روکا جائے وہ اس کا حق ہو جیسے نفس معصومہ کے قتل سے شرب خمر سے روکا ہے اب یہ اس کا حق تو نہیں ہے اب آیت کریمہ سے استدلال فرع ہے۔ اس بات کی خطاب اولیاء کو ہو لیکن اس میں احتمال ہے کہ خطاب خاوندوں کو ہو۔

دلیل ثانی: حدیث ابوموسیٰ اشعری "لا نکاح الاّ بولیٍّ"

دلیل ثالث: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل" دونوں مسئلوں میں آئمہ ثلاثہ کی دلیل ہے کہ تعبیرات النساء کا اعتبار بھی اور بغیر اجازت ولی کے نکاح صحیح نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ استدلال مسئلہ اولیٰ میں تو واضح نہیں ہے بلکہ مسئلہ ثانیہ میں دلیل ہوگی۔

جواب: مسئلہ اولیٰ میں سے تو ان دونوں کا یعنی دونوں حدیثوں کا کوئی تعلق نہیں، اس میں تو جواب دینے کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث ثانی میں ہے کہ مفہوم مخالف سے تعبیر النساء سے نکاح منعقد ہو جائے گا کہ جب ولی کی اجازت کے لیے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہے اور ہمارے ہاں مفہوم مخالف حجت نہیں بلکہ شوافع رحمہ اللہ کے ہاں ہے۔

پہلی حدیث کا جواب اوّل:

یہ "لا نکاح الاّ بولیٍّ صورۃً" خبر ہے معنیً انشاء ہے، لہٰذا حدیث کا مدلول یہ ہے کہ بغیر ولی کے نکاح ہونا نہیں چاہیے باقی اگر ہو گیا تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اس پر حدیث کی کوئی دلالت نہیں اور استدلال تب تام ہوگا جب یہ حدیث صورۃً معنیً دونوں اعتبار سے خبر ہو۔

جواب ثانی: اگر تسلیم کر لیا جائے کہ معناً بھی خبر ہے تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ استدلال تب تام ہوگا جب نکاح کی نفی ہو، ہم کہتے ہیں کہ کمالِ نکاح کی نفی ہے، لا کا استعمال جس طرح نفس شئی کی نفی کے لیے ہوتا ہے کمال شئی کی نفی کے لیے بھی ہوتا ہے۔

سوال: اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ کمال شئی کی نفی کے لیے ہے؟

جواب اوّل: دلیل نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں جو مستدل ہیں، احناف کا وہ اس پر قرینہ ہیں کہ کمالِ شیٔ کی نفی ہے۔

جواب ثانی: ولی کا معنی ہے مستحق ولایت، اب معنی یہ ہوگا کہ نکاح کی صحت موقوف ہے مستحق ولایت پر، یعنی اس شخص کا نکاح صحیح ہوگا جو مستحق ولایت ہو۔ علاوہ ازیں غیر پر ولایت ہو یا اپنے نفس پر ولایت ہو اور عاقلہ بالغہ کا نکاح بھی نکاح "بولیٍ" ہے کیوں کہ اس کو بھی تو اپنے نفس پر ولایت کا حق حاصل ہے۔

جواب ثالث: اگر اس سے بھی قطع نظر کرلیں تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے اس حدیث کا مصداق صغیرہ، مجنونہ، اُمۃ ہے، ان کے متعلق ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ ان کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں اور عاقلہ بالغہ کا بیان اس میں نہیں بلکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "الایم احق بنفسھا" میں ہے۔

جواب رابع: یہ حدیث سنداً مضطرب ہے مسنداً موصول ہونے میں اور مرسل ہونے میں بعض رواۃ مسنداً اور بعض رواۃ مرسلاً بیان کرتے ہیں اور اضطراب استدلال سے مانع ہوتا ہے۔ اگر چہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مسنداً موصول ہونے کو ترجیح دی ہے لیکن بایں ہمہ اضطراب ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو زیر بحث لائے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو اضطراب کیے۔ ایک بڑا اضطراب ایک چھوٹا، بڑا اختلاف یہ ہے کہ حدیث ابو موسیٰ کے مرکزی راوی ابو اسحٰق ہیں اور ابو اسحٰق کے تلامذہ جو ہیں ان کی ایک جماعت اس میں اسرائیل بھی ہے، یہ سب کے سب اس حدیث کو موصولاً ذکر کررہے ہیں یعنی بطریق وصل ذکر کررہے ہیں اور باقی جماعت کو نہیں ہے۔ اسرائیل شریک بن عبداللہ ابو عوانہ، زہیر بن معاویہ، قیس بن ربیع ہیں اور سفیان ثوری، شعبہ یہ دونوں ابو اسحاق سے بطریق ارسال نقل کررہے ہیں، اس میں ابو موسیٰ کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔

سوال: سفیان ثوری کے بعض تلامذہ موصولاً ہی نقل کرتے ہیں؟

جواب: سفیان ثوری کے وہ تلامذہ جو بطریق وصل نقل کرتے ہیں "لیس بصحیح" بلکہ ان تلامذہ کی روایت صحیح ہے جو ارسالاً نقل کرتے ہیں، گویا کہ دو طریق ہوگئے بطریق وصل اور بطریق ارسال بطریق وصل نقل کرنے والی ایک جماعت ہے انہیں میں سے اسرائیل ہیں اور بطریق ارسال شعبہ اور سفیان بطریق ارسال نقل کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے وصل کو ترجیح دی ہے۔

سوال: شعبہ اور سفیان ثقہ ہونے میں کوہ ہمالیہ ہیں ان کا مقام نہ اسرائیل کو اور نہ ہی اس کے ساتھیوں کو حاصل ہے۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ بطریق ارسال کو ترجیح دینی چاہیے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے بطریق اسرائیل کو ترجیح دی ہے۔

وجہ ترجیح (۱): اسرائیل اور اس کے ساتھیوں نے ابو اسحٰق سے اس روایت کو سنا ہے مجالس مختلفہ میں اور اوقات مختلفہ میں اور شعبہ اور سفیان نے ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں سنا ہے، "اذا کان الامر کذلک" چونکہ شعبہ اور سفیان ثوری نے ایک ہی مجلس میں سنا، گویا ایک ہی راوی ہیں بخلاف اسرائیل اور ان کے ساتھیوں کے انہوں نے مجالس مختلفہ میں سنا، گویا کہ وہ متعدد راوی ہیں۔ لہٰذا ارسال کی جانب سے وحدت ہے اور وصل کی جانب کثرت ہے اور ترجیح کثرت کو ہوتی ہے۔

وجہ ترجیح (۲): ابو اسحٰق سے ایک مجلس میں غلطی کا ہوجانا کوئی مستبعد نہیں اور ایک مجلس میں بھی یہی غلطی کرنا، دوسری میں بھی،

تیسری میں بھی یہی غلطی کرنا یہ انتہائی مستبعد ہے۔ پس ارسال کی جانب خطاء کا احتمال ہے جبکہ وصل کی جانب خطاء کا احتمال نہیں۔

سوال: ارسال کی جانب شعبہ اور سفیان ہیں ان سے کیسے غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے؟

جواب: ارسال کی جانب خطاء کا احتمال اس لیے ہے کہ اگر چہ یہ ثقہ اور اثبت ہیں کوہِ ہمالیہ ہیں، ان سے غلطی نہیں ہوئی بلکہ ان کے شیخ ابو اسحق سے غلطی ہے۔ باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ شعبہ اور سفیان نے ابو اسحق سے ایک ہی مجلس میں سنا۔ اس پر دلیل امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی "حدّثنا محمود بن غیلان، انا ابو داؤد انبأنا شعبه قال سمعت سفیان الثوری یسأل ابا اسحٰق اسمعت ابا بردة" شعبہ کہتے ہیں کہ سفیان نے ابو اسحق سے سوال کیا، انہوں نے بیان کیا میں سن رہا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی مجلس میں سنی تھی۔

وجہ ترجیح (۳): روایات ابو اسحق عن ابی بردہ، سب سے زیادہ اثبت اسرائیل ہیں اور اسرائیل بطریق وصل بیان کر رہے ہیں۔

سوال: اس پر کیا دلیل ہے کہ روایات ابی اسحق عن ابی بردہ سب سے زیادہ اثبت اسرائیل ہیں؟

جواب: عبد الرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ روایات سفیان ثوری عن ابی اسحق محض اس وجہ سے میں نے حاصل نہیں کی کہ میں نے اعتماد کیا اسرائیل پر کیونکہ وہ سب سے زیادہ اثبت ہیں، اضطراب رفع تو کر دیا لیکن بایں ہمہ اضطراب تو ہے۔ باقی یہ کہنا کہ شعبہ اور سفیان نے ایک مجلس میں حدیث سنی یہ مسلم نہیں بلکہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی اپنی کلام کے خلاف ہے۔ کتاب العلل میں لکھتے ہیں کہ شعبہ کہتے ہیں کہ جس شیخ سے میں نے ایک حدیث سنی اس کی خدمت میں ایک سے زائد مرتبہ حاضر ہوا اور جس سے دو حدیثیں لیں اس کے پاس دو سے زائد مرتبہ حاضر ہوا۔ پس یہ حدیث بھی کئی مرتبہ سنی ہوگی لہٰذا یہاں پر بھی مجالس متعددہ ہیں۔

اضطراب ثانی: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اشارۃً بیان کیا۔ اس حدیث کے مرکزی راوی ابو اسحق ہیں اور ابو اسحق سے نقل کرنے والے ان کے بیٹے یونس بھی ہیں، پھر یونس کے تلامذہ میں اختلاف ہے۔ بعض وصلاً بیان کرتے ہیں اور بعض ارسالاً بیان کرتے ہیں۔ نیز بعض عن ابی اسحق کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض واسطہ ذکر نہیں کرتے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب اوّل: •

یہ عام مخصوص منہ البعض ہے اس کا مصداق صغیرۃ، مجنونہ، امۃ ہے جب اس کا مصداق عاقلہ بالغہ ہے ہی نہیں تو استدلال تام نہ ہوا۔

جواب ثانی: بسند صحیح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل اس کے خلاف ثابت ہے اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف پر عمل کرے تو یہ دلیل ہوتی ہے کہ وہ روایت مصروف عن الظاہر ہے۔ باقی وہ عمل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بھتیجی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کر دیا۔

جواب ثالث: "ایما امرأة" میں اگر عموم "فان" لیں تو پھر باطل کا یہ معنی نہیں کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علی شرف البطلان کہ کبھی باطل کیا جاتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں جیسے شریک اللہ باطل کا کبھی معنی ہوتا ہے کہ چیز مضبوط

نہیں پائیدار نہیں، اس میں چونکہ ولی کو حق فسخ ہوتا ہے اس لیے پائیدار نہیں، اسی کو باطل سے تعبیر کر دیا۔

جواب رابع: باطل کا معنی ہے بیکار جس پر کوئی ثمرہ مرتب نہ ہو۔ اب معنی یہ ہے کہ جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوگا وہ بے فائدہ ہے کیونکہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں، ممکن ہے اپنے مصالح کی رعایت اور لحاظ نہ کر سکیں۔

جواب خامس: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حدیث کی مرکزی راوی ہیں۔ امام زہری اور امام زہری جو ہیں انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ اسی امام زہری کے انکار کی وجہ سے محدثین نے اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی تضعیف کر دی۔ لہٰذا ضعیف حدیث سے استدلال نہ کرو۔

سوال: انکار زہری پر کیا دلیل ہے؟

جواب: ابن جریج کہتے ہیں کہ سلیمان بن موسیٰ کے واسطے سے حدیث نقل کرنے کے بعد براہِ راست استاذ الاستاذ زہری کے پاس گیا، ان سے اس حدیث کا سوال کیا تو انہوں نے "فلم یعرفه" کہا اور اس کو سلیمان کا وہم قرار دیا۔ اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے زہری کے انکار کا بھی انکار کیا ہے اس لیے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین جو جرح و تعدیل کے کوہِ ہمالیہ ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اس انکارِ زہری کا ذکر ابن جریج سے نقل کرنے والے صرف اسماعیل بن ابراہیم ہیں جو کہ اسماعیل بن علیہ کے نام سے مشہور ہیں اور اسماعیل بن علیہ کو ابن جریج سے سماع حاصل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن علیہ اپنے بیانوں کی تصحیح عبدالمجید بن عبدالعزیز کی کتابوں سے دیکھ کر کرتے ہیں براہِ راست سماع حاصل نہیں ہے۔ ابن جریج سے اس سماع کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے یحییٰ بن معین نے اسماعیل عن ابن جریج کی تضعیف کر دی۔ لہٰذا انکار ضعیف ہوا اور یہی مبنی علیہ تھا محدثین کی تضعیف کا جب انکار ثابت نہیں تو تضعیف بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا آئمہ ثلاثہ کا استدلال جو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے وہ اپنے حال پر باقی رہا۔

جواب: سماع کا انکار کرنا مسلم نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ حافظ ابن حجر، حافظ شمس الدین ذہبی رحمہما اللہ یہ تصریح کر رہے ہیں کہ اسماعیل بن علیہ کا ابن جریج سے سماع حاصل ہے۔ نیز اس انکار کو نقل کرنے میں اسماعیل منفرد نہیں ہیں، دو متابع بھی موجود ہیں، حجاج بن ارطاۃ اور ابن لہیعہ۔

سوال: یہ دونوں متابع تو ضعیف ہیں "وجودهما وعدمهما سوائٌ"

جواب: تائید کے درجہ میں ہیں، اصل متابع تو بشر بن المفضل ہیں۔ چنانچہ محدث ابن عدی سے جو ابن جریج نقل کر رہے ہیں وہی بشر بن المفضل بھی نقل کر رہے ہیں تو متابع موجود ہے، پس انکارِ زہری ثابت ہے۔ نیز ادلہ خارجیہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ زہری کا اپنا مذہب یہ ہے کہ عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یہ بھی قرینہ ہے کہ زہری کا انکار ثابت ہے۔

فائدہ: ابو اسحاق کا نام عمرو بن عبداللہ سبیعی کوفی ہمدانی تابعی ہے۔ قبیلہ میں کسی کا نام سبیعی بن مصعب تھا اور ہمدان بڑا قبیلہ تھا، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہمدانی اور وفات کے بارے میں ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶ ہجری چند اقوال ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ ۔۔۔۔ بغیر گواہوں کے نکاح درست نہیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ قَالَ يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ رَفَعَ عَبْدُ الْأَعْلَى هٰذَا الْحَدِيثَ فِي التَّفْسِيرِ وَأَوْقَفَهُ فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا کرنے والی وہی عورتیں ہیں جو اپنے نکاح کرتی ہیں بغیر گواہوں کے کہا یوسف بن حماد نے یعنی جو راوی اس حدیث کے ہیں مرفوع کیا عبدالاعلیٰ نے اس حدیث کو تفسیر میں اور موقوف روایت کیا کتاب الطلاق میں اور مرفوع نہ کیا۔

تشریح: پہلا مسئلہ: اجماعی مسئلہ ہے کہ نکاح کے لیے بینہ کا ہونا ضروری ہے، البتہ احناف کے نزدیک وجود نکاح کے لیے بینہ کا عادل ہونا ضروری نہیں، اثبات نکاح کے لیے بینہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ بینہ مرد ہی ہوں جبکہ احناف کے ہاں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اور مالکیہ کے ہاں بینہ کا ہونا ضروری ہی نہیں اور ابن رشد نے ذکر کیا کہ بینہ شرط ہیں، البتہ فرق ہے کہ جمہور کے نزدیک وقت العقد اور مالکیہ کے نزدیک وقت البناء اور تیسرا قول امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ جمہور کے نزدیک ایک وقت میں سماع ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک وقت واحد میں سماع ضروری نہیں، ممکن ہے مختلف روایات ہوں۔

دوسرا مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ شہادت کے بغیر نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہ اور دو قول ہیں:

قول اوّل: جمہور آئمہ کے نزدیک شہادت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

قول ثانی: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر گواہوں کے صرف اعلان سے بھی نکاح ثابت ہوجاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک انعقاد نکاح کے لیے شہادت ضروری نہیں اور اسی طرح ان کے نزدیک دو گواہ یکے بعد دیگرے ہوسکتے ہیں۔

قول اوّل کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے ہے جس میں ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

قول ثانی کی دلیل: زنا سراً ہوتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح علانیہ ہوتا کہ دونوں میں امتیاز ہوجائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح سراً کی ممانعت ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے "وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہی عن نکاح السر"

جواب: نکاح السر سے مراد وہ نکاح ہے کہ جس میں شہادت موجود نہ ہو اور جس نکاح میں شہادت موجود ہو وہ نکاح علانیہ ہے نہ کہ نکاح السر کیوں کہ سر جب دو سے متجاوز ہوجائے وہ سر نہیں رہتا بلکہ اعلانیہ ہوجاتا ہے۔

سوال: "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" یہ کتاب اللہ کا عام ہے اور اس میں بینہ کا کوئی ذکر نہیں حالاں کہ آپ نے حدیث کی وجہ سے شہادت کو ضروری قرار دیا ہے جبکہ اُصول یہ ہے کہ خبر واحد کی وجہ سے کتاب اللہ پر زیادتی ناجائز ہے۔

جواب اوّل: اُصول بزدوی میں مذکور ہے کہ "اشتراط بینہ" والی حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

جواب ثانی: "فانکحوا ما طاب لکم الخ" عام مخصوص منہ البعض ہے۔ اس لیے کہ اس عموم سے محرمات کی تخصیص خود کتاب اللہ سے ہو چکی ہے۔ لہٰذا حدیث کی وجہ سے مزید تخصیص ہو سکتی ہے۔ اسی طرح زیر بحث باب کی حدیث کی وجہ سے شہادت کی تخصیص ہو گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ ۔۔۔۔ نکاح کا خطبہ

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الحَاجَةِ قَالَ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ التَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَالتَّشَهُّدُ فِي الحَاجَةِ إِنَّ الحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا فَمَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ قَالَ عَبْثَرٌ فَفَسَّرَهُ لَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ {اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ} [آل عمران: 102]، {وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا} [النساء: 1]، {اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا} [الأحزاب: 70].

ترجمہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ سکھایا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد نماز کا اور تشہد حاجت کا یعنی حاجتِ نکاح وغیرہ کی اور کہا انہوں نے تشہد نماز کا یہ ہے التحیات سے ورسولہ تک اور تشہد حاجت کا یعنی نکاح وغیرہ کا یہ ہے الحمد للہ سے ورسولہ تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے مدد مانگتے ہیں اس سے اور مغفرت چاہتے ہیں اور پناہ مانگتے ہیں اللہ کے ساتھ اپنے نفسوں کی شرارت سے اور برے عملوں سے جس کو راہ بتادے اللہ اس کا بہکانے والا کوئی نہیں اور جس کو وہ بہکائے اس کو راہ دکھانے والا کوئی نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے ہیں اس کے اور بھیجے ہوئے ہیں اس کے اور تشہد اوّل کے معنی کتاب الصلوۃ میں گزرے کہا راوی نے اور پڑھیں تین آیتیں یعنی اس تشہد نکاح کے بعد

کہا عبثر نے تفسیر کی اس کی سفیان ثوری نے کہ وہ آیتیں یہ ہیں: "اِتَّقُوا اللّٰہَ" سے تیسری آیت کے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ڈرو تم اللہ سے جو حق ہے ڈرنے کا اور نہ مرنا مگر مسلمان اور ڈر اللہ سے کہ جس کا نام لے کر تم سوال کرتے ہو اور اسی کے نام سے ناطے جوڑتے ہو بے شک اللہ تمہارا نگہبان ہے ڈرو اللہ سے کہو بات پکی آخر آیت تک اور تیسری آیت کا ٹکڑا اسدیداً کے بعد یہ ہے: "یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز افوزاً عظیماً" یعنی کہو تم بات پکی بنائے اللہ تمہارے کام اور بخش دے تمہارے گناہ اور جو طاعت کرے اللہ اور رسول کی وہ پہنچا بڑی مراد کو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس خطبے میں تشہد نہ ہو وہ کوڑھی کے ہاتھ کی طرح ہے۔

تشریح خطبہ فی النکاح مسنون ومستحب ہے کوئی فرض واجب نہیں۔ "ففسّرھا" کا معنی یہ ہے کہ ان تین آیات کا مصداق بیان کردیا وہ بھی اجمالاً تفسیر کا مشہور معنی مراد نہیں ہے۔ باقی اس حدیث کی سند میں مرکزی راوی ابواسحق ہیں اور اس کی دو سندیں ہیں۔

(۱): اعمش کی سند میں ابواسحق ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابوالاحوص نقل کررہے ہیں۔ (۲) شعبہ کی روایت میں ابواسحق ابوعبیدہ کے واسطے سے روایت کررہے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح ہے اور دلیل یہ ہے کہ ابواسحق کے تلامذہ میں سے چار چاند اسرائیل کو لگے ہوئے ہیں اور اسرائیل دونوں اُستادوں سے نقل کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِئْمَارِ الْبِكْرِ وَ الثَّيِّبِ

کنواری اور بیوہ عورت سے اجازت لینا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ وَإِذْنُهَا الصُّمُوتُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح نہ کیا جائے بیوہ عورت کا جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے اور باکرہ کا بھی نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کا اذن نہ لیا جائے اور اذن دینا باکرہ کا یہی ہے کہ جب اس سے پوچھیں تو وہ چپ رہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ خود اپنی

ذات کی مختار ہے بہ نسبت اپنے ولی کے یعنی ولی اس کا اس پر جبر نہیں کر سکتا نکاح میں اور کنواری عورت سے نکاح کی اجازت مانگنا چاہیے اور چپ رہنا اس کی یہی اجازت ہے۔

تشریح اس پر تو اتفاق ہے کہ ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے یعنی ولی عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دے تو وہ نافذ ہو جائے گا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ولایت اجبار کی علت کیا ہے؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک علت صغر ہے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ میں سے خصوصاً شوافع کے نزدیک علت بکر ہے "اذا کان الامر کذلک فصارت الصور اربعًا" صغیرہ اور کبیرہ ہر ایک کے ساتھ باکرہ اور ثیبہ لگا دیں تو یہ چار صورتیں بن جائیں گی۔ (۱) صغیرہ باکرہ (۲) کبیرہ ثیبہ (۳) کبیرہ باکرہ (۴) صغیرہ ثیبہ۔ ان میں دو صورتیں اتفاقی ہیں اور دو اختلافی۔

پہلی صورت صغیرہ باکرہ: اس صورت میں بالاتفاق ولایت اجبار حاصل ہے۔ امام صاحب کے نزدیک علت یعنی صغر موجود ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک علت یعنی بکارت موجود ہے۔

دوسری صورت کبیرہ ثیبہ: اس صورت میں بالاتفاق ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگا کیوں کہ دونوں کے نزدیک علت موجود نہیں، نہ صغر اور نہ ہی بکارت۔

تیسری صورت کبیرہ باکرہ: اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگا کیوں کہ صغر موجود نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہوگا کیوں کہ علت یعنی بکارت موجود ہے۔

چوتھی صورت صغیرہ ثیبہ: اس صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہوگا کیوں کہ علت یعنی صغر موجود ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگا کیوں کہ علت یعنی بکارت موجود نہیں۔

دلیل احناف: حدیث الباب، حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا جملہ "ولا تنکح البکر حتی تستاذن" اس میں بکر عام ہے صغیرہ کو بھی شامل ہے اور باکرہ کو بھی شامل ہے لیکن چونکہ صغیرہ باکرہ اجماعی ہے، لہٰذا اس سے مراد باکرہ بالغہ ہے۔ اس سے اجازت لینے کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ باکرہ بالغہ پر جبر نہیں، لہٰذا علت صغر ہے کیونکہ اس پر بلوغ کی وجہ سے ولایت جبر حاصل نہیں۔ معلوم ہوا کہ علت صغر ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "الذی اخرجہ ابو داؤد" ایک باکرہ بالغہ آئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اور کہا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے اور میں ناپسند کرتی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار دیا، اگر صغیرہ ہوتی تو اس کو اختیار نہ دیا جاتا اور باکرہ بالغہ کو اختیار ہے باوجود بکر کے پائے جانے کے اس سے معلوم ہوا کہ باکرہ پر کوئی ولایت جبر نہیں۔

دلیل ثالث: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "الذی اخرجہ النسائی" کہ ایک نوجوان عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہا کہ میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا اور یہ مجھے پسند نہیں۔ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، بیٹھ جا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے واقعہ ذکر کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والد کو بلوایا اور "فوّض الامر الیھا" یعنی اس کو اختیار دیا اور اس میں "فتاۃ" کا لفظ دال ہے کہ وہ عورت باکرہ بالغہ تھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں باوجود بلوغ وبکر کے اختیار دے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ علت بکر نہیں بلکہ صغر ہے۔

شوافع کی دلیل اوّل: حدیث الباب، حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا پہلا جملہ "لا تنکح الثیب حتی تستامر"

دلیل ثانی: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "الایم احق بنفسھا" طریق استدلال یہ ہے کہ اس میں ہے کہ ثیبہ پر جبر نہیں تو مفہوم مخالف یہ نکلا کہ باکرہ سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا جبر حاصل ہے اور دوسری حدیث میں الایم بمعنی ثیبہ کے ہے کہ ثیبہ کا نکاح بغیر اجازت کے نہ کیا جائے تو مفہوم مخالف یہ نکلا کہ باکرہ کا نکاح بغیر اجازت کے کیا جاسکتا ہے۔

جواب (۱): ہمارا استدلال منطوق ہے اور تمہارا مفہوم سے ہے اور منطوق کو ترجیح ہوتی ہے جب ان دونوں میں تعارض ہو جائے۔

جواب (۲): اس استدلال کی بنیاد اس پر ہے کہ "ایم" کا معنی ثیبہ ہی سے کیا جائے حالانکہ اس کا معنی تو یہ ہے کہ وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، لہٰذا اس کے تحت باکرہ بھی داخل ہے۔

سوال: جب "الایم" کے تحت باکرہ بھی داخل ہے تو پھر والبکر کے ساتھ تقابل کیسے صحیح ہوگا اور تقابل کا ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ ایم کے تحت باکرہ داخل نہیں؟

جواب: تقابل موجود ہے بایں طور کہ "ایم" کے تحت جو حکم ہے وہ یہ ہے کہ "ایم" پر ولایت نہیں، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو۔ اس میں یہ حکم ہے کہ جبر نہیں اور مابعد میں یہ حکم ہے کہ اجازت کی کیفیت مختلف ہے، اگر باکرہ ہو تو صراحتاً اجازت ضروری نہیں لیکن ثیبہ کی صراحتاً اجازت ضروری ہے حکم مختلف ہے لہٰذا تقابل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْرَاهِ الْيَتِيمَةِ عَلَى التَّزْوِيجِ

یتیم لڑکی پر نکاح کے لیے جبر درست نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا وَإِنْ أَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یتیم لڑکی سے اس کے نکاح کے لیے حکم لیا جائے، پھر اگر وہ چپ ہو رہے تو یہی اس کا حکم ہے اور اگر انکار کیا اس نے تو اس پر زبردستی نہیں پہنچتی۔

تشریح یتیمہ عرف میں صغیر متوفیۃ الاب کو کہتے ہیں لیکن یہاں بالغہ متوفیۃ الاب مراد ہے باقی اس کو یتیمہ سے تعبیر کیا، ماکان کے اعتبار سے باقی یہ تعبیر شفقت دلانے کے لیے اختیار کی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلِيَّيْنِ يُزَوِّجَانِ

اگر دو ولی (دو مختلف جگہ) نکاح کر دیں تو کیا کیا جائے

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا.

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کے دو ولیوں نے دو جگہ نکاح کر دیا یعنی دو شخصوں کے ساتھ تو وہ اوّل شخص کی بیوی ہوگی اور جس نے بیچی کوئی چیز دو شخصوں کے ہاتھ تو وہ چیز اسی کے لیے ہے جس نے پہلے خریدی۔

تشریح ایک عورت کے دو ولی ہیں، ایک ولی ایک کے ساتھ نکاح کر دے اور دوسرا ولی دوسرے کے ساتھ نکاح کر دے تو دیکھیں گے کہ نکاح معاً ہوا ہے یا متعاقباً ہوا، اگر متعاقباً ہوا تو پہلا صحیح ہے اور اگر معاً ہوا ہے پھر دونوں میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نِكَاحِ الْعَبْدِ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ

غلام کا اپنے سید کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام بغیر اذن اپنے مالک کے نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت ہے کہ روایت کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام بغیر اذن اپنے مالک کے نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔

تشریح مسئلہ، عبد کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر صحیح ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک غلام کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن مولیٰ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

قول ثانی: شوافع اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور دلیل حدیث الباب ہے۔ جواب: یہ زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُهُورِ النِّسَاءِ ۔۔۔۔ عورتوں کے مہر سے متعلق

عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى نَعْلَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَضِيتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَأَجَازَهُ.

ترجمہ: حضرت عاصم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے کہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ ایک عورت نے جو قبیلہ بنی فزارہ سے تھی نکاح کیا اپنا اور مہر مقرر کیا دو جوتیاں سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا راضی ہے تو اپنے جان و مال سے دو جوتیوں پر اس نے کہا ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نکاح کو جائز رکھا۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ طَوِيلًا، فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ، فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا فَقَالَ مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي هَذَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِزَارُكَ إِنْ أَعْطَيْتَهَا جَلَسْتَ وَلَا إِزَارَ لَكَ فَالْتَمِسْ شَيْئًا قَالَ مَا أَجِدُ، قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ قَالَ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ آئی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا اس نے میں نے اپنے تئیں بخش دیا آپ کو سو کھڑی رہی بڑی دیر تک سو عرض کیا ایک شخص نے یارسول اللہ! مجھ سے نکاح کر دیجئے اس کا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حاجت نہیں سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ تیرے پاس ہے مہر دینے کو سو کہا اس نے میرے پاس تو کچھ نہیں مگر میرا تہبند سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تو اپنا تہبند اسے دے گا تو تو بے تہبند بیٹھا رہے گا سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھونڈ کوئی چیز کہا اس نے مجھے کچھ نہیں ملتا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تو ڈھونڈ اگرچہ ایک انگوٹھی ہو لوہے کی کہا راوی نے پھر ڈھونڈ آیا اور کچھ نہ پایا پھر فرمایا آپ نے

تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہاہاں فلانی فلانی سورۃ کئی سورتوں کے نام لیے سوفرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے تیرا نکاح کردیا اسی قرآن کے عوض جو تجھے یاد ہے یعنی وہ قرآن اس عورت کو پڑھا دیجئے یہی اس کا مہر ہے۔

عَنْ أَبِي الْعَجْفَاءِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَلَا لَا تُغَالُوا صُدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً.

ترجمہ حضرت ابی العجفاء سے روایت ہے کہ فرمایا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت نہ بڑھاؤ مہر عورتوں کا اس لیے کہ اگر مہر بڑھانا کچھ عزت کی چیز ہوتی دُنیا میں یا تقویٰ کا موجب ہوتا آخرت میں اللہ کے نزدیک تو سب سے زیادہ اولیٰ اور بہتر اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا ہو کسی اپنی بی بی سے یا نکاح کیا ہو کسی اپنی صاحبزادی کا اور مہر باندھا ہو بارہ اوقیہ سے زیادہ۔

تشریح اختلافی مسئلہ اولیٰ: آیا مہر کی شرعاً تعیین ہے یا نہیں؟ تو اس پر اجماع ہے کہ مہر کی زائد سے زائد مقدار کوئی متعین نہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اقل مقدار متعین ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے؟

قول اوّل: احناف و مالکیہ فرماتے ہیں کہ متعین ہے، پھر آگے احناف و مالکیہ کا اختلاف ہے کتنا متعین ہے احناف فرماتے ہیں کہ کم از کم دس دراہم اور دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی، مالکیہ کے نزدیک ربع دینار تین درہم، اس پر متفق ہیں کہ مقدار متعین ہے۔

قول ثانی: شوافع و حنابلہ فرماتے ہیں کہ مقدار متعین نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل:

"قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم" اس میں فرضنا کا لفظ مشتمل الاسناد ہونے کی وجہ سے خاص ہے اور یہ دال ہے کہ مہر کی مقدار شارع کی جانب سے مقرر و متعین ہے۔ اب یہ دو حال سے خالی نہیں جانب زیادتی میں، متعین ہے یا جانب قلت میں متعین ہے، اب جانب زیادتی کی عدم تعیین پر تو اجماع ہے پھر جانب قلت میں کتنا متعین ہے اس اعتبار سے آیت مجمل ہے۔ لہٰذا بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

دلیل ثانی: حدیث جابر میں ہے "لا مھر اقل من عشرۃ الدراھم" اس سے معلوم ہوا کہ کم مقدار دس دراہم ہے اور ایسے ہی اثر علی رضی اللہ عنہ بھی یہی ہے اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔

دلیل ثالث: قیاس نصاب سرقہ پر جیسے ید کا معاوضہ دس دراہم ہے تو بضع بھی ایک عضو ہے، اس کا معاوضہ دس دراہم ہونا چاہیے۔

شوافع کے دلائل، دلیل اوّل:

حدیث الباب جس میں نعلین کا ذکر ہے یعنی حدیث نعلین، بنوفزارہ کی ایک عورت نے نعلین پر نکاح کیا اور ظاہر ہے کہ اس زمانے کے اعتبار سے نعلین کی مالیت دس دراہم سے کم ہوگی۔

دلیل ثانی: حدیث "خاتم من حدید" سہیل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا "انی وھبت لک نفسی" تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں، وہ کافی دیر کھڑی رہی، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ میرے ساتھ کر دو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ مہر موجود ہے کہا کہ کچھ نہیں، بجز ازار کے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اگر ازار اس کو دے دی تو بغیر ازار کے رہ جاؤ گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تلاش کرو، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو اور لامحالہ اس کی مالیت دس دراہم سے کم ہوگی مال تلاش کیا لیکن کچھ نہ ملا۔

دلیل ثالث: حدیث "وزن نواۃ من ذھب" طریق استدلال یہ ہے کہ اس کا وزن ساڑھے تین دراہم ہے یا پانچ درہم ہے۔

قدر مشترک جواب (۱): یہ اس زمانے کے واقعات ہیں جب ابھی تک آیت کریمہ نازل نہیں ہوئی تھی اور ابھی مہر کی اقل مقدار متعین نہیں ہوئی تھی۔

جواب (۲): یہ تمام محمول ہیں مہر معجّل پر یعنی اتنی مقدار ابھی دیدو۔ قرینہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا، رُخصتی ہونے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، اے علی! تمہارے پاس مہر ہے؟ کہا کہ نہیں تو فرمایا کہ جوزرّہ میں نے دے دی تھی وہ دیدو اور اس پر اجماع ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔ اب ظاہر ہے کہ زرّہ کا دینا معجّل ہونے کی حیثیت سے ہے۔

جواب (۳): حدیث "وزنِ نواۃ" میں ساڑھے تین یا پانچ درہم وزن کا ذکر ہے مالیت کا ذکر نہیں، اب وزن دینا اور اس کی مالیت دس دراہم سے زیادہ ہو کوئی منافات نہیں۔ باقی حدیث نعلین اور حدیث خاتم من حدید یہ محمول ہیں مہر معجّل پر۔

اختلافی مسئلہ ثانی: تعلیم قرآن کو مہر مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک جائز نہیں۔ قول ثانی: شوافع کے نزدیک جائز ہے۔

احناف کے دلائل، دلیل اوّل: "وابتغوا باموالکم" یہاں اموالکم دال ہے اس بات پر کہ مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے اور تعلیم قرآن مال نہیں۔

دلیل ثانی: تو اکثر علماء اُمت کا قول ہے کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے عرفاً و عملاً اور عرف بھی ایک دلیل شرعی ہے۔

دلیل ثالث: شامی و بحر میں ہے کہ یہ قسم اجارہ ہے بالفاظ دیگر نکاح ایک قسم عقد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں مال کی تقرری کو مثل لازم ٹھہرایا ہے اس لیے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے بغیر

مال کے نکاح کیا ہو اور حدیث باب مختلف فیہ ہے اس لیے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔
شوافع کے دلائل، دلیل اوّل: حدیث الباب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ "ھل معک من القرآن" اس نے کہا کہ فلاں فلاں سورت یاد ہے تو فرمایا "زوجتکھا بما معک من القرآن"
جواب (۱): یہ استدلال تب تام ہو جب عوض کے لیے ہو اور جہاں باء مقابلہ کے لیے آتی ہے سبب کے لیے بھی آتی ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اس عورت کا نکاح تمہارے ساتھ اس سبب سے کیا کہ تیرے پاس قرآن ہے اور قاعدہ شرعی کے مطابق مہر دینا ہوگا۔
جواب (۲): اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ خصوصیت ہے اس شخص کی۔
جواب (۳): ہم کہتے ہیں کہ یہ مبنی ہے اجارہ پر اور تعلیم قرآن بطریقہ اجارہ مقرر ہوئی اور یہ جائز ہے کیونکہ اجارہ کے مقابلے میں مال ہوگا اور وہی مال مہر ہوگا۔ لہٰذا اگر مہر میں دو تین ماہ گھر بطور اجارہ دے تو یہ جائز ہے کیونکہ اجارہ کے مقابلے میں مال ہوتا ہے۔ تعلیم قرآن کے مقابلے میں جو مال ہوگا وہ مہر ہے۔ (شامی، ج:۲، صفحہ ۳۶۲) ابن ہمام نے اس جواب کی تصریح کی ہے۔
دلیل ثانی: وہ استدلال کرتے ہیں قصہ شعیب علیہ السلام سے جو قرآن مجید ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چرانا ذمے لگایا تھا بطور مہر کے حالانکہ یہ مال نہیں ہے۔
جواب: یہ قصہ سابقہ ادیان کا ہے اور قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے "ان تبتغوا باموالکم" تو حجت نہیں ہے۔ نیز راعی غنم کی تقرری شرط فی النکاح تھی نہ مہر، اس کی دلیل یہ ہے کہ مہر بیوی کو ملتا ہے اور بکریاں شعیب علیہ السلام کی تھیں، ان کی بیٹی کی نہیں تھیں۔ (نیل الاوطار، ص:۱۷۸، شامی، ج:۲، ص:۳۶۲، فتح الملہم، ج:۳، ص:۴۸۳)
"حدثنا ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ، ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ" مطلب یہ ہے کہ مہر کی زیادتی اگر کوئی باعث فضیلت چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر اور بنات کا مہر سب سے زیادہ ہوتا۔
سوال: حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر تو چار ہزار درہم تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیسے فرما رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی زوجہ محترمہ کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں تھا۔
جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ جو مہر براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کیا اس کی مقدار بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں تھی اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر نجاشی نے ادا کیا تھا۔
سوال: بنات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر ۵۰۰/ پانچ سو درہم تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ کسی بنات کا مہر بارہ اوقیہ سے زائد نہیں تھا؟
جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسر کو ذکر نہیں کیا یعنی نصف اوقیہ کا اصل میں ساڑھے بارہ اوقیہ کہنا چاہیے تھا، موجودہ زمانہ کے لحاظ سے ۱۳۱ تولہ تین (۳) ماشہ چاندی مہر فاطمی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ الأَمَةَ ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا

جو شخص لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا صفیہ کو اور آزاد کرنا ان کا مہر ٹھہرایا۔

تشریح اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا عتق کو مہر بنانا جائز ہے اس میں دو مذاہب ہیں۔

قول اوّل: جمہور آئمہ کے نزدیک عتق کو مہر بنانا جائز نہیں۔

قول ثانی: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عتق کو مہر بنانا جائز ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

جمہور کی دلیل: ان کا استدلال قرآن کی آیت "ان تبتغوا باموالکم" سے ہے جو مہر کے بارے میں ہے اور جس میں "ابتغاء بالمال" کا ذکر ہے جبکہ عتق غیر مال ہے۔

امام احمد امام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل:

ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے۔ "وفیہ اعتق صفیۃ رضی اللہ عنہا وجعل عتقہا صداقہا" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو پہلے آزاد کردیا اور ان کی آزادی کو مہر بنایا۔

جواب (۱): حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کردیا، پھر ان سے بغیر مہر کے نکاح کرلیا اور یہ آپ کے لیے جائز تھا کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے اور راوی نے اسی کو "جعل عتقہا صداقہا" سے تعبیر کردیا۔

جواب (۲): ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو عوض مقرر کر کے آزاد کیا ہو اور پھر عوض کو مہر بنادیا ہو، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الفَضْلِ فِي ذَٰلِكَ ۔۔۔ اس کی فضیلت سے متعلق

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ فَذَاكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ جَارِيَةٌ وَضِيئَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا يَبْتَغِي بِذَٰلِكَ وَجْهَ اللهِ فَذَٰلِكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ وَرَجُلٌ

آمَنَ بِالْكِتَابِ الْأَوَّلِ ثُمَّ جَاءَ الْكِتَابُ الْآخَرُ فَآمَنَ بِهٖ فَذٰلِكَ يُؤْتٰى أَجْرَهٗ مَرَّتَيْنِ

ترجمہ حضرت ابی بردہ بن ابی موسیٰ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا انہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین اشخاص ہیں کہ ان کی نیکیوں کا ثواب دُگنا ملے گا ایک وہ بندہ کہ جس نے حق ادا کیا اللہ کا اور اپنے آقاؤں کا تو اس کو بھی ہر نیکی کا ثواب دُگنا ملے گا دوسرے وہ شخص جس کے پاس ایک لونڈی ہو خوبصورت اور اس کو دینداری سکھائے پھر آزاد کر کے نکاح کرے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے کرے یعنی دکھانے سنانے نیک نامی کے خیال سے نہ کرے تو اس کو بھی ہر نیکی کا ثواب دوگنا ملے گا اور ایک وہ مرد جو ایمان لایا پہلی کتاب یعنی توریت و انجیل پر یا ایک پر ان دونوں سے پھر آئی۔ دوسری کتاب یعنی قرآن یا توریت کے بعد انجیل تو اس پر بھی ایمان لایا تو اس کو بھی ہر نیکی کا ثواب دُگنا ہے۔

تشریح یہاں عتاق کی فضیلت کو تبعاً طفیلاً ذکر کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین آدمی ہیں، جن کو دوہرا اجر ملتا ہے۔

(۱) وہ غلام جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے مولیٰ کے حقوق بھی ادا کرے، دونوں کے حقوق میں بظاہر تزاحم ہے کہ دونوں کے حقوق کو پورا پورا ادا کرے۔ لہٰذا انسانی سمجھ داری کی ضرورت ہے اور یہ تزاحم مشقت کی چیز ہے اس لیے دوہرا اجر ملے گا۔

(۲) وہ آدمی جس کے پاس خوبصورت لونڈی ہو پھر وہ اس کو آزاد کرے، پھر تادیب سکھائے، پھر احسان تادیب پھر اس کے ساتھ نکاح کرے، بظاہر اس کے چار اعمال ہیں۔

جواب: تادیب و احسان تادیب کا مجموعہ ایک ہی ہے اسی طرح اعتاق اور تزوج کا ایک ہی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ جائیں، ممکن ہے ان کا ایک اجر بھی دوہرے اجر سے بڑھ جائے۔

(۳) وہ آدمی جو اہل کتاب ہو، پھر وہ قرآن پر ایمان لائے، اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا هَلْ يَتَزَوَّجُ ابْنَتَهَا أَمْ لَا

جو شخص ایک عورت سے نکاح کر کے قبل صحبت کے طلاق دے تو اس کی بیٹی سے اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَأَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُ أُمِّهَا.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نکاح کیا کسی عورت سے اور صحبت کی اس سے تو اس کو حلال نہیں اس کی بیٹی سے نکاح کرنا اور اگر اس سے صحبت نہیں کی اور طلاق دے دی اس کو تو جائز ہے اس کی لڑکی سے نکاح کرنا اور جس شخص

نے نکاح کیا کسی عورت سے اور صحبت کی اس سے یا نہ کی دُرست نہیں اس کو اس عورت کی ماں سے نکاح کرنا۔

تشریح منکوحہ سے وطی کرنے کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے، اسی طرح عورت سے محض نکاح کرنے سے اس کی ماں حرام ہو جائے گی، خواہ وطی ہو یا نہ ہو، اسی وجہ سے فقہاء نے ضابطہ مقرر کیا ہے۔ "وطی الامہات تحریم البنات نکاح البنات تحریم الامہات" یہ متفق علیہ اُصول ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا آخَرُ فَيُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا

جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دے اور اس کے بعد وہ کسی اور کے ساتھ شادی کرلے لیکن یہ شخص صحبت سے پہلے ہی اسے طلاق دے دے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيرِ وَمَا مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فَقَالَ أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آئیں رفاعہ کی بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا میں نکاح میں تھی رفاعہ کے سو طلاق دی انہوں نے مجھ کو اور تین طلاق دیتے سو نکاح کرلیا میں نے عبدالرحمن بن زبیر سے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر جیسے کونا یا کنارہ ہوتا ہے کپڑے کا یعنی رجولیت کامل نہیں نامرد ہیں فرمایا آپ نے کیا تو چاہتی ہے تو پھر رفاعہ سے نکاح کرنے کو یہ کبھی نہیں ہوسکتا جب تک تو اس کی یعنی عبدالرحمن کی لذت جماع نہ چکھے اور وہ تیری لذت نہ چکھے۔

تشریح مطلقہ ثلاثہ کا زوجِ اوّل کے لیے حلال ہونا تب ہوگا جب زوجِ ثانی سے نکاح کرے اور وطی بھی ضروری ہے صرف نکاح ہی کافی نہیں۔ (امرأۃ رفاعہ میں عبدالرحمن بن الزبیر)

سوال: آیت کریمہ میں صرف نکاح کا ذکر ہے "حتی تنکح زوجا غیرہ" وطی کا ذکر تو نہیں ہے۔

جواب (۱): یہ حدیث عسیلہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تقیید جائز ہے۔

جواب (۲): اگر مشہور تسلیم نہ بھی کیا جائے تو پھر جمہور کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے اور تلقی بالقبول حاصل ہونے کی وجہ سے متواتر کے حکم ہے اور حدیث متواتر سے کتاب اللہ کی تقیید باعث اشکال نہیں۔

سوال: جب عورت نے دعویٰ عنین کردیا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حتی تذوقی عسیلة ویذوق عسیلتک" یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: یہ عورت کا زعم تھا اور نہ وہ صاحب اولاد تھا، دعویٰ غلط تھا۔ (کتاب اللباس، بخاری، جلد نمبر ۲، یہ حدیث مذکور ہے وہاں تفصیل ملاحظہ ہو)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحِلِّ وَالْمُحَلَّلِ لَهُ

حلالہ کرنے اور کرانے والے سے متعلق

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَا إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی محلل اور محلل لہ کو۔

تشریح ......پہلی بات، اختلافی مسئلہ:

نکاح بشرط التحلیل صحیح ہے یا نہیں؟ زوجِ ثانی کے ساتھ عورت شرط لگائے کہ مجھے طلاق دینی ہے یا پھر دونوں شرط لگائیں طلاق کی، مرد کہے کہ ایک مرتبہ وطی کر کے طلاق دے دوں گا تا کہ زوجِ اوّل کے لیے حلال ہو جائے تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک تو مکروہ تحریمی ہے لیکن منعقد ہو جائے گا۔

قول ثانی: امام احمد، مالک، ابن تیمیہ صاحبین کے نزدیک سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا۔

امام صاحب کی دلیل: یہی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوجِ ثانی کو محلل قرار دیا اور زوجِ اوّل محلل لہ قرار دیا۔ یہ محلل اور محلل لہ تب ہی بن سکتے ہیں جب نکاح صحیح ہو۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی، یہ لعنت فرمانا عدم انعقاد کی دلیل نہیں۔

فریق ثانی کی دلیل: بھی یہی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی اور لعنت فرمانا عدم انعقاد کی دلیل ہے کہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ امام صاحب کی تائید مزید ان واقعات سے ہوتی ہے کہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نکاح بشرط التحلیل کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا زوج ثانی کو کہ نکاح برقرار رکھنا، اگر طلاق دی تو تجھے سزا دوں گا، اب زوج ثانی کو یہ کہنا کہ طلاق نہ دینا یہ دلیل ہے کہ نکاح صحیح ہے ورنہ تو معاذ اللہ زنا کا حکم دینا ہے اور بھی اسی طرح کے کئی واقعات پیش آئے۔ باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح بشرط التحلیل والوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو عبرتناک سزا دوں گا رجم کردوں گا، یہ بطور زجر تھا تا کہ لوگ اس سے باز آ جائیں، اس وجہ سے نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں اسی واقعہ کو ذکر کیا ہے۔

امام صاحب کی طرف سے فریق ثانی کو جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت اس وجہ سے نہیں فرمائی کہ نکاح صحیح نہیں بلکہ شارع کے حق میں ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے خساست فعل کی وجہ سے فرمائی۔ چنانچہ اس خساست فعل کی وجہ سے زوج ثانی کو ابن ماجہ میں تیس مستعار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

اس مقام میں وکیع سخت ناراض ہوئے جیسے مسئلہ اشعار میں۔ چنانچہ وکیع کہتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے فرض واجب ہے کہ اصحاب رائے کے قول کو پھینک دیا جائے کہ وہ نکاح کو صحیح قرار دیتے ہیں، ان کا غصہ بجا ہے لیکن اپنے فہم کے اعتبار سے

کیونکہ وکیع یہ سمجھے ہیں کہ لعنت کا لفظ دال ہے اس بات پر کہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔

"حدثنا ابو سعيد الاشج" یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ ہے۔(۱) حدیث جابر رضی اللہ عنہ (۲) حدیث علی رضی اللہ عنہ، دونوں حدیثوں میں ابوسعید سے شعبی تک سند ایک ہی ہے۔حدیث جابر رضی اللہ عنہ "عن الشعبى عن جابر انّ رسول الله صلى الله عليه و آله وسلّم" اور حدیث علی رضی اللہ عنہ "عن الشعبى عن الحارث عن على رضى الله تعالىٰ عنه انّ رسول الله صلى الله عليه و آله وسلّم الخ"

"قال ابو عيسى حديث على و جابر رضى الله عنهما" امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دونوں سندوں کے اعتبار سے ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں مجالد بن سعید ہیں، اور ان کو اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔"وروى عبدالله بن نمير" عبداللہ بن نمیر نے اس حدیث کی دونوں سندوں کو ایک ہی سند میں ذکر کردیا۔"عن مجالد عن عامر عن جابر بن عبدالله عن على" اس سند سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کررہے ہیں حالانکہ حدیث جابر مستقل حدیث ہے اور حدیث علی مستقل حدیث ہے۔

"هذا وهم فيه ابن نمير، والحديث الاوّل اصحّ" یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی کلام میں تعارض ہے اس لیے کہ ابتداء کلام میں فرمایا "ليس اسناده بالقائم" اور یہاں فرمارہے ہیں "والاوّل اصحّ" پس دونوں کلاموں میں تعارض ہے۔حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا کہ "ليس اسناده بالقائم" سے مراد اور اس کا مصداق عبداللہ بن نمیر کی روایت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ــــ نکاح متعہ سے متعلق

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ.

ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ کرنے سے عورتوں کے ساتھ اور منع فرمایا شہری گدھوں کا گوشت کھانے سے جس سال خیبر فتح ہوا۔

تشریح نکاح متعہ کا معنی نکاح "الى اجلٍ" جس میں وقت متعین کرلیا گیا ہو، اس کی دو صورتیں ہیں۔(۱) "نكاح الى اجلٍ بلفظ التمتع مثلاً تمتعت بک" یعنی میم، تاء، عین کا مادہ استعمال ہو۔(۲) "نكاح الى اجلٍ بلفظ التزوّج" یا اس کے قائم مقام نکاح کے لفظ کو ذکر کیا ہو یعنی تمتع کا مادہ نہ ہو۔جمہور کے نزدیک ہر دونوں صورتیں نکاح تمتع میں داخل ہیں، یعنی نکاح "الى اجلٍ" میں تمتع کا مادہ استعمال ہو یا نہ ہو، ہر دونوں صورتیں تمتع کے تحت داخل ہیں۔

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تمتع کا مادہ استعمال ہو تو پھر تو نکاح متعہ ہے اور اگر تمتع کا مادہ استعمال نہ ہو تو پھر

نکاح موقت ہے نکاحِ متعہ نہیں ہے اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح موقت کی حیثیت نکاح شغار جیسی ہے جیسے احناف کے ہاں نکاحِ شغار منعقد ہوجاتا ہے اور شغار والی وصف وشرط لغو ہوجاتی ہے۔ اسی طرح نکاح متعہ میں الیٰ اجلٍ کی شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح ہمیشہ کیلئے ہوگا۔

سوال: پھر امام زفر رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق نکاح متعہ اور موقت کے درمیان فرق کیا ہوا؟

جواب (۱): نکاح متعہ میں تمتع کا مادہ ضروری ہے بخلاف موقت کے اس میں تمتع کا مادہ ضروری نہیں ہے۔

جواب (۲): نکاح متع میں گواہ ضروری نہیں ہوتے جبکہ نکاح موقت میں گواہ ضروری ہوتے ہیں۔

جواب (۳): نکاح متعہ میں اجل ہوتی ہے اجل کی تعیین نہیں ہوتی اور نکاح موقت میں اجل کی تعیین ہوتی ہے۔

متعہ کا حکم، قول اوّل: اہلسنت والجماعت کے نزدیک متعہ حرام ہے اس پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماع بھی اور درایت بھی دال ہے کہ یہ حرام ہے۔

قول ثانی: صرف فرقہ امامیہ کے نزدیک متعہ جائز ہے بلکہ یہ اس کو ثواب بھی سمجھتے ہیں اور اس رات سے پیدا ہونے والے بچے کو فضیلت بھی دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

حرمت متعہ کے قائلین کے دلائل:

آیت قرآنی: "الاّعلی ازواجهم او ماملكت ايمانهم الخ" اور ظاہر ہے جس سے منع کیا گیا ہے وہ نہ تو زوجہ کے تحت داخل ہے زوجین کے احکام جاری نہ ہونے کی وجہ سے مثلاً حکم وراثت اور نہ ہی وہ مملوکہ کے تحت داخل ہے، پس یہ داخل ہے "فمن ابتغى وراء ذلك" کے تحت اس لیے حرام ہے لیکن بایں ہمہ حد جاری نہ ہوگی۔ اس لیے کہ حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہیں، ممکن ہے متعہ کرنے والے کو اس کا علم نہ ہو۔

سوال: یہ آیت کریمہ قرآن کی دو سورتوں میں ہے سورۃ مؤمنون اور سورۃ معارج اور یہ دونوں مکی سورتیں ہیں اور متعہ کی حرمت سنہ ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر ہوئی ہے اگر آیتوں میں متعہ کو داخل کریں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ متعہ حرام ہوگیا ہجرت سے پہلے حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۷ ہجری میں متعہ کی حرمت ہوئی "فكيف الاستدلال ايها الجمهور"

جواب (۱): اکثر آیات کے اعتبار سے مکی ہیں لیکن بعض آیات مدنی ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ اکثر آیات کی وجہ سے سورۃ مکی ہوئی ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ سورتیں "بجميع آياته" مکی ہیں۔ لہٰذا یہ جواب دینا صحیح نہیں۔

جواب (۲): اگر مان لیا جائے کہ تمام آیات مکی ہیں تو پھر جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ احکام پہلے نازل ہوتے ہیں اور آیتیں بعد میں نازل ہوتی ہیں جیسے وضوء کا حکم اور ایسے ہی اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ آیتوں کا نزول پہلے اور حکم بعد میں، جیسے اس کی نظیر "لا يضرّكم من ضلّ اذا اهتديتم" ابوبکر نے فرمایا، اس آیت پر عمل کرنے کا وقت نہیں آیا، یہ اس وقت جب بالکل مایوسی ہوجائے کہ یہ تبلیغ قبول نہیں کریں گے، یہ آیت پہلے نازل ہوئی حکم بعد میں آیا۔

نیز استدلال اسی میں بند نہیں، دیگر آیات بھی دال ہیں۔ مثلاً ''الاّ تعدلو افو احدةً او ما ملکت الخ'' جب جور کا خوف ہو تو ایک حرۃ یا مملوکہ سے نکاح کرلو، اس سے معلوم ہوا کہ بوقت خیف احدالامرین جائز ہے یا نکاح یا مملوکہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حالت عدم جور میں بھی اباحت منحصر ہے احدالامرین میں تزوجہ ہو یا مملوکہ ہو اور متعہ والی عورت نہ زوجہ ہے نہ مملوکہ ہے کیوں کہ مملوکہ اور زوجیت والے احکام جاری نہیں ہوئے۔

دلیل ثانی: حدیث علی رضی اللہ عنہ ''نهى عن المتعة'' امامت کے قائل حضرات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقتدیٰ مانتے ہیں کم ازکم ان ہی کی بات مان لو، ویسے بھی وفی الباب کے تحت احادیث کثیرہ قدر مشترک تواتر ہے چونکہ حرمت متعہ دال ہیں۔

دلیل ثالث: اُمت کا اجماع ہے اس کی حرمت پر۔

سوال: ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ابتداءً اختلاف تھا؟

جواب: ترمذی میں موجود ہے کہ ان کا رجوع ثابت ہے، اب یہ کہنا کہ وہ متعہ کے قائل تھے یہ مدعی سست گواہ چست والی بات ہے۔

دلیل رابع: درایت کا مقتضی بھی یہی ہے کیونکہ مقاصد نکاح متعہ سے پورے نہیں ہوتے، مثلاً توالد، تناسل، وراثت یہ مقاصد پورے نہیں ہوتے۔

متعہ جائز سمجھنے والوں کی دلیلیں:

دلیل اوّل: ''قال اللہ تعالی فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن الخ'' اس آیت سے طرق ثلاثہ سے استدلال ہے ذکر استمتاع ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ نکاح کا بیان نہیں بلکہ متعہ کا بیان ہے اگر بیان نکاح ہوتا تو لفظ تزوج یا نکاح کا ذکر ہوتا، اس میں ایتاء اجر کا ذکر ہے اور اجر عقد اجارہ میں ہوتا ہے اور متعہ عقد اجارہ ہے جس میں اُجرت بمقابلہ استمتاع واجب ہوتی ہے نکاح عقد اجارہ نہیں ہے اس میں امر ہے باتیاء اجر بعد الاستمتاع اور یہ اجارہ نہیں ہوتا ہے۔ اجارہ میں بعد الانتفاع اجرت واجب ہوتی ہے، یہ نکاح ومہر کا بیان نہیں ہے کیونکہ مہر تو نفس عقد سے لازم ہوجاتا ہے۔

اور قرأت ابی رضی اللہ عنہ ہے، اس آیت میں ''فما استمتعتم بہ منھن الی اجل منھن'' اور یہ زیادت الیٰ اجل تصریح ہے متعہ کی کیونکہ نکاح دوام کے لیے ہوتا ہے۔

جواب من الجمهور: استمتاع سے مراد نکاح ہے کیونکہ استمتاع کا معنی ہے نفع اُٹھانا اور کل دُنیا متاع ہے ان میں منکوحہ بیوی بھی متاع ہے تو نکاح کے ذریعہ میں بھی زوجین ایک دوسرے سے متمتع ہوتے ہیں تو یہ لفظ قرآن میں متعدد چیزوں کے لیے مستعمل ہے۔ ''قال اللہ وانما ھذہ الحیوۃ الدنیا متاع وقال اللہ وللمطلقات متاع بالمعروف وقال اللہ فمتعوھن''

ثانیاً: اجر سے مراد مہر ہے اور مہر پر قرآن میں اجر کا اطلاق ہوا ہے ''قال اللہ تعالی فانکحوھن باذن اھلھن واتوھن اجورھن'' یہاں پر اجر سے مراد مہر ہے ''فقال اللہ انا احللنا لک ازواجک اللاتی اتیت اجورھن''

ثالثاً طریقہ ثالث من الاستدلال بھی باطل ہے کیوں کہ ''استمتعتم'' بمعنی ''اردتم الاستمتاع'' ہے اور ارادہ بوقت عقد

ہوتا ہے تو اجر بعد الاستمتاع واجب نہیں ہے تا کہ یہ متعہ پر دال ہو بلکہ اجر عند ارادہ استمتاع الی عند العقد واجب ہوگا اور یہی مہر ہے جو نفس عقد سے واجب ہوتا ہے۔ نیز جصاص لکھتے ہیں کہ یہاں پر اجر سے مہر مؤجل مراد ہے اور مہر مؤجل نکاح میں بعد الاستمتاع واجب ہوتا ہے۔ ”رابعاً قرأت ابی قرأۃ شاذہ“ ہے اور خلاف قرأت متواترہ ہے اور باجماع اُمت قرأۃ شاذہ سے استدلال ضعیف ہے بہت سے آئمہ کے نزدیک یہ استدلال باطل ہے۔

دلیل ثانی: بعض روایات صحابہ رضی اللہ عنہم میں جواز متعہ مروی ہے، جواب وہ روایات مردود وضعیف ہیں، نیز وہ روایات صحیحہ کے خلاف ہیں۔ صحیح روایات میں حرمت متعہ کی تصریح ہے۔

دلیل ثالث: ابن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کو مباح فرماتے تھے۔ جواب: وہ روایت ضعیف ہے نیز وہ صحیح روایات کے خلاف ہے نیز وہ قرآن کے خلاف ہے۔ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رجوع بھی منقول ہے۔ چنانچہ آخر عمر میں وہ حرمت متعہ کا فتویٰ دیتے تھے۔

نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما صرف ضرورت کے وقت حالت اضطرار متعہ کو مباح فرماتے تھے۔ ”مثل اکل المیتہ للمضطر ابن ہمام“ لکھتے ہیں ”روایۃ الاباحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما رواھا عنہ اھل مکہ والیمن و روایۃ رجوع روی باسانید الضعیفۃ و اجازت المتعۃ عنہ اصح لکن الاجازۃ للضرورۃ کا کل المیتہ وما نسب صاحب الھدایۃ جواز المتعۃ ابی مالک فخطأ فقد بالغ المالکیۃ فیمن فی منع نکاح الموقت انتھی“ روایت ہے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ”قال قلت لابن عباس رضی اللہ عنہما لقد صارت بفتیاک رکبان وقال فیھا الشعراء یعنی المتعۃ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما واللہ ما بھذا افتت وما ھی الا کالمیتہ لاتحل الا للمضطر“ بہرحال جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول اولیٰ ہے۔ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نیز یہ اختلاف صدر اوّل میں تھا، بعدہ کل اُمت کا اجماع رہا تحریم پر۔ چنانچہ روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ حرمین نے مکہ میں جمعہ کی تقریر کی کہ بعض لوگ جن کے دل کی بصیرت بھی ایسی مفقود ہے جیسے ان کی ظاہری بصارت مفقود ہو چکی ہے وہ متعہ کو حلال کہتے ہیں حالانکہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔ یہ تعریض تھی ابن عباس رضی اللہ عنہما پر۔ ”فقام ابن عباس رضی اللہ عنہما وقال یا ابن زبیر رضی اللہ عنہ لقد فعلت المتعۃ فی عھد امام المتقین فرد علیہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اشد الرد وقال فجر بھا بنفسک واللہ ان فعلتھا لارجمنک“ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اباحت متعہ کی روایات پہنچی تھیں لیکن نسخ متعہ کی روایات نہیں پہنچی تھیں۔

دوسری بات: اختلافی مسئلہ: متعہ کی حرمت کب ہوئی؟

اس میں مختلف روایات ہیں۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ خیبر کے موقع پر اور بعض روایات میں ہے فتح مکہ کے موقع پر،

غزوۂ اوطاس، غزوۂ حنین، عمرۃ القضاء، حجۃ الوداع۔ ان تمام کے بارے میں روایات ہیں۔ جواب: غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاء کا زمانہ قریب قریب ہے قرب کی وجہ سے بعض نے عمرۃ القضاء اور بعض نے غزوہ خیبر نقل کر دیا۔ باقی غزوہ اوطاس اور غزوہ حنین اور فتح مکہ کا سفر ایک ہے اس لیے غزوۂ اوطاس کی طرف منسوب کر دیا۔ البتہ ایک روایت غزوۂ تبوک کی بھی ہے وہ ضعیف ہے اور ایک حجۃ الوداع کی ہے وہ مؤوّل ہے۔ اصل تقابل دو روایتوں میں ہے غزوۂ خیبر اور فتح مکہ والی۔

تطبیق (۱): نسخ دو مرتبہ ہوا، پہلے اباحت تھی خیبر میں نہی ہوئی، پھر فتح مکہ میں تین دن کے لیے اباحت ہوئی، پھر دوبارہ نسخ ہو گیا، زیادہ سے زیادہ نسخ مرتین لازم آئے گا اور وہ جائز ہے۔

تطبیق (۲): غزوۂ خیبر کے موقع پر تحریم ہوئی جیسے میتہ اور خنزیر کی تحریم ایسے ہی یہ تحریم ہوئی لیکن حالت اضطرار کے ماسواء میں حالت اضطرار میں میتہ اور خنزیر مباح ہو جاتا ہے۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر تحریم بالکلیہ ہوئی نہ حالت اختیار میں، اباحت باقی رہی اور نہ ہی اضطرار میں۔

تطبیق (۳): اصل نہی غزوۂ خیبر کے موقع پر ہوئی لیکن بعض صحابہ کو علم نہ ہوا، انہوں نے یہ سمجھا کہ ابھی نسخ نہیں ہوا اس لیے فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے پھر اس کا ارتکاب کیا، پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کروایا کہ متعہ حرام ہے جنہوں نے پہلے سنا نہیں تھا، انہوں نے سمجھا کہ انشاء تحریم ہے حالانکہ یہ اشاعت تحریم تھی۔ یہی اعلان مختلف مواقع پر کیا اور یہی تاویل حجۃ الوداع کی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ بالمعنی المعروف کبھی مباح ہوا ہی نہیں۔ چہ جائیکہ کہ اس کا نسخ ہوا ہو۔ باقی احادیث میں جو نسخ کا ذکر ہے یہ ایک خاص قسم کا نکاح تھا، یہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا، اس کا ذکر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ اگر کوئی آدمی سفر میں ہوتا وہ کسی جگہ ٹھہرتا تو کھانے پینے کے لیے ساز و سامان کی حفاظت کے لیے کسی عورت سے نکاح کر لیتا اور دل میں یہ ہوتا کہ ضرورت پوری کرنے کے بعد طلاق دیدوں گا، زبان سے تلفظ نہ ہوتا ابتداءً اس کی گنجائش تھی، بعد میں اس کا بھی نسخ ہو گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الشِّغَارِ ۔۔۔ نکاحِ شغار منع ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ جلب نہ جنب اور نہ شغار کرنا چاہیے مسلمانوں کو اور جو اُچک لے کسی کے مال کو ظلم سے وہ ہماری اُمت سے نہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا شغار سے۔

تشریح:......شغار کا لغوی و اصطلاحی معنی

لغوی معنی، کسی چیز کا حاکم سے خالی ہونا شغر البلد۔

معنی اصطلاحی: ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کر دے، دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کرے گا، اس طور پر کہ یہی تبادلہ مہر ہوگا مستقل مہر نہ ہوگا، یہ مہر کا نہ ہونا شغار کی ماہیت اور مفہوم میں داخل ہے۔

موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین مطلق وٹے سٹے کو شغار قرار دیتے ہیں۔

دلیل: ابوداؤد کی حدیث ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پوتے نے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرحمن کے ساتھ کیا کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کردو "وجعلا مهرًا" جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے مروان بن حکم کو لکھا کہ اس نکاح کو فسخ کردو اور فرمایا کہ یہ میرے نزدیک وہی شغار ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا اور امیر معاویہ، اس وقت مدینہ کے حاکم تھے، دیکھیں یہاں پر مہر کے ہوتے ہوئے بھی اس تبادلہ نکاح کو فسخ کروادیا۔

جواب (۱): یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے کہ مستقل مہر کے باوجود اس کو شغار قرار دیا۔

جواب (۲): حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ شغار نہیں لیکن اس کے باوجود اس کو شغار قرار دیا، سداً لباب الفساد کہ اگر یہ سلسلہ چل گیا تو آگے چل کر حقیقتاً شغار نہ ہو جائے۔

جواب (۳): اس نکاح میں عقد کے علاوہ مستقل مہر کا مقرر ہونا یہ مسلم نہیں۔ چنانچہ منتقی نامی حدیث کی کتاب میں تصریح ہے کہ "جعلاهٗ" کہ اسی عقد نکاح کو مہر مقرر کیا تھا، اگر یہی بات ہے تو پھر بعینہٖ شغار ہے۔

مسئلہ اختلافی: اگر کسی نے نکاحِ شغار کر لیا تو منعقد ہوگا یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک نکاح منعقد ہو جائے گا اور شغار والی وصف باطل ہو جائے گی اور مہر لازم ہوگا۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا شغار فی الاسلام"

جواب اوّل: ہم کہتے ہیں کہ شغار والی وصف جو ہے وہ لغو ہے اور نکاح صحیح ہے اور مہر مثلی واجب ہوگا، لہٰذا ہم شغار والا مفہوم ہی نہیں مانتے، جب شغار کا مفہوم باقی نہ رہا تو نہی بھی نہ رہی۔

جواب ثانی: یہ نہی ہے افعال شرعیہ سے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب نہی ہو افعال شرعیہ سے تو وہ منہی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح شغار درست ہو جائے گا۔

سوال: احادیث میں شغار کی نہی وارد ہے تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کس طرح عقد شغار کو صحیح قرار دیا۔ بظاہر یہ عام احادیث کی مخالفت ہے۔

جواب: ابوحنیفہ رحمہ اللہ شغار من حیث شغار کو حرام کہتے ہیں نہ جائز اور جس عقد کو ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جس صورت کو وہ جائز کہتے ہیں وہ نکاح اور مہر مثل ہے جو باتفاق جائز ہے وہ شغار نہیں ہے۔

سوال: علت نہی کیا ہے؟

جواب: عند البعض علت فساد اشتراط فی البضع ہے "حيث يصير بضع كل منهما مورد العقد و صداقا" یعنی ہر بضعہ منکوح اور مہر ہوگا اور یہ علت فساد ہے اور یہ علت منقول ہے اکثر شافعیہ سے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب اس علت کی رو سے بھی صحیح بنتا ہے کیونکہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس شرط فاسد کو لغو قرار دیتے ہیں جس میں ہر ایک بضعہ مہر بنتا ہے اور فرماتے ہیں کہ مہر مثل واجب ہوگا اور جب مہر مثل واجب ہوا تو علت فساد باقی نہ رہی کیونکہ "اشتراط فی البضع" ختم ہوگیا اور ہر ایک بضع صرف منکوحہ ہوگیا۔ علت ثانیہ، بعض حنابلہ علت فساد و ترک ذکر مہر بتاتے ہیں "والتفصیل فی الشامی وغیرہ"

"قوله لاجلب ولا جنب" یہ الفاظ باب الزکوٰۃ اور باب السباق میں استعمال ہوتے ہیں۔ "باب الزکوٰۃ" میں "لاجلب" کا معنی یہ ہے کہ عامل بستی سے دور ٹھہر کر حکم دے کہ جانور یہیں لاؤ چونکہ ایسی صورت میں ارباب اموال کو مشقت ہے اس لیے عاملین کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور "لاجنب" اس کا برعکس ہے کہ بستی والے جانوروں کو دور چراگاہ میں لے جائیں اور عامل کو کہیں کہ یہیں پر آجاؤ اور یہاں آکر وصول کرو، اس میں چونکہ عاملین کے لیے مشقت ہے اس لیے ارباب اموال کو اس سے منع فرمایا اور باب السباق میں جلب کا معنی یہ ہے کہ ایک گھوڑے والے نے اپنے پیچھے دوسرے گھوڑے والا رکھ لیا کہ اگر میرا گھوڑا سست ہوجائے تو پچھلا آواز لگادے تو یہ تیز ہوجائے اور جنب کا مطلب یہ ہے کہ گھڑسوار اپنے پہلو میں دوسرا گھوڑا رکھ لے تاکہ اگر میرا گھوڑا سست ہوجائے تو دوسرے گھوڑے پر سوار ہوجاؤں گا، اس سے منع کردیا۔ "لاشغار فی الاسلام" یہ صورۃً خبر ہے اور معنیً انشاء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام میں شغار پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا

خالہ، بھانجی اور پھوپھی، بھتیجی ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُزَوَّجَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ عَلَى خَالَتِهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ نکاح کی جائے عورت اپنی پھوپھی پر یا اپنی خالہ پر یعنی جب پھوپھی یا خالہ کسی کے نکاح میں ہوں تو اس کو اپنی بیوی کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح درست نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوِ الْعَمَّةُ عَلَى ابْنَةِ أَخِيهَا أَوِ الْمَرْأَةُ عَلَى خَالَتِهَا أَوِ الْخَالَةُ عَلَى بِنْتِ أُخْتِهَا وَلَا تُنْكَحُ الصُّغْرَى عَلَى

الْكُبْرٰى وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ نکاح کی جائے عورت اپنی پھوپھی پر یعنی پھوپھی جس کے نکاح میں ہو وہ بھتیجی سے نکاح نہ کرے اور منع کیا کہ نکاح کی جائے پھوپھی اپنی بھتیجی پر یا نکاح کی جائے عورت اپنی خالہ پر یا نکاح کی جائے خالہ اپنی بھانجی پر اور اسی طرح نکاح نہ کیا جائے چھوٹی سے یعنی بھتیجی سے جب بڑی موجود ہو یعنی خالہ یا پھوپھی نکاح میں ہو اور اسی طرح بڑی سے نکاح نہ کرے جب چھوٹی ہو یہ جملہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی تاکید کے واسطے فرمایا جو مضمون اوپر ارشاد ہوا۔

تشریح بھتیجی کے ہوتے ہوئے پھوپھی کے ساتھ اور بھانجی کے ہوتے ہوئے خالہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں، اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کرلیا جائے تو اس کا دوسری عورت کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو، ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسی اُصول کے تحت پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا جائز نہیں۔

سوال: ''جمع بين المرأة وعمتها وجمع بين المرأة وخالتها'' آیت کریمہ ''احلّ لكم ما وراء كم ذلك'' کے تحت داخل ہیں جس کا مقتضی جواز ہے اس کے باوجود عدم جواز کا قول کرنا یہ آیت کریمہ کے خلاف ہے یہ عدم جواز احادیث سے ثابت ہے اور وہ بھی اخبار احاد ہے۔ اس سے کتاب اللہ کی تقیید جائز نہیں۔

جواب اوّل: بیشک اس کا عدم جواز احادیث سے ثابت ہے لیکن تلقی بالقبول حاصل ہونے کی وجہ سے حدیث مشہورہ کے حکم میں ہیں، گویا محدثین کے اُصول کے مطابق خبر آحاد ہیں اور قواعد فقہاء کے مطابق مشہور ہیں اور مشہور کے ذریعے قرآن کی تقیید کی جاسکتی ہے۔

جواب ثانی: اگرچہ اس کا عدم جواز ایسی احادیث سے ثابت ہے جو کہ خبر واحد ہیں لیکن اس کے عدم جواز پر تعامل اُمت ہے اور یہ بھی ایک قسم کا تواتر ہے اور اس کو تواتر عملی کہا جاتا ہے۔ ایسی احادیث تواتر کے ساتھ مقرون ہونے کی وجہ سے متواتر ہی کے حکم میں ہیں اور ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ باقی ''لاينكح الصغرىٰ على الكبرىٰ لا ينكح الكبرىٰ على الصغرىٰ'' یہ ماقبل ہی کا بیان ہے کہ عام طور پر بھانجی چھوٹی ہوتی ہے اسی طرح بھتیجی ان کو صغریٰ سے تعبیر کیا اور خالہ پھوپھی کو کبریٰ سے تعبیر کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّرْطِ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ

عقدِ نکاح کے وقت شرط سے متعلق

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُوفٰى بِهَا مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ.

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب شرطوں سے زیادہ اس شرط کی وفا ضرور ہے کہ جس سے تم نے حلال کیا ہو فرجوں کو۔

تشریح عقد نکاح میں جو شروط لگائی جاتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔(۱) وہ شرط جو مقتضاء عقد کے مطابق ہو، مثلاً زوجہ کے لیے نفقہ، کسوی اور سکنی کی شرط لگانا۔اس کا حکم یہ ہے کہ نکاح ثابت ہو جائے گا اور یہ چیزیں اشتراط سے قبل بھی ضروری ہیں۔ (۲) وہ شرط جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو۔مثلاً زوجہ ثانیہ کو طلاق دینے کی شرط یا قریب نہ آنے کی شرط یا انفاق اور سکنی کے عدم کی شرط۔اس کا حکم یہ ہے کہ شرط لغو ہوگی اور نکاح صحیح ہو جائے گا۔(۳) وہ شرط جو مذکورہ دونوں قسموں کے علاوہ ہو، مثلاً دوسری شادی نہ کرنے کی شرط یا دوسرے شہر نہ لیجانے کی شرط۔اس کے حکم میں اختلاف ہے اس میں دو مذاہب ہیں۔احناف کے نزدیک پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ دیکھا جائے گا، خاوند کی مصلحت ہے یا نہیں؟ اگر مصلحت ہو تو پورا کرے ورنہ ضروری نہیں۔

دلیل: "الرّجال قوامون علی النسآء" لہٰذا مرد اپنی مصلحت کو دیکھے گا۔دیگر آئمہ کے نزدیک پورا کرنا ضروری ہے۔

دلیل: حدیث الباب، عقبہ بن عامر والی روایت ہے۔

جواب: "انّ احقّ الشروط" میں شروط سے مراد پہلی قسم کی شروط ہیں اور دوسری قسم بالاجماع داخل نہیں، لہٰذا ہم احناف کو حق حاصل ہے کہ تیسری قسم کو بھی خارج کریں۔لہٰذا دارومدار خاوند کی مصلحت پر ہوگا اور ان کا قول احناف کا مؤید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ

جو شخص مسلمان ہو جائے اور اس کے نکاح میں دس بیویاں ہوں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَخَيَّرَ أَرْبَعًا مِنْهُنَّ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو ان کے پاس دس بیبیاں تھیں ایام کفر کی وہ سب مسلمان ہوئیں ان کے ساتھ تبھی حکم کیا ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان میں سے چار چن لو یعنی جو چاہو اور باقی چھوڑ دو۔

تشریح مسئلہ، کسی شخص کے پاس زمانہ کفر میں چار بیویاں ہوں، پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔احناف کے نزدیک اگر نکاح متعاقباً (یکے بعد دوسری) ہو تو پھر جن سے پہلے نکاح کیا ہو، ان کا نکاح باقی ہے اور دوسری عورتوں کا نکاح کالعدم ہو جائے گا اور اگر نکاح معاً ہوا ہو تو پھر کسی کا بھی نکاح صحیح نہیں، اسلام لاتے ہی سب کا نکاح ختم ہو جائے گا۔آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں تخییر ہوگی کہ وہ چار عورتوں کو چھانٹ لے، عام ہے کہ ان کا نکاح پہلے ہوا ہو یا بعد میں جن کو اختیار کرے گا وہ نکاح میں رہیں گی اور باقی کا نکاح کالعدم ہو جائے گا۔

احناف کی دلیل: جن عورتوں سے نکاح چار کے بعد ہوا ہے درحقیقت ان سے نکاح منعقد ہوا ہی نہیں لیکن تباین دار کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں ہوگا کہ جن کا چار کے بعد نکاح ہوا ہے ان کا نکاح کالعدم ہے جوں ہی تباین دار ہوا، اس کا اظہار ہو جائے گا کہ ان کا نکاح کالعدم ہے۔

دیگر آئمہ کی دلیل: حدیث الباب، غیلان بن سلمہ کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، وہ بھی ساری مسلمان ہوگئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیلان کو حکم دیا، دس میں سے جس کو چاہے چار کا انتخاب کرلے۔ لہٰذا ایسی صورت میں خاوند کو اختیار ہوگا۔

جواب اوّل: یہ تخییر اس بات کی نہیں تھی کہ جن کے ساتھ نکاح کو باقی رکھنا چاہے اس کو باقی رکھ لے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جن چار سے نکاح پہلے ہوا ہے، ان کا انتخاب کرلو۔

جواب ثانی: یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جس وقت ابھی مافوق الاربعہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور ہمارا اُصول حرمت کے بعد کا ہے۔

قولہ هكذا رواه معمر الخ

سند پر کلام: معمر زہری سے روایت کرتے ہوئے غیلان بن سلمہ کے واقعہ سے متعلق جو مضمون ہے اس مضمون کو معمر نے جوڑ دیا، سالم بن عبداللہ عن ابن عمر کی حدیث کے ساتھ اور حالانکہ اس سند سے یہ مضمون متعلق نہیں بلکہ اس سند سے جو مضمون متعلق ہے وہ ہے جو مابعد والی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک ثقفی شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا کہ رجوع کرلو اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر رجوع نہ کیا تو میں تجھے سنگسار کروں گا۔ تیسری قبر پر بھی جیسے کہ ابورغال کی قبر پر سنگسار کی گئی سنگسار کروں گا۔

سوال: غیلان بن سلمہ کا واقعہ کس سند سے متعلق ہے؟

جواب: عن زہری عن محمد بن سوید ثقفی۔ اس سند سے غیلان بن سلمہ کا مضمون متعلق ہے معمر کو وہم ہوا کہ غیلان بن سلمہ کے مضمون کو عن سالم بن عبداللہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جوڑ دیا حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ غیلان بن سلمہ کا واقعہ رجل ثقفی کی سند سے متعلق ہے۔

سوال: رجل ثقفی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی سختی کیوں کی؟

جواب: قرائن سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ رجل ثقفی رہبانیت اختیار کرنا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ "لا رهبانية في الاسلام"

فائدہ: ابورغال کا نام زید بن مخلف تھا۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا غلام تھا، انہوں نے اس کو صدقہ کی وصولی کے لیے بھیجا، یہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچا جن کے پاس دودھ دینے والی صرف ایک ہی بکری تھی، قوم میں ایک بچہ ایسا تھا جس کی ماں مرچکی تھی، لوگ اس بکری کے دودھ سے اس بچہ کی پرورش کررہے تھے۔ ابورغال نے اس بکری کے لینے پر اصرار کیا جبکہ لوگ اس وقت اس کو بکری نہیں دینا چاہتے تھے، اس وقت اس پر آسمان سے عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ ایک قول یہ ہے کہ خود بکری کے مالک نے اسے قتل کردیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے اس پر لعنت بھیجی۔ (لسان العرب، ج:۱۱، ص:۲۹۱)

بعض نے کہا کہ ابورغال قوم ثمود کا آدمی تھا، اس نے حرم میں پناہ لے لی عذاب خداوندی سے بچ رہا، جب باہر نکلا تو عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو نشاندہی بھی کی یہ ابورغال کی قبر ہے اس پر لوگ جاہلیت میں بھی پتھر برساتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علامت یہ بتائی کہ اگر اکھیڑو گے تو سونے کی ڈلی ملے گی۔ واقعہ ایسا ہی ہوا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ معمر ثقہ ہیں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا یہ واقعہ زہری کو اس سند سے بھی اور محمد بن سوید سے بھی ملا ہو اور اسی سند سے رجل ثقفی والا واقعہ بھی متعلق ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أُخْتَانِ

جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں

عَنْ أَبِي وَهْبٍ الجَيْشَانِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ فَيْرُوزَ الدَّيْلَمِيِّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي أُخْتَانِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ.

ترجمہ حضرت ابی وہب جیشانی سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا فیروز دیلمی سے کہ وہ روایت کرتے تھے اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اسلام لایا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کر لے تو ایک کو ان میں سے جس کو چاہے۔

تشریح زمانہ کفر میں اگر کسی شخص کے پاس نکاح میں دو بہنیں ہیں تو زمانہ اسلام میں دیکھا جائے گا، اگر نکاح متعاقباً ہوا تو احناف کے نزدیک پہلی بہن کا نکاح صحیح ہوگا اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح معاً ہوا ہو تو اختیار ہوگا۔ ”الدلیل ھو الدلیل المسئلۃ ھی المسئلۃ“

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الجَارِيَةَ وَهِيَ حَامِلٌ

اس شخص سے متعلق جو حاملہ لونڈی خریدے

عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يَسْقِ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ.

ترجمہ حضرت رویفع بن ثابت سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر تو آب منی نہ پہنچائے غیر کے لڑکے کو یعنی جو عورت کسی اور سے حاملہ ہو اور اس کو اس نے خریدا تو اس سے صحبت نہ کرے۔

تشریح یہ اجماعی مسئلہ ہے جو شخص ایسی لونڈی کو خریدے جو حاملہ ہو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں، جب تک وضع حمل نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْبِي الأَمَةَ وَلَهَا زَوْجٌ هَلْ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا

اگر کسی باندی کا شوہر بھی ہو تو کیا اس سے صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ أَصَبْنَا سَبَايَا يَوْمَ أَوْطَاسٍ وَلَهُنَّ أَزْوَاجٌ فِي قَوْمِهِنَّ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ {وَالمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ} [النساء:24]

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پکڑیں ہم نے کچھ عورتیں قید میں اوطاس کے دن اور اوطاس ایک میدان ہے دیارِ ہوازن میں کہ وہاں پر تقسیم کی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم جنگ حنین کی اور ان عورتوں کے خاوند بھی تھے ان کی قوم میں سو ذکر کیا صحابیوں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی وقت اُتری یہ آیت "وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" یعنی حرام ہے تم پر نکاح اور صحبت کرنا خاوند والی عورت سے مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ۔

تشریح جب عورت دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف قید کر کے لائی جائے اور دار الحرب میں اس کا خاوند موجود ہو، وہ جب دار الاسلام منتقل ہو جائے تو اس کا نکاح تباین دار کی وجہ سے ختم ہو جائے گا، جس مجاہد کے حصہ میں آئے گی وہ استبراء کے بعد اس سے وطی کر سکتا ہے اس کے لیے جائز ہے اور استبراء ایک حیض۔ اس مسئلہ کی تفصیل دیکھئے۔

مسئلہ: سبب فسخ نکاح کا کیا حکم ہے؟ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک سبب فسخ گرفتار کر لینا ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک فسخ نکاح کا سبب اختلاف دارین ہے۔ ان حضرات کا استدلال حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ غزوہ اوطاس کے موقع پر جو عورتیں گرفتار کر کے لائی گئی تھیں، ان کے شوہر ان کے ساتھ تھے۔ اس لیے تباین دارین نہیں ہوا تھا۔ دراصل یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر متفرع ہے کہ اگر زوجین ایک ساتھ گرفتار کیے جائیں تو آئمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح فسخ ہو جائے گا اس لیے کہ سبب فسخ گرفتاری کا تحقق ہو گیا جبکہ احناف کے نزدیک نکاح برقرار رہے گا۔ اس لیے کہ تباین دارین نہیں پایا گیا لیکن امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا مسلک یہ ہے کہ زوجین جب مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیئے گئے البتہ مالک کو فروخت کر دینے کی صورت میں مشتری کو اختیار ہو گا خواہ ان کے نکاح کو برقرار رکھے یا چاہے تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر کے اپنے لیے مخصوص کر دے یا کسی کے ساتھ نکاح کر لے، ان دونوں صورتوں میں استبراء ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَهْرِ البَغِيِّ ۔۔۔۔ زنا کی اُجرت حرام ہے

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الكَلْبِ

وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

ترجمہ حضرت ابی مسعود انصاری سے روایت ہے کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور زنا کی اُجرت سے اور کاہن کی شیرینی سے۔

تشریح کراہیت کا اطلاق حرام پر بھی ہوتا ہے، مہر البغی سے مراد زانیہ کی اُجرت ہے، باقی مہر کے ساتھ تعبیر کیا بضع کے معاوضے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے، اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) اجارہ باطلہ ہو یعنی زانیہ سے یہ طے ہو کہ فلاں شخص سے زنا ہوگا اور اس کا اتنا معاوضہ ہوگا، یہ بالاجماع حرام ہے۔

(۲) زانیہ کو بغیر تعین کے کچھ نہ کچھ دے دے، یہ بھی اجارہ باطلہ ہے اور یہ بھی حرام ہے اور مہر البغی میں داخل ہے۔

(۳) اجارہ فاسدہ ہو، یعنی اس سے طے کرلیا کہ ایک مہینہ تک ہمارے کپڑے دھوؤ گی تو اتنا معاوضہ دیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیاہ کاری بھی ہوگی، اس صورت میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ معاوضہ لینا جائز ہے اور زنا والی شرط فاسد ہوگی۔

صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی معاوضہ لینا جائز نہیں۔ باقی موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین امام صاحب پر طعن کرتے ہیں کہ امام صاحب زنا کی اجازت دے رہے ہیں حالانکہ یہ الزام غلط ہے اس لیے کہ اُجرت تو کام کی لی جارہی ہے اور زنا کی شرط کو باطل قرار دے رہے ہیں۔

(۴) اجارہ صحیحہ، اس کی صورت یہ ہے کہ زانیہ عورت کو کہا گیا کہ ایک ماہ تک ہمارے کپڑے دھوؤ ہم تمہیں ہزار روپے دیں گے، اس کے ساتھ کچھ اور نہ ہوگا، اس صورت میں معاوضہ لینا جائز ہے اس لیے کہ اس صورت میں معاوضہ کپڑے دھونے کا لے رہی ہے۔ "نهى عن ثمن الكلب" یہ اُس زمانے کی بات ہے جس زمانے میں کتے کے بارے میں تشدیدی احکام تھے۔

"حلوان الكاهن" بغیر مشقت کے معاوضہ مل جاتا ہے اس لیے اس کو حلوان سے تعبیر کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنْ لَا يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ

ایک شخص کی پیغام دی ہوئی عورت کو دوسرا شخص پیغام نہ دے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُتَيْبَةُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَحْمَدُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قتیبہ نے کہا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو پہنچاتے تھے حضرت تک اور احمد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بیچے کوئی آدمی اپنے بھائی کی بیچی ہوئی چیز پر یعنی مثلاً ایک شخص دس روپے کو کوئی چیز بیچ گیا ہے کسی کے ہاتھ تو دوسرا ویسی ہی چیز آٹھ روپے کو اس کے ہاتھ

بیچ کر پہلے شخص کی چیز کو پھر وانہ دے اور پیغام دے ایسی عورت کو نکاح کا کہ جس کو پہلے کوئی پیغام دے گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہو چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ نَا أَبُو دَاوُدَ انبَانَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي الْجَهْمِ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَحَدَّثَتْنَا أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةً، قَالَتْ وَوَضَعَ لِي عَشَرَةَ أَقْفِزَةٍ عِنْدَ ابْنِ عَمٍّ لَهُ خَمْسَةٌ شَعِيرًا وَخَمْسَةٌ بُرًّا، قَالَتْ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، قَالَتْ فَقَالَ صَدَقَ، قَالَتْ فَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ ثُمَّ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَيْتَ أُمِّ شَرِيكٍ بَيْتٌ يَغْشَاهُ الْمُهَاجِرُونَ وَلٰكِنْ اعْتَدِّي فِي بَيْتِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَعَسٰى أَنْ تُلْقِي ثِيَابَكِ وَلَا يَرَاكِ فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَجَاءَ أَحَدٌ يَخْطُبُكِ فَآذِنِينِي، فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِي خَطَبَنِي أَبُو جَهْمٍ وَمُعَاوِيَةُ، قَالَتْ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَرَجُلٌ لَا مَالَ لَهُ وَأَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَرَجُلٌ شَدِيدٌ عَلَى النِّسَاءِ، قَالَتْ فَخَطَبَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَتَزَوَّجَنِي فَبَارَكَ اللهُ لِي فِي أُسَامَةَ.

ترجمہ: ہم سے محمود بن غیلان نے روایت کی، انہوں نے ابوداؤد سے کہا خبر دی ہم کو شعبہ نے کہا خبر دی مجھ کو ابوبکر بن ابی الجہم نے کہا ابوبکر نے میں اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن دونوں گئے فاطمہ بنت قیس کے پاس سو بیان کیا انہوں نے کہ تین طلاق دیئے ان کو ان کے شوہر نے اور ان کے لیے نفقہ اور مکان بھی ایام عدت کے لیے مقرر نہ کیا اور رکھ دیئے میرے لیے دس قفیز غلے کے اپنے ایک چچیرے بھائی کے پاس پانچ قفیز جو کے اور پانچ قفیز گیہوں کے کہا فاطمہ نے پھر آئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ذکر کیا میں نے یہ سب آپ کے آگے سو فرمایا آپ نے سچا کام کیا انہوں نے یعنی تیرے شوہر نے جو نفقہ اور مکان مقرر نہ کیا سو موافق شرع کے ہے پھر حکم دیا مجھ کو کہ میں عدت بیٹھوں۔ اُم شریک کے گھر میں بعد اس کے فرمایا کہ اُم شریک کے گھر میں تو مہاجرین جمع ہوتے ہیں تو عدت بیٹھ ابن مکتوم کے گھر سو وہاں اگر تو کچھ اپنے کپڑے (چادر) اُتارے تو تجھ کو کوئی نہ دیکھے گا، پھر جب تیری عدت پوری ہو جائے اور تیرے پاس کوئی پیغام نکاح لائے تو میرے پاس آنا یعنی مشورے کو پھر جب میری عدت تمام ہوگئی تو نکاح کا پیغام دیا مجھ کو ابوجہم اور معاویہ نے کہتی ہیں فاطمہ کہ پھر آئی میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ تو مال دار نہیں اور ابوجہم سختی کرنے والے ہیں عورتوں پر کہا فاطمہ نے پھر مجھے پیغام دیا اُسامہ نے جو بیٹے زید کے ہیں سو نکاح کر لیا انہوں نے مجھ سے سو برکت دی مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کے نکاح کرنے میں۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ (۱) "بیع علی البیع" (۲) "خطبة علی الخطبة" سے۔ "بیع علی بیع اخیه" کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) یہ کہ کوئی آدمی سامان خریدے اور مشتری خیار شرط رکھ لے، پھر کوئی آدمی اس مشتری سے کہے کہ شراء کے اس معاملہ کو ختم کر دو، میں تمہیں اسی طرح کی چیز کم قیمت میں دے دوں گا۔

(۲) یہ کہ کوئی کسی سے سامان خریدے اور بائع اپنے لیے خیار شرط رکھ لے۔ پھر کوئی آدمی اس بائع سے کہے کہ اس معاملہ کو ختم کر دو، میں یہی چیز تم سے زائد قیمت کے ساتھ خرید لیتا ہوں۔ (۳) یہ کہ بائع اور مشتری ثمن کی کسی مقدار پر متفق ہو جائیں اور معاملہ بیع کی طرف میلان ہو جائے۔ پھر کوئی تیسرا آدمی آ کر بائع سے کہے کہ میں تم سے یہ چیز خرید لیتا ہوں۔ اس کو "سوم علی سوم اخیه" بھی کہتے ہیں، یہ تینوں صورتیں ممنوع ہیں۔

خطبة علی خطبة اخیه: خطبہ علی خطبہ کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) مخطوبہ خاطب کے پیغام کو خود قبول کر لے یا ولی کو قبول کرنے یا نکاح کر دینے کی اجازت دے دے۔ اس صورت میں بالاتفاق خطبہ علی الخطبہ ناجائز ہے۔

(۲) یہ کہ مخطوبہ خاطب کے پیغام کو رد کر دے یا اس کی طرف میلان نہ ہو۔ اس صورت میں بالاتفاق خطبہ علی خطبة ناجائز ہے۔ جیسے زیر بحث باب میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ابوجہم اور معاویہ رضی اللہ عنہم نے خطبہ کیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشاورت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کی کثرت ضرب اور دوسرے کے فقر کو ذکر کر کے ان کے خطبہ کو رد کر دیا اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا مشورہ دیا۔ یہ اس لیے دیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا میلان نہ ہوا تھا اور اگر ہو گیا ہوتا تو پھر بھی باعث اشکال نہیں کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستشار تھے اور مستشار امین ہوتا ہے، اگرچہ خطبہ نکاح تو جائز نہیں لیکن مشورہ تو دے سکتا ہے اور نہی خاطب کو ہے اور مستشار کو نہی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مستشار تھے نہ کہ خاطب۔

سوال: اس روایت میں ہے کہ پانچ قفیز جو کے اور پانچ گندم کے اور مسلم کی روایت میں ہے پانچ قفیز جو کے اور پانچ کھجوروں کے؟

جواب (۱): "مافی الصحیح هو الصحیح" باقی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے اور یہ جمہور کے خلاف ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک جس طرح اجنبی مرد کا عورت کو دیکھنا جائز نہیں، اسی طرح اجنبی عورت کا مرد کو دیکھنا جائز نہیں۔

جواب (۲): یہاں جواز بتلانا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا ہے کہ ابن اُم مکتوم کے گھر میں عورت عدت آسانی سے گزار سکتی ہے یعنی عدت گزارنا آسان ہے کیونکہ حجاب من جانب واحد ہے اور ظاہر ہے کہ جب جانبین سے پردہ ہوگا تو دشواری ہوگی لیکن یہاں محض جانب واحد سے پردہ ہوگا، اس میں سہولت ہے۔

"قوله واما معاویة فصعلوک"

سوال: کیا مذکورہ صورت میں غیبت لازم نہیں آتی کیوں کہ دونوں کے عیب کو ان کی عدم موجودگی میں ظاہر کیا گیا ہے۔
جواب: نکاح کے معاملہ میں جس سے مشورہ کیا جائے تو دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صحیح مشورہ دے۔ اگرچہ اس میں متعلقہ آدمی کی غیبت اور عیب کا اظہار ہو جیسے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ باب سے مترشح ہوتا ہے۔ یہ کہ مخطوبہ خاطب کے پیغام کی طرف اشارۃً میلان ظاہر کردے۔ اس صورت میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ کے نزدیک عدم جواز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہا اللہ کے نزدیک جواز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ۔۔۔۔ عزل کے بیان میں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا نَعْزِلُ فَزَعَمَتِ الْيَهُودُ أَنَّهَا الْمَوْءُودَةُ الصُّغْرَى فَقَالَ كَذَبَتِ الْيَهُودُ إِنَّ اللهَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْلُقَهُ فَلَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا ہم نے یا رسول اللہ! ہم عزل کرتے ہیں (عزل کہتے ہیں کہ آدمی صحبت کرے عورت سے پھر جب انزال قریب ہو تو ذکر کو باہر نکال کے باہر ہی انزال کرے تاکہ عورت حاملہ نہ ہو) اور یہود کہتے ہیں کہ عزل کرنا چھوٹا موءودہ ہے (یعنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دینا جیسے کفار کا دستور تھا تو یہود سمجھتے تھے کہ عزل بھی اس میں داخل ہے) تو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط کہا یہود نے بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عزل کرتے رہتے تھے اور وہ قرآن اُترتا تھا یعنی اگر عزل میں کچھ برائی ہوتی تو قرآن میں نازل ہو جاتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَزْلِ۔۔۔۔ عزل کی کراہت سے متعلق

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ ذُكِرَ الْعَزْلُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ زَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِيثِهِ وَلَمْ يَقُلْ لَا يَفْعَلُ ذَاكَ أَحَدُكُمْ قَالَا فِي حَدِيثِهِمَا فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوقَةٌ إِلَّا اللهُ خَالِقُهَا.

ترجمہ: حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ ذکر کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عزل کا تو فرمایا کوئی تم میں سے جو عزل کرتا ہے تو کیوں کرتا ہے زیادہ کیا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی حدیث میں کہ یہ نہیں فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عزل نہ کرو پھر دونوں راویوں نے کہا فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جان اللہ کو پیدا

نہ کرنی ہوگی مگر اللہ اس کو پیدا کر ہی دے گا یعنی عزل سے کیا فائدہ اگر اللہ کو اولاد منظور ہوگی ہزار عزل کرو کچھ نہ ہوگا۔

تشریح "عزل" خروجِ منی کے وقت عضوِ مخصوص کو باہر نکال لینا یہ عزل ہے تا کہ حمل نہ ہو، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں طرح کی روایات ذکر کی ہیں۔ پہلے باب سے معلوم ہوتا ہے کہ عزل جائز ہے یہ بلا کراہت ہے اور دوسرے باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اباحت مع الکراہت ہے، ناپسندیدہ ہونے کو تعبیر کیا "لم یفعل ذالک" سے اور اگر "لا یفعل ذالک احدکم" فرماتے تو پھر یہ عبارت نہی پر دال ہوتی۔

مسئلہ: عزل میں بحث ہے علماء لکھتے ہیں کہ عزل اگرچہ جائز ہے لیکن اگر بلا ضرورت ہو تو مکروہ ہے اور اگر ضرورت ہو تو جائز بلا کراہت ہے۔ پھر عزل کے دوران زوجہ ہوگی یا باندی ہوگی، اگر عورت زوجہ وحرہ ہو تو اس کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں ہے اور اگر عورت اجازت دے تو جائز ہے، "لان الحرۃ حقا فی الجماع ولھا المطالبۃ بہ قیل ھذا بالاجماع" لیکن حق یہ ہے کہ یہ آئمہ ثلاثہ ابوحنیفہ ومالک واحمد کا مسلک ہے اور عندالشافعی "عزل من الحرۃ بغیر اذنھا" جائز ہے "لانھم قالوا الزوجۃ لاحق لھا فی الجماع اصلاً" اور اگر وہ باندی ہو تو بغیر اجازت کے عزل کر سکتا ہے اور اگر وہ زوجہ باندی ہو غیر کی تو وہ مثل حرہ ہے اور اس کی اجازت ضروری ہے۔ "عند البعض اذن" سیدھا ضروری ہے عزل کے حکم میں ہے اسقاط بھی وہ مکروہ ہے بلا ضرورت اور اگر ضرورت ہو تو اسقاط مثل عزل جائز ہے۔ "قبل نفخ الروح" اور "بعد نفخ روح" اسقاط حرام ہے اور فی حکم قتل ہے آخرت میں۔ "الی حکمہ اثم قتل فی الاخرۃ وفی الدنیا غرۃ عبدا و امۃ" لیکن بعض علماء لکھتے ہیں کہ حکم اسقاط اشد ہے، عزل سے "لان العزل ھو المنع عن تعاطی الاسباب الولد والاسقاط تعطیل الاسباب بعد تعاطیھا والثانی اشد من الاوّل" تاہم عندالضرورت مثل مرض المرأۃ فقہاء اسقاط قبل نفخ الروح کو بھی جائز کہتے ہیں۔ "کذا فی الشامی وبحر الرائق وغیرہ"

سوال: ترمذی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اباحت مع الکراہت ہے لیکن مسلم میں حدیث جذامہ بنت وہب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ وادِ خفی ہے اور یہ وادِ صغریٰ ہے یہ تو منہی عنہ ہے؟

جواب: مسلم کی روایت میں جو ممانعت معلوم ہوتی ہے تنزیہی کے درجہ میں ہے۔

سوال: ترمذی کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کذبت الیھود" وادِ صغریٰ نہیں یہاں وادِ صغریٰ کی نفی ہے مسلم کی روایت میں وادِ خفی قرار دیا وہاں اثبات ہے گو اثبات ونفی میں تعارض ہے؟

جواب: ترمذی کی روایت میں جو نفی ہے یہ وادِ حقیقی ہونے کی نفی ہے اور مسلم کی روایات میں جو اثبات ہے وہ وادِ خفی ہونے کا اثبات ہے۔

سوال: موجودہ زمانے کی منصوبہ بندی اور عزل میں فرق، بعض نے کہا ہے کہ جب عزل صحیح ہے تو منصوبہ بندی بھی صحیح ہے؟

جواب: خاندانی منصوبہ بندی کو عزل پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عزل انفرادی چیز ہے اور منصوبہ بندی اجمائی چیز ہے، پوری قوم کو آمادہ کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا ان کی یہ منصوبہ بندی ممنوع ہے بوجوہ متعددہ۔

وجہ اوّل: جو کہ گزر گئی کہ عزل پر قیاس درست نہیں ہے۔

وجہ ثانی: بلاضرورت عزل بھی مکروہ ہے اور وادِ خفی ہے اور یہ منصوبہ بندی بھی بلاضرورت ہے۔

وجہ ثالث: اس قانون سے ناجائز فائدہ زیادہ اُٹھایا جاتا ہے اور زانی لوگ اس کے مواخذہ سے بچ جاتے ہیں۔

وجہ رابع: اس میں ضیاع ہے مال کثیر اور یہ ضیاع مال مسلمین کا بلافائدہ۔

وجہ خامس: یہ مبنی ہے مخالفت قرآن پر کہ منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہے کہ ہم زیادہ اولاد کو روٹی نہیں دے سکتے، "ومامن دابة الاعلی اللہ رزقھا"

وجہ سادس: اور یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رضائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے کیونکہ کثرت اولاد اور تکثیرِ اُمت محمد یہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں "تزوج الولود الودود الخ" بہرحال اس سے بچنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِسْمَةِ لِلْبِكْرِ وَ الثَّيِّبِ

بیوہ اور کنواری کے لیے رات کی تقسیم سے متعلق

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر تو چاہے تو میں یہ بھی کہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیکن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کہا کہ سنت یہ ہے کہ جب نکاح کرے آدمی باکرہ عورت سے اپنی بیوی پر تو رہے نئی عورت کے پاس سات روز تک اور جب نکاح کرے اپنی بیوی پر کسی بیوہ عورت سے تو رہے اس کے پاس تین دن یا تین دن کی باری مقرر کرے۔

تشریح اگر ایک شخص پہلے سے شادی شدہ ہو پھر وہ نئی شادی کرے، اگر زوجہ جدیدہ باکرہ ہو تو سب کا اتفاق ہے کہ اس کے پاس سات دن ٹھہرے اور اگر ثیبہ ہو تو پھر تین دن ٹھہرے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے یہ دن باری میں شمار ہوں گے یا اس کے ساتھ مختص ہوں گے۔

قول اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ باری میں شمار ہوں گے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ مختص ہوں گے اسی کے ساتھ پھر اس کے بعد باری شروع ہوگی۔

دلیل احناف: نصوص عامہ جو موجب عدل وانصاف ہیں جیسے حدیث میں ہے کہ اگر دو بیویاں ہوں ان میں سے ایک ساتھ زیادہ حسن سلوک ہو تو قیامت کے دن اس طرح اُٹھایا جائے گا یعنی ایک جانب جھکا ہوا ہوگا اور اسی طرح قرآن میں بھی یہی حکم ہے وہاں جدیدہ قدیمہ کا کوئی فرق نہیں۔ باقی تین دن یا سات دن صرف اس کو مانوس کرنے کیلئے ہیں۔

دلیل جمہور: حدیث الباب، حدیث انس رضی اللہ عنہ، جب آدمی باکرہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات

دن اور ثیبہ کے پاس تین دن۔

جواب: حدیث کا مدلول اتنا ہے کہ سات دن باکرہ کے پاس ٹھہرے اور تین دن ثیبہ کے پاس۔ باری میں شمار نہ ہونے پر کوئی دلالت نہیں، اس سے یہ حدیث ساکت ہے۔ لہٰذا دیگر نصوص کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس کی تائید حدیث اُم سلمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اگر تو چاہے تو میں تیرے پاس سات دن رہوں اور اگر تو چاہے تو تین دن رہوں لیکن پھر دوسری عورتوں کے پاس بھی سات دن تین دن ٹھہروں گا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تین دن تاکہ جلد عود ہو جائے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ سات دن اور تین دن باری میں شمار ہوں گے۔

حدیث الباب میں دو تعارض اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

تعارض اوّل: زیر بحث باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص رضی اللہ عنہ کے پاس چھ (٦) سال کے بعد واپس لوٹایا اور بعض دیگر روایات میں چار سال کا ذکر ہے اور بعض روایات میں دو سال کا ذکر ہے۔ بظاہر تعارض ہے۔

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں مسلمان ہو چکی تھیں اور ابو العاص رضی اللہ عنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کے موقع پر گرفتار کر کے لائے گئے۔ اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ روانہ کیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں اپنا وہ ہار روانہ کیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے موقع پر ان کو دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ہار کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔ امتثال امر کی گردنیں فوراً سر تسلیم خم ہو گئیں، ہار واپس کر دیا گیا اور ابو العاص رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ مکہ میں پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ ابو العاص رضی اللہ عنہ نے حسب وعدہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا۔ دو سال کے بعد ۴ ہجری میں ابو العاص رضی اللہ عنہ دوبارہ گرفتار ہو گئے۔ واقعہ یہ ہوا کہ وہ قریش کے اموال تجارت لے کر ملک شام گئے۔ تجارتی سفر سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سریہ سے واسطہ پڑا، مال قبضہ میں لے لیا گیا اور ابو العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پناہ لی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امان کو برقرار رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مال بھی واپس کر دیا۔ پھر یہ دو سال بعد ٦ ہجری میں مسلمان ہو کر مدینہ آئے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو واپس کر دی اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ٦ سال کی مدت سے مراد ہجرت کے بعد ابو العاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے تک، ۴ سال کی مدت سے مراد غزوۂ بدر سے لے کر ان کے مسلمان ہونے اور ۲ سال کی مدت سے مراد ابو العاص رضی اللہ عنہ کی دوسری گرفتاری سے لے کر ان کے مسلمان ہونے تک کا زمانہ ہے۔

تعارض ثانی: دوسرا تعارض یہ ہے کہ زیر بحث باب میں حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مہر جدید اور نکاح جدید کے ساتھ واپس کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مہر قدیم اور نکاح قدیم کے ساتھ واپس کیا گیا، بظاہر تعارض ہے۔

جواب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہوگی کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سند کے اعتبار سے قوی اور عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ۔۔۔۔ سوکنوں کے درمیان انصاف کرنا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ وَيَقُولُ اللّٰهُمَّ هَذِهِ قِسْمَتِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ شب باشی میں تقسیم کرتے تھے اپنی عورتوں کے درمیان میں اور عدل کرتے تھے اور پھر کہتے یا اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں سو تو ملامت مت کر مجھ کو اس میں جس کا میں اختیار نہیں رکھتا بلکہ تو اختیار رکھتا ہے یعنی محبت وغیرہ میں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہوں کسی کے پاس دو عورتیں اور عدل نہ کرے ان میں یعنی شب باشی وغیرہ میں جس میں آدمی اختیار رکھتا ہو سو وہ قیامت کے دن آئے گا یعنی میدانِ حشر میں کہ ایک طرف کا آدھا بدن اس کا جھولا مارا ہوا ہوگا۔

تشریح: اس میں تو اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرتے تھے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باری کا مقرر کرنا واجب تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں، وجوب کا بھی اور استحباب کا بھی لیکن اُمت پر بالاتفاق باری مقرر کرنا واجب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الزَّوْجَيْنِ الْمُشْرِكَيْنِ يُسْلِمُ أَحَدُهُمَا
زوجین مشرکین میں سے ایک کے مسلمان ہونے کے متعلق

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بِمَهْرٍ جَدِيدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيدٍ.

ترجمہ حضرت ابی شعیب نے روایت کی اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیر دیا زینب اپنی صاحبزادی صاحبہ کو ابی العاص بن ربیع پر نیا مہر باندھ کر اور نیا نکاح کر کے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ مُسْلِمًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَتْ امْرَأَتُهُ مُسْلِمَةً، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا كَانَتْ أَسْلَمَتْ مَعِي فَرُدَّهَا عَلَيَّ فَرَدَّهَا عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرد آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں، پھر آئی اس کی عورت مسلمان ہو کر پھر کہا اس نے یا رسول اللہ! وہ میرے ہی ساتھ ایمان لا چکی تھی سو پھیر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے شوہر پر۔

تشریح مسئلہ اولیٰ: زوجین کے درمیان تباین دارین فرقت کا سبب ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک سبب ہے

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک فرقت کا سبب نہیں ہے "اِلاّ" یہ کہ عدت گزر جائے پھر سبب ہوگا۔

مسئلہ ثانیہ: سبی، قید ہونا یہ فرقت کا سبب ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک فرقت کا سبب نہیں۔

قول ثانی: شوافع فرماتے ہیں کہ فرقت کا سبب ہے، "اذا کان الامر کذلک، فصارت الصور متعددۃ" کچھ صورتیں اجماعی ہیں اور کچھ اختلافی ہیں۔

(۱) زوجین دونوں کے دونوں مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائیں خود بخود یا پھر مستامن بن کر آئیں اور یہاں آ کر مسلمان ہو جائیں، اس صورت میں بالاجماع فرقت نہیں ہوگی، احناف کے نزدیک تباین دارین نہ ہونے کی وجہ سے اور شوافع کے نزدیک سبی نہ ہونے کی وجہ سے۔

(۲) زوجین میں سے کسی ایک کو گرفتار کر کے لایا جائے تو بالاجماع فرقت ہو جائے گی۔ احناف کے نزدیک تباین دارین کی وجہ سے اور شوافع کے نزدیک سبی کی وجہ سے۔

(۳) زوجین میں سے کوئی ایک خود بخود مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے تو احناف کے نزدیک فرقت واقع ہوگی تباین دارین کی وجہ سے شوافع کے نزدیک نہ ہوگی، سبی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔

(۴) مسلمانوں کے لشکر نے دارالحرب پر حملہ کیا، زوجین دونوں کو گرفتار کر کے دارالاسلام میں لے آئے تو احناف کے نزدیک فرقت نہ ہوگی تباین دارین کے نہ ہونے کی وجہ سے اور شوافع کے نزدیک فرقت ہوگی سبی کی وجہ سے۔

دلیل احناف: واقعہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا "حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، المتعلق بقصۃ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" ان کے خاوند ابوالعاص حالت کفر میں مکہ میں رہے، غزوۂ بدر میں گرفتار

کر کے لائے گئے، آگے تفصیل ہے مالی معاوضہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا والا ہار بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپس کر دیا، لیکن ان سے طے کر لیا کہ میری بیٹی کو ہجرت کی اجازت دے دینا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حوالے کر دیا کہ زید بن حارثہ صحابی رضی اللہ عنہ کو حوالے کر دینا، انہوں نے ان کے حوالے کر دیا، اب زوجہ محترمہ مدینہ میں ہے اور ابو العاص مکہ میں تباین دار ہے، پھر فتح کے موقع پر ابو العاص مسلمان ہو کر مدینہ میں آئے، تباین دارین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابو العاص رضی اللہ عنہ کی طرف واپس کیا، نکاح جدیدہ کے ساتھ معلوم ہوا کہ نکاح قدیمہ باقی نہ رہا محض تباین دارین کی وجہ سے۔

دلیل شوافع: یہی واقعہ ہے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "المتعلق بقصة زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو واپس کیا، نکاح اوّل ہی کے ساتھ جب کہ تباین دارین پایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ تباین دارین موجب فرقت نہیں، اگر فرقت واقع ہوتی تو نکاحِ اوّل کے ساتھ نہ لوٹاتے۔

جواب اوّل: اس حدیث میں ہے "بالنکاح الاوّل" اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے نکاح کو باقی رکھا گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ نکاحِ اوّل کی رعایت کی وجہ سے کیونکہ انہوں نے حسن مصاہرت کا ثبوت دیا اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاحِ جدید کے ساتھ لوٹا دینا۔

سوال: حدیث میں ہے "ولم یحدث نکاحًا" یہ اس جواب سے مانع ہے۔

جواب (۱): "لم یحدث" کسی نچلے راوی کی کلام ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نہیں۔

جواب (۲): اگر مان لیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کلام ہے، پھر یہ مؤوّل ہے "لم یحدث نکاحًا مع غیرہ" کہ ابو العاص کے ماسواء کے ساتھ نکاح نہیں کیا بلکہ منتظر رہے ابو العاص کے اسلام کے جب اسلام لے آئے تو نکاحِ جدید کے ساتھ واپس کر دیا۔

جواب ثانی: حدیثیں دونوں قسم کی ہیں، حدیث عمرو بن شعیب مثبت للزیادۃ ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نافی ہے۔ لہٰذا مثبت للزیادۃ کو ترجیح ہوگی۔

جواب ثالث: پہلی حدیث نکاحِ جدید میں محکم ہے جب کہ دوسری حدیث نکاحِ اوّل میں محتمل ہے، لہٰذا پہلی حدیث کو ترجیح ہوگی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب بات کہہ دی کہ حدیث عمرو بن شعیب پر امام مالک، امام شافعی، امام احمد کا اس پر عمل ہے اگرچہ سنداً ضعیف ہے کہ حجاج بن ارطاۃ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہونے کی وجہ سے کہ اس میں وجادہ انقطاع ارسال کا احتمال ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سنداً زیادہ بہتر ہے لیکن اس پر عمل نہیں۔

جواب: یہ ظاہر خلاف ظاہر ہے حدیث عمرو بن شعیب دال ہے کہ انقضاء عدت کے بعد ایک نکاح جدید ہوگا اور آئمہ

ثلاثہ بھی یہی کہتے ہیں صرف اس مضمون کے اعتبار سے حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ پر عمل ہے۔ بخلاف حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ برس کے انقضاء عدت کے بعد بھی نکاح اوّل سے ردّ ہوگا اس پر کسی کا بھی عمل نہیں۔ باقی آئمہ ثلاثہ کا عمل، حدیث عمرو بن شعیب پر عمل تباین دارین کے موجب فرقت ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک اور اعتبار سے ہے کہ انقضاء عدت کے بعد نکاح جدید کی ضرورت ہوگی، دونوں حدیثوں میں تعارض ہے اس کے جواب بھی وہی ہیں جو شوافع رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب ہے۔

سوال: دوسری حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انقضاء عدت کے بعد بھی نکاح باقی رہے گا؟

جواب: یہ سوءِ حفظ ہے داؤد بن حصین کا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق تشریف فرما ہیں۔

سوال: بعض روایتوں سے معلوم ہوا کہ چھ برس کے بعد ردّ ہوا اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ دو برس کے بعد ہوا۔

جواب: اگر ابوالعاص کے مشرف با اسلام ہونے کا لحاظ کریں تو پھر تو فاصلہ ہے چھ برس کا اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت کریمہ جس میں یہ حکم نازل ہوا "لا هن حل لهم ولا هم يحلون لهن" اس کے نزول کا لحاظ کریں تو پھر دو برس کا وقفہ ہے، یہ آیت سنہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی، ابھی صلح نامہ طے ہی ہوا تھا کہ کچھ عورتیں مسلمانوں کے ساتھ مل گئیں، ان کے خاوند پیچھے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ شرط صرف رجال کے حق میں ہے۔ نیز سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں علامہ سندھی نے جواب دیا کہ بعد ستین اصل میں یہ لفظ تھا بعد سنین رواۃ کے تصرف سے ستین ہوگیا، لیکن اکثر رواۃ ستین نقل کررہے ہیں اس لیے کہ تخطیہ نہ کیا جائے تطبیق دی جائے۔

"حدثنا يوسف بن عيسى" اس حدیث سے شوافع استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو تباین دارین ہے لیکن فرقت نہیں ہے تو احناف جواب دیتے ہیں کہ بھائی جان وہ آدمی خود کہہ رہا ہے کہ ہم اکٹھے مسلمان ہوئے ہیں، لہٰذا تباین دارین صورۃ ہے نہ کہ حقیقتاً۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَمُوتُ عَنْهَا قَبْلَ أَنْ يَفْرِضَ لَهَا

جو شخص جو نکاح کے بعد مہر مقرر کرنے سے پہلے فوت ہوجائے

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ، فَقَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ الَّذِي قَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ.

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا گیا ان سے حکم اس شخص کا کہ نکاح کیا اس نے

ایک عورت سے اور مقرر نہ کیا تھا اس کے لیے کچھ مہر اور نہ داخل ہوا تھا وہ اس پر کہ مر گیا سو جواب دیا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ اس عورت کا مہر ہے اس کے مثل کی عورتوں کے برابر ہے نہ کمی ہے نہ اس میں نہ زیادتی اور اس پر عدت ہے یعنی چار مہینے دس دن اور اس کو اپنے خاوند کے مال سے میراث بھی ہے سو کھڑے ہو گئے معقل بن سنان اشجعی اور کہنے لگے حکم کیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بروح بنت واشق کو یہی جو ایک عورت تھی ہم میں کی ایسا ہی جیسا تم نے حکم دیا اس سائل کو سو خوش ہو گئے اس کے سننے سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تشریح کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر نہ کیا، پھر قبل الدخول مر گیا تو اب کیا حکم ہے؟ حدیث میں واقعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا میں اجتہاد کروں گا، پھر ایک ماہ کے بعد فرمایا: مہر مثلی ہوگا، اس پر دوسرے صحابی نے یہ بات حدیث سے ثابت کر دی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے ہی خوش ہوئے، اس پر حنفیہ کا عمل ہے اور یہی قول سفیان ثوری، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہی مسلک ہے۔ اگرچہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ تھا کہ ایسی عورت کے لیے مہر نہ ہوگا، صرف میراث کی مستحق ہوگی اور مصر میں آنے کے بعد کا قول یہ ہے کہ وراثت بھی ملے گی مہر بھی ہوگا اور عدت بھی ہوگی، یعنی بعد میں جمہور والے مذہب کی طرف رجوع کر لیا جبکہ مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حدیث الباب سے ہے۔ اس دلیل پر مالکیہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں بروع بنت واشق کے واقعہ کو نقل کرنے والے صحابی کا نام معقل بن سنان آیا ہے۔ جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔ بعض روایات میں معقل بن یسار اور بعض روایات میں رجل بن اشجع اور بعض روایات میں ناس بن اشجع آیا ہے، لہٰذا روایت سے استدلال درست نہیں لیکن یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے معقل بن سنان والی روایت کو حسن صحیح قرار دیا۔ لہٰذا یہ اضطراب نہ رہا۔ اگر اضطراب مانا بھی جائے تو یہ صحابی کی تعیین میں ہے اور یہ امر روایت کی صحت سے مانع نہیں۔ "لانہ الصحابۃ کلھم عدول" ہو سکتا ہے اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے قول قدیم سے قول جدید کی طرف رجوع کر لیا۔

ابواب الرضاع ۔۔۔ دودھ پلانے کے ابواب

ربط: نکاح کا نتیجہ ولد ہے اس کی ابتدائی خوراک دودھ ہے اس لیے یہ باب قائم کیا اور اُصول بھی یہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ يُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ

جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا دودھ سے جو حرام کیا ہے نسب سے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ الوِلَادَةِ

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے دودھ پینے سے جو حرام کیا ہے جننے سے یعنی نسب سے۔

تشریح قرآن وسنت کا صریح حکم ہے کہ رضاعت بھی مثل نسب محرم نکاح ہے جس طرح نسبی اُم واخت سے نکاح حرام ہے رضاعی اُم واخت سے بھی نکاح حرام ہے لیکن تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ مرضعہ تمام رشتے دار رضیع کے بعد رشتہ دار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مرضعہ کا خاوند رضیع کا اب ہو جاتا ہے اور مرضعہ کے بیٹے بیٹیاں رضیع کے بہن بھائی ہو جاتے ہیں اور مرضعہ کے آباؤ اجداد رضیع کے بعد آباؤ اجداد ہو جاتے ہیں اور ان کا رضیع کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ہے لیکن رضیع کی طرف سے اس کی بہنیں اور بھائی والدہ وغیرہ مرضعہ کے رشتہ دار نہیں بنتے۔ لہٰذا وہ اور مرضعہ یا مرضعہ کے اقارب آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لَبَنِ الفَحْلِ ۔۔۔۔ دودھ مرد کی طرف منسوب ہونے کے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْمِرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ فَإِنَّهُ عَمُّكِ قَالَتْ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي المَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، قَالَ فَإِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آئے میرے پاس چچا میرے دودھ کے اور اجازت چاہی انہوں نے میرے پاس آنے کی سو میں نے انکار کیا کہ میں اِذن نہ دوں گی جب تک پوچھ نہ لوں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ داخل ہوں تیرے پاس وہ تو چچا ہے تیرا سو کہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھ کو دودھ پلایا ہے عورت نے اور نہیں دودھ پلایا ہے مرد نے، پھر فرمایا آپ نے وہ چچا ہے تیرا چاہے کہ آئے تیرے پاس۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ لَهُ جَارِيَتَانِ أَرْضَعَتْ إِحْدَاهُمَا جَارِيَةً وَالأُخْرَى غُلَامًا أَيَحِلُّ لِلْغُلَامِ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالجَارِيَةِ فَقَالَ لَا اللِّقَاحُ وَاحِدٌ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا مسئلہ ایک شخص کا کہ اس کے دو لونڈیاں ہیں یعنی دونوں اس کی موطوءہ ہیں اور دودھ پلایا ایک نے ایک لڑکے کو اور دوسری نے ایک لڑکی کو کیا درست ہے لڑکے کو کہ نکاح کرے اس لڑکی سے کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نہیں درست ہے اس لیے کہ دونوں کے

دودھ ایک ہی شخص کے جماع اور منی سے پیدا ہوئے۔

تشریح دودھ تو اصل میں عورت ہی کا ہوتا ہے نہ کہ مرد کا لیکن دودھ کے اُترنے کا سبب مرد کی وطی ہوتی ہے، اس ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے لبن کی نسبت فحل کی طرف کردی۔ باقی جس طرح رضاعت مرضعہ کے ساتھ نکاح کی حرمت میں مؤثر ہے اسی طرح مرضعہ کے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت میں بھی مؤثر ہے اور یہ حرمت پھر مرد کے دیگر رشتے داروں میں بھی سرایت کر جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ

ایک دوگھونٹ دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ثابت ہوتی حرمت رضاعت کی ایک بار یا دو بار دودھ چوسنے سے۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ رضاعت موجب حرمت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کتنی مقدار سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں مطلق رضاعت موجب حرمت ہے خواہ قلیلہ ہو کثیرہ ہو۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خمس رضاعت موجب حرمت ہے اس سے کم نہیں۔

قول ثالث: حنابلہ کے ہاں مصتان موجب حرمت ہے "ما دون المصتین" موجب حرمت نہیں۔

دلیل احناف: "نصوصِ مطلقه، امهاتكم الّتی ارضعنكم، ارضعنكم" اس میں اطلاق ہے خواہ قلیلہ ہو یا کثیرہ ہو خمس رضاعت ہو یا کم ہو، مصتان ہو یا "ما دون المصتین" اور اسی طرح حدیث "ان اللّٰه حرّم من الرضاع ما حرّم من النسب" یہاں پر بھی مطلق رضاعت کو ذکر کیا گیا خواہ قلیلہ ہو یا کثیرہ ہو الخ۔

دلیل امام شافعی رحمہ اللہ:

حدیث الباب، حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "و العمل علی هذا عند بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه و آله وسلّم قالت عائشه صدیقه رضی اللّٰه عنها انزل فی القرآن عشر رضعات مّعلوماتٍ فنسخ من ذالک خمسًا و صار الی خمس رضعات فتوفی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلّم و الامر علی ذالک" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً عشر رضعات کا حکم تھا پھر خمس رضعات کی وجہ سے عشر رضعات کا حکم منسوخ ہوگیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پاگئے تو معاملہ ایسا ہی رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تو نسخ کا احتمال ہی نہیں، لہٰذا خمس رضعات موجب حرمت ہے۔

سوال: ہمارے قرآن میں تو کہیں بھی خمس رضعات نظر نہیں آتا، "فکیف الاستدلال یا ایها الشوافع"

جواب (۱): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا سے پردہ فرما گئے، لوگ اس کو پڑھتے تھے جن کو اس کے نسخ کا علم نہ تھا، وہ حضرات پڑھتے تھے حالانکہ یہ منسوخ ہو گئی تھی "أمهاتكم التى ارضعنكم" کی وجہ سے۔...... شوافع کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ ہو اور حکم باقی ہو۔

جواب (۲): یہ بلا دلیل ہے اور حدیث ھذا جو مختلف فیہ ہے کے علاوہ کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے صفحہ ۱۴۱ "عن عائشه صديقه رضى الله عنها لقد نزلت آية الرجم و رضاعة الكبير عشر ولقد كان فيه صحيفة تحت السريرى فلما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم و تشاغلنا دخل داجن فاكلها" شوافع کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ہم استدلال کرتے ہیں اور یہ ہماری مؤید ہے۔

جواب (۳): اس میں بجائے خمس عشر رضعات ہے۔ نیز اگر یہ صحیفہ بکری کھا گئی تو اس وجہ سے آیت ذہنوں سے تو گم نہیں ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیوں اسے قرآن میں داخل نہیں فرمایا۔ نیز امام طبری لکھتے ہیں کہ اس میں محمد بن اسحاق ہے جو کذاب ہے نیز طبری نے لکھا ہے کہ شوافع کی دلیل بکری کی گئی تو دراصل یہ ہے کہ آیت رجم اور رضاعت عشر آیات منسوخہ تھیں جو صحیفہ پر لکھیں نہیں جو بکری کھا گئی یہ پہلے ہی منسوخ تھیں۔

دلیل حنابلہ: حدیث الباب، حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "لا تحرم المصة ولا المصتان" اس میں مصتان کی قید سے معلوم ہوا ہے کہ "ما فوق المصتان" ہو تو پھر تو موجب ہوگا ورنہ نہیں۔

جواب (۱): یہ حکم اس زمانہ کا ہے جب خمس رضعات کا حکم باقی تھا، اس وقت کہا گیا مصتان محرم نہیں۔

جواب (۲): یہ استدلال بطور مفہوم مخالف کے ہے اور مفہوم مخالف ہمارے ہاں حجت نہیں۔

جواب (۳): ابتداء موجب حرمت عشر رضعات تھا، پھر خمس رضعات پھر فوق المصتان، پھر یہ بھی منسوخ ہو گیا "أمهاتكم التى ارضعنكم" کی وجہ سے اور احتیاط کا مقتضی بھی یہی ہے کہ رضاعت قلیلہ موجب حرمت ہو کیوں کہ اگر خمس رضاعت کو بنائیں گے تو "مادون الخمس" کے بارے میں احادیث محرم اور مبیح جمع ہو گئیں اور جب مبیح اور محرم میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص قول عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر عمل کرنا چاہے تو بھی گنجائش ہے یہ مذہب قوی ہے یہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَهَادَةِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فِي الرَّضَاعِ

ثبوت رضاعت کو ایک عورت کی گواہی کافی ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ وَسَمِعْتُهُ مِنْ عُقْبَةَ وَلٰكِنِّي لِحَدِيثِ عُبَيْدٍ أَحْفَظُ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا

فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا وَهِيَ كَاذِبَةٌ، قَالَ فَأَعْرَضَ عَنِّي، قَالَ فَأَتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ فَأَعْرَضَ عَنِّي بِوَجْهِهِ فَقُلْتُ إِنَّهَا كَاذِبَةٌ، قَالَ وَكَيْفَ بِهَا وَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا دَعْهَا عَنْكَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ روایت کی مجھ سے عبید بن ابی مریم نے انہوں نے عقبہ بن حارث سے کہا عبداللہ نے اور سنی میں نے یہ روایت عقبہ سے بھی لیکن روایت عبید کی مجھے خوب یاد ہے کہا عقبہ نے نکاح کیا میں نے ایک عورت سے سو آئی میرے پاس ایک کالی عورت اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے سو آیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا کہ نکاح کیا میں نے فلانی عورت کی بیٹی سے، سو آئی میرے پاس ایک کالی عورت اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹی ہے، کہا راوی نے سو منہ پھیر لیا مجھ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا پھر آیا میں ان کے آگے سے سو کہا میں نے وہ جھوٹی ہے فرمایا آپ نے کیا ہوا؟ جبکہ اس نے کہا میں نے دودھ پلایا تم دونوں کو چھوڑ دے تو اس عورت کو۔

تشریح: مسئلہ رضاعت کے ثبوت کے لیے نصاب شہادت کیا ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں تو جو عام اُصول ہے دو مرد ایک مرد دو عورتیں، رضاعت کے لیے بھی یہی اُصول ہے۔

قول ثانی: شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اگر عورتیں گواہی دیں تو چار عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔

قول ثالث: مالکیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

قول رابع: حنابلہ کے ہاں ایک عورت کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اصل مسئلہ یہ ہوا کہ مرأۃ واحدہ کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک مرأۃ واحدہ کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ حنابلہ اور اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک ثابت ہو جائے گی۔

دلائل ابوحنیفہ رحمہ اللہ: "قال اللہ تعالی واستشھدوا شھیدین الخ" یہ آیت مطلق ہے جو دعویٰ رضاعت کو بھی شامل ہے۔ اثبات رضاعت کے لیے بھی شہیدین لازم ہیں۔

دلیل ثانی: "روی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ عن علی رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما و المغیرہ انھم امتنعوا من التفرقہ بین الزوجین باخبار امرأۃ ونحو ذلک"

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب، عقبہ بن حارث۔

جواب (۱): اگر یہ واقعی گواہی تھی تو پھر "مرأۃ واحدۃ" کی شہادت سے رضاعت کا ثابت ہونا صرف عقبہ کی خصوصیت ہے اس پر دوسروں کو قیاس نہ کیا جائے۔

جواب (۲): یہ حکم اس وجہ سے نہیں تھا کہ حرمت ثابت ہوگئی بلکہ اس لیے تھا کہ شبہ اور تردد ہوگیا اور ورع وتقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ مشتبہات سے بچا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَا تُحَرِّمُ إِلَّا فِي الصِّغَرِ دُونَ الْحَوْلَيْنِ

حرمت رضاعت جب ہی ثابت ہوتی ہے کہ دو برس کے اندر دودھ پیے

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ.

ترجمہ حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دودھ انتڑیوں میں پہنچ کر بجائے غذا قائم نہ ہو اور قبل دودھ چھڑانے کے پیے یعنی جو مدت شرع میں دودھ چھڑانے کی ہے اس کے اندر۔

تشریح رضاع بالاتفاق محرم ہے کما تقدم، لیکن اس میں دو بڑے بڑے اختلاف ہیں۔ اولاً مقدار رضاعت ثانیاً مدت رضاعت میں کہ کس زمانے کی رضاعت محرم ہے اس میں اقوال ہیں۔

قول اوّل: محرم وہ رضاعت ہے جو حولین کے اندر ہو، یعنی مدت جواز رضاعت میں ہو۔ رضاعت طفل دو سال تک جائز ہے یہ مذہب ہے امام شافعی وثوری ومالک وحسن بن صالح وزفر ومحمد واحمد واسحاق نیل ج:۶، صفحہ ۳۲۳ اور یہی ایک قول ہے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا۔

قول ثانی: محرم وہ رضاعت ہے جو قبل الفطام ہو یعنی دودھ چھڑانے سے قبل اور بعد الفطام محرم نہیں ہے اگرچہ حولین کے اندر ہو، "ھذا عند اُم سلمہ وعلی رضی اللہ عنہما"

قول ثالث: رضاعت فی الصغر محرم ہے اور صغر کی حد نہیں بتلائی روی عن سعید بن المسیب۔

قول رابع: یہ محرم ہے اڑھائی سال تک عند ابی حنیفہ وزفر اور یہی مدت رضاعت ہے عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ بچے کو اڑھائی سال تک دودھ پلا سکتے ہیں، "حملہ وفصالہ ثلاثین شھرا"

اس آیت میں حمل سے مراد حمل علی الایدی ہے۔ گویا اس آیت میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مدت رضاعت اڑھائی سال ہے جو عادۃً بچہ کو گود میں اُٹھانے کا بھی زمانہ ہے۔ بظاہر جمہور کا مذہب دلائل کی وجہ سے نہایت ہی قوی اور راجح ہے۔

قول خامس: حولین وما قارب ھما میں محرم ہے فی روایۃ عن مالک۔

قول سادس: ثلاثہ سنین میں محرم ہے عند حسن بن صالح۔

قول سابع: سبع سنین میں محرم ہے عند عمر بن عبد العزیز۔

قول ثامن: حولان و بارہ دن تک عند ربیعۃ، سابقہ تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ رضاعت فی الکبر کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک رضاعت کبیر بھی محرم ہے وہ استدلال کرتی ہیں قصہ سالم رضی اللہ عنہ کہ وہ داڑھی والے تھے اور اس کی رضاعت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معتبر سمجھا اور محرم بتلایا مثل رضاعت فی الصغر تو تمام اُمت اس کو خصوصیت سالم رضی اللہ عنہ پر حمل کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خصوصیت کی منکر ہیں، عام ازواج بھی اس سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ردّ کرتی تھیں۔

قول تاسع: ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ معتبر رضاعت فی الصغر ہے لیکن اگر ضرورت ہو کسی مرد کے آجانے کی تو رضاعت فی الکبر بھی موثر ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حدیث سالم رضی اللہ عنہ وغیرہ احادیث میں تطبیق کرتے ہیں۔ (واختارہ الشوکانی، نیل، ج:۶، صفحہ:۳۲۳)

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُذْهِبُ مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ ۔۔۔۔ دودھ پلانے والی کے حق کی ادائیگی

عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ.

ترجمہ حضرت حجاج بن حجاج اسلمی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ انہوں نے پوچھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کہا یا رسول اللہ! کیونکر ادا ہو مجھ سے یعنی میرے ذمہ سے حق دودھ پینے کا سو فرمایا آپ نے ایک بردہ میں غلام ہو یا لونڈی یعنی ایک بردہ دودھ پلانے والی کو دے دیا تو اس کا حق ادا ہو گیا۔

تشریح وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے حق رضاعت کی ادائیگی ہو جائے گی اس کو مذمت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ اگر اس کو ادا نہ کیا جائے تو ادا نہ کرنے والا مذمت کا مستحق ہوتا ہے اور رضاعت کا حق غرہ ہے، یعنی غلام یا باندی اور اس کے علاوہ اُس کی خدمت اور عزت و احترام کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تُعْتَقُ وَلَهَا زَوْجٌ ۔۔۔۔ شادی شدہ باندی کو آزاد کرنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا، سو مختار کیا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سو جدا کر لیا اس نے اپنے نفس کو یعنی خاوند سے اور اگر خاوند ان کا مرد آزاد ہوتا تو حضرت بریرہ کو اختیار نہ دیتے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا أَسْوَدَ لِبَنِي الْمُغِيرَةِ يَوْمَ أُعْتِقَتْ بَرِيرَةُ وَاللهِ لَكَأَنِّي بِهِ فِي طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَنَوَاحِيهَا وَإِنَّ دُمُوعَهُ لَتَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ يَتَرَضَّاهَا لِتَخْتَارَهُ فَلَمْ تَفْعَلْ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بریرہ کا خاوند غلام حبشی تھا۔ بنی مغیرہ کا جس دن کہ آزاد ہوئیں بریرہ قسم ہے اللہ کی گویا وہ میرے سامنے ہے کہ مدینے کے راستوں اور کناروں میں پڑا پھرتا تھا اور آنسو اس کے بہتے تھے اس کی داڑھی پر مناتا تھا بریرہ کو کہ پسند کرے اس کو سو نہ مانا بریرہ نے۔

تشریح امۃ منکوحہ کو آزاد ہونے کے بعد اپنے نکاح کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہوتا ہے اس کو خیارِ عتق کہا جاتا ہے اس پر تو اتفاق ہے کہ بعد العتق خیارِ عتق حاصل ہوتا ہے۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ کن صورتوں میں خیارِ عتق حاصل ہے اور کن صورتوں میں نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) بوقت عتق اس کا خاوند عبد ہو۔ (۲) بوقت عتق اس کا خاوند حر ہو، اصالتاً حر ہو یا باندی کے آزاد ہونے سے پہلے آزاد ہو چکا ہو، اگر پہلی صورت ہے تو آئمہ کا اتفاق ہے کہ خیارِ عتق حاصل ہوگا۔ دوسری صورت میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف یہ فرماتے ہیں اگر خاوند حر ہو یعنی آزادی کے وقت آزاد ہو یا پھر پہلے ہی سے آزاد ہو، ہر دونوں صورتوں میں خیارِ عتق حاصل ہوگا۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خیارِ عتق نہ ہوگا۔

احناف کی دلیل: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطریق اسود، "قالت کان زوج بریرۃ رضی اللہ عنہ حرًّا فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم"

شوافع کی دلیل اوّل:

حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطریق اسود عروہ "قالت کان زوج بریرہ رضی اللہ عنہا عبدًا فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" اس سے معلوم ہوا کہ اگر زوج عبد ہو تو خیار ملے گا ورنہ نہیں، اس پر آگے الفاظ "ولو کان حرًّا لم یخیرھا" دلیل ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "ان زوج بریرۃ رضی اللہ عنہا کان عبدًا اسود لبنی المغیرۃ یوم اعتقت بریرۃ رضی اللہ عنہا" اس میں تصریح ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت اس کے خاوند غلام تھے اس لیے اختیار دیا۔ اصل منشاء اختلاف یہ ہوا کہ بوقت عتق بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند آزاد تھا یا غلام تھا۔ احناف فرماتے ہیں کہ حر تھے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ عبد تھے۔

احناف کی طرف سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب اوّل: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود میں تصریح ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے زوج آزاد تھے اور حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطریق عروہ میں تصریح ہے کہ غلام تھے دونوں میں تعارض ہے اور تطبیق یہ ہے کہ ما کان کے اعتبار سے غلام تھے اور بطریق اسود میں جو حر کہا وہ موجودہ حالت کے اعتبار سے ہے۔

سوال: "ولو کان حرًّا لم یخیرھا" کا کیا مطلب ہے یہ تو منطبق نہیں ہوتا اس سے مانع ہے؟

جواب: یہ قول عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہیں بلکہ قول عروہ رضی اللہ عنہ ہے اور عروہ تابعین میں سے ہے یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔
سوال: اس پر کیا ہے کہ یہ عروہ کا قول ہے۔
جواب(۱): نسائی اور ابن حبان میں تصریح ہے، "قال عروہ ولو کان حرًّا لم یخیّرھا" اور اشکال تب ہوتا جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہوتا۔
جواب(۲): حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود پر حریت کے لیے مثبت ہے اور حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق عروہ یہ حریت کے لیے نافی ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ زوج بریرہ رضی اللہ عنہا پہلے عبد تھا اب اختلاف ہے اس میں ہے کہ بریرہ کی آزادی کے وقت ان کی حریت ثابت ہے یا نہیں تو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود یہ حریت کو نقل کررہے ہیں اور عروہ حریت کی نفی کر رہے ہیں۔
وجہ ترجیح (۱): لہٰذا امر زائد کو اسود ثابت کر رہے ہیں تو بطریق اسود مثبت للزیادۃ ہونے کی وجہ سے راجح ہوگی۔
وجہ ترجیح (۲): حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود میں حریت کی تصریح ہے اور یہ روایت حریت میں محکم ہے اور حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق عروہ میں عبد ہونا محتمل ہے یہ احتمال ہے کہ مجاز پر محمول ہو یعنی اس کو عبد کہنا ما کان کے اعتبار سے ہو، لہٰذا محکم راجح ہوگی۔
وجہ ترجیح (۳): اگر حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود کو معمول بہا بنایا جائے تو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق عروہ پر بھی عمل ہوجائے گا اور اگر اس کا برعکس کریں تو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود متروک ہوکر رہ جائے گی اور ایسی صورت میں وہی طریقہ پسندیدہ ہوتا ہے جس میں دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے۔
وجہ ترجیح (۴): اس کو سمجھنے سے پہلے ایک تمہید سمجھ لیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث زوج بریرہ کے متعلق تین طرق سے منقول ہے۔
(۱): بطریق اسود (۲): بطریق عروہ (۳): بطریق عبدالرحمن بن القاسم۔
اب بطریق اسود میں صرف حریت کا ذکر ہے اور حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق عروہ میں دونوں روایتیں ہیں، حریت کی بھی اور عبدیت کی بھی اور دونوں روایتیں صحیح ہیں اور بطریق عبدالرحمن بن قاسم میں حریت کی بھی ہے اور تردد بھی ہے یعنی "حرًّا أوْ عبدًا" ہے۔ "اذا کان الامر کذلک" اب ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود صرف حریت کی ہے اور حضرت اسود کی دوسری روایت اس کے معارض نہیں، بخلاف عروہ کی روایت کے ان کی اپنی روایت عبدیت والی کے معارض ان کی اپنی روایت حریت والی موجود ہے "اذا تعارضا تساقطا" لہٰذا اس کی عبدیت والی روایت سالم عن المعارض نہ ہونے کی وجہ قابل استدلال نہیں۔ باقی عبدالرحمن بن قاسم کی تردد والی روایت وہ تو خود متردد ہے۔ لہٰذا وہ قابل استدلال نہیں، پس حریت والی روایت مؤید بن جائے گی، اسود کی روایت سے لہٰذا بطریق اسود کی روایت جس کا کوئی معارض بھی نہیں اور مزید مؤید

بھی موجود ہے، لہٰذا اُصول حدیث کے تحت بھی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود کو ترجیح ہونی چاہیے۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب (۱): اس میں عبد کہنا ما کان کے اعتبار سے ہے۔

جواب (۲): ہماری حدیث بطریق اسود کو مثبت للزیادۃ ہونے کی وجہ سے ترجیح ہوگی۔

جواب (۳): حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطریق اسود محکم ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے مدلول میں محکم نہیں۔

جواب (۴): ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت مرسل کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اپنے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ سنہ ۹ ہجری میں آئے اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اس سے پہلے آزاد ہو چکی تھیں جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئی اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود نہ تھے انہوں نے کسی صحابی سے سنا ہوگا، اب ایک ارسال ہے اور دوسری جانب اتصال ہے لہٰذا متصل کو ترجیح ہوگی۔

جواب (۵): حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اگر معمول بہا بنایا جائے تو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متروک ہو کر رہ جائے گی اور اگر حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معمول بہا بنایا جائے تو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بھی عمل ہو جائے گا، لہٰذا اس طریقے کو اپنایا جائے گا جس میں دونوں حدیث پر عمل ہو جائے اور وہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معمول بہا بنانے میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ ـــــ اولاد ہم بستر ہی کی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکا عورت کے ہم بستر کا یعنی شوہر یا مالک (صاحب فراش) اس کے کا اور زانی کو پتھر ہیں۔

تشریح فراش کی تین قسمیں ہیں (۱) فراش ضعیف (۲) متوسط (۳) قوی۔

(۱) فراش ضعیف: امۃ موطوٴۃ کو اگر بچہ پیدا ہو جائے تو بغیر دعویٰ کے نسب ثابت نہ ہوگا اور اگر نفی کرنا چاہتا ہے تو بغیر لعان کے نفی ہو جائے گی۔

(۲) فراش متوسط اُم ولد کا فراش: امۃ موطوٴۃ کے ساتھ وطی کی بچہ پیدا ہوا، دعویٰ کیا نسب ثابت ہو گیا، اب وہ اُم ولدہ بن جائے گی، اس کے بعد اگر بچہ جنا تو مولیٰ سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا دعویٰ کی ضرورت نہیں اور بغیر لعان کے نفی بھی ہو جائے گی۔

(۳) فراش قوی: منکوحہ حرہ کا فراش، اگر مدت امکان ولد کے اندر بچہ پیدا ہو جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا، خود بخود یعنی نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جن دیا اور اگر نفی کرنا چاہتا ہے تو لعان کی ضرورت ہے، لعان کے بعد نفی ہو گئی، یہ فراش پہلے دونوں سے قوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَرَى الْمَرْأَةَ تُعْجِبُهُ

وہ شخص جو کسی عورت کو دیکھے اور وہ اسے پسند آجائے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً فَدَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ فَقَضَى حَاجَتَهُ وَخَرَجَ، وَقَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا أَقْبَلَتْ أَقْبَلَتْ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَأَعْجَبَتْهُ فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک عورت کو پھر داخل ہوئے اپنی بی بی زینب کے پاس اور پوری کی حاجت اپنی یعنی صحبت کی اور باہر نکل کر فرمایا عورت جب سامنے آتی ہے تو آتی ہے شیطان کی صورت میں پھر جب دیکھے کوئی تم میں کا کسی عورت کو اور اس کو اچھی معلوم ہو تو چاہیے کہ صحبت کرے اپنی بی بی سے کہ اس کی بی بی کے پاس بھی وہی ہے جو اس کے پاس ہے یعنی فرج۔

تشریح مرأۃ اجنبیہ کو دیکھ کر دل میں خواہش پیدا ہو جائے تو اپنی منکوحہ سے اپنی خواہش پوری کر لی۔ یہ علاج صرف سلیم الفطرت آدمیوں کے لیے ہے اور اگر یہ میلان وخواہش شیطانی تصرف ہو تو پھر یہ علاج نہ ہوگا۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھنا مرأۃ اجنبیہ کو یہ غیر قصدی تھا یہ عصمت نبوت کے خلاف نہیں، باقی دل میں تقاضا کا پیدا ہونا طبعی تھا جیسے کھانا کو دیکھ کر تقاضا پیدا ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ ۔۔۔۔ بیوی پر خاوند کا حق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں حکم کرتا کسی کو کسی کے سجدہ کرنے کا تو حکم کرتا عورت کو کہ اپنے مرد کو سجدہ کرے۔

عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَأْتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّورِ.

ترجمہ حضرت طلق ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت بلائے کوئی آدمی اپنی بیوی کو جماع کے واسطے تو فوراً حاضر ہو اور اگرچہ وہ تنور پر ہو یعنی روٹی پکاتی ہو۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ.

ترجمہ حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا خصم رات کو راضی رہے اور اسی طرح وہ رات کاٹے تو داخل ہوگی جنت میں۔

تشریح اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سجدہ مخلوق میں سے کسی کے لیے جائز ہوتا تو پھر خاوند مستحق ہوتا کہ بیوی اس کو سجدہ کرے اور اگر بالفرض سجدہ تعظیمی اس اُمت میں جائز ہوتا تو پھر بھی خاوند مستحق ہوتا کہ بیوی اس کو سجدہ کرے۔

"حدثنا واصل بن عطاء" اس حدیث میں "ایما امرأۃ باتت وزوجھا راض" لیکن صحیح نسخہ ماتت ہے اگر باتت ہی ہو تو پھر تاویل کرنی پڑی گی کہ اگر وہ اس رات مرگئی تو جنت میں داخل ہوگی۔ "حدثنا هناد" اس حدیث میں تنور کی قید اس لیے لگائی کیونکہ تنور پر کھڑے ہونے سے ایسا انقباض پیدا ہوجاتا ہے کہ جماع پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔

"فلتأته وان كانت على التنور" اس جملہ کے متعلق تین باتیں ہیں۔(۱) الکوکب الدری میں ہے کہ جب عورت تنور پر روٹی پکارہی ہو اور اس وقت اس کو اس کا شوہر بلا رہا ہو، اب اگر یہ عورت شوہر کی اطاعت کرتی ہے تو تنور پر لگی ہوئی روٹیاں ضائع ہوں گی اور اگر شوہر کے بلانے پر نہ جائے تو شوہر کا حق ضائع ہوگا، تو اب شریعت میں "اهون البليتين" کا حکم ہے کہ عورت کو روٹی کے ضائع ہونے کا خیال نہیں رکھنا چاہیے بلکہ عورت کو شوہر کے بلانے پر جانا چاہیے۔(۲) بعض نے کہا ہے کہ اس جملے کا معنی ہے کہ عورت کو شوہر کے بلانے پر جانا چاہیے، اگر چہ عورت پر اتنی مشقت ہو جتنا کہ تنور کے پاس روٹی پکانے کے وقت ہوتی ہے۔(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں ابن الملک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شوہر کے بلانے پر جانے کا حکم اس وقت ہے جبکہ شوہر کا مال ہو، اگر شوہر کا مال نہ ہو تو اس کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا ۔۔۔۔۔ خاوند پر بیوی کا حق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب مؤمنوں میں کامل تر ایمان میں وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں اور سب میں بہتر وہ ہیں جو اپنی بیبیوں کے حق میں بہتر ہوں۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيثِ قِصَّةً فَقَالَ أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَأَمَّا

حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ.

ترجمہ: حضرت سلیمان بن عمر بن الاحوص سے روایت ہے کہ روایت کی مجھ سے میرے باپ نے کہ وہ حاضر تھے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پس تعریف کی اللہ کی آپ نے اور ثناء کی اس پر اور نصیحت کی اور سمجھایا لوگوں کو سوذکر کیا راوی نے اس حدیث میں ایک قصہ اس میں یہ بھی ہے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار ہو اچھی طرح خیر خواہی کرو عورتوں کی اس لیے کہ وہ قید ہیں تمہارے نزدیک تم ان پر کچھ اختیار نہیں رکھتے سوائے اس کے یعنی صحبت وغیرہ کے مگر یہ کہ وہ کچھ بے حیائی کریں کھلی ہوئی یعنی شرارت سو اگر ایسا کریں تو دور کر دو اس کا بستر اور ایسا مارو ان کو کہ ہڈی نہ ٹوٹے یعنی بہت مار نہ مارو سو اگر کہنا مانیں تمہارا تو نہ ڈھونڈو ان پر تکلیف دینے کی راہ آگاہ ہو تمہارا حق ہے تمہاری عورتوں پر اور تمہاری عورتوں کا حق ہے تم پر سو تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ تمہارے بچھونوں پر بات چیت کرنے کو نہ بٹھائیں ایسوں کو کہ تم راضی نہیں ان سے اور گھر میں نہ آنے دیں ان کو جن سے تم راضی نہیں آگاہ ہو اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ بخوبی پہنچاؤ ان کو روٹی کپڑا ان کا۔

تشریح: "حدثنا الحسن بن علی" میری طرف سے تم عورتوں کے بارے میں وصیت قبول کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے ہاں قیدی ہیں، تم ان سے صرف جماع کے حق دار ہو، اس کے علاوہ کے حق دار نہیں، کسی کام میں زبردستی نہیں کر سکتے مثلاً تم ان سے باندیوں جیسا سلوک کرو۔ باقی یہاں فاحشہ سے مراد فاحشہ زانیہ مراد نہیں بلکہ سخت مزاجی زبان درازی وغیرہ مراد ہے اس پر قرینہ "واهجروهن فی المضاجع" ہے اس لیے کہ اگر فاحشہ مبینہ سے مراد زنا ہو تو اس کی سزا تو رجم ہے۔ "ولا یوطئن فرشکم من تکرهون" وطی فراش سے مراد زنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھر میں وہ شخص نہ آئے جن کو تم پسند نہیں کرتے اس پر قرینہ "من تکرهون" ہے کیونکہ اگر اس سے زنا مراد ہو تو وہ مطلق حرام ہے خواہ کسی آدمی کے گھر میں آنے کو پسند کرو یا نہ کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَدْبَارِهِنَّ

عورتوں کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ أَتَى أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَكُونُ فِي الفَلَاةِ فَتَكُونُ مِنْهُ الرُّوَيْحَةُ وَيَكُونُ فِي المَاءِ قِلَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ فَإِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الحَقِّ.

ترجمہ: حضرت علی بن طلق سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا یا رسول اللہ! بعض آدمی ہم میں کا جنگل میں ہوتا ہے اور اس سے ایک پھسکی (ہوا) نکل جاتی ہے اور پانی کی قلت بھی ہوتی

ہے سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پائے تم میں سے کوئی تو وضو کرے اور عورتوں کے پیچھے یعنی دُبر میں صحبت نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کچھ سچی بات سے شرماتا نہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ

ترجمہ حضرت علی بن طلق سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پائے کوئی تم میں سے پھسکی تو وضو کرے اور صحبت نہ کرو عورتوں کے پیچھے سے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں دیکھے گا اللہ تعالیٰ رحمت کی نگاہ سے اس مرد کو جو جماع کرے کسی عورت سے یا مرد سے پیچھے سے۔

تشریح عورتوں کے ساتھ قُبل میں وطی کی جائے دُبر میں وطی نہ کی جائے، باقی عورتوں کی تخصیص اس لیے کہ اتیان فی ادبار الرجال کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ "فی اعجازھن" اعجاز جمع عجز کی بمعنی "مؤخر الشیء"...... "فان اللّٰہ لا یستحی من الحق" یہ ماقبل کے احکام کی علت ہے۔ "اذا نسی ءاحد کم الخ" اس جملے میں اور اگلے جملے میں ارتباط کیا ہے؟

جواب: جب خروج ریح کی وجہ سے آدمی بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے قابل نہیں رہتا، اسی طرح ادبار فی النساء میں آنے کی وجہ سے بھی بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کے قابل نہیں رہتا بلکہ بطریق اولیٰ قابل نہیں رہتا کیوں کہ یہ زیادہ قبیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الزِّينَةِ

عورتوں کو سنگھار کر کے نکلنا منع ہے

عَنْ مَيْمُونَةَ بِنْتِ سَعْدٍ وَكَانَتْ خَادِمًا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزِّينَةِ فِي غَيْرِ أَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا نُورَ لَهَا۔

ترجمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جو بیٹی ہیں سعد کی اور وہ خدمت کرنے والی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال اترانے والی کی سنگار کر کے اپنے شوہر کے سوا اور لوگوں کے لیے ایسی ہے جیسے اندھیرا قیامت کے دن کہ اس میں روشنی بالکل نہیں۔

تشریح زینت کے ساتھ عورتوں کا گھر سے نکلنا حرام ہے اس لیے کہ زیب و زینت کی حلت صرف خاوند کے لیے ہے۔ رافلہ، وہ عورت جو کپڑوں کے اندر نخرے کے ساتھ چلے تا کہ زینت کا اظہار ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الغَيْرَةِ ۔۔۔۔ غیرت کے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يَغَارُ وَالمُؤْمِنُ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللهِ أَنْ يَأْتِيَ المُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ بہت غیرت رکھتا ہے اور اللہ کو غیرت آتی ہے کہ مؤمن وہ کام کرے جو حرام ہے اُس پر۔

تشریح: "ان یاتی المؤمن ما حرم" اس کی غیرت کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن پر اللہ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ کی غیرت یعنی غصہ سے بچنے کے لیے ماحرم سے اجتناب ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُسَافِرَ المَرْأَةُ وَحْدَهَا

عورت کو اکیلے سفر کرنا درست نہیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا يَكُونُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ ابْنُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا.

ترجمہ: حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال نہیں کسی عورت کو جو ایمان رکھتی ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ کسی ایسے سفر میں جائے جو تین دن کا ہو یا زیادہ مگر جب حلال ہے کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا بھائی یا شوہر یا بیٹا یا کوئی اور محرم۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ.

ترجمہ: مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر نہ کرے کوئی عورت ایک رات اور دن کا مگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔

تشریح: ابتداء حکم یہ تھا کہ عورت کے لیے بغیر محرم کے تین دن سفر کرنا جائز نہیں، پھر مزید تضیق ہوئی کہ دو دن سے بھی نہی کردی گئی، پھر مزید تضیق ہوئی کہ ایک دن کے سفر سے نہی کردی گئی۔

مسئلہ: آیا سفر حج کی بھی یہی نوعیت ہے یا مختلف ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ اگر مدت قصر پر ہو تو پھر محرم کا ہونا ضروری ہے اور اگر مدت قصر نہ ہو تو پھر بھی بہتر یہی ہے کہ محرم ساتھ ہو لیکن بلا محرم بھی کرسکتی ہے۔ باقی محرم کا ساتھ ہونا حج کے وجوب اداء

کی شرط ہے یا نفس وجوب کی شرط ہے۔ مالکیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تین دن سے زائد بھی سفر ہو، راستہ امن والا ہو اور ساتھ باعتماد عورتیں ساتھ ہوں تو پھر محرم کا ہونا ضروری نہیں اور سفر کر کے حج کرنا واجب ہوگا۔ احناف کے ہاں "من استطاع اليه سبيلا" میں محرم کا ہونا بھی واجب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى الْمُغِيبَاتِ

غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت منع ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ.

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرہیز کرو تم عورتوں کے پاس آنے سے سو کہا ایک شخص نے انصار سے یا رسول اللہ! کیا تجویز کرتے ہیں آپ حمو (بمعنی دیور وغیرہ کے بارے) میں فرمایا حمو تو موت ہے۔

تشریح مغیبات وہ عورتیں جن کے خاوند موجود نہ ہوں ان کے پاس جانا حرام ہے کیوں کہ جب خاوند نہ ہوں تو فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْنَا وَمِنْكَ قَالَ وَمِنِّي وَلَكِنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ داخل ہو ان عورتوں کے گھروں میں جن کے شوہر نہیں ہیں گھر میں اس لیے کہ شیطان رواں ہوتا ہے تمہارے ایک ایک کے بدنوں میں جیسا خون رواں ہوتا ہے کہا ہم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن میں بھی؟ فرمایا مجھ میں بھی لیکن اللہ نے میری مدد کی اس پر کہ وہ اسلام لایا۔

تشریح "قوله ولكن الله اعانني عليه فاسلم"...... "فاسلم اما منه" بہرکیف اسلم فعل ماضی پڑھا گیا کہ شیطان آپ کا فرمانبردار بن گیا اور یہ کوئی محال بھی نہیں، اس لیے کہ آپ کی روحانی قوت کی وجہ سے شیطان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں آجائے

باب بلا ترجمہ

عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو پردہ ضرور ہے پھر جب نکلتی ہے تو تاکتا ہے اس کو شیطان یعنی تاکہ فتنے میں ڈالے اس کے سبب سے لوگوں کو۔

تشریح "استشر فها الشیطان" اگر اس سے شیطان انس ہوں تو پھر تاویل کی ضرورت نہیں اور اگر شیاطین جن ہوں تو پھر مطلب یہ ہے کہ فتنہ میں مبتلا ہونے پر اُبھارتا ہے۔

باب بلاترجمہ

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ لَا تُؤْذِيهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ دَخِيلٌ يُوشِكُ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا.

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تکلیف دیتی ہے کوئی عورت اپنے خاوند کو دُنیا میں مگر کہتی ہے بیوی اس کی حوروں بڑی آنکھوں والیوں میں سے یعنی جو جنت میں ملتی ہے نہ تکلیف دے تو اس کو تجھ پر اللہ کی مار ہو اس لیے کہ وہ تو تیرے نزدیک غریب مسافر ہے، تھوڑے دن میں تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس چلا آئے گا۔

تشریح:......اس باب میں دخیل مسافر کے معنی میں ہے۔

أَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

طلاق اور لعان کے ابواب جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ السُّنَّةِ...... طلاق سنی کے متعلق

عَنْ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ هَلْ تَعْرِفُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَإِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا قَالَ قُلْتُ فَيُعْتَدُّ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ قَالَ فَمَهْ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ.

ترجمہ حضرت یونس بن جبیر سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسئلہ اس شخص کا کہ طلاق دی اس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں سو کہا عبداللہ نے تو نہیں جانتا عبداللہ بن عمر کو کہ اس نے طلاق دی تھی اپنی بیوی کو کہ جب وہ حیض میں تھی سو پوچھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سو حکم دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رجعت کرے اس سے کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا میں نے حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے گنے اس طلاق کو بھی ایک طلاق فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چپ رہو بھلا دیکھ تو اگر وہ عاجز ہو یا دیوانہ ہو جائے وہ طلاق کیوں نہ گنا جائے، اگر یہ دیوانہ ہو جائے تو اس طلاق سے بھی جدائی ہو جائے گی۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فِي الْحَيْضِ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ طلاق دی انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں سو پوچھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم کر اس کو کہ رجعت کرے اس سے پھر طلاق دے اس کو جب پاک ہو حیض سے یا حاملہ ہو۔

تشریح پہلی بات: طلاق کا لغوی معنی ہے رفع القید، پھر عام ہے کہ قید معنوی ہو یا حسی ہو اور شرع میں طلاق کہتے ہیں رفع القید بلفظ مخصوص، پھر عام ہے کہ رفع حالاً ہو یا مآلاً ہو، حالاً طلاق بائنہ کے اعتبار سے اور مآلاً طلاق رجعی کے اعتبار سے، مخصوص لفظ کے ساتھ کہ طلاق کے الفاظ ہوں یا طلاق کے ماسواء کے ساتھ الفاظ ہوں۔

دوسری بات: طلاق کے ارکان چار ہیں، زوج، زوجۃ، صیغہ طلاق، مقصد اس کی چند شرطیں بھی ہیں کچھ شرطیں مطلق میں ہیں، وہ یہ "ای یکون المطلق عاقلاً لا مجنونا و ان یکون بالغا لا صبیا و ان یکون مختارا عند الائمة الثلاثة خلافا لابی حنیفة و عنده یقع طلاق مکره لا عندهم کتاب مذاهب الاربعة، ج:۴، ص: ۲۸۲"

تیسری بات: "ابغض الحلال الی الله طلاق" فقہاء کہتے ہیں "الطلاق قد یکون واجبا اذا عجز عن الحقوق وقد یکون حراما اذا ترتب علیه الوقوع فی الحرام وقد یکون مکروها اذا خاف الوقوع فی الحرام وقد یکون مندوبا و قد یکون مباحا کل ذلک علی حسب العوارض و الاحوال"

چوتھی بات: طلاق کی اقسام

(۱) طلاق السنۃ (۲) طلاق البدعۃ، طلاق السنۃ جو مشروع طریقے کے مطابق ہو یعنی شارع کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ (۲) اور طلاق بدعت یہ ہے کہ جو شارع کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہو۔ پھر طلاق السنۃ کی دو قسمیں (۱) حسن (۲) احسن۔ باقی حسن یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں وطی نہ ہو، پھر ایسے ہی دوسرے طہر میں طلاق دی جائے ایسے ہی تیسرے طہر میں طلاق دی جائے جس میں وطی نہ ہو اور احسن یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دینا جس میں وطی نہ ہوئی ہو، پھر اور طلاق نہ دی جائے، یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے گی، گویا طلاق حسن میں تین طلاقیں تین طہروں میں ہوتی ہیں اور طلاق احسن میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔

اب طلاق سنۃ کے ان دو طریقوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ طلاق سنۃ کے لیے دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ (۱) عدد کی

رعایت (۲) وقت کی رعایت۔ عدد کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق دی جائے اور اگر ایک طہر میں دو طلاقیں دی گئیں تو پھر یہ طلاق بدعی ہو جائے گی اور وقت کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ اگر حیض میں طلاق دے دی گئی تو پھر سنت نہ رہے گی اور اگر ایسے طہر میں طلاق دی جس میں وطی ہوئی ہو تو پھر بھی وہ طلاق سنت نہ رہے گی یہ تو تھا احناف کا مسلک اور شوافع فرماتے ہیں کہ طلاق سنت میں صرف وقت کا اعتبار ہے عدد کا اعتبار نہیں۔

ثمرہ اختلاف: اگر ایسے طہر میں دو یا تین طلاقیں دیدی گئیں جس میں وطی نہ ہوئی ہو تو احناف کے نزدیک یہ طلاق سنت نہ رہے گی جبکہ شوافع کے نزدیک طلاق سنت ہوگی اور مالکیہ کے نزدیک طلاق سنت بند ہے اس میں جس کو احناف طلاق احسن کہتے ہیں کہ ایسے طہر میں صرف ایک طلاق دے دی جائے جس میں وطی نہ ہوئی ہو پھر چھوڑ دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

ثمرہ اختلاف: اگر ایسے تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں جس میں وطی نہ ہوئی ہو تو احناف کے نزدیک یہ طلاق سنت ہے لیکن مالکیہ کے نزدیک طلاق بدعت ہوگی۔ باقی متفق علیہ طلاق السنۃ وہ ہے جو احناف کے نزدیک طلاق احسن ہے۔ مثال اس طلاق کی جو احناف کے نزدیک سنت نہ ہو اور شوافع کے نزدیک سنت ہو کہ ایسے طہر میں دو طلاقیں دی جائیں جس میں وطی نہ ہو اور مثال اس طلاق کی جو جمہور کے نزدیک سنت ہو اور مالکیہ کے نزدیک سنت نہ ہو کہ ایسے تین طہروں میں تین طلاقیں دینا جس میں وطی نہ ہو۔ باقی متفق علیہ طلاق البدعۃ حالت حیض میں طلاق دینا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ حالت حیض میں جو طلاق دی جائے گی وہ واقع ہو جائے گی لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور موجودہ زمانے کے غیر مقلدین کے ہاں حالت حیض میں دی جانے والی طلاق واقع نہ ہوگی۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "فلیراجعها" فرمایا، یہ رجوع کا حکم دینا دلیل ہے اس بات کی کہ پہلے طلاق واقع ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجوع کا حکم فرما رہے ہیں۔ باقی امام ترمذی نے اس حدیث کو طریق سے بیان فرمایا (۱) بطریق یونس اور (۲) بطریق سالم بن جبیر۔ بطریق یونس میں سوال، جواب ہوتا ہے، باقی حدیث میں موجود لفظ "فَمَهْ" یہ "فَمَهْ" اصل میں تھا استفہامیہ، اس میں موجود الف کو حذف کر دیا اور ہاء کو عوض میں لایا گیا۔

قول (۲): ما استفہامیہ تھا، الف کو حذف کر کے اس کی جگہ ہاء سکتہ ملحق کر دیا گیا میم کے ساتھ۔

قول (۳): "مه" مستقل کلمہ ہے اور "اُسکُتْ" کے معنی میں ہے۔ باقی "ان عجز واستمحق"... "اِنْ" شرطیہ ہے یا اِنْ نافیہ ہے۔ اگر شرطیہ ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اگر طلاق نہ ہوگی تو پھر کیا ہوگا یعنی طلاق واقع ہوگی۔ "رأیت" بمعنی اخبرنی کہ مجھے خبر دو کہ "ان عجز" اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما طلاق شرعی قاعدہ شرعی کے مطابق طلاق دینے سے عاجز ہو گئے "واستمحق" اور انہوں نے احمق جیسا فعل کر لیا، یعنی حالت حیض میں طلاق دے دی اس کی جزاء محذوف ہے کہ پھر بھی اس کی طلاق کو شمار کیا جائے گا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ بتلاؤ تم مجھے اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما عاجز ہو گئے ہیں رجوع کرنے سے اور اگر ایسا فعل کر لیا، شارع کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے تو ضرور اس کی طلاق کو شمار کیا جائے گا اور اگر اِنْ نافیہ ہو تو پھر اس کا معنی سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ بچہ کو عاجز ہونا لازم ہے اور

مجنون کو حماقت لازم ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ خبر دو مجھے اس بات کی کہ نہیں عاجز ہوا، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور نہ ہی حماقت والا کام کیا، یعنی نہ تو وہ طفل ہے اور نہ ہی وہ مجنون ہے بلکہ وہ عاقل بالغ ہے، کیا اس کا فعل لغو ہو جائیگا؟ نہیں بلکہ اس کا فعل معتبر ہوگا، پس ابن عمر رضی اللہ عنہما کا طلاق دینا اس کو شمار کیا جائے گا، ان تینوں معنوں کے اعتبار سے حالت حیض میں طلاق دینا معتبر ہے اور وہ طلاق شمار ہوگی باقی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رُک جاؤ طلاق کو شمار کرنے سے، انہوں نے اس کا یہ معنی کیا کہ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما عاجز آ گیا اور احمق والا کام کیا تو قانون شرعی میں تبدیلی ہو جائے گی نہیں بلکہ قانون شرعی تبدیل نہیں ہوگا اور قانون شرعی یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینا صحیح نہیں۔ جواب: بیشک یہ تاویل ہو سکتی ہے لیکن "فلیراجعھا" پر منطبق نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ

جو شخص اپنی بیوی کو 'البتۃ' کے لفظ سے طلاق دے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِيَ الْبَتَّةَ فَقَالَ مَا أَرَدْتَ بِهَا قُلْتُ وَاحِدَةً قَالَ وَاللّٰهِ قُلْتُ وَاللّٰهِ قَالَ فَهُوَ مَا أَرَدْتَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید بن رُکانہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے کہا آیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا میں نے طلاق دی اپنی بیوی کو البتہ کہہ کر یعنی یوں کہا: "طَلَاقُ الْبَتَّةِ" یعنی تجھ پر طلاق ہے یا تو مطلقہ ہے البتہ سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارادہ کیا تو نے اس قول سے؟ میں نے کہا ارادہ کیا میں نے ایک طلاق کا فرمایا قسم ہے اللہ کی کہا قسم ہے اللہ کی فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وہی ہے جتنا تو نے ارادہ کیا یعنی ایک ہی (طلاق) پڑی۔

تشریح: لفظ البتہ سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ احناف کے نزدیک اگر ایک کی نیت کی تو ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو پھر بھی صحیح ہے تین واقع ہو جائیں گی۔ البتہ دو کی نیت صحیح نہیں کیونکہ اصل میں "انت طالق البتۃ" تھا اور طلاق مصدر ہے اس کا فرد حقیقی ایک ہے اور فرد حکمی تین ہیں "اِلاَّ" یہ کہ وہ لونڈی ہو تو پھر دو واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کے حق میں دو ہی فرد حقیقی ہیں۔ شوافع کے نزدیک اگر نیت نہ کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر ایک کی نیت کی تو ایک واقع ہوگی اور دو کی نیت کی تو دو واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی۔ امام مالک کے نزدیک اگر مدخول بہا ہے تو پھر تینوں واقع ہو جائیں گی۔

دلیل احناف: حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ، رکانہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا نیت کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک کی نیت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم اُٹھاؤ، تو میں نے قسم اُٹھا کر کہا کہ ایک کی نیت کی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوج کی نیت کا اعتبار ہے۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے جو قسم اُٹھوائی وہ اس وجہ سے نہیں کہ یقین نہیں تھا بلکہ مزید اطمینان کے لیے اُٹھوائی۔

شوافع کی دلیل: حدیث رکانہ کی بعض وہ روایات جن میں "فردھا الیہ" کے الفاظ ہیں کہ رکانہ کی اہلیہ کو لوٹا دیا رکانہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ رد تب ہی ہوگا جب طلاق رجعی ہوگی۔

جواب: ایسی روایات میں "ردھا" سے مراد رد بنکاح جدید ہے یعنی مؤول ہیں ظاہر پر نہیں ہیں۔ باقی اس میں یہ بھی ہے کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں۔ جواب ایسی روایات مرجوح ہیں اور طلاق البتہ والی روایات راجح ہیں۔

وجہ ترجیح یہ ہے کہ طلاق البتہ کو یعنی البتہ کی روایات کو نقل کرنے والے رکانہ کے عزیز و اقارب ہیں اور تین طلاقوں کو نقل کرنے والے اجانب ہیں، عزیز و اقارب نہیں ہیں اور عزیز و اقارب صاحب البیت ہیں۔ لہٰذا صاحب البیت "الذی بما فیه" کو ترجیح ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ رکانہ کا ہے اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ان کے والد ابو رکانہ کا ہے۔

جواب: رکانہ کا ہو یا ابو رکانہ عبد بن یزید کا ہو کوئی مضر نہیں ہے، دونوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ واقعہ میں تعدد ہے، اگرچہ ابوداؤد نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں یہ ہے کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے اور جن میں یہ ہے کہ یہ واقعہ ابو رکانہ کا ہے وہ مرجوح ہیں، وجہ ترجیح ماقبل میں گزر چکی ہے اور ابوداؤد کے اندر دوسرا مسئلہ ابو رکانہ کی حدیث سے متعلق یہ بھی ہے کہ ایک مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاقیں ہوں گی یا نہیں؟

مسئلہ ثانیہ: مجلس واحد میں بکلمۃ واحدۃ تین طلاقیں واقع ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، مجلس واحد میں تین طلاقیں واقع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل صورت: لفظ طلاق ایک بار ذکر کرے اور لفظ عدد ثلاث لایا جائے "بان یقول انت طالق ثلاثا" اس میں باجماع آئمہ اربعہ بلکہ باجماع اُمت تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں کیونکہ لفظ ثلاث خاص ہے اپنے معنی میں اور ثلاث دو یا ایک پر دلالت نہیں کرتا وہ صرف تین پر دال ہے۔

صورت ثانیہ: یہ کہ لفظ طالق تین بار ذکر کرے کہ "انت طالق طالق طالق" اس میں اگر نیت طلاقات ثلاثہ ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر ارادہ طلاق واحد ہو اور تکرار لفظ سے تاکید مراد ہو۔ "مثل جاءنی زید زید زید" تو یہ نیت دیانت صحیح ہو سکتی ہے اور "فی ما بینه و بین اللّٰہ" ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ "لاحتمال الکلام تاکید فصحت نیت التاکید" البتہ قضاءً یہ نیت درست نہیں ہے بلکہ یہ تین طلاقیں ہیں اور دیگر نیت بھی تین کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں۔ عند جمہور الامہ بہر حال جمہور اُمت آئمہ اربعہ کے نزدیک مجلس واحدۃ میں "بکلمة واحده" تین طلاقیں ہو سکتی ہیں۔ امام احمد کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۷۴ پر لکھتے ہیں "من طلق امرأته فی لفظ واحد فقد جهل و حرمت زوجته و لا تحل له ابدا حتی تنكح زوجا

غیرہ انتہی نووی شرح مسلم، ج: ۱، صفحہ ۴۷۸" پر لکھتے ہیں "واختلف العلماء فی من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالک وابو حنیفه واحمد و ...... من السلف والخلف یقع ثلاث وقال طاؤس وبعض اهل ظاهر لا یقع الا واحدة انتهی رحمة الامة ج: ۲، صفحہ ۷۹" پر ہے "اتفقوا آئمه الاربعة علی ان طلاق فی الحیض لدخول بها او فی طهر جامع فیه محرم الا انه یقع، وکذلک جمع الطلاق ثلاث محرم واقع انتهی وکذا فی سبل السلام ج: ۳، صفحہ ۲۱۵، والبدایه لابن رشد ج: ۲، ص ۶۰، فتح القدیر ج: ۳، ص ۲۵، فتاویٰ لبدر دین حنبلی ص: ۴۳۶، عینی، ج: ۱، ص: ۵۳۷، اعانة الحفان، لابن قیم، ج: ۱، ص: ۳۲۶، زرقانی شرح مؤطا ج: ۳، ص: ۱۶۶، التعلیق المغنی، ج: ۲، ص: ۴۲۰، عون المعبود، ج: ۲، ص: ۲۲۹" یہ جمہور کا مسلک ہے۔

مذہب ثانی: بعض اہل ظواہر اور ابن تیمیہ وابن القیم وغیر مقلدین کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوگی، ان کے نزدیک ایک مجلس میں ایک سے زائد طلاق واقع نہیں ہوسکتی۔ (زاد المعاد ج: ۴، صفحہ ۵۴، اعلام الموقعین ج: ۳، صفحہ ۲۴، فتاویٰ ابن تیمیہ ج: ۳، صفحہ ۳)

جمہور کے دلائل، دلیل اوّل: قرآن مجید ہے "الطلاق مرتان" اس کے بعد ہے "فان طلقها فلا تحل به من بعد حتی تنکح زوجا غیره فان فطلقها ای ثالثا" معلوم ہوا کہ طلاق ثلاث کے بعد عورت حلال نہیں رہتی اور آیت قرآن مطلق ہے "طلاقات ثلاث فی المجلس الواحد" کو بھی شامل ہے تو ثابت ہوا کہ از روئے قرآن مجلس واحد میں طلاق ثلاث واقع ہوسکتی ہیں اور عورت بائنہ ہوجاتی ہے اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ کتاب الام میں اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں "ظاهر القرآن یدل علی صحت وقوع الثلاث فی مجلس واحد او بکلمة واحدة فتح القدیر ج: ۳، صفحہ ۲۵، عینی، ج: ۱، صفحہ ۵۳۷، اعانة الحفان، ج: ۱، ص: ۳۳۶"

دلیل ثانی: ترمذی میں ہے "عن رکانة اتیت النبی صلی الله علیه وسلّم فقلت یا رسول الله انی طلقت امراتی البتة فقال ما اردت بها فقلت واحدة فقال والله فقلت والله" تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نیت معتبر مان لی۔ (ابوداؤد میں بھی صفحہ ۳۰۰ اور ابوداؤد طیالسی صفحہ ۱۶۴، ابن ماجہ صفحہ ۱۴۹، دار قطنی ج: ۲، صفحہ ۴۳۹، مستدرک جلد 2، صفحہ ۱۹۹)

"فقال فهو ما اردت تلخیص صفحہ ۳۲۹" پر ہے حدیث صحیح "وقال صحیحه ابو داؤد والحاکم وابو حیان" اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ مجلس واحد میں طلاق ثلاث واقع ہوسکتی ہیں۔

دلیل ثالث: بیہقی میں بسند صحیح سے منقول ہے "ان رجلا اتی عمر رضی الله عنه وقال انه طلق امرأة البتة واراد ثلاثا فقال عمر رضی الله عنه لا یجوز لک الرجوع فقال الرجل کان لابنک حق الرجوع فقال عمر رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلّم امره بالرجوع الی امرأته بطلاق هی له وانه لم یبقی لک ان تراجع وفی امراتک" معلوم ہوا کہ طلاق ثلاث مجلس واحد میں واقع ہوسکتی ہیں۔ (جلد: ۷، صفحہ ۳۳۴)

دلیل رابع: بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ابن زبیر، ابوہریرہ، ابن مسعود، عمران بن حصین رضی اللہ

عنہم کے فتاوے مذکور ہیں "علی ان الثلاث تقع ثلاثا"

دلیل خامس: مسلم شریف ج:۱، صفحہ ۴۸۵ پر ہے اور دیگر کتب میں بھی ہے "ان فاطمة بنت قیس قالت یا رسول اللہ زوجی طلقنی ثلاثا" اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نافذ قرار دیا۔ مسلم صفحہ ۴۸۴ پر ہے "قالت فاطمہ رضی اللہ عنہا فانی امر یحدث اللہ بعد الثلاث" معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں واقع ہو جاتی ہیں۔

دلیل سادس: بخاری میں ہے "عن عائشة صدیقه رضی اللہ عنہا ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت زوجا اخر فطلقت فسألت النبی صلی اللہ علیه وآله وسلّم اتحل لاوّل فقال صلی اللہ علیه وسلّم لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاوّل" (ج:۲، صفحہ ۷۹۱، مسلم ج:۱، صفحہ ۴۶۳) ابن حجر فتح الباری، ج:۹، صفحہ ۲۹۵ پر لکھتے ہیں "مقتضی کلمة طلقها ثلاثا انه طلقها فی مجلس واحد و کذا فی العینی، ج:۹، صفحہ ۴۳۱"

دلیل سابع: "عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قلت لی رسول اللہ انی طلقت زوجتی فی الحیض فقال راجعها قلت یا رسول اللہ لو انی طلقها ثلاثا اکان یحل لی ان ارجعها قال صلی اللہ علیه وسلّم لا کانت تبین منک و تکون معصیة" (دارقطنی صفحہ ۴۳، بیہقی، ج:۷، صفحہ ۳۳۴، مجمع الزوائد ج:۴، صفحہ ۳۳۶، نصب الرایہ، ج:۳، صفحہ ۲۲۰)

دلائل غیر مقلدین

دلیل اوّل: مسلم، ج:۱، صفحہ ۴۷۷، مستدرک ج:۴، صفحہ ۱۹۶ پر ہے، روایت ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "کانت طلاق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلّم و ابی بکر رضی اللہ عنه و سنتین من خلافت عمر رضی اللہ عنه طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه ان النّاس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم" معلوم ہوا ایک مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے آخر زمانہ میں تین کو تین نافذ کیا ورنہ اس سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین ایک شمار ہوتی تھیں۔

جمہور متعدد جوابات دیتے ہیں:

جواب اوّل: یہ قول کہ تین طلاقیں پہلے ایک شمار ہوتی تھیں یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے نہ کہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا، "قال ابن حزم فی المحلی، ج:۱، صفحہ ۱۶۸ انه لیس قول النّبی صلی اللہ علیه وآله وسلّم و لا فعله فلا حجة فیه"

جواب ثانی: طلاق ثلاث کا ایک شمار ہونا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منسوخ ہوا تھا۔ البتہ راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بعد میں پتہ چلا یہ فعل عمر رضی اللہ عنہ نہیں ہے بلکہ فعل و قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ "قال امام الشافعی کان فی ثلاث واحد ثم فنسخ ذلک ولم یعلم بذلک الراوی بیهقی، ج:۷، صفحہ ۳۳۸، کتاب الاعتبار للحاذمی صفحہ ۱۸۰"

جواب ثالث: یہ طلاقات ثلاث طلاق واحد شمار ہوتی تھیں اس سے مراد طلاقات ثلاث متفرقہ بغیر مدخول بہا ہیں۔اس لیے نسائی نے اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے۔"باب طلاق ثلاث متفرقة قبل دخول بالزواج"معلوم ہوا مراد غیر مدخول بہا ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے "اذا قال لغیر مدخول بها بالفاظ متفرقه انت طالق انت طالق انت طالق تقع واحدة فقط" روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یوں ہیں "اما علمت ان رجلا اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة" (ابوداؤد،ج:۱،صفحہ ۲۸۹)

جواب رابع: بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تین طلاقیں واقع کرنے کے بعد ایک شمار ہوتی تھی بلکہ مقصد یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ بجائے تین کے ایک ہی طلاق پر اکتفا کرتے تھے۔چنانچہ "کتاب الاظهار المربوعه فی الاثار المطبوعة نقلاً عن مصنف عبدالرزاق ان المراد ان الناس کانوا یطلقون واحدة لا ثلاثا فی زمن النبی صلی اللہ علیه وآله وسلّم وابی بکر و ثنتین من خلافة عمر رضی اللہ عنه" یہ آخری جواب مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے بعض کتابوں سے نقل کیا ہے جو کہ اس وقت مشہور محدث ہیں۔

جواب خامس: پہلے لوگ تین کے بجائے ایک طلاق دیتے تھے۔جب عدت گزر جاتی تو عورت اپنی مرضی کے مطابق عقد ثانی کر لیتی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں دو سال تک ایسے ہی ہوتا رہا۔اس کے بعد لوگوں نے تین طلاقیں دینا شروع کر دیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ جلد بازی پر اُتر آئے کہ پہلے ایک طلاق دیتے تھے جس پر غور وفکر کا موقع تھا۔اب تین کے بعد موقع ہی نہیں رہا۔لہٰذا ہم تین ہی نافذ کریں گے۔

جواب سادس: اگر کوئی شخص تین مرتبہ طلاق استعمال کرے لیکن اس کا مقصد تین طلاقیں دینا نہ ہو بلکہ ایک ہی طلاق کو تاکید کی نیت سے بار بار کہہ رہا ہو تو دیانتاً تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں بلکہ صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں لوگوں کی دیانت اور صداقت پر اعتماد تھا۔یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ لوگ جھوٹ بول کر حرام کا ارتکاب کریں گے۔اس لیے اس زمانے میں اگر کوئی آدمی تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کر کے یہ کہتا کہ میری نیت تاکید ہے نہ کہ تاسیس تو اس کا قول قضاءً بھی مقبول تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں یہ محسوس کیا کہ دیانت اور صداقت کا معیار روز بروز تنزل کی طرف جا رہا ہے۔اگر لوگوں کے بیان کو قضاءً قبول کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہا تو لوگ کذب اور غلط بیانی سے حرام کے مرتکب ہوں گے۔اس لیے انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اب اگر کوئی آدمی تین مرتبہ الفاظ طلاق کو استعمال کرے گا تو تاکید کا عذر قبول نہ ہوگا بلکہ ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے تین طلاقیں شمار ہوں گی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا،کسی نے انکار نہیں کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بالاتفاق اس کے بعد اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔

دلیل ثانی: حدیث میں ہے "ان رکانة طلق امرأته ثلاثا فامره النبی صلی اللہ علیه وآله وسلّم ان یراجع الیها" (ابوداؤد صفحہ ۲۹۸،بیہقی صفحہ ۳۳۹)

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ بعض رواۃ مجہول ہیں "قاله النووی فی شرح مسلم، وقال ابن حزم فی المحلی" حدیث ضعیف۔ (ج:۱،صفحہ ۴۷۸)

شوقانی لکھتے ہیں "ان رکانة طلق بها البتة وتطلق علی الثلاث ولذا حلفه علیه السلام انتهی" (نیل ج:۶،صفحہ ۲۴۶)

یہ حدیث ترمذی ہے فی الباب حاصل یہ ہے کہ رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی اور اس کا اطلاق ثلاث اور واحدۃ دونوں پر ہوتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم دلائی تو رکانہ نے قسم کھا کر کہا کہ میرا ارادہ ایک کا تھا۔ بہر حال رکانہ نے ایک طلاق دی تھی۔

مستدرک میں ہے "ان رکانة طلقها ثانیه فی زمن عمر رضی اللہ عنہ والثالثه فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ" (ج:۲،صفحہ ۲۰۰)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ

عورت سے کہنا تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِأَيُّوبَ هَلْ عَلِمْتَ أَنَّ أَحَدًا قَالَ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ إِنَّهَا ثَلَاثٌ إِلَّا الْحَسَنَ، فَقَالَ لَا إِلَّا الْحَسَنَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ غَفْرًا إِلَّا مَا حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ كَثِيرٍ مَوْلَى بَنِي سَمُرَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ، قَالَ أَيُّوبُ فَلَقِيتُ كَثِيرًا مَوْلَى بَنِي سَمُرَةَ فَسَأَلْتُهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ فَرَجَعْتُ إِلَى قَتَادَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ نَسِيَ۔

ترجمہ: ہم سے علی بن نصر بن علی نے روایت کی انہوں نے سلیمان ابن حرب سے انہوں نے حماد بن زید سے کہا حماد نے پوچھا اس نے ایوب سے تم کسی کو جانتے ہو کہ اس نے کچھ کہا ہو امرک بیدک کے باب میں کہ اس سے تین طلاقیں پڑی ہیں سوائے حسن کے، ایوب نے کہا میں نہیں جانتا سوائے حسن کے پھر کہا اے اللہ! تیری بخشش ہے یہ روایت پہنچی مجھ کو قتادہ سے کہ وہ روایت کرتے ہیں ابن کثیر سے جو مولیٰ ہیں بنی سمرہ کے وہ روایت کرتے ہیں ابی سلمہ سے وہ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا آپ نے تین طلاقیں نہیں کہا ایوب نے پھر ملا میں کثیر سے جو مولیٰ ہیں ابن سمرہ کے سو پوچھی میں نے یہ حدیث تو نہ پہچانی انہوں نے پھر گیا میں قتادہ کے پاس سو خبر دی ان کو تو کہا قتادہ نے کثیر بھول گئے تھے پہلے انہوں نے یہ روایت مجھ سے بیان کی تھی اب ان کو یاد نہ رہی۔

تشریح: اگر "امرک بیدک" عورت سے کہا تو محض بیدی کہنے سے طلاق نہیں ہوگی، جب تک عورت اپنے آپ کو طلاق نہ دے۔ باقی جب عورت اپنے آپ کو طلاق دے تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی۔ احناف کے نزدیک نیت زوج کا اعتبار ہوگا، اگر اختلاف ہو گیا تو زوج کی نیت کا اعتبار ہوگا مع یمین یہی قول عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اور عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورت کی نیت کا اعتبار ہوگا اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اس پر ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حماد بن زید

کہتے ہیں کہ میں نے ایوب سجستانی سے سوال کیا کہ کیا تمہیں ایسا شخص معلوم ہے حسن بصری کے علاوہ جس نے قول کیا ہو کہ امرک بیدک سے تین طلاقیں واقع ہوں گی؟ اس کے جواب میں ایوب نے کہا کہ "لَا اِلَّا الْحسن" لیکن پھر فوراً استحضار ہوا، حدیث قتادہ کا کہ قتادہ اس کے قائل ہیں چونکہ قولاً تردد ہوا کہ میں نے جو حصر کردیا کہ اس کے قائل صرف حسن بصری ہیں، اس حصر میں کمی کوتاہی ہوگئی، اس پر فوراً مغفرت طلب کی، اگرچہ یہ غلطی قصداً نہ تھی لیکن نیک لوگوں کی شان یہ ہے کہ وہ غیر اختیاری غلطی پر بھی طلب استغفار کرتے ہیں۔ الغرض ایوب نے حدیث قتادہ کو بیان کرنے سے پہلے پہلے استغفار کیا اور پھر حدیث قتادہ کو بیان کیا۔

الغرض حدیث ابوقتادہ اور حسن بصری کا قول دونوں جمہور کے خلاف ہیں۔ حدیث ابوقتادہ میں ہے "امرک بیدک انہا ثلاثا" تین طلاقیں ہوں گی "فلقیت کثیرًا" ایوب سجستانی کہتے ہیں کہ میں اس کے بعد کثیر کو ملا تو میں نے کہا کہ آپ نے یہ حدیث قتادہ کو بیان کی ہے تو انہوں نے اس کو نہ پہچانا۔ الغرض ایوب کہتے ہیں کہ میں اپنے اُستاد قتادہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کے اُستاد کثیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث قتادہ کے سامنے بیان نہیں کی اس پر قتادہ نے کہا کہ اُستاد نے بیان تو کی ہے لیکن ان کو معلوم نہیں ہے وہ بھول گئے ہیں، اس سے یہ مسئلہ نکل آیا کہ راوی اگر حدیث کو بیان کرنے کے بعد انکار کردے تو اس کے انکار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر انکار جزماً ہو تو پھر وہ معتبر ہے جیسے "ما حدثت بهذا قط" اور باقی رہا حسن بصری کا قول "امرک بیدک انہا ثلاثا" یہ جمہور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ مؤوّل ہے کہ جب وہ تین کی نیت کرے تو اس صورت میں جمہور کے ہاں بھی تین واقع ہوجائیں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِيَارِ ۔۔۔۔۔ بیوی کو طلاق کا اختیار دینا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَاهُ أَفَكَانَ طَلَاقًا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اختیار دیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی طلاق کا (اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کا تو اختیار کیا ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کا تو کیا یہ طلاق تھوڑا ہی ہوا یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار دیا اور ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند کیا اس سے طلاق نہیں پڑی۔

تشریح اگر خاوند بیوی سے کہے "اختاری نفسک" تو یہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ خاوند کو اختیار کرے گی یا اپنے آپ کو، اگر وہ خاوند کو اختیار کرے تو طلاق نہیں ہوگی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر عورت اپنے آپ کو اختیار کرے تو احناف کے نزدیک طلاق بائنہ ہوگی۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اختیار کرے تو طلاق بائنہ ہوگی اور اگر اپنے شوہر کو اختیار کرے تو طلاق رجعی ہوگی۔

احناف کی دلیل: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم" کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اختیار کیا تو اس سے کوئی طلاق نہ ہوئی۔

امام احمد کی دلیل

قول علی رضی اللہ عنہ کہ خاوند کو اختیار کرے تو طلاق رجعی ہے اور اگر اپنے آپ کو اختیار کرے تو طلاق بائنہ ہوگی۔
جواب: یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا لَا سُكْنٰى لَهَا وَ لَا نَفَقَةَ

جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کا روٹی، کپڑا اور مکان شوہر پر واجب نہیں

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا سُكْنٰى لَكِ وَلَا نَفَقَةَ، قَالَ مُغِيرَةُ فَذَكَرْتُهُ لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ قَالَ عُمَرُ لَا نَدَعُ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِي أَحَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ، وَكَانَ عُمَرُ يَجْعَلُ لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةَ.

ترجمہ حضرت شعبی سے روایت ہے کہا انہوں نے کہا فاطمہ بنت قیس نے طلاق دی مجھ کو میرے شوہر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تیرے لیے گھر واجب ہے نہ روٹی، کپڑا یعنی تیرے شوہر پر کہ کہا مغیرہ نے پھر ذکر کیا میں نے اس کا ابراہیم سے تو کہا انہوں نے کہ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں چھوڑتے ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت ایک عورت کے قول سے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا حضرت کے فرمودہ سے یا بھول گئی۔ سو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو دلواتے تھے تین طلاق والی کو روٹی، کپڑا اور مکان رہنے کو یعنی عدت تک۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَسَأَلْتُهَا عَنْ قَضَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، فَقَالَتْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا الْبَتَّةَ فَخَاصَمَتْهُ فِي السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةِ فَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةً وَفِي حَدِيثِ دَاوُدَ قَالَتْ وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَدَّ فِي بَيْتِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ

ترجمہ حضرت شعبی سے روایت ہے کہا داخل ہوا میں فاطمہ بنت قیس کے پاس اور پوچھا کیا حکم کیا تمہارے مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو کہا انہوں نے طلاق دی مجھ کو میرے زوج نے طلاق بات یعنی تین طلاق سو وہ جھگڑی مکان اور روٹی کپڑے کے لیے سو نہ دلوایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکان اور نہ نفقہ اور داؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ فاطمہ نے کہا حکم کیا مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عدت بیٹھوں میں ابن مکتوم کے گھر میں۔

تشریح مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ بائنہ حاملہ ہو تو بالاجماع اس کے لیے سکنیٰ اور نفقہ بھی ہے۔ البتہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے یعنی وہ نفقہ اور سکنیٰ مستحق ہے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں مطلقہ بائنہ غیر حاملہ اس کے لیے دونوں چیزیں ہیں نفقہ بھی اور سکنٰی بھی۔
قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک نفقہ اور سکنٰی دونوں نہیں ہیں۔
قول ثالث: شوافع کے نزدیک نفقہ تو نہیں ہے البتہ سکنٰی ہے۔
احناف کی دلیل اوّل: "وللمطلقات متاع بالمعروف" یہاں مطلقات میں تعمیم ہے مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ بائنہ ہو، حاملہ ہو یا مطلقہ بائنہ غیر حاملہ ہو اور "متاع بالمعروف" نفقہ اور سکنٰی دونوں کو شامل ہے۔
دلیل ثانی: آیت کریمہ "اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم" جیسے سکنٰی مالی حق ہے نفقہ بھی تو مالی حق ہے۔ آیت کریمہ الفاظ کے اعتبار سے وجوب سکنٰی پر بھی دال ہے۔ نیز اس میں "من وجدکم" (وجد طاقت) اس کی زیادہ مطابقت نفقہ کے ساتھ ہے اور سکنٰی سے نفی مقصود نہیں ہے۔
دلیل ثالث: "ولا تضاروھن" کہ مطلقہ عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ اور ظاہر جس طرح سکنٰی کے نہ ہونے کی صورت میں ضرر ہے اسی طرح نفقہ کے نہ ہونے میں بھی ضرر ہے اور آگے فرمایا "فلا تضیقوھن" ظاہر ہے کہ جس طرح سکنٰی کے نہ ہونے میں تضیق ہے اسی طرح نفقہ کے نہ ہونے کی صورت میں بھی تضیق ہے۔ پس آیت بوجوہ ثلاثہ نفقہ اور سکنٰی پر دال ہے۔
دلیل رابع: ہدایہ میں ہے "ان زوجة المطلقه محبوسة فی ایام عدته بسبب الزوج" تو اس کا نفقہ بھی زوج پر ہونا چاہیے جس کے لیے یہ عورت محبوسہ ہے کیونکہ عدت تکریم ماء زوج کے لیے گزارتی ہے۔ (ج:۲، صفحہ ۴۱۳)
دلیل خامس: طحاوی میں ہے "قال ابن عمر رضی اللہ عنہما سمعت عمر رضی اللہ عنه یقول لها النفقة والسکنٰی"
دلیل سادس: صحیح مسلم ج:۱ صفحہ ۴۸۵ پر ہے "عن الشعبی، قال قالت فاطمه بنت قیس طلقنی زوج ثلاثا فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلّم لا سکنٰی لک ولا نفقة وفیه فقال عمر رضی اللہ عنه ای فی ردّ حدیث فاطمه لا ندع کتاب اللہ وسنة نبینا یقول امرأة لا ندری ام حفظت ام نسیت مکان یحصل لها النفقه السکنٰی"
حنابلہ کی دلیل: حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا، جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو فرمایا: تیرے لیے نہ سکنٰی ہے اور نہ نفقہ ہے۔

شوافع ومالکیہ کی دلیل:

سکنٰی کے بارے میں تو "لا تخرجوھن من بیوتھن" کہ مطلقہ عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو، اس سے معلوم ہوا سکنٰی ضروری ہے اور نفقہ کے نہ ہونے کے بارے میں حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہے لیکن اس پر سوال ہوگا کہ اس حدیث میں تو دونوں کی نفی ہے تو شوافع اور حنابلہ کی طرف جواب یہ ہے کہ سکنٰی کے بارے میں معارض اقویٰ موجود ہے اور نفقہ کے بارے میں معارض اقویٰ موجود نہیں ہے لہٰذا یہ سکنٰی کی نفی کے بارے میں تو قابل استدلال نہیں ہے۔ البتہ نفقہ کی نفی کے بارے

میں قابل استدلال ہوگی۔ باقی اگر کوئی کہے معارض تو موجود ہے "وللمطلقت متاع بالمعروف" تو شوافع حضرات فرماتے ہیں اس میں مطلقہ رجعیہ کا بیان ہے نہ کہ مطلقہ بائنہ کا بیان ہے۔

جواب (۱): حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث باطمہ پر جرح کی ہے کہ ہم اس کی وجہ سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے تو کیا خیال ہے آپ کا کہ اگر کسی حدیث پر یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل جرح کردیں تو وہ قابل استدلال نہیں رہتی تو جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جرح کردیں کیا وہ قابل استدلال رہے گی؟

جواب (۲): سکنی وغیرہ کا نہ ہونا یہ فاطمہ بنت قیس کی خصوصیت تھی عارض کی وجہ سے اور وہ عارض یہ تھا کہ یہ زبان دراز تھی، مزاج اور طبیعت کی سخت تھیں، باقی رہا نفقہ تو نفس نفقہ کی نفی نہیں بلکہ زیادہ مقدار کی نفی ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے خاوند نے وکیل کے ہاتھ دس قفیز بھیج دیئے تھے، اس نے زائد مقدار کا مطالبہ کیا۔

سوال: بعض روایات میں ہے کہ "الا آن تکونی حاملۃً" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نفقہ کی نفی ہے؟

جواب: مطلب یہ ہے کہ اگر تو حاملہ ہوتی تو تیری ضرورت زیادہ ہوتی تو ہم تجھے زائد مقدار بھی دے دیتے۔ الغرض دو وجوں سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ (۱) حضرات کی جرح اور وجہ (۲) کہ یہ فاطمہ بنت قیس کی خصوصیت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ ۔۔۔۔ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ شعیب کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر نہیں ابن آدم کی اس میں جس کا وہ مالک نہیں اور عتق نہیں اس میں کہ جس کا وہ مالک نہیں اور طلاق نہیں اس میں جس کا وہ مالک نہیں۔

تشریح: "لا نذر فیما لا یملک" کے بارے میں مسئلہ کتاب الاحکام میں گزر چکا ہے۔ باقی غیر مملوک غلام کو آزادی "تنجیزاً" صحیح نہیں۔ یہ اور اگر معلق کردے تو پھر بھی وہی اختلاف ہے جو نذر کے بارے میں ہے۔

مسئلہ: اجنبیہ عورت کو طلاق قبل النکاح دینا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے کہ اجنبیہ کی طلاق کی ابتداءً دو صورتیں ہیں۔ (۱) "تنجیزاً" (۲) تعلیقاً، پھر اس کی دو صورتیں ہیں کہ ایسی شرط کے ساتھ معلق کرے جو شرط نہ نکاح ہو اور نہ نکاح کا سبب، مثلاً کہے "اِنْ دخلت الدار فانت طالق" اور دوسری صورت یہ ہے کہ طلاق کو معلق کرے نکاح یا سبب نکاح کے ساتھ، مثلاً کہے "ان نکحتک فانت طالق، ان ملکتک فانت طالق" گویا تین صورتیں ہوگئی۔ (۱) "تنجیزاً" طلاق دینا۔ (۲) نکاح یا سبب نکاح سے معلق کرنا۔ (۳) ایسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جو نہ نکاح ہو اور نہ سبب نکاح ہو۔ ان میں سے

پہلی اور تیسری صورت میں بالاجماع طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ صورت ثانیہ میں اختلاف ہے۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد مطلقاً طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا علی سبیل الخصوص ہو، علی سبیل العموم یہ ہے کہ نہ عورت کی تعیین ہے اور نہ شہر کی تعیین ہے نہ قبیلہ کی اور نہ زمانہ کی۔ الحاصل کسی چیز کی بھی تخصیص نہیں یعنی "کلما تزوجت امرأة فهی طالق" کہے اور تعلیق علی سبیل الخصوص یہ ہے کہ مثلاً معینہ عورت کے بارے میں کہے "ان نکحتک فانت طالق" یا قبیلہ کی تعیین کردے کہ فلاں قبیلہ کی عورت سے میں نکاح کروں تو طلاق یا پھر شہر کی تعیین کردے کہ ملتانیہ عورت سے نکاح کروں تو طلاق یا زمانہ کی تعیین کردے کہ اگر جمعہ کے دن نکاح کروں، طلاق۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر تعلیق علی سبیل الخصوص ہو تو پھر بعد الشرط طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر علی سبیل العموم ہو تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی۔ شوافع وجمہور فرماتے ہیں کہ مطلقاً طلاق واقع نہ ہوگی، خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا تعلیق علی سبیل الخصوص ہو۔ گویا کہ تین قول ہو گئے۔

احناف کی دلیل: قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، باقی عبارت میں لفظ ہے منصوبہ، اس کو سین سے بھی پڑھا گیا ہے، اگر سین سے پڑھا جائے تو پھر معنی ہوگا جس کی نسبت کی گئی ہو قبیلہ وغیرہ کی طرف اور اگر صاد کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر معنی ہوگا گاڑھا ہوا یعنی ایسی عورت جس میں تعین کو گاڑ دیا گیا ہو اور نصب کا دوسرا معنی اُٹھانا بھی ہے اب معنی یہ ہوگا کہ ایسی عورت جس میں تعیین کی وجہ سے ابہام کو اُٹھا دیا گیا ہو۔ ہر صورت میں حاصل معنی معین عورت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے معینہ عورت کے متعلق فرمایا کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

سوال: تقریب تام نہیں ہے کیوں کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں اس لیے کہ دعویٰ تو یہ تھا کہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا تعلیق سبیل الخصوص ہو۔ ہر صورت طلاق واقع ہو جائے گی لیکن دلیل جو پیش کی وہ تعلیق علی سبیل الخصوص کی ہے؟

جواب: ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے چونکہ منصوبہ معینہ کے بارے میں سوال ہوا اس لیے اس کی تخصیص کر دی ورنہ کوئی احتراز مقصود نہیں ہے۔ نیز ہم سوال کرتے ہیں کہ معینہ میں طلاق کیوں واقع ہوئی ہے؟ ظاہر ہے کہ طلاق کے وقوع میں تعیین کو کوئی دخل نہیں محض اس وجہ سے ہوئی ہے کہ نکاح کے بعد عورت محل طلاق بن جاتی ہے اور یہ علت تو غیر معینہ میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے معینہ اور غیر معینہ دونوں کو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مالکیہ کی دلیل: عقلی ہے کہ اگر علی سبیل العموم میں بھی طلاق کے وقوع کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر نکاح کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، یعنی جب کسی نے کہا "کلما تزوجت امرأة فهی طالق" تو اب سرے سے دروازہ ہی بند ہو جائے گا حالانکہ نکاح ایک نعمت ہے۔

جواب: نص کے مقابلے میں قیاس کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب "لا طلاق له فیما لا یملک"

جواب: اس حدیث کا مصداق صورت اولیٰ یا صورت ثالثہ ہے۔ صورت ثانیہ اس حدیث کا مصداق نہیں، اس لیے کہ صورت ثالثہ میں "طلاق فیما یملک" ہے "فیما لا یملک" نہیں۔ باقی نذر والے مسئلے میں یہ حدیث محمول ہے تنجیز

پرانخ۔ آگے عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا کہ انہوں نے تشدید کی کہ منصوبہ ہو تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر غیر منصوبہ ہو پھر بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

عبداللہ ابن مبارک سے سوال ہوا کہ جو فقہاء قائل ہیں کہ شرط کے بعد بھی طلاق واقع نہ ہوگی تو ان کا قول آسانی پر مشتمل ہے تو اب سوال یہ ہوا کہ ایسا شخص جس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس کی طلاق کو معلق کیا تھا نکاح کے ساتھ یا سبب نکاح کے ساتھ تو اب نکاح کے بعد طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ تو اب نکاح کے بعد ان فقہاء کے قول پر عمل کر سکتا ہے جو رخصت کے قائل ہیں یعنی شوافع تو عبداللہ ابن مبارک نے جواب دیا کہ اس شخص سے دریافت کریں گے کہ اس میں مبتلا ہونے سے پہلے ان فقہاء کے قول کو صحیح سمجھتا ہے یا نہیں؟ اگر تو صحیح سمجھتا تھا تو پھر ابتلاء کے بعد بھی اس پر عمل کرنا صحیح ہے۔ یہ عمل بالشریعت ہی ہوگا اور اگر اس میں مبتلاء ہونے سے پہلے ان فقہاء کے قول کو صحیح نہیں سمجھتا تھا تو ابتلاء کے بعد بھی اس پر عمل کرنا صحیح نہیں، اس لیے بعد الابتلاء عمل کرنا عمل بالشریعت نہ ہوگا عمل بالھویٰ عمل بالنفس ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ طَلَاقَ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ ۔۔۔۔ باندی کیلئے دو ہی طلاقیں ہیں

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى وَ أَنَا أَبُو عَاصِمٍ نَا مُظَاهِرٌ بِهٰذَا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی کے دو ہی طلاق ہیں اور عدت اس کی دو ہی حیض ہیں یعنی دو طلاق میں وہ بائنہ ہو جاتی ہے جیسے حرہ تین طلاق میں کہا محمد بن یحییٰ نے اور خبر دی ہم کو اس حدیث کی ابو عاصم نے روایت کی انہوں نے مظاہر سے۔

تشریح امۃ کی دو طلاقیں ہیں اور حرہ کے حق میں تین طلاقیں ہیں۔ یہاں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: دو طلاق میں عورت کا اعتبار ہے یا مرد کا؟ احناف فرماتے ہیں کہ عورت کا اعتبار ہے اگر عورت حرہ ہو تو خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوگا خواہ خاوند حر ہو یا عبد ہو۔ اگر عورت اَمۃ ہو تو پھر دو طلاقوں کا مالک ہوگا خواہ خاوند حر ہو یا عبد ہو۔ شوافع کے ہاں معاملہ برعکس ہے۔ اگر زوج حر ہو تو تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور اگر عبد ہو تو دو طلاقوں کا، گویا شوافع کے ہاں مرد کا اعتبار ہے عدد طلاق میں، خواہ عورت حر ہو یا اُمہ ہو اور حدیث جو ہے احناف کے موافق ہے۔

مسئلہ ثانیہ: عدت بالحیض ہوگی یا بالطہر ہوگی۔ احناف کے ہاں عدت بالحیض ہوگی۔ شوافع کے ہاں عدت بالطہر ہوگی۔ دونوں مسئلوں میں یہ حدیث احناف کے موافق جارہی ہے۔ باقی حیرت کی بات یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وھو قول سفیان الثوری والشافعی" حالانکہ اس حدیث پر شوافع کا عمل نہیں ہے تو لامحالہ یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ دوسرے جملے سے ضمنی مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ اُمۃ کی عدت حرۃ کی عدت کی نصف ہوگی۔ اس ضمنی مسئلہ کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ "وھو قول الشافعی"

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ

دِل میں طلاق کا خیال کرنے سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَاوَزَ اللهُ لِأُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَكَلَّمْ بِهِ أَوْ تَعْمَلْ بِهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درگزر کیا اللہ نے میری اُمت سے جو دِلوں میں خیال آئے جب تک منہ سے نہ نکالے اس کو یا عمل نہ کرے اس پر۔

تشریح موسوس کی طلاق بالاجماع واقع نہ ہوگی۔ موسوس وہ ہے جو اپنے دل میں طلاق کا خیال لائے لیکن زبان سے تلفظ نہ کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجِدِّ وَالْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

ہنسی مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں کہ اس میں سچ مچ کہنا اور خوش طبعی سے کہنا دونوں برابر ہے ایک نکاح، دوسرے طلاق، تیسرے رجعت۔

تشریح تین چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت بھی حقیقت ہے اور ہزل بھی حقیقت ہے۔ جد کا معنی کہ کسی کلمہ کا تلفظ کرنا معنی کے ارادہ کے ساتھ خواہ معنی حقیقی ہو یا مجازی۔ ہزل، بدون معنی تلفظ کرنا نہ حقیقی نہ مجازی، باقی طلاق، رجعت، نکاح، ان تینوں کا ذکر کیا ماعدا کی نفی مقصود نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلْعِ ـــــ خلع کے بیان میں

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

ترجمہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت ہے کہ انہوں نے خلع کیا اپنے شوہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سو حکم کیا ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حکم کی گئیں وہ کہ عدت بیٹھے ایک حیض تک۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بی بی نے خلع کیا (لی) اپنے شوہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سو حکم کیا ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عدت بیٹھے ایک حیض تک۔

تشریح خلع کا لغوی معنی ہے اُتارنا، زوجین کا آپس میں زوجیت کا تعلق لباس والا ہے اس لباس کو اُتارنا خلع ہے۔

اصطلاحی معنی "ازالة ملک النکاح بمالٍ بلفظ مخصوص" لغوی معنی سے مناسبت ظاہر ہے۔

مسئلہ اولیٰ: خلع کی حقیقت کیا ہے؟ آیا یہ فسخ نکاح ہے یا طلاق ہے۔

قول اوّل: احناف وشوافع کے قولِ جدید کے مطابق اور مالکیہ کے نزدیک خلع طلاق بائنہ ہے۔

قول ثانی: امام شافعی کا قول قدیم امام احمد بن حنبل کے ہاں خلع فسخ نکاح ہے۔

ثمرہ اختلاف: خلع اگر طلاق ہے تو اس کے بعد مختلعہ کو طلاق بھی دی جاسکتی ہے۔ نیز اگر خلع طلاق ہے تو اس کے بعد خاوند صرف مابقی کا مالک ہوگا نکاح کے بعد اور اگر خلع فسخ نکاح ہے تو پھر طلاقوں کا مالک نہیں ہوگا محل طلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد اگر عورت پھر دوبارہ اس کے نکاح میں آجائے تو پھر خاوند تینوں طلاقوں کا مالک ہوگا، دلائل آگے آرہے ہیں۔

مسئلہ ثانیہ: مختلعہ عورت کی عدت کیا ہے؟

قول اوّل: جمہور آئمہ اربعہ کے نزدیک مختلعہ عورت کی عدت مطلقہ والی ہے۔

قول ثانی: احناف کے ہاں تین حیض ہیں۔

قول ثالث: شوافع کے نزدیک تین طہر ہے۔

قول رابع: حنابلہ اگرچہ فسخ نکاح کے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ بعض صحابہ اور بعض اہل علم اور اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک مختلعہ کی عدت ایک حیض ہے یہ بھی اسی کا مبنی علیہ ہے کہ خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح تو جن کے نزدیک طلاق ہے، ان کے نزدیک عدت بھی طلاق والی ہے اور جن کے نزدیک فسخ نکاح ہے ان کے نزدیک ایک حیض ہے۔

احناف کی دلیل اوّل

مسئلہ اولیٰ میں "الطلاق مرّتان" کے بعد "فان طلقها فلا تحلّ له حتی تنکح زوجًا غیرہٗ" درمیان میں "فیما افتدت به" درمیان خلع کا ذکر ہے اور خلع میں عورت کا فعل مذکور ہے یعنی فداء مال کا ذکر ہے اور صرف عورت کے فعل کی وجہ سے رہائی نہیں ہوسکتی جب تک کہ خاوند کا فعل نہ پایا جائے۔ باقی وہ خاوند کا فعل کیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا اور مقام ذکر میں ذکر نہ ہونا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ خاوند کا فعل ماقبل والا ہے اور ماقبل میں خاوند کا فعل طلاق ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلع طلاق ہے

اگراس کو یعنی خلع کو فسخ نکاح مان لیا جائے لیکن یہ ایک مسئلہ جس پر آیت کی کوئی دلالت نہیں اور اس کی مزید تائید حدیث ثابت بن قیس بن شماس کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ان کی بیوی نے خلع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثابت نے جو باغ مہر میں دیا تھا وہ واپس کرسکتی ہو تو اس نے کہا جی ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس کو فرمایا "اقبل الحديقة و طلقها تطليقة" اگر فسخ نکاح ہوتا تو "طلقها تطليقة" کا کیا معنی ہوگا۔

دلیل ثانی: "عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم الخلع تطليقه بائنة"

سوال: اس میں عباد بن کثیر ثقفی راوی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ "كما في الرواية ص: ۲۳، اعلاء السنن، ص: ۱۵۸"

جواب: "كان جريد بن عبد الحميد يحدث عنه و يقول كان شيخا صالحا كذا في الميزان، ج: ۲، ص: ۲۲"

دلیل ثالث: "عن ابن عمر رضي الله عنه عدتها عدة المطلقه رواه في المؤطا ص: ۲۰۵" معلوم ہوا کہ خلع طلاق ہے ورنہ اس کی عدت عدۃ المطلقہ نہ ہوتی۔

دلیل رابع: "روى عن عثمان رضي الله عنه قال الخلع تطليقه مؤطا"

دلیل خامس: قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع طلاق ہے اور اس کے بعد طلاق واقع ہوسکتی ہے کیونکہ قرآن مجید طلاق ثلاث کے وقوع سے قبل دو قسم طلاقوں کا ذکر ہے اوّل "طلاق بلا مال وهو في قوله الطلاق مرتان" دوم "طلاق بالمال" جو خلع ہے "حيث قال الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به" اس کے طلاق ثالث کا ذکر ہے بطور "تفريع على ما قبل فقال فان طلقها فلا تحل له الآية بار ادلفاء للتفريع" تو یہ تفریع ہے ما قبل پر جس میں خلع بھی داخل ہے تو معلوم ہوا کہ طلاق ثالث واقع ہوسکتی ہے۔

باقی آئمہ کی دلیل اوّل:

آیت کریمہ "الطّلاق مرّتان" طریق استدلال یہ ہے کہ "الطلاق مرّتان" کے مسئلہ کے بعد مسئلہ خلع کا ذکر ہے پھر فرمایا: "فان طلقها فلا تحلّ له، اذا كان الامر كذلك" اب ہم کہتے ہیں کہ "الطلاق مرّتان" میں دو طلاقوں کا ذکر ہے اور خلع تیسری طلاق ہوگئی اور اگلے "فان طلقها فلا تحل له" میں چوتھی طلاق کا ذکر ہوگا۔ اب اس سے یہ لازم آئے گا کہ چوتھی طلاق دین میں مشروع ہے حالانکہ اجماع ہے کہ عورت تین طلاقوں سے مغلظ ہوجاتی ہے یہ سارا فساد خلع کو طلاق دینے سے لازم آیا۔ معلوم ہوا کہ خلع فسخ نکاح ہے۔

جواب: کوئی فساد لازم نہیں آتا کیونکہ خلع جو ہے یہ کوئی مستقل طلاق نہیں بلکہ یہ "الطّلاق مرّتان" کا بیان ہے باقی الطلاق مرتان میں جو طلاق کا ذکر ہے یہ دو قسم پر ہے۔ (۱) بلا مال (۲) مع المال۔ اگر بلا مال ہو تو الطلاق مرتان ہے اور اگر بالمال ہو تو پھر وہی خلع ہے۔ نیز شوافع کے مذہب کے مطابق "فان طلقها" کا تعلق ابعد کے ساتھ ہوگا، "الطلاق مرّتان" اور

احناف کے مذہب کے مطابق اقرب کے ساتھ ہوگا یعنی "فیما افتدت به" کے ساتھ ہوگا۔

دلیل ثانی: حدیث الباب، حدیث ربیع بنت معوذ بن عفرا، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا، "ان تعتد بحیضةٍ" اگر مطلقہ ہوتی تو پھر عدت تین حیض ہوتی نہ کہ ایک حیض، باقی ایک حیض کا ہونا یہ "بحیضةٍ" کی تاء دلالت کرتی ہے کہ ایک حیض ہے۔

جواب: "بحیضةٍ" میں تاء جنس کے لیے ہے وحدت کے لیے نہیں، اب معنی یہ ہوگا کہ مختلعہ عورت کی عدت جنس حیض سے ہے جنس طہر سے نہیں، پھر آگے قاعدہ شرعی کے مطابق تین حیض ہوں گے۔

سوال: نسائی کی روایت میں "أن تعتد بحیضةٍ واحدةٍ" ہے یہ نص ہے اس بات پر کہ تاء وحدت کے لیے ہے؟

جواب (۱): ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ "واحدةٍ" کے الفاظ یہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ہوں۔

جواب (۲): اگر حدیث کے الفاظ کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور کتاب اللہ کے معارض ہے "ثلثه قروء" اس لیے قابل استدلال نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخْتَلِعَاتِ ـــــ خلع لینے والی عورتوں کے متعلق

عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ.

ترجمہ: حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلع کرنے والی عورتیں تو منافق ہیں۔

تشریح: "المختلعات هن المنافقات" قرآن میں خلع کو مشروع قرار دیا ہے اس شرط کے ساتھ "الا یقیما حدود الله" پس جو عورتیں بلاوجہ خلع کا مطالبہ کرتی ہیں وہ منافقات ہیں، ان کی مذمت کا بیان ہے۔ "ایما امرأةٍ اختلعت الخ" اس عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خلع کرنے والی عورتیں جنت کی خوشبو نہیں محسوس کریں گی حالانکہ یہ زیادہ سے زیادہ گناہِ کبیرہ ہے۔ جواب: وہ عورتیں جو صالحات ہوں گی اور جنت کی خوشبو کو پائیں گی، اس وقت خلع کرنے والی عورتیں، خوشبو کو پانے سے محروم ہوں گی اور اسی طرز پر ہے "ایما امرأة سألت زوجها طلاق من غیر بأسٍ" لیکن جب جنت میں داخل ہو جائے گی، اس وقت جنت کی خوشبو کو پالیں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُدَارَاةِ النِّسَاءِ ـــــ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ كَالضِّلَعِ إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَإِنْ تَرَكْتَهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا عَلَى عِوَجٍ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی کی ہڈی کی سی ہے اگر تو سیدھا کرنے چلے تو اس کو توڑ دے گا اور اگر رہنے دے اس کو ویسے تو فائدہ اُٹھائے اس کے ٹیڑھے پن پر یعنی اس کی بدمزاجی پر صبر کرے تو نباہ ہو اور نہیں تو جدائی کی نوبت آئے۔

تشریح "قوله ان المرأة كالضلع" عورت کو پسلی کے ساتھ تشبیہ دینا تشبیہ بلیغ ہے اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا ٹیڑھا پن اس کا ذاتی ہے۔ باقی اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ٹیڑھا پن عیب نہیں جیسا کہ پسلی کا ٹیڑھا ہونا عیب نہیں ہے لہٰذا مرد کو اسی کے اوصاف پر راضی رہنا چاہیے۔ اس میں مردوں والی صفات نہ تلاش کرنی چاہئیں۔

"مداراة ابذل الدّنيا لا صلاح الدين" یعنی اپنی دُنیا کو دوسرے کے دین کے لیے خرچ کرنا یہ مداراۃ جائز ہے۔

"مداهنت"...... "بذل الدين لا صلاح الدّنيا" یعنی دُنیا کمانے کے لیے دین کو برباد کرنا یہ مداہنت ہے اور یہ حرام ہے۔ مثلاً ایک آدمی دُنیادار کو کھلاتا ہے تاکہ دین کی طرف راغب ہوجائے یہ مداراۃ ہے اور ایک آدمی نماز خشوع وخضوع سے پڑھتا ہے تاکہ بادشاہ اس کو انعام دے، یہ مداہنت حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْأَلُهُ أَبُوهُ أَنْ يُطَلِّقَ زَوْجَتَهُ

جس شخص کے والد اسے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا فَأَمَرَنِي أَبِي أَنْ أُطَلِّقَهَا فَأَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلِّقِ امْرَأَتَكَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تھی میرے پاس ایک بی بی کہ میں اسے چاہتا تھا اور میرے باپ اسے برا جانتے تھے سو حکم کیا مجھ کو کہ طلاق دو اسے سو نہ مانا میں نے پھر ذکر کیا میں نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبداللہ! بیٹے عمر کے طلاق دے اپنی بی بی کو۔

تشریح:...... اگر والد اپنے بیٹے سے اس کی بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرے تو بیٹا طلاق دے یا نہ دے؟ تو اگر والد حق بجانب ہو تو پھر باپ کے حکم کو مان کر طلاق دے دے یعنی والدین بہو کی وجہ سے متاذی ہوں اور اگر والد حق بجانب نہ ہوں تو پھر والد کو راضی کرنا چاہیے، طلاق نہ دینی چاہیے، کہیں زیادہ فساد میں مبتلاء نہ ہوجائے۔ "حدّثنا احمد بن محمد"

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلیل القدر والد ہیں اور اپنے بیٹے کو طلاق کا حکم دے رہے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ توقف کر رہے ہیں، طلاق کیوں نہ دی؟

جواب: ان کے سامنے ایک طرف امر عمر رضی اللہ عنہ تھا اور ایک طرف یہ تھا کہ "طلاق ابغض المباحات" ہے۔ کسی جانب کو ترجیح نہ دے سکے گا والد کا حکم بجالاؤں یا "ابغض الحلال" کا مرتکب ہوجاؤں، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق کا حکم دے دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا

عورت اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَكْفِئَ مَا فِي إِنَائِهَا

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ پہنچاتے ہیں اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ طلب کرے عورت طلاق اپنی سوت (سوکن) کی تاکہ اُنڈیل لے جو اس کے برتن میں ہے۔

تشریح کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے اور یہاں بہن سے مراد نسبی بہن نہیں بلکہ اسلامی بہن مراد ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔(۱) کہ مخطوبہ عورت کہے کہ پہلی عورت کو طلاق دے دو، پھر نکاح کروں گی تاکہ اس کا سارا حصہ مجھے مل جائے یا (۲) کوئی عورت اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الْمَعْتُوهِ۔۔۔۔پاگل کی طلاق سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب طلاق پڑ جاتی ہیں مگر طلاق معتوہ کا یعنی جس کی عقل جاتی رہے۔(اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی)۔

تشریح مسئلہ اختلافی: معتوہ کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

اس سے پہلے یہ سمجھیں کہ معتوہ کے دو معنی ہیں۔(۱) ناسمجھ، اس قسم کے معتوہ کی طلاق بالاجماع واقع نہ ہوگی۔

(۲) مجنون، مغلوب العقل۔بایں معنی معتوہ کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جمہور کی رائے یہ ہے کہ ایسے معتوہ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔جیسا کہ حدیث بھی اس پر دال ہے۔

سوال: یہ حدیث سنداً ضعیف ہے عطاء بن عجلان کے ضعیف ہونے کی وجہ سے؟

جواب: جمہور فقہاء کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔لہٰذا یہ ضعف مضر نہیں۔

سوال: معتوہ جیسے مغلوب العقل ہے ایسے ہی سکران بھی مغلوب العقل ہے پھر اس کی طلاق واقع کیوں ہوتی ہے؟ اگرچہ بعض تابعین کے نزدیک اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی وجہ فرق کی کیا ہے؟

جواب: معتوہ مغلوب العقل ہے سبب غیر اختیاری کی وجہ سے اور سکران مغلوب العقل ہے سبب اختیاری کی وجہ

سے لہٰذا زجراً حکم دیا گیا کہ معتوہ کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

سوال: مسافر کا اگر سفر معصیت ہو تو اس کے باوجود قصر والی رُخصت رہتی ہے بالکل ایسے ہی سکران کا فعل اگر چہ ہے معصیت تو اس کا حق بھی یہی ہے کہ اس کو عدم وقوع طلاق والی رُخصت سے محروم نہ کیا جائے بلکہ اس کو عدم وقوع طلاق والی رُخصت حاصل ہونی چاہیے مسافر پر قیاس کرتے ہوئے وجہ فرق کیا ہے؟

جواب: قصر کا سبب وجودِ سفر ہے۔ عام ازیں وہ سفر مقرون بالطاعات ہو یا مقرون بالمعصیت ہو اور طلاق کا مدار الفاظِ طلاق کے تکلم پر ہے اور سکران سے الفاظِ طلاق کا صدور پایا جاتا ہے۔

سوال: نائم اور مجنون کے حق میں بھی تو الفاظ طلاق کا تکلم پایا جاتا ہے ان کے تکلم کی وجہ سے طلاق کا وقوع نہیں ہوتا، وجہ فرق کیا ہے؟

جواب: الفاظ طلاق کے تکلم کے ساتھ ایک اور قید لگائیں کہ طلاق کا سبب جو ہے تکلم ہے بشرطیکہ یہ تکلم غیر مغلوب العقل سے صادر ہو اور طلاقِ نائم اور مجنون، ان کا عذر غیر اختیاری ہے "سماویہا" ہے لہٰذا ان کو مغلوب العقل سمجھا جائے گا اور شارع کے ہاں اگر چہ سکران مغلوب العقل ہے لیکن اس کا سبب اختیاری ہے لہٰذا اس کو غیر مغلوب العقل سمجھا جائے گا اور غیر مغلوب العقل سے صدور ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ باقی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکرہ کی طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور فرمایا کہ معتوہ کے علاوہ سب کی طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن یہ حصر جو ہے اضافی ہے حقیقی نہیں ورنہ توصبی اور نائم و مجنون کی بھی طلاق واقع ہو جائے گی حالانکہ ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَهِيَ امْرَأَتُهُ إِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ وَاللهِ لَا أُطَلِّقُكِ فَتَبِينِي مِنِّي وَلَا آوِيكِ أَبَدًا، قَالَتْ وَكَيْفَ ذَاكَ قَالَ أُطَلِّقُكِ فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ أَنْ تَنْقَضِيَ رَاجَعْتُكِ فَذَهَبَتِ الْمَرْأَةُ حَتَّى دَخَلَتْ عَلَى عَائِشَةَ فَأَخْبَرَتْهَا فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْهُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ {الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ} [البقرة: 229] قَالَتْ عَائِشَةُ فَاسْتَأْنَفَ النَّاسُ الطَّلَاقَ مُسْتَقْبَلًا مَنْ كَانَ طَلَّقَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ طَلَّقَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا انہوں نے لوگ زمانہ جاہلیت میں ایسے تھے کہ شوہر

طلاق دیتا تھا اپنی عورت کو جتنی چاہتا تھا اور پھر وہ اسی کے پاس رہتی تھی جب رجعت کر لیتا تھا عدت میں سو اگر طلاق دے چکا ہو اس کو ایک یا زیادہ یہاں تک کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا قسم ہے اللہ کی نہ تو میں ایسی طلاق دوں تجھ کو کہ تو جدا ہو جائے مجھ سے اور نہ ملوں گا تجھ سے کبھی اس نے کہا یہ کیونکر ہوگا شوہر نے کہا میں طلاق دونگا تجھ کو پھر جب تمامی پر ہوگی عدت تیری تو رجعت کروں گا تجھ سے یعنی اس طرح بعد رجعت کے پھر طلاق دوں گا۔ پھر عدت تمام ہونے کے قریب رجعت کروں گا۔ اسی طرح ہمیشہ کرتا رہوں گا، سو گئی وہ عورت یہاں تک کہ داخل ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اور خبر دی ان کو اس بات کی سو چپ رہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہاں تک کہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پس چپ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ اُتری یہ آیت قرآن مجید کی: "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" یعنی طلاق دو مرتبہ ہے اور بعد اس کے رکھ لینا ہے عورت کو دستور کے موافق یا رُخصت کر دینا ہے اس کو یعنی تیسری طلاق دے کر یا اس طرح کہ رجعت نہ کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جائے کہا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پھر سرے سے حساب رکھا لوگوں نے طلاق کا آئندہ کے لیے جس نے طلاق دی تھی اس نے بھی اور جس نے نہیں دی تھی اس نے بھی۔

تشریح زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ آدمی اپنی بیوی کو سو یا سو سے زائد طلاقیں دے دیتا لیکن جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتا عورت معلقہ رہتی۔ الغرض زمانہ اسلام میں بھی ایک شخص نے زمانہ جاہلیت کے طریقہ کے مطابق طلاق دینے کا ارادہ کیا اور اپنی بیوی کو کہا "واللہ لا اطلقک فتبینین ولا اُوِیکِ ابدًا" یعنی ایسی طلاق نہ دوں گا کہ تو جدا ہو جائے اور ایسی بھی نہ دوں گا کہ تو میرے ساتھ رہے، عورت نے کہا اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے، اُس نے وہی جاہلیت والا طریقہ بتلایا تو وہ عورت حاضر ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، الغرض کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اپنے حال کی خبر سنائی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی، "الطَّلاق مرّتان الخ" کہ دو طلاقیں دینے تک رجوع کا حق حاصل ہے۔ تیسری طلاق واقع ہوئی تو رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد عدد طلاق کے حکم کا اعتبار ہونے لگا، ان لوگوں نے بھی اعتبار کیا جو زمانہ جاہلیت کے مطابق طلاق دیتے تھے اور ان لوگوں نے بھی اعتبار کیا جو طلاق نہیں دیتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَامِلِ المُتَوَفّٰى عَنهَا زَوجُهَا تَضَعُ

ایسی حاملہ جو خاوند کی وفات کے بعد جنے

عَنْ أَبِي السَّنَابِلِ بْنِ بَعْكَكٍ قَالَ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِثَلَاثَةٍ وَعِشْرِينَ أَوْ خَمْسَةٍ

وَعِشْرِينَ يَوْمًا فَلَمَّا تَعَلَّتْ تَشَوَّفَتْ لِلنِّكَاحِ فَأُنْكِرَ عَلَيْهَا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ إِنْ تَفْعَلْ فَقَدْ حَلَّ أَجَلُهَا.

ترجمہ حضرت ابی السنابل بن بعکک سے روایت ہے کہا وضع حمل کیا سبیعہ نے اپنے خاوند کے مرنے کے تیئس دن یا پچیس دن بعد پھر جب نفاس سے پاک ہو چکیں تو نکاح کے لیے زینت اختیار کی، سو اعتراض کیا ان پر لوگوں نے سو ذکر کیا گیا اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر نکاح کرے وہ تو کیا ہوا اس کی عدت تو پوری ہو چکی۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ تَذَاكَرُوا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا الْحَامِلَ تَضَعُ عِنْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَعْتَدُّ آخِرَ الْأَجَلَيْنِ وَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ بَلْ تَحِلُّ حِينَ تَضَعُ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ فَأَرْسَلُوا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الْأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِيَسِيرٍ فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ.

ترجمہ حضرت سلیمان ابن یسار سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن ان سب نے ذکر کیا اس عورت کا جو حاملہ ہو اور اس کا خاوند مر گیا ہو اور وضع حمل کرے سو فرمایا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ وہ پوری کرے دونوں مدتوں میں سے اخیر کی مدت کو اور اس کی تفصیل ابھی گزری اور کہا ابو سلمہ نے بلکہ حلال ہو جاتا ہے اس کو نکاح کرنا اسی وقت جب کہ وضع حمل کرے اور کہا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میں اپنے بھتیجے یعنی ابو سلمہ کے ساتھ ہوں، پس کہلا بھیجا اُم سلمہ کے پاس جو بی بی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سو فرمایا انہوں نے وضع حمل کیا سبیعہ اسلمیہ نے اپنے شوہر کے مرنے کے تھوڑے دنوں بعد سو مسئلہ پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو حکم دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکاح کرنے کا۔

تشریح "متوفی عنها زوجها" غیر حاملہ کی عدت بالاجماع چار (۴) ماہ دس دن ہے اور "حاملہ غیر متوفی عنها زوجها" کی عدت بالاجماع وضع حمل ہے، ان میں جھگڑا نہیں۔ البتہ تیسری قسم "حاملہ متوفی عنها زوجها" اس کی کیا عدت ہے اس کے بارے میں دو آیتوں میں تعارض ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن باربعة اشهرٍ وعشرًا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ دس دن ہے اور سورۃ طلاق کی آیت "واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضع حمل ہے چونکہ دونوں آیتوں میں تعارض ہے اس لیے حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت میں بھی اختلاف ہو گیا تو حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے کہ اس کی عدت ابعد الاجلین ہوگی۔ یعنی رفع تعارض کی صورت دونوں آیتوں میں تطبیق ہوگی یعنی اگر چار ماہ دس دن پہلے ہو جائیں اور وضع حمل بعد میں ہے تو عدت وضع حمل ہوگی۔

آئمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی عورت کے لیے عدت وضع حمل ہے اس لیے کہ دونوں آیتوں میں تعارض ہے باقی وضع حمل کیوں ہے اس لیے کہ سورۃ بقرہ کی آیت نزول کے اعتبار سے مقدم ہے اور طلاق والی آیت مؤخر ہے، لہٰذا جتنی مقدار میں تعارض ہوگا اتنی مقدار میں سورۃ بقرہ کی آیت حاملہ متوفی عنہا زوجہا کے حق میں منسوخ ہوگی اور آیت طلاق ناسخ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا یقین ہے کہ اگر میرے ساتھ کوئی مباہلہ کرنا چاہے تو میں تیار ہوں اس بات پر کہ آیت طلاق مؤخر ہے اور اگر میں تقدم وتاخر کے بارے میں قسم اٹھاؤں تو حانث نہ ہوں گا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ان دونوں حدیثوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اس کی عدت کے متعلق

عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ بِهَذِهِ الْأَحَادِيثِ الثَّلَاثَةِ قَالَ قَالَتْ زَيْنَبُ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةُ خَلُوقٍ أَوْ غَيْرُهُ فَدَهَنَتْ بِهِ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. قَالَتْ زَيْنَبُ فَدَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا فَدَعَتْ بِطِيبٍ، فَمَسَّتْ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَتْ وَاللهِ مَا لِي فِي الطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. قَالَتْ زَيْنَبُ وَسَمِعْتُ أُمِّي أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدْ اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا أَفَنَكْحَلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ.

ترجمہ: حضرت حمید بن نافع سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں زینب بنت ابی سلمہ سے کہ انہوں نے خبر دی ان کو ان تینوں حدیثوں کی کہا حمید نے کہا زینب نے داخل ہوئی میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو بی بی ہیں نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات پائی ان کے باپ ابوسفیان بن حرب نے سومنگائی اُم حبیبہ نے خوشبو کہ اس میں زردی تھی خلوق کی اور خلوق ایک خوشبو ہے عرب کی کہ مرکب ہوتی ہے زعفران وغیرہ سے یا زردی سے کسی اور چیز کی سولگائی ایک لڑکی کے پھر لگائی اپنے گالوں پر پھر فرمایا اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے قسم ہے اللہ کی مجھے کچھ خوشبو کی حاجت نہیں مگر اتنا ہے کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے حلال نہیں اس عورت کو جو ایمان رکھتی ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر یہ کہ سوگ کرے کسی میت پر تین دن سے زیادہ مگر شوہر پر کہ چار مہینے دس دن تک سوگ کرے کہا زینب نے پھر داخل ہوئی ہیں زینب بنت جحش کے پاس جبکہ وفات پائی ان کے بھائی نے سومنگائی انہوں نے بھی خوشبو اور لگائی پھر فرمایا قسم اللہ کی مجھے حاجت نہیں خوشبو کی مگر میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے حلال نہیں کسی عورت کو جو ایمان رکھتی ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر یہ کہ سوگ کرے کسی مُردے پر تین راتوں سے زیادہ مگر خاوند پر کہ چار مہینے دس دن تک سوگ کرے کہا زینب نے اور سنا میں نے ماں اُم سلمہ سے کہتی تھیں آئی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا اس نے یا رسول اللہ! میری بیٹی کا خاوند مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دُکھتی ہیں سو کیا سرمہ لگاؤں میں اس کے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دو مرتبہ یا تین مرتبہ۔ وہ حضرت سے پوچھتی تھی اور حضرت منع کرتے تھے پھر فرمایا اب تو عدت چار مہینے دس دن ہیں اور اس سے پہلے تو ایک عورت تم میں تھی جاہلیت میں کہ پھینکتی تھی اونٹ کی مینگنی سال بھر کے بعد۔

تشریح متوفی عنہا زوجہا کی دورانِ عدت سوگ واحداد کی حیثیت کیا ہے؟ جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بوقت ضرورت سرمہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے یا نہیں؟

قول اوّل: اہل ظواہر کہتے ہیں کہ ضرورت کی بناء پر بھی جائز نہیں۔

قول ثانی: جمہور کے ہاں یجوز، پھر جمہور کا آپس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے لیلاً ہو یا نھاراً۔ شوافع اور امام مالک فرماتے ہیں کہ دن کو تو بوقت ضرورت بھی نہیں لگا سکتی لیکن رات کو بوقت ضرورت لگا سکتی ہے۔

سوال: اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت بھی سرمہ لگانا جائز نہیں یہ تو جمہور کے خلاف ہے؟

جواب: ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی بیٹی کا عذر اتنا نہیں کہ سرمہ کے بغیر علاج نہ ہو سکے بلکہ اس کا علاج سرمہ کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے اور جمہور جو فرماتے ہیں کہ جائز ہے یہ اس وقت ہے جب اور کوئی علاج نہ ہو۔ باقی معتدہ رجعیہ کے لیے احداد واجب نہیں بلکہ زیب وزینت اختیار کرے تاکہ خاوند رجوع پر مجبور ہو جائے اور معتدہ بائنہ یا معتدہ مغلظہ اس پر بھی جمہور کے نزدیک احداد واجب نہیں، البتہ احناف کے نزدیک احداد واجب ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ خاوند نے اس کو طلاق دے کر وحشت میں ڈال دیا ہے اب اس کو سوگ منانے کا حکم دے کر مزید وحشت میں نہ ڈالا جائے۔ احناف یہ فرماتے ہیں کہ احداد اس لیے ہے کہ یہ نکاح والی نعمت سے محروم ہو گئی۔ خلوق کہتے ہیں کہ زعفران کے ساتھ کوئی اور چیز ملا کر بنائی ہوئی خوشبو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ

جس شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرلی

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرِ الْبَيَاضِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ حضرت سلمہ بن صخر بیاضی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو ظہار کرنے والا کہ صحبت کر بیٹھے قبل کفارہ دینے کے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ایک ہی کفارہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهِ فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي قَدْ ظَاهَرْتُ مِنْ زَوْجَتِي فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ فَقَالَ وَمَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ يَرْحَمُكَ اللهُ قَالَ رَأَيْتُ خَلْخَالَهَا فِي ضَوْءِ الْقَمَرِ قَالَ فَلَا تَقْرَبْهَا حَتَّى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللهُ بِهِ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرد آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہ اس نے ظہار کیا تھا اپنی عورت سے اور پھر صحبت کر بیٹھا اس سے سو کہا یا رسول اللہ! میں نے ظہار کیا اپنی عورت سے پھر صحبت کر بیٹھا میں اس سے قبل کفارہ دینے کے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نے مستعد کیا تجھ کو اس پر رحمت کرے اللہ تجھ پر عرض کیا اس نے دیکھی میں نے پازیب اس کی چاند کی روشنی مین فرمایا، اب اس کے نزدیک نہ جا، جب تک تو نہ کرے جو حکم دیا تجھ کو اللہ نے یعنی جب تک کفارہ نہ دے لے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ ---- ظہار کا کفارہ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ أَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيَّ أَحَدَ بَنِي بَيَاضَةَ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ حَتَّى يَمْضِيَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضَى نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْ رَقَبَةً، قَالَ لَا أَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ أَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا، قَالَ لَا أَجِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو أَعْطِهِ ذَلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا.

ترجمہ حضرت ابی سلمہ اور محمد بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ سلمان ابن صخر انصاری نے جو اولاد میں بیاضہ کے

انہوں نے اپنی عورت سے کہا کہ تو مجھ پر ایسی حرام ہے جیسے ماں کی پیٹھ رمضان گزارنے تک پھر جب گزر گیا آدھا رمضان صحبت کر بیٹھے اس سے ایک رات، سو آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو ذکر کیا اس کا سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر تو ایک غلام کہا مجھے نہیں ملتا، فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے رکھ دو مہینے تک پے در پے کہا مجھ سے نہیں ہوسکتا فرمایا کھانا کھلا ساٹھ مسکینوں کو کہا اس نے میں نہیں پاتا کہ کھلاؤں ان کو سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروہ بن عمرو سے کہ دو اس کو یہ ٹوکرا جسے عرب میں عرق کہتے ہیں اور اس میں پندرہ صاع یا سولہ پیمانے ہیں کہ ساٹھ آدمیوں کا کھانا ہوتا ہے۔

تشریح ظہار کہتے ہیں اپنی منکوحہ کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دینا یا ان کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس کی طرف نظر کرنا حرام ہو اور جب تک تشبیہ نہ ہوگی تو ظہار نہ ہوگا۔ مثلاً یہ کہے تو میری بہن ہے یا میری ماں ہے تو اس پر ظہار نہ ہوگا اور تشبیہ یہ ہے کہ مثلاً یوں کہے "أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ" یعنی ظہار کی ماہیت میں تشبیہ ضروری ہے وہ بھی محرمات ابدیہ میں سے۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا اور ابتداء اسلام میں بھی طلاق سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں اللہ نے آسانی پیدا کردی کہ وطی کرنے سے پہلے کفارہ ادا کرے اور کفارہ ادا کرنے کے بعد عورت اس کے نکاح میں موجود ہوگی یا رہے گی۔

مسئلہ اولیٰ: کفارہ ظہار کیا ہے؟

تو فرمایا کہ اگر "یُسر" ہو تو غلام آزاد کرے۔ احناف فرماتے ہیں کہ مطلق رقبہ کافی ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ رقبہ مؤمنہ ضروری ہے اور اگر ان دونوں کی قدرت نہ ہو تو صیام شہرین تتابع کے ساتھ اور اگر درمیان تتابع ختم ہوجائے تو پھر از سرِ نو شروع کرے اور اگر صیام شہرین کی قدرت بھی نہ ہو تو پھر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو جماع سے پہلے پہلے کھانا کھلائے۔

مسئلہ ثانیہ: اگر کفارہ سے پہلے جماع کرلیا؟

تو جمہور کے نزدیک تعدد کفارہ نہیں ہے اگرچہ کفارہ سے پہلے جماع کرنا گناہ ہے اور عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ کفارہ میں تعدد ہوجائے گا اس جماع کی وجہ سے بھی مستقل کفارہ ہوگا۔

مسئلہ ثالثہ: اگر کفارہ بصورت طعام ہو تو پھر اس کی مقدار کیا ہے؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک اس کی مقدار صدقۃ الفطر والی ہے اگر گندم کے ماسواء ہو تو پھر فی مسکین ایک صاع اور اگر گندم ہو تو فی مسکین نصف صاع۔

قول ثانی: شوافع فرماتے ہیں کہ ربع صاع ہے۔

قول ثالث: مالکیہ کے نزدیک نصف صاع ہے۔

احناف کی دلیل: سلمہ بن صخر بیاضی سے متعلق روایتوں میں ہے، "اطعم وسقا من تمرٍ ستّین مسکینًا" اور ایک وسق ساٹھ صاع کی ہوتی ہے تو فی مسکین ایک صاع ہو گیا۔

امام شافعی کی دلیل: اگلے باب کی پہلی حدیث ہے حدیث سلمہ بن صخر، اس میں یہ الفاظ ہیں "وھو مکتل یاخذ خمسة عشر صاعًا او ستة عشر صاعًا" یہاں پندرہ صاع کو ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کا حکم ہے تو پندرہ صاع کو ساٹھ مسکینوں کو تقسیم کریں تو فی مسکین ربع صاع آئے گا۔

جواب (۱): وسق والی روایت مثبت للزیادۃ ہے اور یہ اس زیادتی کے لیے نافی ہے اور تعارض کے وقت مثبت راجح ہوتی ہے۔

جواب (۲): عرق کی مختلف مقدار بیان کی گئی ہے ابوداؤد میں ثلثون صاعاً اور ابوداؤد کی بعض روایتوں میں ستون صاعاً بھی ہے۔اب احتیاط زائد کو لینے میں ہے۔لہٰذا وسق کی روایت راجح ہے ایک اس لیے کہ مثبت للزیادۃ ہے اور ایک اس لیے کہ براۃ ذمہ یقینی ہے۔باقی مکتل کی مقداریں بھی مختلف بیان کی گئی ہیں۔

جواب (۳): اور اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ اس کی خصوصیت ہے۔

باب ماجاء فی کفارۃ ایلاء۔۔۔۔ایلاء کے بیان میں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اٰلٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهٖ وَحَرَّمَ فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا وَجَعَلَ فِي الْيَمِيْنِ كَفَّارَةً.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایلاء کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں سے اور حرام کر لی اپنے اوپر صحبت وغیرہ ان کی پھر حلال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو حرام کر لیا تھا اپنے نفس پر اور قسم کا کفارہ دیا۔

تشریح ایلاء کا لغوی معنی ہے قسم اُٹھانا۔شرعی معنی چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک کے لیے اپنی منکوحہ کے پاس نہ آنے کی قسم اُٹھا لینا، زمانہ جاہلیت میں جب کوئی ایلاء کر لیتا تو عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معلقہ رہتی لیکن شریعت نے تجدید کر دی چار ماہ کی، اس کے لیے قسم یہ ہے کہ چار ماہ کے اندر اگر جماع کر لے یا قولاً رجوع کرے تو منکوحہ باقی رہے گی اور قسم کا کفارہ دینا ہو گا اور اگر چار ماہ گزر جائیں تو گزرتے ہی احناف کے نزدیک ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔جمہور کے نزدیک چار ماہ کے بعد قاضی کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، قاضی اس کو مجبور کرے گا یا تو طلاق دو یا رجوع کر لو ورنہ قاضی قائم مقام ہو کر تفریق ڈال دے گا۔

احناف کی دلیل اوّل: آیت کریمہ "للذین یؤلون عن نسائھم، وان عزموا الطّلاق فان اللہ سمیع علیم" طریق استدلال یہ ہے کہ "فان فاءو" میں فاء تفسیر یہ ہے یہ ماقبل کی تفسیر ہے کہ چار مہینہ کے اندر اندر رجوع کر لے اور "وان عزموا الطّلاق" کا معنی یہ ہے کہ چار ماہ کے اندر رجوع نہ کرنا یہی عزم طلاق ہے۔

احناف کی دلیل ثانی: آثار صحابہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت، ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کا فتویٰ یہی ہے کہ مدت گزرنے کے بعد وقوع طلاق ہے۔

شوافع کا مستدل: یہی آیت ہے طریق استدلال یہ ہے کہ اس میں "فاء تعقیبیہ" ہے یعنی چار ماہ گزرنے کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے اس طرح چار ماہ کے بعد بھی "ان عزموا الطّلاق" ہے۔

جواب: احناف فرماتے ہیں کہ یہاں فاء کا تفسیریہ ہونا راجح ہے اس لیے کہ قرأۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس میں ہے "فان فاء وافیھن" اگر فاء تعقیبیہ مانیں تو اس قرأت پر عمل نہ ہوگا۔

سوال: یہ قرأۃ شاذہ ہے؟

جواب: یہ قرأۃ شاذہ خبر واحد کے حکم میں ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آگے فرمایا: "فان اللّٰہ غفور رّحیم" "غفور تقاضا کرتا ہے کہ کچھ گناہ ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جب چار ماہ کے اندر رجوع ہوگا تو یہ قسم کی خلاف ورزی ہے اب یہ حانث ہوا اور حنث یہی گناہ ہے۔ اب غفور رحیم تب ہی منطبق ہوگا جب فاء کو تفسیریہ بنائیں اور اگر تعقیبیہ بنائیں تو پھر چار ماہ کے بعد رجوع کرنا یہ گناہ بھی ہے اور قسم کی خلاف ورزی بھی اور تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ احناف والی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو اہمیت حاصل ہے۔

"حدّثنا الحسن، عن عائشة صديقه رضی الله عنها قالت الٰی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلّم من نسائه" روایت پر سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایلاء تو صرف ایک مہینہ کا اس کو اصطلاح میں ایلاء کہتے نہیں ہیں۔

جواب (۱): یہ ایلاء لغوی ہے اصطلاحی نہیں۔ باقی اس ایلاء کا سبب کیا ہے تو متعدد اسباب تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ازواج مطہرات نے نفقہ کا مطالبہ کیا۔

جواب (۲): حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدیہ کیا، انہوں نے انکار کر دیا، تو دیگر ازواج کو تنبیہ کرنے کے لیے ایلاء کیا۔

"فجعل الحرام حلالاً" یہ عبارت باعث اشکال ہے کہ حدیث میں حرام کو حلال بنا دیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے جماع کرنا حلال تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حرام کیا تھا۔ نیز آگے ہے "وجعل فی الیمین کفّارۃ" حالانکہ اس میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کو پورا کیا تھا پھر کون سا کفارہ دیا گیا۔

جواب (۱): پہلے اشکال یہ ہے کہ "جعل الحرام حلالاً" یہ راوی کا تسامح ہے اصل لفظ "فجعل الحلال حرامًا" ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں اسی سند کے ساتھ یوں ہی لفظ منقول ہیں۔

جواب (۲): دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ مستقل ضابطہ ہے ماقبل سے اس کا تعلق کوئی نہیں ہے۔

تیسرا مشترکہ جواب: "وحرم فجعل الحرام حرامًا وجعل فی الیمین کفارۃ" ایلاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں،

"وحرّم" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو شہد کو حرام کیا تھا یا ماریہ قبطیہ کو حرام کر دیا تھا، یہ حرمت ہوئی ہے اس کے بعد "وجعل الحرام حلالاً" حکم خداوندی کی وجہ سے جس شہد کو حرام کیا تھا یا ماریہ قبطیہ کو حرام کیا تھا حکم الٰہی کی وجہ سے اس شہد کو یا ماریہ قبطیہ کو حلال کیا، یہ حرام کو حلال بنایا، اس واقعہ میں قسم کی خلاف ورزی ہوئی اس کا کفارہ ادا کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللِّعَانِ ۔۔۔۔ لعان کے متعلق

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سُئِلْتُ عَنِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فِي إِمَارَةِ مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُولُ فَقُمْتُ مَكَانِي إِلَى مَنْزِلِ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ فَقِيلَ لِي إِنَّهُ قَائِلٌ فَسَمِعَ كَلَامِي فَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ ادْخُلْ مَا جَاءَ بِكَ إِلَّا حَاجَةٌ قَالَ فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بَرْذَعَةَ رَحْلٍ لَهُ، فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُتَلَاعِنَانِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ نَعَمْ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ أَحَدَنَا رَأَى امْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ، قَالَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ابْتُلِيتُ بِهِ فَأَنْزَلَ اللهُ هَذِهِ الْآيَاتِ الَّتِي فِي سُورَةِ النُّورِ {وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ} [النور: 6] حَتَّى خَتَمَ الْآيَاتِ فَدَعَا الرَّجُلَ فَتَلَا الْآيَاتِ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ وَذَكَّرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ فَقَالَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ فَوَعَظَهَا، وَذَكَّرَهَا وَأَخْبَرَهَا أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ، فَقَالَتْ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا صَدَقَ، قَالَ فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ فَشَهِدَتْ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ، وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ پوچھا مجھ سے کسی نے مسئلہ لعان کرنے والی عورت کا اور مرد کا جب مصعب بن زہیر کی سلطنت تھی اور پوچھا کیا جدائی کر دی جائے لعان کرنے والی جورو خصم (زوجین) میں سو مجھے معلوم نہ ہوا کہ کیا کہوں میں سو میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر آیا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر تک اور اجازت چاہی میں نے اندر آنے کی سو لوگوں نے کہا وہ تو قیلولہ کرتے ہیں سو سنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میری

بات اور کہا اے ابن جبیر! آ ؤ تم کسی کام ہی کو آئے ہو گے پھر داخل ہوا میں اور وہ لیٹے تھے ایک موٹی چادر بچھائی ہوئی پر جو اونٹ پر ڈالی جاتی ہے سو کہا میں نے اے ابا عبدالرحمن! کیا لعان والی جورو خصم (میاں بیوی) جدا کر دیئے جائیں۔انہوں نے کہا سبحان اللہ! ہاں جدا کر دیئے جائیں اور پہلے جس نے یہ مسئلہ پوچھا وہ فلاں تھا فلانے شخص کا بیٹا کہ وہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا یا رسول اللہ! بھلا دیکھئے تو اگر کوئی ہم میں سے دیکھے اپنی عورت کو زنا میں تو کیا کرے اگر بولے تو بڑی بات ہے اور چپ رہے تو بڑی مشکل ہے کہا راوی نے پھر چپ ہو رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جواب نہ دیا اس کو پھر جب تھوڑے دن ہو گئے اس کے بعد آیا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور عرض کیا جو مسئلہ میں نے پوچھا تھا اسی میں مبتلا ہوں سو اُتاریں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں جو سورۂ نور میں ہیں: ''وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ'' سے آخر آیات تک اور پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک کہ ختم کیا سب آیتوں کو سو بلایا اس آدمی کو اور اس کے سامنے پڑھیں وہ آیتیں اور سمجھایا اس کو اور عذابِ آخرت یاد دلایا اس کو اور خبر دی کہ عذاب دُنیا کا آسان ہے آخرت کے عذاب سے سو کہا اس نے قسم ہے اس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا حق کے ساتھ میں نے جھوٹ نہیں باندھا اس عورت پر یعنی اپنی بیوی پر پھر دُہرائی وہ آیتیں عورت کے سامنے اور اس کو بھی سمجھایا اور عذاب یاد دلایا اور خبر دی کہ عذاب دُنیا کا آسان ہے آخرت کے عذاب سے سو کہا اس عورت نے نہیں قسم ہے اس کی جس نے بھیجا آپ کو ساتھ حق کے سچ نہیں ذکر کیا اس نے یعنی اس کے شوہر نے کہا راوی نے پھر شروع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد سے اور گواہی دی اس نے چار مرتبہ اللہ کے ساتھ کہ وہ سچا ہے یعنی اس باب میں کہ اس عورت نے زنا کیا ہے اور پانچویں دفعہ یہ گواہی دی کہ لعنت ہے اللہ کے اوپر اس کے اگر ہوں وہ جھوٹوں میں پھر دوبارہ شروع کیا عورت سے سو گواہی دی اس نے چار گواہیاں کہ خصم (شوہر) اس کا جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ گواہی دی کہ غضب ہے اللہ کا اس پر یعنی مجھ پر اگر ہو وہ سچوں میں پھر جدا کر دیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَاعَنَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ وَ فَرَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَيْنَهُمَا وَ أَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْأُمِّ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ لعان کیا ایک خصم (شوہر) نے جورو (بیوی) اپنی سے اور جدائی کر دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں اور ملا دیا لڑکے کو ماں کے ساتھ۔

تشریح لعان کا لغوی معنی دور کرنا۔ اصلاح میں لعان کہتے ہیں ایسی شہادت جو مؤکد بالایمان ہوں اور مقرون باللعان ہوں، مرد کے حق میں قائم مقام حد قذف کے اور عورت کے حق میں قائم مقام حد زنا کے لیے۔

مسئلہ اولیٰ: لعان کی حقیقت کیا ہے؟

احناف کے نزدیک ''شہادت مؤکدہ بالایمان، مقرونہ باللعن فی جانب الزوج و مقرونہ بالغضب فی جانب

الزوّجة قائم مقام حدّ القذف فی حق الزوّج و قائم مقام حد الزّنا فی حق الزوجة" شوافع کے نزدیک اس کی ماہیت ایمان مؤکدہ "بالشهادات مقرونه باللعن فی جانب الزوج و مقرونة بالغضب فی جانب الزوّجة قائم مقام حدالقذف فی حق الزوّج و قائم مقام حدالزنا فی حق الزوجة"

ثمرہ اختلاف، قول اوّل: احناف کے نزدیک لعان ایسے زوجین میں ہوگا جن میں شہادت کی اہلیت ہو۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ان کا اہل شہادت میں سے ہونا ضروری نہیں۔ باقی احناف کے نزدیک زوجین میں سے اگر ایک عبد ہو یا کتابی ہو تو لعان جاری نہ ہوگا ایسے ہی اگر ان میں سے کوئی محدود القذف ہو تو پھر بھی لعان جاری نہ ہوگا۔

دلیل احناف: آیت کریمہ "فشهادۃُ احدهم اربع شهاداتٍ بالله" اس میں شہادت کا لفظ ہے اور اسی طرح "والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم شهداء اِلاَّ انفسهم" یہ استثناء ہے اور استثناء میں اصل اتصال ہے اور متصل تب ہوگی جب لعان شہادت ہو۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل بھی آیت کریمہ ہے "شهادات بالله" یہ باللہ کا لفظ یمین ہے یہ باللہ کا لفظ محکم ہے اس بات میں کہ لعان یمین کا نام ہے اور اگر یہ شہادت ہو تو شہادت لنفسہ ہے اور یہ تو مقبول نہیں ہوتی بخلاف یمین کے کہ یمین اپنے حق میں معتبر ہوتی ہے۔ نیز یمین میں تو تکرار ہوتا ہے شہادت میں تکرار بھی نہیں ہوتا۔

جواب: بیشک شہادت لنفسہ ہے یہ مقبول نہیں ہوتی لیکن مقام تہمت میں اور یہاں پر مقام تہمت نہیں۔ لہٰذا یہ معتبر ہوگی جیسے "شهد الله انه لا اِلٰهَ اِلاَّ هو" یہ توحید کی گواہی لنفسہ ہے، باقی رہی یہ بات کہ شہادت میں تکرار نہیں ہوتا وہاں جہاں ضرورت نہ ہو، اگر ضرورت ہو تو پھر تکرار ہوتا ہے۔

مسئلہ ثانی: آیا لعان کے بعد قاضی کی تفریق کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

تو مسئلہ ایلاء کے برعکس یہاں مذاہب ہیں۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک نفس لعان موجب فرقت نہیں بلکہ قاضی کی تفریق کی ضرورت ہے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک قاضی کی تفریق کی ضرورت نہیں جزئیات میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زوجین دونوں لعان سے فارغ ہو جائیں تو فرقت واقع ہو جائے گی۔ بعض اہل علم کہتے ہیں صرف زوج کا لعان سے فارغ ہونے سے فرقت واقع ہو جائے گی۔

ثمرہ اختلاف: لعان کے بعد قبل التفریق اگر کوئی مر جائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے یا نہیں؟ عندالاحناف وارث ہوں گے۔ دیگر آئمہ کے نزدیک چونکہ نکاح ختم ہو گیا کوئی کسی کا وارث نہ ہوگا۔

احناف کے دلائل، دلیل اوّل: احادیث الباب ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "ثم فرّق بینهما" اور دوسری بھی

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اس میں بھی "ثم فرق بینهما" دو حدیثیں تو یہ ہوگئیں۔

دلیل ثانی: عویمر عجلانی کے قصہ سے متعلق ہے کہ جب لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں اس کو روکوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جھوٹ بولا، "فطلقها ثلاثا" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار نہیں کیا، اگر نفس لعان سے طلاق واقع ہوجاتی تو پھر "فطلقها ثلاثا" کیا معنی، اس لیے کہ نفس لعان سے عورت محل طلاق نہ رہی۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ عویمر عجیلانی کو مسئلہ معلوم نہ تھا۔

جواب: یہ احتمال ناشی من غیر دلیل ہے۔

دلیل ثالث: درایت کا مقتضی بھی یہی ہے بے شک اس میں اختلاف ہے کہ اس کا رُکن یعنی لعان کا یمین ہے یا گواہیاں ہیں، بہرحال یہ سارا کچھ قاضی کی عدالت میں معتبر ہوگا۔ جب گواہی قاضی کی عدالت میں یمین قاضی کی عدالت میں اور پھر قاضی کی قضاء کی ضرورت نہیں تو پھر یہ قاضی کس بات کا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ باقی اس کو ایلاء پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایلاء گھر میں ہو رہا ہے پھر تفریق کیوں، قاضی کی قضاء پر موقوف ہوگی بخلاف لعان کہ سارا معاملہ قاضی کی عدالت میں ہو رہا ہے، پھر تفریق کے لیے قاضی کی قضاء کی ضرورت نہیں۔

دیگر آئمہ کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ "المتلاعنان لا يجتمعان ابدًا"

جواب: قید ہے یعنی "المتلاعنان لا يجتمعان اى بعد تفريق القاضى"

سوال: جب حد قذف کا باب ہے تو پھر خاوند بیوی کے درمیان حد قذف کیوں نہیں ہوا، لعان کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اجنبیہ کو زنا میں مبتلا دیکھے، اگر گواہوں سے اثبات کرے تو قاضی کی مجلس میں آئے گا اور اگر گواہی سے ثابت نہ کر سکے تو حد قذف آئے گی اور اگر ثابت نہیں کرتا بلکہ سکوت اختیار کرتا ہے تو یہ سکوت اجنبیہ کے حق میں ہوسکتا ہے لیکن اپنی بیوی کو جب دیکھے اب اگر گواہوں کو تلاش کرتا ہے تو وہ زانی چھپ جائے گا اور اگر خاموش رہتا ہے تو غیرت کے خلاف ہے اس لیے شریعت نے خاوند بیوی کے درمیان حد قذف کے علاوہ لعان والا باب قائم کیا۔

مسئلہ ثالث: آیا یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہے یا حرمت دائمہ کے حکم میں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک طلاق کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ متلاعنین میں سے اگر کوئی رجوع کرے تو نکاح ہوجائے گا۔

قول ثانی: قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حرمت مؤبدہ ہے تا قیامت نکاح نہ ہوگا۔

دلیل: "المتلاعنان لا يجتمعان ابدًا"

جواب: جب ایک نے اپنی تکذیب کر لی تو متلاعنین تو نہ رہا۔

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلی حدیث کے بعد فرمایا: "والعمل على هذا عند اهل العلم" اس سے بظاہر یہ

معلوم ہوتا ہے تفریق پر سب کا عمل ہے حالاں کہ ایسا نہیں۔

جواب: یہ تفریق والے مسئلہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ صفت لعان کے اعتبار سے ہے اور دوسری حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں، وہاں الحاق الولد بالام کے اعتبار سے ہے اور اس میں سب فقہاء کا اتفاق ہے نہ کہ تفریق والے مسئلہ میں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيْنَ تَعْتَدُّ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا؟

جس عورت کا شوہر مرجائے وہ عدت کہاں کرے

عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ عَمَّتِهِ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ وَأَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا حَتَّى إِذَا كَانَ بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ، قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةً قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ، قَالَتْ فَانْصَرَفْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ نَادَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ أَمَرَ بِي فَنُودِيتُ لَهُ، فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ قَالَتْ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ لَهُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي، قَالَ امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ، قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَاتَّبَعَهُ وَقَضَى بِهِ.

ترجمہ: حضرت سعد بن اسحق بن کعب بن عجرہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنی پھوپھی سے جس کا نام زینب ہے وہ بیٹی ہیں کعب بن عجرہ کی کہا زینب نے کہ فریعہ بنت مالک بن سنان کہ بہن ہیں ابی سعید خدری کی انہوں نے خبر دی زینب کو کہ وہ آئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پوچھتی تھیں کہ چلے جائیں اپنے اقرباء کے پاس جو قبیلہ بنی خدرہ میں تھے کہ خاوند اُن کے نکلے تھے اپنے غلاموں کو ڈھونڈنے کو پھر جب پہنچے کنارہ قدوم میں کہ وہ ایک مقام ہے مدینے سے چھ میل پر وہ غلام ان کو ملے اور انہیں مار ڈالا یعنی ان کے شوہر کو سو پوچھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ میں پھر چلی جاؤں اپنے اقرباء میں اس لیے کہ میرے شوہر نے نہیں چھوڑا کوئی مکان کہ ان کا مملوک ہو اور نہ کچھ خرچ چھوڑ گئے کہا فریعہ نے پھر فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں چلی جا اپنے اقرباء میں کہا انہوں نے پھر پلٹی میں یہاں تک کہ جب پہنچی میں حجرے میں یا مسجد میں پکارا مجھ کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حکم کیا میرے پکارنے کا کہ میں پکاری گئی پھر فرمایا کیا کہا تھا تم نے دوبارہ عرض کیا ان پر قصہ جو ذکر کیا تھا اپنے خاوند کا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو رہ اپنے گھر میں جب تک پوری ہو مدت یعنی عدت کی کہا فریعہ نے پھر عدت کی میں نے اسی گھر میں چار مہینے دس دن کہا انہوں نے پھر جب خلیفہ ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو پیغام بھیجا میری طرف اور پوچھا مجھ سے اسی گھر میں عدت کرنے کا حال سو خبر دی میں نے ان کو اور تابعداری کی انہوں نے اسی کی اور فتویٰ دیا اسی پر جس عورت کا خاوند مرجائے وہ جس گھر میں ہو اسی میں عدت پوری کرے۔

تشریح مسئلہ: متوفی عنہا زوجہا عدت کہاں گزارے گی؟

جمہور کا مؤقف یہ ہے کہ جس گھر میں رہتے ہوئے خاوند کی وفات ہوئی ہو، اُس میں عدت گزارے، بغیر ضرورت شدیدہ کے انتقال جائز نہیں۔ چنانچہ اسی پر یہ حدیث دال ہے۔ حدیث فریعہ بنت مالک بن سنان، باقی ضرورتِ شدیدہ کیا ہے، مثلاً ورثاء نہیں رہنے دیتے یا مکان کا کرایہ زیادہ ہے، ادائیگی پر قدرت نہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم، حضرت علی، ابن عباس، حسن بصری، عطاء، ان کی رائے یہ ہے کہ ضرورت شدیدہ ہو یا نہ ہو، ہر دونوں صورتوں میں منتقل ہونے کی اجازت ہے تو امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول مؤید بالحدیث ہونے کی وجہ سے اصح ہے۔

سوال: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے فیصلے کی حیثیت کیا ہے اور دوسرے فیصلے کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: پہلا فیصلہ بطور اجتہاد کے تھا، پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ جس گھر میں رہ رہی ہے ممکن ہے اس کو ورثاء نہ ٹھہرنے دیں یا کرایہ زیادہ ہو اور اس کے پاس تو نفقہ بھی نہیں، یہ خیال کر کے اجازت دے دی، پھر مزید غور فرمایا تو قرائن سے معلوم ہو گیا کہ ورثاء گھر سے نکالیں گے نہیں یا پھر وحی کے ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ ورثاء اس سے مطالبہ نہیں کریں گے تو ضرورتِ شدیدہ بھی نہ پائی گئی۔ گویا پہلا فیصلہ بھی اور دوسرا فیصلہ بھی اجتہاد کی بناء پر تھا اور دوسری رائے یہ ہے کہ پہلا فیصلہ اجتہاد تھا اور دوسرا بذریعہ وحی تھا۔ "بحمد اللہ و فضلہ تمّت علی ھذا"

أَبْوَابُ الْبُيُوعِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کے متعلق منقول احادیث کے ابواب

بحث اوّل: بیوع جمع ہے بیع کی، بیع کا لغوی معنی ہے "مقابلة شیء بشیء" اور اصطلاح میں بیع کی تعریف یہ ہے "مبادلة المال بالمال بالتراضی علی وجه مخصوص" وجہ مخصوص سے مراد ایجاب اور قبول ہے اور یہی بیع کی حقیقت ہے۔

سوال: بیوع جمع کا صیغہ کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے کہ بیع کی انواع متعدد ہیں۔ مثلاً بیع صحیح، بیع غیر صحیح، بیع باطل، بیع فاسد، بیع نافذ، بیع غیر نافذ، بیع سلم، بیع صرف، بیع مرابحہ، بیع تولیہ، بیع مطلق، بیع موقوف وغیرہ۔

بحث ثانی: بیع بالقول بھی ہوتی ہے اور بالفعل بھی بیع بالفعل کو فقہاء بیع بالتعاطی کہتے ہیں اور یہ عرف کی وجہ سے جائز ہے اور قول سے مراد ایجاب وقبول ہے۔ بیع کے لیے رکن بھی ہے اور شرط بھی اور حکم بھی اور اقسام بھی۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ رُکن بیع ایجاب وقبول ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے رُکن بیع مال کا ہونا ہے اور شرط بیع اہلیت متعاقدین ہے یعنی عاقلین لہٰذا مجنون وصبی لایعقل کی بیع جائز نہیں، بحر الرائق میں ہے کہ شروط بیع چار قسم پر ہیں۔

قسم اوّل: شرط انعقاد بیع۔ قسم ثانی: شرط نفاذ بیع۔ قسم ثالث: شرط صحت بیع۔ قسم رابع: شرط لزوم بیع اور کل شرطیں تقریباً چھہتر (۷۶) ہیں۔ حکم بیع حصول ملک ہے فی البدل۔ اقسام بیع کثیر ہیں۔ (۱) بیع مباح اور یہ عام بیوع ہیں۔

(۲) بیع مکروہ، وہ جو عند النداء ہو، ''اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ'' اس طرح فقہاء نے متعدد انواع بیع مکروہ ذکر کی ہیں۔

(۳) بیع حرام مثل بیع میتہ وخمر یا بیع مسروقہ۔ (۴) واجب عند الاضطرار وخوف الموت تو خوف موت للجوع کے وقت اپنی مملوک چیز کی بیع کھانے کے لیے واجب وفرض ہے۔ (۵) بیع موقوف مثل بیع فضولی، فقہاء نے بیع موقوف کی تیس (۳۰) سے زائد اقسام بتائی ہیں۔ شامی، ج: ۳، صفحہ ۱۵۴ بیع کی ایک اور تقسیم بھی ہے جس میں انواع بیع چار قسم پر ہیں۔

(۱) بیع مطلق مثل بیع سلعۃ بثمن (۲) بیع مقایضہ کہ ثمن کسی طرف نہ ہو۔ دونوں طرف اشیاء ہو۔

(۳) بیع صرف کہ دونوں طرف ثمن خلقۃ ہو۔ مثل ''ذهب بالفضۃ وبالعکس'' (۴) بیع سلم ''ای بیع اجل بالعاجل''

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الشُّبُهَاتِ ۔۔۔۔۔ شبہات کو ترک کرنے سے متعلق

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَ ذَلِكَ أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَدْرِي كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ أَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ فَمَنْ تَرَكَهَا اسْتِبْرَاءً لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ فَقَدْ سَلِمَ وَمَنْ وَاقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَ الْحَرَامَ كَمَا أَنَّهُ مَنْ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ.

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے حلال کھلا ہوا ہے یعنی ظاہر ہے اور ان دونوں کے بیچ میں شبہ کی چیزیں ہیں کہ نہیں جانتے ان کو اکثر لوگ کہ وہ حلال ہیں یا حرام ہیں سو جس نے چھوڑ دیا شبہ کی چیزوں کو اپنے دین کے پاک کرنے اور آبرو بچانے کو تو وہ سلامت رہا اور جو پڑا شبہے کی چیزوں میں تو قریب ہے کہ گر پڑے حرام میں جیسا کہ وہ چرواہا جو چراتا ہے سرکاری رمنہ (باڑ، سرحد) کے گرد تو خوف ہوتا ہے یہ کہ چرنے لگیں اس کی بکریاں رمنے (باڑ) میں آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کا ایک رمنہ ہے آگاہ رہو کہ ہر رمنہ اللہ کا اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔

تشریح ''قولہ الحلال بین والحرام بین'' حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و

احادیث میں کسی چیز کی حلت وحرمت کا صراحتاً بیان ہوگا۔ اگر ان میں نہ ہو تو بھی آئمہ مجتہدین نے اس کی حلت یا حرمت بیان کی ہوگی لیکن بہت سارے احکام نصوص میں نہیں اور آئمہ مجتہدین کے زمانے میں بھی ان کا تقاضا نہیں تھا۔ لیکن آئمہ مجتہدین نے جو قواعد کلیہ بیان کیے ہیں۔ اس میں اس کا حکم موجود ہوتا ہے، بہت سارے لوگ اس کے بارے میں نہیں جانتے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے۔ اب وہ اُمور چار قسم کے ہیں۔ (۱) کسی چیز کی دلیل واضح بھی ہے اور اقرب الحلال بھی ہے تو یہ حلال ہوگا۔ (۲) اور اگر دلیل واضح ہے اور اقرب الحرام ہے تو وہ چیز حرام ہے۔ (۳) دلیل حرمت بھی نہ ہو اور دلیل حلت بھی نہ ہو تو وہ امر مباح ہے۔ (۴) جہاں حلت اور حرمت کی دلیل میں تعارض ہو تو یہ اُمور مشتبہ ہیں۔

"قولہ و ان لکل ملک حمًی" حمی اس چراگاہ کو کہتے ہیں جس کو زمانہ قدیم میں کوئی بادشاہ یا سردار اپنے لیے مخصوص کر لیتا تھا اور یہ اعلان کر دیتا تھا کہ اس چراگاہ میں کوئی اور شخص جانور نہ چرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے تو آپ نے اس رسم بد کو ختم کر دیا۔ "لا حمی الا اللہ ولرسولہ"

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الرِّبوا ۔۔۔۔۔ سود کھانے کی برائی سے متعلق

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ.

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاج لینے والے اور دینے والے کو اور گواہوں کو اور لکھنے والے کو یعنی جو تمسک یا کوئی کاغذ سود کے لکھے۔

تشریح ......ربوا کی تعریف ربوا فقہاء کی اصطلاح میں اس زیادتی کو کہتے ہیں جو بغیر معاوضہ کے ہو۔ زمانہ جاہلیت میں ربوا نسیئہ اور ربوا اضعافاً مضاعفۃ دونوں جاری تھیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں "احل اللہ البیع و حرم الربوا" کے ذریعے حرام قرار دیا۔ باب کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار آدمیوں پر لعنت فرمائی۔

(۱) آکل الربوا (۲) موکلہ (۳) شاہداہ (۴) کاتبہ۔

الکوکب الدری میں منقول ہے کہ جیسے ان کے حکم میں تفاوت ہے ویسے وعید میں بھی فرق ہے۔ مثلاً آکل الربوا کیلئے زیادہ لعنت ہوگی اور شاہدیہ پر کم لعنت ہوگی اور کاتب پر اس سے بھی کم ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي الْكَذِبِ وَالزُّورِ وَنَحْوِهِمَا

جھوٹ اور جھوٹی گواہی دینے پر وعید

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَبَائِرِ، قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَقَوْلُ الزُّورِ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کے باب میں فرمایا کہ وہ شریک کرنا ہے اللہ کے ساتھ یعنی صفاتِ خاصہ کسی مخلوق کے لیے ثابت کرنا ماں باپ کا اور مار ڈالنا کسی جان کا ناحق اور جھوٹی بات۔

تشریح اس باب میں کبائر کا ذکر کیا ہے۔

گناہ کبیرہ کی تعداد

محدثین کے نزدیک احادیث میں جو کبیرہ گناہوں کا عدد خاص مذکور ہے اس سے مقصود حصر نہیں بلکہ مناسبت مقام اور رعایت احوال مخاطبین اور خصوصیت وحی کی وجہ سے کسی عدد کو خاص کیا گیا ہے احادیث کی مختلف روایات سے بڑے بڑے کبائر کی تعداد بیس معلوم ہوتی ہے جن میں سے چار کا تعلق قلب سے ہے۔(۱) شرک باللہ (۲) اصرار علی المعصیۃ (۳) اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا (۴) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا اور چار کا تعلق زبان سے ہے۔
(۱) شہادۃ الزور (۲) قذف محصنات (۳) حلف بالکذب (۴) سحر اور تین کا تعلق بطن سے ہے(۱) شرب خمر (۲) اکل مال الیتیم (۳) اکل مال الربوا اور دو کا تعلق فرج سے ہے(۱) زنا (۲) لواطت' اور پانچ کا تعلق ہاتھ سے ہے۔(۱) قتل ناحق (۲) سرقہ (۳) قتل اولاد (۴) قطع الطریق (۵) خیانت در مال امانت وغنیمت اور ایک کا تعلق پاؤں سے ہے یعنی (۱) فرار من الحرب اور ایک کا تعلق پورے بدن سے ہے یعنی (۱) عقوق الوالدین اور علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقائد عضدیہ میں اور علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں اور بھی بہت سے کبائر بتائے ہیں جو مظاہر حق (ص ۳۹-۴۰ جلد ۱) میں مذکور ہیں اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کبائر ستر کے قریب ہیں اور حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ کبائر تقریباً سات سو ہیں (مرقات ص ۱۲۱ جلد ۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي التُّجَّارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُمْ

تاجروں کے متعلق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا تسمیہ دیا

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرْزَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ إِنَّ الشَّيْطَانَ وَالإِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشُوبُوا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ

ترجمہ حضرت قیس بن ابی غرزہ سے روایت ہے کہ نکلے ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم کو لوگ سماسرہ کہتے تھے اور سماسرہ جمع ہے سمسار کی اور سمسار دلال کو کہتے ہیں جو بائع اور مشتری کے بیچ میں گفتگو کرتا ہے۔
پھر فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اے گروہ تاجروں کے البتہ شیطان اور گناہ دونوں پیش آتے ہیں خرید و

فروخت میں یعنی اس میں جھوٹ بولنا اچھی چیز کو برا کہنا اکثر ایسی خلاف باتوں کا اتفاق ہوتا ہے سو تم ملا دیا کرو اپنی خرید و فروخت کو صدقہ کے ساتھ یعنی تاکہ اس کا کفارہ ہو جائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ.

ترجمہ حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تاجر سچا امانت دار نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہے یعنی قیامت کے دن میں۔

عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلَّى فَرَأَى النَّاسَ يَتَبَايَعُونَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ فَاسْتَجَابُوا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعُوا أَعْنَاقَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ.

ترجمہ حضرت اسماعیل بن عبید بن رفاعہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اسماعیل کے دادا سے کہ وہ نکلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ کو سو دیکھا لوگوں کو کہ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے گروہ تاجروں کے سو سننے لگے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو اور بلند کیں اپنی گردنیں اور آنکھیں حضرت کی طرف تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجر لوگ اٹھائے جائیں گے قیامت کے دن گنہگار مگر جو ڈرا اللہ سے یعنی اللہ کے خوف سے مال میں خیانت نہ کی اور نیکی کی اور خوش معاملگی کی لوگوں سے خرید و فروخت میں اور سچ بولا۔

تشریح سماسرہ: یہ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو بیع و شراء کرتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تجار کے نام سے موسوم کیا۔ اس کو دوسرے الفاظ میں دلال بھی کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دلالی کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے، یہ صحابی جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہوئے، یہ دلالی کا پیشہ کرتے تھے۔

"قولہ فشوبوا بیعکم بالصدقۃ" مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان گناہ سے بچنے کی کوشش کرے، مطلب یہ نہیں کہ گناہ کر کے صدقہ کرو ہاں اگر بیع کے بعد تمہیں گناہ کا شبہ ہو تو صدقہ کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ كَاذِبًا

جو شخص اپنی بیچنے کی چیز پر جھوٹی قسم کھائے

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، قُلْنَا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَدْ خَابُوا وَخَسِرُوا فَقَالَ الْمَنَّانُ وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ.

ترجمہ حضرت ابی ذر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین اشخاص ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف بچشم رحمت نظر نہیں کرے گا قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک کرے گا یعنی گناہوں سے اور ان کو دُکھ کی مار ہے کہا میں نے کون لوگ ہیں وہ یا رسول اللہ! کہ وہ تو محروم ہوگئے اور نقصان میں پڑگئے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو احسان جتانے والا دوسرے تکبر کی راہ سے اپنی ازار ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا اور اپنی چیز جھوٹی قسم کھا کر بیچ ڈالنے والا۔

تشریح "قول المنان" بعض حضرات نے کہا کہ منان وہ شخص جو کسی کے ساتھ ہمدردی کر کے اس کو جتائے کہ میں نے تم پر فلاں وقت اور فلاں جگہ پر احسان کیا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو بہت ناپسند کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ منان وہ شخص ہے جو ناپ تول میں کمی کرے۔ "قولہ مسبل الازار" اپنا تہبند نیچے لٹکانے والا یہ بھی اللہ تعالیٰ کو بہت مبغوض ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبْكِيرِ بِالتِّجَارَةِ ---- تجارت کے لیے صبح جلدی نکلنا

عَنْ صَخْرٍ الْغَامِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا قَالَ وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا وَكَانَ إِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ فَأَثْرَى وَكَثُرَ مَالُهُ.

ترجمہ حضرت صخر غامدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ! برکت دے میری اُمت کو سویرے سویرے جانے میں کہا راوی نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھیجتے کسی چھوٹے لشکر کو یا بڑے لشکر کو تو روانہ کرتے اس کو اوّل دن میں اور صخر جو راوی اس حدیث کے ہیں وہ مرد تاجر تھے تو جب بھیجتے تھے اپنے گماشتوں (کارکنوں) کو تو روانہ کرتے ان کو اوّل دن میں سو امیر ہوگئے اور بہت ہوگیا ان کا مال۔

تشریح حدیث الباب میں صبح سویرے تجارت کے لیے نکلنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشِّرَاءِ إِلَى أَجَلٍ

کسی چیز کی قیمت معینہ مدت تک اُدھار کرنا جائز ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِيَّانِ غَلِيظَانِ فَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى الْمَيْسَرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا يُرِيدُ إِنَّمَا يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِمَالِي أَوْ بِدَرَاهِمِي فَقَالَ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ أَنِّي مِنْ أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ وَآدَاهُمْ لِلْأَمَانَةِ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر دو کپڑے تھے قطر کے بنے ہوئے، قطر ایک قریہ ہے وہ گاڑھے تھے پھر جب بیٹھے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پسینہ آتا تھا تو گراں ہو جاتے وہ آپ پر سو آیا کچھ کپڑا شام کی طرف سے فلانے یہودی کے پاس سو کہا کاش کہ آپ کسی کو اس کے پاس بھیجیں اور اس سے دو کپڑے خریدیں اس وعدے پر کہ جب ہم کو میسر ہوگا تو قیمت دیں گے سو حضرت نے کہلا بھیجا اس کے یہاں سو اس نے کہا میں سمجھ گیا جو وہ ارادہ رکھتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ دبا رکھیں میرے کپڑے بھی اور روپیہ بھی، سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولا وہ خوب جانتا ہے کہ میں ان سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں اور ادا کرنے والا ہوں امانت کا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ بِعِشْرِينَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وفات پائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور زرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گروی تھی بیس صاع غلے پر کہ قرض لیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے لیے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَشَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ رُهِنَ لَهُ دِرْعٌ مَعَ يَهُودِيٍّ بِعِشْرِينَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ ذَاتَ يَوْمٍ يَقُولُ مَا أَمْسَى فِي آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعُ تَمْرٍ وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ يَوْمَئِذٍ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ

ترجمہ: حضرت قتادہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ لے گیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روٹی جو کی اور چربی سڑی ہوئی اور البتہ گروی تھی ان کی زرہ ایک یہودی کے پاس بیس صاع غلے پر کہ لیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں کے لیے اور بے شک میں نے سنا ایک دن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرماتے تھے شام تک نہ رہا آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صاع کھجور اور نہ ایک صاع کسی غلے کا اور البتہ ان کے نزدیک اس دن نو بیبیاں تھیں۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ کسی وقت مقرر تک کوئی چیز اُدھار خریدنا جائز ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں، دو جائز ہیں اور ایک ناجائز ہے۔ (۱) بائع اور مشتری نے ایجاب اور قبول کر لیا لیکن قیمت کے موجل یا معجّل ہونے کا ذکر نہیں کیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ قیمت فی الفور واجب ہے۔ (۲) لیکن اگر مشتری نے بیع کے بعد کہا کہ میں پیسے بعد میں دوں گا تو اس صورت میں اجل معین ہو یا غیر معین ہو دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہوگی۔ اس لیے کہ عقد کے ضمن میں یہ بات نہیں تھی، اب اجل کو معین کرنا یا غیر معین کرنا بائع

کا احسان ہے۔ اس لیے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (۳) بیع کے ضمن میں اجل کی بات کرے تو اس صورت میں اگر اجل معین ہے تو بیع صحیح ہے اور اگر اجل غیر معین ہے تو بیع فاسد ہوگی۔ "اهاله سخنة" بدبودار چربی کو کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كِتَابَةِ الشُّرُوطِ۔۔۔۔ شروطِ بیع کی کتابت

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا عَبَّادُ بْنُ لَيْثٍ صَاحِبُ الْكَرَابِيسِيِّ الْبَصْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ قَالَ لِي الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ أَلَا أُقْرِئُكَ كِتَابًا كَتَبَهُ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ قُلْتُ بَلَى فَأَخْرَجَ لِي كِتَابًا هَذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْهُ عَبْدًا أَوْ أَمَةً، لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ.

ترجمہ ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے ان سے عباد بن لیث کپڑے بیچنے والے یعنی بزاز نے انہوں نے روایت کی عبدالمجید بن وہب سے کہا عبدالمجید نے کہا مجھ سے عداء بن خالد بن ہوذہ نے کیا پڑھوں تم پر ایک کتاب کہ لکھ دی تھی مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا عبدالمجید نے میں نے کہا ہاں سو نکالی عداء نے ایک کتاب کہ اس میں لکھا تھا ہذا سے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں یہ بیع نامہ ہے اس چیز کا کہ خریدی عداء بن خالد ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، خریدا حضرت سے غلام یا لونڈی یعنی راوی کو شک ہے کہ غلام کہا یا لونڈی اس شرط پر کہ وہ بیمار بھی نہ ہو اور چوری کی نہ ہو اور احرام کی نہ ہو بیچنا ہے مسلمان کا مسلمان کے ہاتھ یعنی بائع اور مشتری دونوں مسلمان ہیں۔

تشریح بخاری میں حضرت عداء کو بائع روایت کیا ہے اور بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بیع نہیں کی۔ اس قول پر حدیث مذکور کی تاویل یہ ہے کہ اس میں مقائضہ ہوگی۔ اس میں طرفین میں سے ہر ایک بائع بھی ہوتا ہے اور مشتری بھی۔ علاوہ ازیں خرید اور فروخت دونوں معنی میں آتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ۔۔۔۔ ناپ تول سے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيهِ أُمَمٌ سَالِفَةٌ قَبْلَكُمْ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماپنے اور تولنے والوں کو کہ تم ایسے کام کے متولی ہوئے ہو کہ ہلاک ہوئی ہیں اس میں اگلی اُمتیں یعنی ماپنے اور تولنے میں جب کمی بیشی کی تو اگلی اُمتیں ہلاک ہوگئیں۔

تشریح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کے اسباب میں ایک یہ بھی تھا وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو خبردار کیا کہ وہ اس حرکت سے باز رہیں۔ اسی حکم میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں کہ ان میں کوتاہی اور حق تلفی کرنے سے قوم طرح طرح کے عذاب اور مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ مَنْ يَزِيدُ۔۔۔۔ نیلام کے ذریعے خرید و فروخت سے متعلق

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ، فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذْتُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَزِيدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَنْ يَزِيدُ عَلٰى دِرْهَمٍ، فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچی ایک چادر اور ایک پیالہ اس طرح کہ فرمانے لگے کون خریدتا ہے اس چادر اور پیالے کو سو کہا ایک شخص نے میں نے لیا ان دونوں کو ایک درہم میں سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کون زیادہ دیتا ہے ایک درہم سے کون زیادہ دیتا ہے ایک درہم سے سو دیئے ایک آدمی نے دو درہم تو بیچ ڈالا ان دونوں چیزوں کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ۔

تشریح بیع من یزید وہی ہے جس کو آج کل بولی کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز بیچتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں بیس روپے میں لیتا ہوں۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں تیس میں لیتا ہوں، تیسرا کہتا ہے کہ میں چالیس میں لیتا ہوں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں آئمہ مجتہدین کے تین قول ہیں۔

(۱) ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۲) امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی رباح کے نزدیک مال میراث اور مغانم میں بیع من یزید جائز ہے۔ باقی میں ناجائز ہے۔

(۳) جمہور فقہاء اور محدثین آئمہ اربعہ کے نزدیک بیع من یزید مطلقاً جائز ہے۔ بیع کا حکم ہر صورت میں ایک ہی ہے۔ باقی ایک حدیث میں جو آتا ہے "لا یسوم احدکم علی سوم اخیہ" تو جمہور اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب بائع اور مشتری آپس میں بیع پر راضی ہو گئے ہوں تو تیسرا آدمی آ کر اس کی بیع کو خراب نہ کرے اور بیع من یزید میں یہ صورت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُدَبَّرِ۔۔۔۔۔۔ مدبر کی بیع سے متعلق

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ دَبَّرَ غُلَامًا لَهُ فَمَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ مَالًا غَيْرَهُ فَبَاعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ النَّحَّامِ، قَالَ جَابِرٌ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ الْأَوَّلِ فِي إِمَارَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے انصار میں سے مدبر کیا تھا اپنے غلام کو یعنی

اس سے کہا کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے سو وہ مالک مرگیا اور کوئی مال نہ چھوڑ گیا، سو اس غلام کے سو بیچا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خریدا اس کو نعیم بن نحام نے جابرؓ سے کہا وہ غلام قبطی تھا یعنی فرعون کی قوم کا تھا اور وہ غلام مرا پہلے سال میں ابن زبیر کی سلطنت کے۔

تشریح: مدبر وہ غلام ہے جس کو مالک کہہ دے کہ میری موت کے بعد تم آزاد ہو تو وہ غلام مدبر کہلاتا ہے اور وہ چونکہ بعد موت مولیٰ آزاد ہوتا ہے تو وہ مستحق حریت ہوا۔

قول اوّل: لہٰذا مدبر کی بیع عندالاحناف جائز نہیں ہے کیونکہ بیع سے اس کا استحقاق زائل ہوتا ہے اور یہی پہلا مذہب ہے امام مالک رحمہ اللہ کا۔ امام مالک کا دوسرا قول ہے کہ اس کی بیع مکروہ ہے۔ تیسرا قول ہے "یجوز بیعه عند الموت ولا یجوز فی حال الحیاة"

قول ثانی: عندالشافعی واحمد اس کی بیع جائز ہے۔ "وبه قال اهل الظاهر والحسن البصری وطاؤس"

قول ثالث: امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے مگر اس شخص پر جو اس کے عتق کا ارادہ رکھے، امام احمد کا ایک قول ہے "جاز بیعه بشرط ان یکون علی السید"

فائدہ: مدبر دو قسم پر ہے۔ ایک مدبر مطلق کہ مالک یہ ہے کہ تو مطلقاً میری موت کے بعد آزاد ہو جس وجہ سے بھی موت آجائے، یہ کامل مدبر ہے اور اسی کی بیع عندالاحناف ممنوع ہے۔ "قالت الاحناف هو لا یباع ولا یوهب نعم یستخدم ویوجر وموطئ المدبرة ولموت المولی یعتق عن ثلث وسعی فی ثلثیه ان لم یکن للمیت مال غیر المدبر"

دوم مدبر مقید: وہ یہ کہ مولیٰ کسی خاص بیماری کی یا خاص سفر کی قید لگا دے۔ مثلاً کہہ دے کہ اگر میں اس سفر میں مرا تو تو آزاد ہو، تو اگر شرط پائی گئی تو غلام آزاد ہوگا ورنہ نہیں، یہ مدبر ناقص ہے اس کی بیع عندنا جائز ہے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیلیں، دلیل اوّل:

وہ استدلال کرتے ہیں حدیث باب فی الترمذی سے، حدیث باب میں ہے کہ ایک انصاری مرگیا اور اس کا ایک مدبر غلام تھا اور کوئی مال نہ تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ غلام بیچ دیا، نعیم ابن پر بیچ دیا، معلوم ہوا کہ بیع مدبر جائز ہے۔ احناف اس کے متعدد جوابات دیتے ہیں:

جواب اوّل: ہماری بحث بیع المولیٰ للمدبر میں ہے اور حدیث بیع النبی للمدبر ہے یہ حدیث موضوع نزاع سے خارج ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں کے اُمور میں تصرف کا اختیار تھا تو ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے اس کو بیچا ہو "مع بقاءه مدبرًا" یا وہ مالک سفیہ ہوگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تدبیر کو رڈ و باطل قرار دیا ہوگا یا وہ مالک مدیون ومحتاج ہوگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تصرف کو باطل قرار دیا۔ یہ حکم مختص بالنبی ہوگا۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم اعتق عبدا اعطاه ینتکوا مولاه وضربه" تو اعتاق عبد غیر مختص بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ نیز طحاوی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حر کو اس کے قرضہ میں بیچ

دیا تو بیع حر مختص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قالہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

جواب ثانی: یہ عندنا محمول ہے مدبر مقید پر تو یہ مدبر مقید تھا اور اس کی بیع عندالاحناف بھی جائز ہے۔

جواب ثالث: ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بیع مدبر سے مراد بیع خدمات مدبر ہے یعنی اسے مزدور بنا دیا اور مدبر کو اجیر بنانا جائز ہے۔ دارقطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "انما اذن فی بیع خدمته" بیہقی میں عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوع روایت ہے "لا بأس فی خدمت بیع المدبر اذا احتاج"

جواب رابع: یہ حدیث مبیح بیع مدبر ہے اور ہماری محرم ہیں تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب خامس: یہ حدیث فعل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ہماری حدیثوں میں قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور قول کو فعل ترجیح ہے۔

دلائل احناف، دلیل اوّل: "عن ابن عمر رضی اللہ عنهما لا يباع المدبر ولا يوهب وهو حر ثلث المال دار قطنی"

دلیل ثانی: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما "قال قال النبی علیه السلام لا یباع المدبر ولا یوهب"

دلیل ثالث: حافظ عینی لکھتے ہیں "ردّ عمر رضی اللہ عنہ بیع المدبرة فی ... خیر القرون قاله ابو الولید باجی المالکی" اور یہ بحکم اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں یہ ہوا تھا اور کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔

دلیل رابع: باجماع مدبر مستحق حریت ہوا بعد موت المولیٰ اور بیع و ہبہ اس کا یہ حق تلف ہو جاتا ہے اور کسی کو کسی کے حقوق ضائع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بیع اور ہبہ ممنوع ہوگی۔ ثابت ہوا کہ حدیث باب سے ان کا استدلال درست نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَلَقِّي الْبُيُوعِ ۔۔۔۔ بیچنے والوں کے استقبال کی ممانعت

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوعِ.

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا شہر کے باہر جا کر قافلے جو غلہ وغیرہ بیچنے کو لائے ان سے خریدنے کو جب تلک وہ خود شہر میں لا کر نہ بیچیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُتَلَقَّى الْجَلَبُ فَإِنْ تَلَقَّاهُ إِنْسَانٌ فَابْتَاعَهُ فَصَاحِبُ السِّلْعَةِ فِيهَا بِالْخِيَارِ إِذَا وَرَدَ السُّوقَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کوئی شخص کسی قافلہ سے جو سودا بیچنے کو شہر میں لاتا ہو پہلے سے جا کر شہر سے باہر ملے اور اگر ملا بھی کوئی اور خریدا کچھ تو صاحب مال مختار ہے جب وہ بازار میں شہر کے وارد ہو۔ چاہے اپنی چیز رکھے اور چاہے مشتری سے پھیرے۔

تشریح مسئلہ: تلقی البیوع کی تعریف یہ ہے کہ مثلاً شہر سے باہر کوئی تجارت کے مال کا قافلہ آرہا تھا تو شہر کے تاجروں نے

سوچا کہ اگر قافلہ شہر میں آ کر خود فروخت کریں گے تو شہری لوگ اس سے سستے داموں خرید لیں گے تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ تاجر شہر سے باہر جا کر قافلہ والوں سے مال خریدتے ہیں، اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) تاجر شہر سے باہر جا کر قافلہ والوں سے شہر کے نرخ کے مطابق خریدتے ہیں اور ان سے کوئی دھوکہ نہیں کرتے تو احناف اور جمہور کے نزدیک اس صورت میں کوئی کراہت نہیں۔

(۲) تاجروں نے جا کر قافلہ والوں کو دھوکہ دیا کہ تمہارا یہ مال شہر میں نہیں بکے گا۔ یا یہ کہ بک تو جائے گا لیکن سستا بکے گا، تم ہمیں مہنگا دے دو تو سب آئمہ کے نزدیک یہ صورت ممنوع اور ناجائز ہے۔ باب کی حدیث کا مصداق بھی یہی دوسری صورت ہے۔ اب جب قافلہ والے شہر میں آئے تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے تو باب کی حدیث میں ہے کہ مالک کو اختیار ہے۔ احناف کے نزدیک دو صورتیں ہیں۔ (۱) بیع کے وقت حق خیار رکھ چکا ہے۔ (۲) بیع کے وقت شرط نہیں لگائی تھی لیکن قاضی کے پاس جا کر دھوکہ کو ثابت کیا تو ان دو صورتوں میں قاضی بیع کو فسخ کر دے گا۔ یہ اس وقت ہے جب ضرر اور غدر پایا جائے لیکن اگر یہ دونوں صورتیں نہیں پائی جاتی تو پھر درست ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ

کوئی شہر کا رہنے والا گاؤں والے کی چیز فروخت نہ کرے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قُتَيْبَةُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور قتیبہ نے اس روایت میں کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچاتے تھے اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بیچے شہر والا باہر والے مسافر کو کوئی چیز اور وجہ اس کی اوپر ابھی گزری۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بیچ دے کوئی شہر والا مسافر گاؤں والے کی چیز کو بلکہ وہ اپنی چیز آپ بیچ لے۔ چھوڑ دو آدمیوں کو اللہ رزق دے بعض کو بعض سے۔

تشریح زیر بحث باب میں بیع حاضر للبادی سے منع کیا گیا ہے جس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ کسی شہری کے پاس غلہ ہے لیکن وہ اہل شہر پر فروخت نہیں کرتا بلکہ کسی اعرابی پر فروخت کرتا ہے جس سے مقصد زیادہ قیمت وصول کرنا ہے کیوں کہ شہری لوگ ہوشیار ہوتے ہیں، زیادہ قیمت کے ساتھ خریدنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے اور اعرابی

سادگی کی وجہ سے اس چکر میں آ جاتے ہیں۔ اس صورت میں زیر بحث باب کی روایت میں لباد میں لام جارہ بمعنی من کے ہوگا۔

(۲) یہ کہ شہری اعرابی کا وکیل بن کر بیع نہ کرے۔ وہ اس طرح کہ اعرابی غلہ وغیرہ لے کر شہر میں آیا۔ شہری نے اس کو کہا کہ تو اہل شہر کے معاملات سے واقف نہیں ہے اس لیے تو بیع نہ کر۔ میں مناسب وقت پر زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کر دوں گا۔ اس صورت میں زیر بحث باب کی روایت میں لام جارہ اپنے اصلی معنی پر ہوگا۔

(۳) یہ کہ اعرابی اہل شہر سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے۔ شہری اس کو کہے کہ تم فی الحال نہ خریدو میں تمہارے لیے مناسب دام پر خریدلوں گا۔ ان تینوں صورتوں میں یہ حکم ہے کہ یہ بیع دو حال سے خالی نہیں، اس سے اہل شہر کو ضرر ہوگا یا نہ اگر ضرر ہو تو پھر یہ مکروہ ہے۔ ممانعت والی روایات اسی پر محمول ہیں اور اگر اہل شہر کو ضرر نہ ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے۔ افضل یہی ہے مقتضاء حال کے مطابق اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ زیر بحث کی روایت اسی پر دال ہے "وفيه دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض" کہ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ و یعنی خود کاروبار کرنے دو۔ اس لیے کہ انسان ایک دوسرے کی روزی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ

محاقلہ اور مزابنہ کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ کی بیع سے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ زَيْدًا أَبَا عَيَّاشٍ سَأَلَ سَعْدًا عَنِ الْبَيْضَاءِ بِالسُّلْتِ فَقَالَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ قَالَ الْبَيْضَاءُ فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ وَقَالَ سَعْدٌ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ، قَالُوا نَعَمْ فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ زید ابا عیاش نے پوچھا سعد سے مسئلہ گیہوں کے خریدنے کا جو کے عوض میں سو پوچھا انہوں نے کوئی اس میں سے افضل ہے؟ تو کہا زید نے بیضاء یعنی گندم افضل ہے یعنی قیمت میں زیادہ ہے سو منع کیا سعد نے اس بیع سے اور کہا سعد نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ان سے پوچھتا تھا کوئی شخص مسئلہ تمر خریدنے کا رطب کے بدلے سو پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرد والے لوگوں سے کیا رطب جب سوکھے تو وزن میں کم ہو جاتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! سو منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے۔

تشریح حدیث الباب میں چار طرح کی بیع شراء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۱) "محاقلہ": یہ حقل سے ہے اس کا معنی ہے کھیتی کا پروان چڑھنا یا زمین۔ بیع محاقلہ سے مراد یہ ہے کہ تیار شدہ فصل کو

زمین لگی ہوئی فصل کے مقابلے میں مجازفت فروخت کرنا۔ مثلاً تیار شدہ گندم کو زمین میں لگی گندم کے مقابلہ میں فروخت کرنا یہ بیع ناجائز ہے کیوں کہ اس میں ربوا کا احتمال ہے۔

(۲) "مزابنہ": یہ زبن سے ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے دفع اور اس کو بھی مزابنہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں بھی عاقدین میں سے ہر ایک اپنا حق دوسرے کو دیتا ہے۔ بیع مزابنہ سے مراد یہ ہے کہ اُتارے ہوئے پھلوں کی بیع کرنا، درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے بدلے میں، یہ بھی ناجائز ہے اس لیے اس میں ربوا کا احتمال ہے۔

(۳) "بیع البیضا بالسلت": بیضا سے مراد ہے گندم اور سلت سے مراد ہے جو کی ایک قسم جسے ہندی میں پیغمبری جو کہتے ہیں اور (۴) "بیع التمر بالرطب" کہ تمر کو رطب کے بدلے میں فروخت کرنا، ان دونوں کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے اور تین مذاہب ہیں۔ (۱) جمہور آئمہ کے نزدیک بیع الرطب بالتمر جائز نہیں۔

ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے جس میں صراحتاً بیع الرطب بالتمر سے منع کیا گیا ہے کیوں کہ ان میں مال کے اعتبار سے تفاضل ہے اور "بیع البیضا بالسلت" جائز ہے۔ اس میں ان کا استدلال ایک دوسری حدیث سے ہے۔ "وفیہ اذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم" کہ مختلف الجنس اشیاء کی بیع مطلقاً جائز ہے۔ بیضا اور سلت بھی مختلف الجنس ہیں۔

(۲) سعد بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع الرطب بالتمر اور "بیع البیضا بالسلت" دونوں ناجائز ہیں۔

بیع الرطب بالتمر کے عدم جواز کی دلیل زیر بحث باب کی روایت ہے کہ اس میں صراحتاً اس بیع سے منع کیا گیا ہے تفاضل کی وجہ سے اور "بیت البیضا بالسلت" کے عدم جواز کی دلیل قیاس ہے۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں بیع الرطب بالتمر پر اور دونوں میں علت نقصان ہے کہ جس طرح رطب میں بعد الیابس نقصان ہوجاتا ہے ایسے ہی سلت بھی ازالہ پوست کے بعد کم ہوجاتے ہیں۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "بیع البیضا بالسلت و بیع الرطب بالتمر" دونوں جائز ہیں۔ اوّل کا جواز اس حدیث سے ہے "اذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم" اور یہ دونوں بھی مختلف الجنس ہیں۔ ثانی کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ تمر اور رطب دو حال سے خالی نہیں، مختلف الجنس ہیں یا متحد الجنس۔ اگر مختلف الجنس ہیں تو پھر اس کا جواز "اذا اختلف الجنسان ... الخ" والی حدیث ہے اور اگر متحد الجنس ہیں تو پھر اس کا جواز "سواء بسواء" والی حدیث سے ہے کیونکہ حالت مباشرت میں مساوات ضروری ہے بقاء اور دواماً مساوات ضروری نہیں۔

سوال: بیع الرطب بالتمر کو جب صراحتاً زیر بحث باب کی روایت میں منع کر دیا گیا ہے تو پھر اس کو محض عقل کے ساتھ کسی قانون کے تحت داخل کر کے جواز کا حکم لگانا نص کی مخالفت ہے؟

جواب (۱): یہ روایت قابل استدلال نہیں کیوں کہ اس کو نقل کرنے میں ابوعیاش راوی متفرد ہے۔

جواب (۲): امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں بعض طرق کے اندر نسیئۃ کا لفظ ہے اور اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک بھی بیع الرطب بالتمر ناجائز ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

پھلوں کا بیچنا درست نہیں جب تک پک نہ جائیں

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَزْهُوَ. وَبِهَذَا الإِسْنَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ السُّنْبُلِ حَتَّى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ العَاهَةَ نَهَى البَائِعَ وَالمُشْتَرِيَ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کھجور کے بیچنے سے جب تک کہ خوش رنگ نہ ہو اور وہ قریب پکنے کے ہوتے ہیں اور اسی اسناد سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بالوں کے بیچنے سے یعنی گیہوں کے ہوں یا جو وغیرہ کی۔ جب تک وہ سفید نہ ہو جائیں اور سفید جب ہوتے ہیں کہ دانہ ان کے اندر پک جاتا ہے اور منع فرمایا بیچنے سے جب تک کہ آفت سے یعنی اولے پالے سے بچنے کا یقین نہ ہو اور یقین بھی بیچنے کا پکنے کے قریب ہوتا ہے منع کیا بائع کو بیچنے سے اور مشتری کو خریدنے سے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ العِنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا انگور کے بیچنے کو قبل سیاہ ہو جانے کے اور وہ قریب پکنے کے سیاہ ہوتا ہے اور منع فرمایا تمام دانوں اور غلوں کے بیچنے سے جب تک سخت نہ ہو جائیں۔

تشریح اس میں حدیث ہے "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع النخل حتى يزهو" بیع ثمر قبل ظہور الصلاح میں بحث ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں "لا خلاف في عدم الجواز" (۱) "بيع الثمر قبل ان يظهر و لا خلاف في عدم جوازه" (۲) "بيع بعد الظهور قبل بدؤ الصلاح بشرط الترك ولا خلاف في جوازه" (۳) "قبل بدؤ الصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به و لا خلاف" (۴) "بعد بدؤ الصلاح انتهى" یہ چار صورتیں ہوئیں۔ دو باتفاق جائز اور دو باتفاق ناجائز ہیں۔ یہاں پر ایک پانچویں صورت ہے اور وہ مختلف فیہ ہے۔ "وهو بيع الثمر قبل بدؤ الصلاح مطلقًا اى لا بشرط القطع ولا بشرط الترك"

مذہب اوّل: یہ مطلقاً ناجائز ہے اور باطل ہے عند ابن ابی لیلیٰ ونووی اور یہی مذہب ہے امام شافعی واحمد کا اور یہی ایک روایت ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی "ونسبه الحافظ الى الجمهور"

مذہب ثانی: یہ عند الاحناف جائز ہے اگر وہ منتفع بہ ہو، اکل انسان میں یا علف دواب میں اور اگر وہ غیر منتفع بہ ہو تو اس میں مشائخ احناف کے دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ بیع ناجائز ہے "ونسبه قاضي خان لعامة المشائخ لكن الصحيح الجواز لانه مال منتفع به في ثاني الحال ان لم يكن منتفع به في الحال" بہر حال یہ بیع عند الاحناف جائز ہے اگر تبقیہ علی الاشجار شرط نہ

ہو اور اگر تبقیہ وترک علی الاشجار شرط ہو تو یہ ناجائز ہے "کما تقدم فی صورۃ الثانیہ"

دلائل شوافع: وہ استدلال کرتے ہیں حدیث باب سے "وفیہ نھی عن بیع السنبل حتی یبیض و یامن العاھۃ نھی البائع والمشتری" احناف اس کے متعدد جواب دیتے ہیں۔

جواب اوّل: یہ نہی عن بیع الثمر مجہول ہے چار صورتوں میں صورۃ اولیٰ پر "وھو بیع الثمر قبل الظھور" اور یہ عند الاحناف ناجائز ہے کیوں کہ یہ بیع المعدوم ہے۔

جواب ثانی: یہ مجہول ہے صورۃ ثانیہ پر یعنی بیع بشرط الترک وتبقیہ علی الاشجار اور یہ عندنا بھی ممنوع ہے۔

دلائل احناف، دلیل اوّل: یہ مال منتفع بہ ہے "حالاً او مالاً فی اکل الانسان او علف الدواب" لہٰذا اس کی بیع جائز ہونی چاہیے کیونکہ ہر مال منتفع بہ کی بیع جائز ہے جبکہ وہ حرام نہ ہو۔

دلیل ثانی: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آیت "احل اللہ البیع" کے عموم سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ یہ آیت عام ہے اور صورۃ متنازعہ فیہ کو بھی شامل ہے تو اس صورت میں بھی بیع حلال ہوگی۔ نیل ج:۵، صفحہ ۱۸۴ فقہاء لکھتے ہیں کہ بیع زرع اخضر بشرط قطع جائز ہے باتفاق آئمہ اربعہ خلافاً سفیان وابن ابی لیلیٰ لہٰذا اس میں تبقیہ علی الارض کی شرط ہو تو ناجائز ہے جیسا کہ بیع ثمر میں اور بیع فصیل مطلقاً میں بھی یہی اختلاف ہے جو گزر گیا۔

فائدہ: بدوِ صلاح ثمر عندنا یہ ہے کہ "ان یامن العاھۃ والفساد" چنانچہ عندنا صلاح کا یہ معنی نہیں کہ بالکل پک جائے اور اس میں حلاوت آئے بلکہ حلاوت سے قبل بھی جب پھل اچھی طرح بڑا ہو جائے تو یہ وہ پھل ہے جس میں صلاحیت ظاہر ہوگی اور عند الشافعی بدوّ الصلاح کا معنی "ظھور النضج والحلاوۃ"

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ۔۔۔۔ اونٹنی کے حمل کے بچہ کو بیچنا منع ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا حاملہ اونٹنی کے بچے کے حمل پیدا ہونے کی مدت پر کوئی چیز بیچنے سے۔

تشریح: حبل: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔(۱) حاء اور باء کے فتح کے ساتھ (۲) حاء کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ۔ الحبلۃ یہ جمع ہے حابل کی جیسے ظلمۃ جمع ہے ظالم کی۔ "بیع حبل الحبلۃ" کی دو صورتیں ہیں۔(۱) بیع کی جائے اور ثمن مؤجل ہو، حبل الحبلۃ تک یعنی جب جانور کے حمل کا بچہ ہوگا۔ یہی تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جو زیر بحث باب کی روایت کے راوی ہیں۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۲) یہ کہ جانور کے حمل کے بچہ کی بیع کرنا امام ابوحنیفہ وامام احمد رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ صورت اقرب الی اللغۃ ہے۔ دونوں صورتوں میں بیع ناجائز ہے۔ پہلی صورت میں عدم جواز کی وجہ تاجیل میں جہالت اور غرر ہے اور دوسری صورت میں عدم جواز کی وجہ غرر اور مبیع کا معدوم ہونا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْغَرَرِ ـــــ دھوکے کی بیع حرام ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَبَيْعِ الْحَصَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس بیع سے کہ جس میں دھوکہ ہو یعنی ثمن میں دھوکا ہو یا مبیع میں کہ ان دونوں میں کوئی بھی مبہم وغیر معین ہو اور منع کیا کنکری مارنے کی بیع سے۔

تشریح: مسئلہ: اس باب کی حدیث میں دو قسم کی بیوع کا ذکر ہے جو کہ زمانہ جاہلیت میں جاری تھیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بیع غرر کی تین صورتیں نقل کی ہیں۔

(۱) مبیع غیر مقدور التسلیم ہو یعنی بائع جس چیز کی بیع کر رہا ہے وہ اُس کو مشتری کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے مبیع یا ثمن مجہول ہو کہ پانی میں مچھلی کی بیع کرنا جبکہ وہ سمندر یا دریا میں ہو۔ اسی طرح بھاگے ہوئے غلام کی بیع کرنا اور فضا میں اُڑتے ہوئے پرندے کی بیع کرنا۔

(۲) "بیع الحصاۃ" اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع مشتری کو کہہ دے کہ جس چیز پر میں کنکری پھینک دوں گا وہ مبیعہ بن جائے گی۔

(۳) "تعلیق التملیک علی الحظر" تملیک کو کسی ایسے واقع کے ساتھ معلق کرنا جس کے وجود میں آنے نہ آنے دونوں کا احتمال ہو، مثلاً بائع کہتا ہے کہ تم مجھے پیسے دے دو، فلاں واقعہ پیش آ گیا تو میں مبیع تیرے حوالے کر دوں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ ـــــ ایک بیع میں دو بیعیں کرنا منع ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ایک بیع میں دو بیع کرنے سے۔

تشریح: "فیہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتان فی بیعۃ" اس کی تفصیل میں اقوال ہیں۔

قول اوّل: "وھو ان یبیع الشیء فیقول ھو بنسی بعشرین درھما و بنقد عشرا رواہ احمد و وافقہ الشافعی" یہ حرام ہے

قول ثانی: "قال الشافعی فی قول لہ ھو ان یقول بعتک العبد بالف علی ان تبیعنی دارک بکذا" کہ میں تجھے یہ غلام ایک ہزار میں بیچتا ہوں کہ تم مجھے اپنا گھر اتنے میں فروخت کرو۔

قول ثالث: بیع میں کسی اجنبی شے کو مشروط قرار دینا جو مقتضی العقد سے خارج ہو، یہ ممنوع ہے۔ مثلاً یہ کہے یہ شے بیچتا ہوں اس شرط پر کہ چائے پلاؤ گے اور بھی متعدد تفصیلیں علماء نے کی ہیں۔

قول رابع: "ھو بیع الشیء باکثر من سعر یومہ لاجل النساء وھو حرام عند ابن العابدین وھذا ھو بیعتین فی

بیعة وقد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن ذلک" لیکن امام شافعی وابوحنیفہ وجمہور کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔ "للعموم الادلة القاضیة بجواز" البتہ یہ بیع اس وقت ناجائز ہے، اگر تردید کردے "هکذا وهو بنقد بکذا او بنسئ کذا"

قول خامس: فقہاء احناف نے اس کی اور بھی مثالیں بتائی ہیں "کمافی الهدایة وغیرها"

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَه

جو چیز بیچنے والے کے پاس نہ ہو اس کی فروخت ممنوع ہے

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَأْتِينِي الرَّجُلُ يَسْأَلُنِي مِنَ الْبَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدِي أَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوقِ ثُمَّ أَبِيعُهُ قَالَ لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ.

ترجمہ حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کہا آتے ہیں میرے پاس بعضے مرد اور کہتے ہیں بیچو وہ چیز جو میرے پاس نہیں کیا میں خرید لاؤں ان کے لیے اور پھر بیچوں ان کے ہاتھ آپ نے فرمایا کبھی نہ بیچ وہ چیز جو تیرے پاس نہیں۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَبِيعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي.

ترجمہ حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے کہ میں بیچوں وہ چیز جو میرے پاس نہیں ہے۔

تشریح اس باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مبیع آدمی کے پاس موجود نہ ہو تو اس کی بیع ناجائز ہے۔ جیسے زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے پاس ایک آدمی آتا ہے وہ مجھ سے ایسی شئی کی بیع کا مطالبہ کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہوتی۔ پھر میں بازار سے خرید کر اس پر فروخت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح کی بیع نہ کیا کرو۔ اس سے یہ اُصول مستنبط ہوا کہ جس شئی کی تسلیم پر آدمی قادر نہ ہو اس کی بیع منع ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ البتہ بیع سلم اس اُصول سے مستثنیٰ ہے جب کہ اس کی صحت کی تمام شرائط موجود ہوں۔

"لایحل سلف وبیع": اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) یہ کہ ایک آدمی کسی کو قرض دے۔ پھر اس پر کوئی شئی فروخت کرے، اصل قیمت سے زائد کے ساتھ کہ یہ قرض کی وجہ سے مجبور ہو کر ضرور لے گا۔ اس سے منع کیا گیا کیونکہ ہر ایسا قرض جو نفع کھینچ کر لائے وہ نفع حرام ہے۔ (۲) یہ کہ ایک آدمی کسی شخص کو بطور قرض کوئی چیز دے اور کہے کہ اگر یہ چیز آپ سے مہیا نہ ہو سکی تو پھر میرے اور تیرے درمیان اس کی بیع ہو گی۔ اس سے منع کیا گیا کیونکہ اس میں تردد اور ثمن وغیرہ کی جہالت ہے۔

"ولا شرطان فی بیع": امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرطان کی قید احترازی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شرط لگائی تو یہ جائز ہے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک شرطان کی قید اتفاقی ہے، ایک شرط بھی ناجائز ہے اور دو شرطیں بھی ناجائز ہیں۔ مثال ایک شرط کی جیسے بائع کہے "ابیعک ھذا الثوب و علی خیاطته او قصارته" کہ میں اس کو کپڑے کو تجھ پر فروخت کرتا ہوں، اس شرط پر کہ اس کی خیاطت یا اس کی قصارت مجھ پر لازم ہے۔ مثال دو شرطوں کی جیسے بائع کہے "ابیعک ھذا الثوب و علی خیاطته و قصارته"

"ولا ربح مالم یضمن": اس جملہ میں یہ اُصول بیان کیا گیا ہے کہ جو شئی آدمی کی ضمان میں داخل نہ ہو اس کا نفع اس کے لیے حلال نہ ہوگا۔ ضمان سے مراد یہ ہے کہ اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو وہ کس کے مال سے ہلاکت ہوگی۔ بائع کے مال سے یا مشتری کے مال سے جس کے مال سے مبیع کی ہلاکت ہوگی اس کے لیے نفع حلال ہوگا اور جس کے ضمان میں نہ ہو اس کے لیے نفع حلال نہ ہوگا۔ جیسے مشتری نے اگر غلام پر قبضہ کر لیا پھر اجارہ پر دیدیا، پھر خیارِ عیب کی وجہ سے واپس کر دیا تو اس کے لیے اجارہ کے منافع حلال ہیں اور اگر قبل القبض اجارہ پر دیدیا، پھر خیارِ عیب کی وجہ سے واپس کر دیا گیا تو اس صورت میں منافع مشتری کے لیے حلال نہ ہوں گے۔ اسی طرح "بیع مالم یقبض" کا حکم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ ۔۔۔۔ ولاء کا بیچنا اور ہبہ کرنا درست نہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ولاء کے بیچنے اور ہبہ کرنے سے۔

تشریح ولاء کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) "ولاء العتاقه" کہ آزاد کردہ غلام یا باندی کا مال آقا کے لیے ہو۔ (۲) "ولاء الموالاة" کہ کوئی کافر مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائے اور اس کو کہے کہ اگر میں مر گیا تو میرا مال تیرے لیے ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی جنایت ہوگی تو اس کی دیت تجھ پر لازم ہوگی۔ قسم ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر ہے۔ متقدمین میں اس کا رواج تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "جعفی ولاء الموالاة" کی وجہ سے کہتے ہیں اور اس کا ایک ثبوت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے ہے۔

مسئلۃ الباب: زیر بحث باب کی روایت میں ولاء کی بیع اور ہبہ سے منع کیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ولاء دو حال سے خالی نہیں۔ اس سے مراد حق ولاء ہوگا یا مال۔ اگر اس سے مراد حق ولاء ہو تو پھر بیع اس لیے ناجائز ہے کہ وہ عین نہیں بلکہ عرض ہے۔ جیسے حدیث میں مذکور ہے "انما ھی لحمة کلحمة النسب" کہ یہ نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے اور قرابت عین نہیں حالانکہ مبیع کے لیے عین ہونا ضروری ہے اور اگر اس سے مراد مال ہے تو پھر بیع اس لیے ناجائز ہے کہ وہ موجود نہیں، نہ فی الحال موجود ہے اور نہ ہی آئندہ موجود ہونے کا یقین ہے۔ ممکن ہے کہ مولی ہی غلام سے پہلے فوت ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً

جانور کے عوض جانور بطور قرض بیچنا درست نہیں

عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً.

ترجمہ حضرت سمرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو جانور کے بدلے قرض بیچنے سے منع فرمایا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَوَانُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ لَا يَصْلُحُ نَسِيئًا وَلَا بَأْسَ بِهِ يَدًا بِيَدٍ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جانوروں کا ایک جانور کے بدلے بیچنا قرض درست نہیں ہاں! اگر اسی وقت ہاتھوں ہاتھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

تشریح اس میں کئی صورتیں ہیں۔

(۱): بیع الحیوان بالحیوان یدا بید یہ جائز ہے۔ مطلقاً مع التفاضل وبلا تفاضل خواہ متحد الجنس ہو یا مختلف الجنس کیوں کہ حیوان اُمور ربویہ میں سے نہیں ہے امور ربویہ مکیلات وموزونات ہیں۔

(۲): اگر دونوں طرف نسیۃ ہو تو مطلقاً حرام ہے کیونکہ دونوں طرف سے اُدھار ہے اور یہ حرام ہے۔

(۳): بیع الحیوان نقداً، بالحیوان نسیئاً حرام ہے خواہ متفاضل ہو یا غیر متفاضل کیوں کہ جو حیوان نسیا ہوگا وہ قابل الی النزاع ہے لیکن عند الجمہور جائز ہے متفاضلاً بھی اور غیر متفاضلاً بھی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اتحاد جنس ہو تو ناجائز ہے اور اگر اختلاف جنس ہو تو جائز ہے امام احمد مع ابی حنیفہ ہیں۔

(۴): "بیع حیوان نسیة بالدراهم یداً" یہ بھی ناجائز ہے۔ عند الاحناف خلافاً للشافعی کیوں کہ اس میں بھی حیوان "نسیئة ای واجب فی الذمة" تو اس میں جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہے۔ مذہب حنفی کا حاصل یہ ہے کہ حیوان واجب فی الذمۃ نہیں ہوتا (حیوان کا کسی کے ذمے قرض ہونا جائز نہیں ہے) اور ان صورتوں میں حیوان واجب فی الذمۃ تھا، اسی وجہ سے استقراض حیوان بھی حرام ہے یعنی حیوان کا اُدھار ہونا حرام ہے (اگر کسی کو بکری اُدھار دی یہاں پر چند قوانین ہیں)۔

قانون اوّل: یہ جو بتلایا کہ حیوان نسیئۃ حرام ہے اور استقراض حیوان بھی ممنوع ہے اور حیوان واجب فی الذمۃ نہیں ہوتا، یہ دراصل مبنی ہے اس قانون پر کہ حیوان ذوات القیم میں سے ہے اور ہر ذات القیم بنفسہ واجب فی الذمۃ کے قابل نہیں ہے کیونکہ ان میں جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہے بلکہ ان کی قیمت واجب فی الذمۃ ہو سکتی ہے نہ نفس ذات القیم۔

قانون ثانی: بیع میں مبیع کا مجہول ہونا مفسد بیع ہے۔ بشرطیکہ وہ جہالت کثیرہ ہو اور مفضی الی النزاع ہو۔ اس لیے بیع حیوان نسیۃ جائز نہیں ہے یعنی پیسے نقد دے اور حیوان نسیۃ ہو "کما فی بیع السلم او فی غیر بیع السلم" یہ حرام وناجائز

ہے اس لیے کہ علماء لکھتے ہیں کہ حیوان میں بیع السلم بھی حرام ہے۔

قانون ثالث: اسی وجہ سے ذوات القیم بنفسہا کا قرض واُدھار بھی جائز نہیں ہے کیونکہ قرض واجب فی الذمۃ ہوتا ہے اور حیوان وغیرہ ذوات القیم اشیاء واجب فی الذمۃ کے قابل نہیں ہیں۔ لہٰذا ٹوپی، قلم، عینک، جوتے وغیرہ قرض کے قابل نہیں ہیں بلکہ قرض صرف ذوات الامثال کا جائز ہے نہ ذوات القیم، ذوات الامثال قابل قرض ووجوب فی الذمۃ ہیں۔

قانون رابع: کل اشیاء دو قسم پر ہیں۔ اوّل ذوات القیم، دوم ذوات الامثال۔ ذوات الامثال تین چیزیں ہیں۔ مکیلات موزونات اور اعداد مقاربہ۔ مثلاً انڈے، اخروٹ وغیرہ، ان کے علاوہ تمام اشیاء ذوات القیم ہیں۔ البتہ بعض علماء لکھتے ہیں کہ اگر کپڑے کا ایک کارخانہ ہو اور ایک جیسا کپڑا ہو تو وہ ذوات الامثال میں شمار ہو سکتا ہے۔ ان شرائط کے ہوتے ہوئے مزروعات کو بھی ذوات الامثال میں شامل کرتے ہیں تو اس صورت میں مزروعات میں ذوات الامثال بھی شامل ہوں گی تو جو ذوات الامثال ہیں وہ قابل دین وواجب فی الذمۃ کے قابل ہیں، ان میں اُدھار اور واجب فی الذمہ جائز ہے اور یہ بیع السلم میں مبیع بن سکتی ہیں کیونکہ یہ واجب فی الذمۃ کے قابل ہیں۔

قانون خامس: استہلاک ذوات القیم میں قیمت واجب ہے اور استہلاک ذوات الامثال میں مثل واجب ہے۔ یہ قانون سابقہ قانون پر مبنی ہے۔ بعد ازیں قوانین خمسہ ہم کہتے ہیں کہ بیع حیوان بالحیوان نسیۃ ناجائز ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث باب ہے "عن سمرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نهی بیع الحیوان بالحیوان نسیة"

دلیل ثانی: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "مثل ذلک"

دلیل ثالث: یہ حیوان ذوات القیم میں سے ہے جو واجب فی الذمہ اور استقراض کے قابل نہیں ہے کیوں کہ ان میں جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہے اور اس حیوان کے متعدد اوصاف بھی بیان کیے جائیں کہ فلاں رنگ اتنی عمر اتنا موٹا تو بھی حیوان وحیوان میں بڑا تفاوت ہوتا ہے۔

دلائل شوافع، دلیل اوّل:

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے "قال کنت ابتاع البعیر بقلصین او بثلاثه قلائص رواه احمد و ابو داؤد"

دلیل ثانی: عن علی رضی اللہ عنہ "انه باع جملاً يدع عصفيرً البشرين بعيرا الا اجل رواه مالک فی المؤطا"

جواب: یہ حدیث موقوف ہے اور ہماری مرفوع ہیں اور مرفوع راجح ہے۔

جواب ثانی: یہ بیع بعیر بالدراہم الی اجل تھی، البتہ بوقت حلول اجل وہ مدیون دراہم کے بدلے قلوصین دے دیتا کمافی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عشرین بعیر دیئے کمافی حدیث علی رضی اللہ عنہ اور یہ عندنا بھی جائز ہے۔

دلیل ثالث: وہ استدلال کرتے ہیں قرآن میں قصہ ذبح اسرائیل سے، وہ بقرہ بھی مجہول تھی تو اللہ نے اوصاف بتلائے تو وہ متعین ہوگیا۔ "وقالوا الان جئت بالحق" معلوم ہوا کہ بیان اوصاف سے جہالت دور ہو جائے گی اور یہ مفضی الی النزاع نہیں رہے گی۔

جواب اوّل: یہ قصہ ادیان سابقہ ہے جو ہمارے دین میں حجت نہیں ہے جبکہ ہمارے دین میں صریح نہی اس بارے میں وارد ہے کمافی حدیث فی الباب۔

جواب ثانی: یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ ہماری بحث بیع میں ہے اور بیع مبنی ہے تنگی پر اور اوصاف کے بعد بھی جہالت باقی رہتی ہے جو مفضی الی النزاع ہے بخلاف ذبح بقرہ اسرائیل کے وہ معاملہ تھا اور اس میں وسعت تھی اس لیے جھگڑے کا اندیشہ نہ تھا، اس لیے کہ اللہ رحیم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدَيْنِ۔۔۔ ایک غلام دو غلاموں کے بدلے میں خریدنا

عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيهِ «، فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدُ حَتَّى يَسْأَلَهُ أَعَبْدٌ هُوَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آیا ایک غلام اور بیعت کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اور خبر نہ تھی حضرت کو کہ وہ غلام ہے پھر آیا مالک اس کا چاہتا ہوا کہ اس کو لے جائے سو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ اس کو میرے ہاتھ سو خرید لیا اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلام سیاہ دے کر پھر نہ بیعت کرتے تھے کسی سے جب تک کہ پوچھ نہ لیتے کہ وہ غلام تو نہیں۔

تشریح: مسئلہ: باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے خریدنا جائز ہے لیکن احناف باب کی حدیث میں تاویل کرتے ہیں کہ یہ حقیقتاً بیع کی صورت نہیں تھی بلکہ وہ مسلمان ہوا تھا اور کافر کا غلام تھا اور حقیقتاً آزاد کے حکم میں تھا۔ اس لیے آپ نے دو غلاموں کے بدلے میں لیا تو یہ صورتاً بیع تھی۔ اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس کا مفہوم یہ نہیں تھا کہ ایک غلام کے بدلے دو غلاموں کی بیع ہوئی بلکہ مقصود یہ تھا کہ مسلمان غلام کو اس کی ملکیت سے آزاد کر کے دو غلام اس کی ملکیت میں دے دیئے۔ اس صورت میں یہ صورتاً ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں خریدنا جائز ہے اور یہ باب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَرَاهِيَةَ التَّفَاضُلِ فِيهِ

گیہوں کے بدلے گیہوں برابر بیچنے کا جواز اور کمی بیشی کا عدم جواز

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةُ

بِالْفِضَّةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبٰى بِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَبِيعُوا الْبُرَّ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَبِيعُوا الشَّعِيرَ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچو یا خرید و سونا سونے کے عوض میں برابر برابر یعنی وزن میں اور چاندی چاندی کے برابر برابر یعنی وزن میں اور کھجور عوض میں کھجور کے برابر یعنی کیل میں اور اسی طرح گیہوں عوض میں گیہوں کے برابر برابر اور نمک عوض میں نمک کے برابر برابر اور جو عوض میں جَو کے برابر برابر سو جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا، بیچو سونے کو چاندی کے عوض میں جتنا چاہو یعنی سونے کے عوض میں چاندی اگر لی جائے یا چاندی کے عوض میں جتنا چاہو سونا تو وزن برابر ہونا کچھ ضرور نہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی قرض درست نہیں اور اسی طرح بیچو گیہوں کھجور کے عوض میں جتنی چاہو ہاتھوں ہاتھ یعنی اُدھار درست نہیں مگر کیل میں کم وبیش ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور بیچو جَو کو کھجور کے عوض میں جتنا چاہو ہاتھوں ہاتھ یعنی اُدھار نہ ہو۔

تشریح یہ بحث ربوا ہے، ربوا کا لغۃً معنی ہے زیادۃ۔ قرآن مجید میں ہے "اهتزت وربت۔ واما شرعا فربوا فضل خالي عن العوض بمعيار شرعي مشروط لاحد المتعاقدين في عقد المعاوضة كذا في در مختار، ج:۳، ص ۱۹۶" اور ربوا کا معنی ہے مطلق زیادتی اور مطلق زیادتی حرام نہیں ہے بلکہ زیادت خاص حرام ہے وہ یہ کہ اس بیع میں طرفین کا جنس ایک ہو اور ساتھ ساتھ من قبیل قدر ہو یعنی مکیلات وموزونات سے ہو، بالفاظ دیگر علت حرمت ربوا یعنی حرمت زیادۃ دو چیزیں ہیں عندالاحناف اوّل قدر، قدر کا معنی ہے مکیل وموزون، دوم اتحاد جنس، جنس ایک ہو دونوں طرف ایک ہوں کیلی یا وزنی۔

(۱): "بیع حنطة بالحنطة" میں علت موجود ہے کیونکہ دونوں گندم مکیلات سے ہیں اور جنس بھی متحد ہے اس میں زیادت حرام ہے لہٰذا ایک بوری گندم دو بوری گندم کے مقابلے میں حرام ہے۔

(۲): "بیع شعیر بالشعیر" میں بھی تفاضل حرام ہے کیونکہ قدر بھی موجود ہے اور جنس بھی متحد ہے "هكذا الفضة بالفضة"

(۳): "بیع ذهب بالفضة" میں تفاضل جائز ہے کیونکہ ایک شرط موجود نہیں ہے جو کہ اتحاد جنس ہے اگرچہ پہلی شرط موجود ہے مگر دونوں نہیں اور حرمت کے لیے دونوں شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۴): اگر دونوں شرطیں معدوم ہوں تو پھر تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہیں "مثل بيع ثوب حروي بثوب مرويين" کیونکہ دونوں معدوم ہیں نہ کیلی ہیں نہ موزونی اور اسی طرح بیع کتاب بکتابین بھی جائز ہے کیونکہ یہ کیلی چیزیں نہیں ہیں۔

(۵): اگر دونوں میں سے ایک شرط موجود ہو یعنی قدر موجود ہو یا فقط اتحاد جنس ہو تو تفاضل حلال ہے اور اُدھار منع ہے تو "بیع حنطة بالشعیر متفاضلا" جائز ہے لعدم اتحاد الجنس لیکن یدا بید ضروری ہے اور ادھار حرام ہے اور اگر گندم آج دے اور جو چند یوم بعد دے تو حرام ہے تو ربوا کے لیے وجود شرطین ضروری ہے اور نساء کے لیے وجود شرط واحد کافی ہے اس کی طرح

ایک بوری گندم ایک بوری گندم کے بدلے نساء حرام ہے اور یداً بید حلال ہے البتہ قرض اور اُدھار اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ عقد معاوضہ نہیں ہے اس میں ایک قسم تبرع ہے یعنی دین میں اولاً تبرع ہے اور انتہاء معاوضہ ہے۔ حاصل کلام یہ نکلا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ربوا ذوات الامثال میں متحقق ہوسکتا ہے نہ ذوات القیم میں کیونکہ مکیلات وموزونات ذوات الامثال سے ہیں۔ لہٰذا بیع الحیوان بالحیوانین جائز ہے یداً بید لیکن ادھار حرام ہے کیونکہ حیوان کا استقراض حرام ہے تو عندالاحناف لوہا، چونا اور تمام مکیلات وموزونات میں ربوا متحقق ہوسکتا ہے یعنی ان میں تفاضل حرام ہے، اگر علت ربوا موجود ہو جو قدر اور جنس ہے تفصیل کلام یہ ہے کہ مذکور فی الحدیث اشیاء ستہ ہیں۔ "حنطة ذهب فضة تمر ملح اور شعير" ان میں تفاضل حرام ہے۔ "حیث قال مثلاً بمثل" یعنی مساوی ہونا چاہیے اور یہ یداً بید بھی ہونا چاہیے تو مجتہدین کے اجتہاد کے نتائج مختلف ہوئے۔

مذہب اوّل: ظاہر یہ چونکہ قیاس کے منکر ہیں استنباط علت والقیاس والعموم کے بھی منکر ہیں تو ان کے نزدیک صرف انہی چھ چیزوں میں حرام ہے باقی میں نہیں، دیگر آئمہ علت مستنبط کرتے ہوئے اس حکم کو عام کرتے ہیں اور اشیاء ستہ کے علاوہ بھی شامل کرتے ہیں۔

مذہب ثانی: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اثنین یعنی ذہب وفضة سے استنباط وزن کیا کیونکہ وہ موزونات سے ہیں اور باقی چار سے استنباط کیل کیا کیونکہ وہ مکیلات میں سے ہیں اور اتحاد جنس کو شرط قرار دیا۔ مثلاً بمثل سے استنباط کرتے ہوئے تو عند ابی حنیفہ علت حرمت قدر ہے مع اتحاد الجنس۔

مذہب ثالث: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "ذهب و فضة" سے ثمنیت مستنبط کی اور باقی چار سے طعم مستنبط کیا اور اتحاد جنس کو شرط قرار دیا تو عند الشافعی علت حرمت تفاضل ثمنیہ ومطعوم ہونا ہے مع اتحاد الجنس۔

مذہب رابع: امام مالک نے ذہب وفضہ سے مثل شافعی ثمنیت مستنبط کی اور باقی چار سے اقتیات یعنی ذخیرہ للقوت ہونا۔

مذہب خامس: ربیعہ کے نزدیک علت حرمت وجوب الزکوٰۃ مع اتحاد الجنس ہے۔ ثمرہ اختلاف ایک سیر لوہا دو سیر لوہا کے بدلے میں عندالاحناف حرام ہے کیونکہ یہ موزونات میں سے ہے۔ خلافاً للشافعی ومالک کیونکہ لوہے میں ثمنیت بھی نہیں ہے اور مطعومات میں سے بھی نہیں ہے اور اس کا اذخار للقوت بھی نہیں ہوتا۔ "خلقة ثمن" صرف دو چیزیں ہیں "ذهب و فضة" اور چاول کی ایک بوری دو بوری کے بدلے حرام ہے بالاجماع "اما عندنا فلو القدر و الجنس اما عند الشافعي فلكونه من المطعومات مع اتحاد الجنس و اما عند مالك فلكون لا يدخر للقوت مع اتحاد الجنس و جاز بيع البطيخ ببطخين عندنا" کیوں کہ یہ موزونات سے نہیں ہے کیونکہ بعض علاقوں میں عدداً بیچے جاتے ہیں اور امام مالک کے نزدیک بھی جائز ہے کیونکہ ان کا ذخیرہ نہیں ہوسکتا۔ خلافاً للشافعی کیونکہ یہ مطعومات سے ہے اور اس میں اتحاد جنس بھی ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ تھا کہ ان اشیاء ستہ میں جائز ہے "بحديث . . . انما الربوا في النسيئة" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نسیئہ نہ ہو تو تفاضل جائز ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بعدہ اس سے رجوع کرلیا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب اس کے خلاف تھا اور ان کا قول تھا "لا ربوا الا في ما كان يداً بيداً" ابن عباس رضی اللہ عنہما

کے نزدیک تفاضل فی النسیئۃ جائز تھا لیکن عند الجمہور یہ ناجائز ہے جمہور جواب دیتے ہیں کہ حدیث اسامہ وابن عباس منسوخ ہیں یا مراد اس میں ربوا غلیظ وشدید ہے۔ (نیل الاوطار، ج:۵،ص:۲۰۳، مسلم ج:۲،ص:۲۳، درمختار، ج:۳،ص:۱۹۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّرْفِ..... قیمت کی ادائیگی میں سکے کی تبدیلی سے متعلق

عَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ أَنَا وَابْنُ عُمَرَ إِلَى أَبِي سَعِيدٍ فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ هَاتَانِ يَقُولُ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ لَا يُشَفُّ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهُ غَائِبًا بِنَاجِزٍ.

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ گیا میں اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابی سعید کی طرف سو روایت کی انہوں نے ہم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا کہ سنا ہے میرے ان کانوں نے فرماتے تھے نہ بیچو سونے کو سونے کے بدلے مگر برابر یعنی وزن میں اور نہ بیچو چاندی کو بدلے چاندی کے مگر برابر نہ بڑھایا جائے کوئی اس میں کا دوسرے پر اور نہ بیچو اس میں سے کچھ قرض عوض میں نقد کی یعنی لین دین دونوں ایک ہی وقت میں ہو جائے، یہ نہ ہو کہ ایک چاندی دے دے دوسرا چاندی دینے کا وعدہ کل پر رکھے یا دونوں طرف سے قرض ہو یعنی قول وقرار ہو جائے لین دین کی کچھ مدت ٹھہرے یہ بھی درست نہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ فَآخُذُ مَكَانَهَا الْوَرِقَ وَأَبِيعُ بِالْوَرِقِ فَآخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيرَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ خَارِجًا مِنْ بَيْتِ حَفْصَةَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهِ بِالْقِيمَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں اونٹ بیچتا تھا بقیع کے بازار میں سو بیچتا تھا اونٹ کو عوض میں دیناروں یعنی اشرفیوں کے یعنی قیمت اس سے ٹھہراتا تھا اور لیتا تھا دیناروں کے عوض میں چاندی اور کبھی بیچتا تھا اونٹ چاندی کے بدلے اور لیتا تھا میں اس کے عوض میں دینار سو آیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ان کو نکلتے پایا میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے سو پوچھا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مضائقہ نہیں قیمت ٹھہرانے میں یعنی قیمت دینار سے ٹھہرا کر اس کے بدلے درہم لینا یا درہم ٹھہرا کر دینار لینا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ أَنَّهُ قَالَ أَقْبَلْتُ أَقُولُ مَنْ يَصْطَرِفُ الدَّرَاهِمَ فَقَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَرِنَا ذَهَبَكَ ثُمَّ ائْتِنَا إِذَا جَاءَ خَادِمُنَا نُعْطِكَ وَرِقَكَ فَقَالَ عُمَرُ كَلَّا وَاللهِ لَتُعْطِيَنَّهُ وَرِقَهُ أَوْ لَتَرُدَّنَّ إِلَيْهِ ذَهَبَهُ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْوَرِقُ

بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ.

ترجمہ حضرت مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے کہ آیا میں یعنی بازار میں اور کہا میں نے کون صراف ہے کہ دراہم دیتا ہے یعنی میں اسے دینار دوں وہ مجھے درہم دے سو کہا طلحہ بن عبید اللہ نے اور وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے دکھاؤ ہم کو اپنا سونا یعنی دینار وغیرہ پھر لوٹ کر ہمارے پاس آؤ جب تک ہمارا نوکر آ جائے تو ہم تم کو تمہاری چاندی یعنی درہم دیں سو فرمایا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی ایسا نہ ہوگا قسم ہے اللہ کی یا تو تم دے دو اس کی چاندی یعنی درہم ابھی یا نہیں تو پھیر دو اس کا سونا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چاندی سونے کے بدلے لینا بیاج ہے مگر ادھر لے ادھر دے یعنی اُدھار درست نہیں اور گیہوں گیہوں کے بدلے ربوا ہے مگر ادھر لے اُدھر دے اور جو بدلے جَو کے بیاج ہے مگر ادھر لے اُدھر لے اور کھجور بدلے کھجور کے بیاج ہے مگر جو ادھر دے اُدھر لے۔

تشریح بیع صرف کہتے ہیں ذہب اور فضہ میں سے ہر ایک کی بیع دوسرے کے عوض کرنا۔ بیع صرف کے اندر عوضین پر مجلس عقد میں تقابض شرط ہے اور بیع صرف کے عوض کا قبل القبض استبدال ناجائز ہے۔ البتہ رہن جائز ہے کیونکہ وہ عین حق نہیں بلکہ عقد وثیقہ ہے۔ بیع صرف کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) ''بیع الذهب بالذهب'' (۲) ''بیع الفضة بالفضه'' ان دونوں صورتوں میں تفاضل اور نسیئہ دونوں حرام ہیں۔ (۳) ''بیع الذهب بالفضة'' یا اس کا عکس، اس صورت میں تفاضل جائز ہے اور نسیئہ حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ابْتِيَاعِ النَّخْلِ بَعْدَ التَّأْبِيرِ وَالْعَبْدِ وَلَهُ مَالٌ

مال دار غلام اور کھجور کی پیوند کاری کے بعد فروخت سے متعلق

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلَّذِي بَاعَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جس نے خرید کیے کھجور کے درخت بعد پیوند کرنے کے تو اس کا پھل اسی کا ہے جس نے بیچا مگر یہ کہ خریدنے والا پھل کی بھی شرط کرے درخت کے ساتھ خرید کے وقت اور جس نے خرید اغلام کو اور اس کے پاس مال بھی ہے تو وہ مال اسی کا ہے جس نے غلام بیچا مگر یہ کہ خریدنے والا اس مال کی بھی شرط کرے بیع کے وقت۔

تشریح تابیر کا معنی ہے کہ عرب کھجوروں کی اصلاح کرتے تھے بطریق خاص وہ یہ کہ جب ابتداء میں خوشے ظاہر ہو جاتے

تھے تو نر خوشہ سے کچھ کاٹ کر مادہ کے گچھے میں ڈال دیتے تھے اس میں بڑی محنت ہوتی ہے تو اگر ایک شخص نخل مو بر یعنی درختوں کو بیچ دے تو پھل کا کیا حکم ہے مشتری کا ہوگا یا بائع کا ہوگا اس میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: اگر کسی نے نخل مو بر کی بیع کردی تو اس کا پھل بیع میں داخل نہ ہوگا بلکہ وہ بائع کی ملک ہوگا۔

مذہب ثانی: ابو حنیفہ و اوزاعی کا مذہب بھی یہی ہے البتہ وہ فرماتے ہیں کہ پھل بائع کا ہوگا قبل التابیر بھی اور بعد للتابیر بھی۔

دلیل: یہ حدیث باب ہے "من ابتاع نخلاً بعد ان توبر فثمرتھا للذی الا ان یشترط المبتاع" اس میں ذکر تابیر ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے اور یہی احناف کی بھی دلیل ہے لیکن احناف کہتے ہیں قید تابیر للاحتیاط نہیں ہے بلکہ للمبالغہ ہے قبل التابیر اور بعد التابیر دونوں کی علت ایک ہے تو دو صورتوں میں یہ بائع کا ہوگا۔ البتہ اگر مشتری اپنے لیے شرط لگادے تو مشتری کا ہوجائے گا۔

سوال: جب پھل بائع کا ہو اور درخت مشتری کا ہو تو پھل کا کیا۔ کیا جائے؟

جواب: کہ بائع کو مشتری کہے کہ ابھی کاٹو اور درخت میرے حوالے کردو تو بیع صحیح ہے اسی طرح "بیع ارض وعلیھا زرع" کا مسئلہ بھی ہے زراع بائع کی ہوگی "ان الا یشترط المشتری شامی ج:۳ ص: ۴۱" پر ہے اس مسئلہ کی تفصیل میں "یوبر البائع بقطعھا وتسلیم المبیع الارض فی الزرع والشجر فی الثمر"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَيِّعَيْنِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا

بیع میں افتراق فریقین کے اختیار سے متعلق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ يَخْتَارَا قَالَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا ابْتَاعَ بَيْعًا وَهُوَ قَاعِدٌ قَامَ لِيَجِبَ لَهُ الْبَيْعُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں یا اختیار کی شرط کرلیں یعنی اس صورت میں بعد تفریق بھی اختیار رہے گا، راوی نے کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خریدتے کوئی چیز تو کھڑے ہوجاتے کہ بیع واجب ہوجائے اور خیار باقی نہ رہے۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں پھر اگر دونوں سچ بولے یعنی نرخ میں غلط اظہار نہ کیا اور کھول دیا بائع نے

عیب وصواب بیع کا اور مشتری نے حال ثمن وغیرہ کا برکت دی جائے گی ان کی بیع میں اور اگر جھوٹ بولے اور چھپایا مٹائی جائے گی برکت ان کی بیع کی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا إِلَّا أَنْ تَکُوْنَ صَفْقَةَ خِیَارٍ وَلَا یَحِلُّ لَهٗ أَنْ یُفَارِقَ صَاحِبَهٗ خَشْیَةَ أَنْ یَسْتَقِیْلَهٗ۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں مگر یہ کہ ہو بیع خیار کی اور حلال نہیں ہے ان دونوں کو کہ جلدی چھوڑ دے اپنے ساتھی کو اس خوف سے کہ وہ بیع کو فسخ کرے۔

تشریح: حدیث باب میں خیار مجلس کا بیان ہے جس کے قائل امام شافعی ہیں نہ ابو حنیفہ، امام شافعی فرماتے ہیں کہ بیع میں ایجاب وقبول کر چکنے کے بعد جب تک وہ اسی مجلس میں ہوں تو ہر ایک کو فسخ بیع کا حق ہے، یہ ہے خیار مجلس، خیارات متعدد ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، یہ باب البیوع کا اہم مسئلہ ہے۔ شامی و در مختار ج:۳، ص:۴۹ پر تقریباً سترہ اختیارات کا ذکر ہے۔ (۱): خیار شرط (۲): خیار رویت، یہ صرف مشتری کو حاصل ہے۔ (۳): تعیین جو تین چیزوں میں ہے۔ (۴): خیار نقص، (۵): خیار عیب، (۶): خیار غبن، (۷): خیار کمیت، (۸): خیار استحقاق، (۹): خیار کشف حال، (۱۰): خیار مرابحہ، (۱۱): خیار بیع تولیہ، (۱۲): خیار اجازت عقد فضولی، (۱۳): خیار مجلس، (۱۴): خیار قبول، (۱۵): خیار ایجاب، (۱۶): بیع میں ایجاب وقبول ہوتے ہیں۔ ایجاب لفظ اوّل کو کہتے ہیں اور قبول ثانی کو، ان کی تفاصیل در مختار میں موجود ہیں خیار مجلس کے اثبات میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: امام شافعی خیار مجلس کے اثبات کے قائل ہیں و بہ قال احمد و اسحاق۔

مذہب ثانی: خیار مجلس ثابت نہیں ہے عند ابی حنیفہ و مالک و نخعی وغیرہ، نیل ج:۵، ص:۱۹۷، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایجاب وقبول ہو چکنے کے بعد عقد تام ہو گیا، اب کسی کو فسخ کا اختیار نہیں "الا بتراضیھما"

دلائل ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

دلیل اوّل: "قال اللہ اوفوا بالعقود" معلوم ہوا کہ ہر عقد کا ایفاء لازم ہے اور بیع بھی ایجاب وقبول کے بعد عقد ہے تو اس کو بھی پورا کرنے کا حکم ہے اور ایفاء بھی لازم ہونا چاہیے اور خیار مجلس ایفاء کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے "المسلمون علی شروطھم"

دلیل ثانی: قرآن مجید میں ہے "واشھدوا اذا تبایعتم" اور اگر خیار مجلس ثابت ہو تو یہ آیت اور اشتہاد مفید نہ ہوگا کیونکہ اگر قبل التفریق ہو تو یہ مفید نہیں ہے عند خیار مجلس کیوں کہ اصل اعتبار تو آخر مجلس کا ہے اور اگر اشتہاد بعد التفریق ہو تو یہ اشتہاد فی غیر محلہ ہے کیونکہ تفرق کے بعد بیع نہیں ہے۔

دلیل ثالث: قرآن مجید میں ہے "لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم" اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرد رضا سے بیع تام ہوگئی اور اس کا اکل جائز ہے لیکن خیار مجلس اس کے خلاف ہے کیونکہ خیار مجلس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقد کے بعد بھی اور بیع کے بعد بھی عقد تام نہیں جب تک مجلس ختم نہ ہو جائے۔

دلیل رابع: حدیث ہے اگر متبایعان میں اختلاف آئے تو وہ تحالف یعنی دونوں قسمیں کھائیں گے اور قسم مستلزم لزوم عقد ہے اور اگر خیار مجلس ثابت ہو تو وہی کافی ہوگا، فسخ عقد میں تو فسخ بالتحالف کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل خامس: بیع عقد ہے، البیع عقد یہ صغریٰ ہے "و کل عقدیتم بعد الایجاب و القبول و لا خیار فیه فیه الی اخر المجلس" یہ کبریٰ ہے۔ "ینتج البیع یتم بالایجاب و القبول و لا خیار فیه الی اخر المجلس"

شوافع کی دلیلیں:

دلیل اوّل: حدیث باب ہے "البیعان بالخیار مالم یتفرقا او یختار او فی روایة الا بیع الخیار" خیار سے خیار مجلس مراد ہے اور تفرق سے تفریق بالابدان مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ بائع و مشتری کو خیار فسخ ہے جب تک وہ متفرق بالابدان نہ ہو جائیں۔ البتہ تفریق کے بعد اختیار نہیں ہے۔

یہی مطلب ہے اختار کا "و ان اخیار او ضیاء البیع و اسقاط خیار مجلس فیلزم البیع و لا یثبت خیار المجلس" یہ اس حدیث کی شافی تقریر ہے۔ احناف اس حدیث کے متعدد جوابات دیتے ہیں۔

جواب اوّل: یہ حدیث ہماری سابقہ آیات کے خلاف ہے تو آیات کو ترجیح دی جائے گی۔

جواب ثانی: خیار سے مراد خیار قبول و خیار ایجاب ہے اور تفرق سے مراد تفرق بالاقوال ہے نہ تفریق بالابدان تو مطلب یہ ہے کہ موجب کو ایجاب کرنے کا اختیار ہے اور دوسرے کو قبول کرنے کا اختیار ہے۔ نیز موجب کو بعد الایجاب و قبل قبولِ الاخر رجوع من الایجاب کا اختیار ہے تو بائعان یعنی بائع و مشتری کو اختیار ہے، ایجاب و قبول کا جب تک تفرق بالاقوال نہ آئے اور اگر تفرق بالاقوال آیا یعنی اس کی زبان سے ایجاب جدا ہوا اور دوسرے کی زبان سے قبول جدا ہوا و خارج ہوا تو پھر دونوں کو فسخ بیع کا اختیار نہیں ہے، نکلی ہوئی بات واپس نہیں ہوتی۔ "الا ان یختار" ہاں اگر بیع بشرط اختیار ہو تو تین دن تک ہر ایک کو اختیار ہے تو الا ان یختار سے مراد عندنا خیار شرط ہے اور عندھم خیار اسقاط و خیار مجلس ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ خیار ایجاب و قبول پر محمول کرنا اولیٰ ہے کیونکہ بائعان و متبائعان اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل حقیقت ہے حال میں اور مجاز ہے ماضی و مستقبل میں اور خیار ایجاب و قبول پر حمل کرنے سے اسم فاعل حال یعنی حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ ایجاب و قبول ہی حال و وقت بیع ہے تو اس وقت ان کو متبایعین کہنا حقیقی معنی ہے اور اگر خیار مجلس پر محمول کریں تو استعمال اسم فاعل کا فی الماضی ہوگا جو کہ مجازی معنی ہے کیوں کہ آخر مجلس تک تو فعل بیع نہیں کر رہے ہیں بلکہ حال و وقت بیع تو گزر چکا ہے۔ اوّل مجلس میں اور فعل گزر چکا ہے بیع کا اور بیع کر چکنے کے بعد تا آخر مجلس

ان پر متبایعان کا اطلاق باعتبار ماضی ہے اور یہ مجازی معنی ہے اور حقیقت اولیٰ ہے مجاز سے۔

سوال: تمہارے ہاں بھی یہ لفظ مجاز میں مستعمل ہے کیوں کہ صرف ایجاب سے بیع متحقق نہیں ہوتی تو اس وقت صرف ایجاب سے ان کو متبایعان کہنا مجاز ہے؟

جواب: یہ مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ فعل جب شروع ہو جائے تو اثناء فعل میں قبل تکمیل فعل عرف میں فاعل کو حقیقتاً فاعل کہا جاتا ہے، شروع کرنے کے بعد اگرچہ تکمیل نہ ہو، مثل اکل وغیرہ۔

سوال ثانی: تفرق ابدان میں مستعمل ہے نہ غیر ابدان میں بھی مستعمل ہے جس طرح تفرق بالابدان ہوتا ہے اسی طرح تفرق بالاقوال ہوتا ہے۔ "قال اللہ و ماتفرق الذین اوتوا الکتاب" تو یہاں پر تفریق اقوال ہی مراد ہے۔ (نیل الاوطار، ج:۵،ص:۱۹۸)

باب بلاترجمہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعٍ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا ایک اعرابی کو بعد بیع کے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو بیع کے بعد اختیار دیا۔

تشریح: حدیث الباب میں جس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جود وسخا پر محمول ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت ظرفی پر محمول ہے کہ آپ نے ایک اعرابی کو خیار کے لیے مکمل اختیار دے دیا کہ جب تم چاہو آکر فسخ کر لینا۔ بہر حال یہ حدیث حنفیہ کی مستدل ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر بیع میں ہر انسان پر واجب ہے کہ جب بھی دوسرا فریق بیع فسخ کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ شخص ضرور بیع فسخ کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ ۔۔۔۔۔ جو شخص بیع میں دھوکا کھا جائے

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا كَانَ فِي عُقْدَتِهِ ضَعْفٌ وَكَانَ يُبَايِعُ وَأَنَّ أَهْلَهُ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ احْجُرْ عَلَيْهِ فَدَعَاهُ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَا أَصْبِرُ عَنِ الْبَيْعِ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ هَاءَ وَهَاءَ وَلَا خِلَابَةَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد کی خرید وفروخت میں ضعف تھا یعنی اکثر خرید و فروخت میں دھوکا کھا جاتا تھا اور ہمیشہ چیزیں خریدتا تھا تو گھر والے اس کے آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا یارسول اللہ! اس کو روک دیجیے یعنی منع کر دیجیے بیع سے، پس بلایا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور منع کیا

بیع سے تو عرض کیا اس نے کہ یا رسول اللہ! مجھ کو صبر نہیں آتا بغیر خرید وفروخت کے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تو خریدے یا بیچے تو کہہ دے لین دین ہے اور فریب نہیں۔ معلوم ہوا کہ خسارے کے سودے میں خیار نہیں۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو بیع میں دھوکہ لگتا ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ باب کی حدیث میں رجلا سے مراد حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بیع وشراء میں دھوکہ کھا جاتے تھے۔ ان کے اہل خانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ان کو بیع وشراء سے منع کر دیں۔ اس باب میں دو مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ اولیٰ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ "لا خلابة" کے لفظ سے خیار شرط ثابت ہو جائے گا یا نہ اور دو قول ہیں۔

قولِ اوّل: جمہور آئمہ کے نزدیک محض "لا خلابة" کے لفظ سے خیار شرط ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ صراحتاً خیار شرط کو ذکر نہ کیا جائے۔

قولِ ثانی: بعض آئمہ کے نزدیک "لا خلابة" سے خیار شرط ثابت ہو جاتا ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو اس لفظ سے خیار شرط مل گیا تھا۔ اگر اس سے خیار شرط مراد نہ لیا جائے تو پھر "لا خلابة" غیر مفید ہوگا۔

جواب (۱): یہ حضرت حبان رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے اس واقعہ جزئیہ کی وجہ سے قاعدہ کلیہ میں رخنہ اندازی مناسب نہیں۔

جواب (۲): حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو حقیقت میں خیار شرط "لا خلابة" کے لفظ سے حاصل نہیں ہوا بلکہ بعض احادیث میں اس کی تصریح مذکور ہے۔ مثلاً مستدرک حاکم میں مذکور ہے "فقل لا خلابة ولی الخیار ثلاثه ایام" کہ مجھے تین دن کا خیار ہوگا۔

مسئلہ ثانی: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عاقل بالغ پر حجر جائز ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔ (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عاقل بالغ پر حجر نہیں، البتہ مال کا حجر ممکن ہے۔ (۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عاقل بالغ پر حجر ہو سکتا ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو حجر کیا تھا۔ لہٰذا عاقل بالغ کے لیے حجر ہو سکتا ہے۔

جواب: اس روایت سے یہ استدلال درست نہیں کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ان کو بیع ترک کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن صحابی نے اپنا عذر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذر قبول کر لیا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابی کے انکار کی وجہ سے حکم شرعی کو نافذ کرنے سے ہرگز باز نہ رہتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُصَرَّاةِ ۔۔۔۔ دودھ روکے ہوئے جانور خریدنے سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا حَلَبَهَا إِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خریدی ایسی گائے یا بکری کہ جس کا دودھ بیچنے والے نے کئی دن سے نہیں دوہا تھا کہ اس کے تھن خوب بڑے بڑے ہو گئے تھے کہ خریدار جانے کہ بہت دودھ دیتی ہے سو لینے والے کو اختیار ہے جب دودھ دوہے اس کے پھیر دینے کا اور جب پھیرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے دے یعنی اس دودھ کے عوض میں جو اس نے دوہا تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ مَعْنَى لَا سَمْرَاءَ لَا بُرَّ

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خریدے دودھ رُکی ہوئی گائے یا بکری اس کو اختیار ہے تین دن تک سو اگر پھیرے تو پھیر دے اس کے ساتھ ایک صاع غلے کا کہ سمرا نہ ہو یعنی گیہوں نہ ہو یعنی کوئی اور غلے سے دے دے گیہوں کچھ ضرور نہیں کہ عرب میں گراں ہے۔

تشریح: مصراۃ اس جانور کو کہتے ہیں جس کا دودھ چند ایام کے لیے روک دیا جائے تا کہ مشتری دیکھ کر دھوکہ کھا جائے کہ یہ بہت دودھ والا جانور ہے تو مصراۃ وہ دودھ والا جانور ہے کہ دھوکے کے طور پر اور خریدار کو دھوکہ دینے کی خاطر اس کے تھن میں کئی دن کا دودھ جمع کیا جائے کیونکہ یہ دھوکہ ہے اس لیے یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ حدیث باب میں ہے کہ اس قسم کے جانور خریدنے والے کو تین دن تک خیار ہے

"فان ردھا رد معہ صاعا من الطعام وفی روایۃ رد معھا صاعا من التمر" ایسے جانور خریدنے میں چند مذاہب ہیں۔

مذہب اوّل: اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں آئمہ ثلاثہ شافعی احمد و مالک و ابو یوسف وغیرہ "فقالوا ان ردھا رد معھا صاعا من تمر و ان کان اللبن ھالکا و یردھا مع اللبن ان کان اللبن موجوداً شامی، ج:۳، ص:۱۰۷"

مذہب ثانی: یہ جانور واپس کرے، "مخیر بین رد صاعا من التمر او نصف صاع من البر و بہ قال زفر"

مذہب ثالث: ابن ابی امامہ اور بعض شوافع کے نزدیک جانور واپس کرے "و یرد معھا قیمۃ اللبن"

مذہب رابع: احناف کے نزدیک یہ عیب ہے مبیع میں "فلا یرد المصراۃ الی البائع بل یرجع بنقصان علی المختار"

مذہب اوّل والوں کی دلیل:

وہ استدلال کرتے ہیں حدیث باب سے جس میں تصریح ہے، اس دھوکہ کا پتہ چلنے کے بعد مشتری یہ مصراۃ واپس کرے، ان شاء اور ساتھ ساتھ صاع تمر بھی دے دے۔

احناف کہتے ہیں کہ یہ تصریہ مبیع میں عیب ہے۔ لہٰذا یہ مشتری رجوع بالنقصان کرے گا "کما ھو القانون فی جمیع البیوع و جمیع المبیعات" اور احناف "رد صاع من التمر" پر عمل نہیں کرتے اور حدیث ہذا کے متعدد جواب دیتے ہیں۔

جواب اوّل: یہ صاع تمر کا رد خلاف قیاس ہے اور یہ دودھ کا عوض نہیں بن سکتا۔ یہ ردصاع تمر مخالف ہے کتاب اللہ وسنت واجماع متقدمین کا۔ قرآن میں ہے "فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم الخ" اور یہ تمر مثل لبن نہیں ہے اور قرآن کی اس آیت سے وجوب تماثل ثابت ہوتا ہے اس لیے اگر لبن مثلیات سے ہو تو صاع تمر اس کی مثل نہیں ہے بلکہ مثل لبن خود لبن ہے تو جتنا مشتری نے استعمال کیا تو اتنا لبن دینا چاہیے ورنہ یہ صاع قیمت نہیں ہے، اگر لبن ذوات القیم سے ہو بلکہ قیمت جتنی کم وبیش ہوگی وہ جب ہوگی علی الیقین وجوب صاع نہیں ہے تو وجوب صاع کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

نیز حدیث میں ہے "الخراج بالضمان" خراج کا معنی ہے نفع لہٰذا مشتری نے اگرچہ اس کا دودھ استعمال کیا ہے تو اس کا عوض صاع وغیرہ مشتری پر واجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان دنوں یہ مصراۃ مشتری کے ضمان میں تھی اور اگر ہلاک ہو جاتی تو مشتری ضامن تھا اور مضمون کا تاوان نہیں ہوتا اور اس سے اگر انتفاء کرے تو اس نفع کا تاوان نہیں لیا جاتا۔

جواب ثانی: یہ حدیث منسوخ ہے "بحدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعا فی ابن ماجہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عن بیع الدین بالدین" دین مقابلے میں نقد کے ہے "فالدین مایجب فی الذمة" تو لبن مصراۃ مشتری کے ذمہ میں دین ہے۔ "فاذا الزم المشتری للباع من التمر بدل اللبن صار بیع الدین بالدین وھذا ممنوع قالہ الطحاوی"

جواب ثالث: یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث کی وجہ سے جن میں عقوبت بالمال کی نہی وارد ہے "قالہ عیسی بن ابان وجوب صاع تمر" تاوان مالی ہے اور یہ ممنوع ہے۔

جواب رابع: یہ منسوخ ہے اور ناسخ، یہ حدیث ہے "البیعان بالخیار مالم یتفرقا قالہ محمد بن شجاع" لہٰذا اس حدیث کی وجہ تفرق قاطع خیار ہے "من غیر الفرق بین المصراۃ وغیرھا"

جواب خامس: حدیث باب مضطرب ہے متناً کیونکہ بعض میں تمر کا ذکر ہے "ای صاعا من تمر" بعض میں صاعاً من بر کا ذکر ہے جیسا کہ مسند بزار میں ہے "صاعا من بر لا سمراء"

جواب سادس: یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے کیونکہ اس میں تعارض وتدافع ہے کیوں کہ بعض روایات بزار وغیرہ میں "صاعا من بر ولا سمراء" اور سمراء بھی گندم کو کہتے ہیں، گندم کا اثبات بھی ہے اور نفی میں، روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے "ردھا ورد معھا مثل او مثلی بعضھا قمحا"

جواب سابع: یہ حدیث مخالف ہے عام اُصول اسلام کے کیونکہ اشیاء دو قسم پر ہیں۔ اوّل مثلیات، دوم "ذوات القیم والمثلی یضمن بالمثلی والقیمی بالقیمت من الذھب والفضة" لہٰذا صاع تمر لبن کیلئے نہ مثل ہے اور نہ قیمت ہے۔

جواب ثامن: یہ صاع تمر ضمان ہے لبن تلف کا اور وہ لبن قلت وکثرت میں مختلف ہوتا ہے حالانکہ ضمان تو شئی معین کا وجوب ہوتا ہے جو کہ صاع تمر ہے خلاف قیاس ہے۔

جواب تاسع: یہ تین دن کا خیار خیار شرط بھی نہیں ہے کیوں کہ وہ ثابت ہوتا ہے بالتراضی وقت عقد میں اور یہاں تراضی

نہیں ہے اور خیار عیب بھی نہیں ہوسکتا بالفاظ دیگر بظاہر یہ خیار عیب ہے لیکن خیار عیب مقدر بایام ثلاثہ نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ مدت طویلہ تک بھی ثابت ہوتا ہے، لہٰذا حدیث خلاف قیاس ہے۔

جواب عاشر: نیز اس میں "جمع بين العوض و معوض عنه" کا امکان ہے اور یہ ناجائز ہے، امکان اس لیے ہے کہ ممکن ہے کہ قیمت شاۃ صاع تمر ہو تو مالک کو شاۃ معوض عنہ بھی مل گیا یعنی بعض قیمت بھی اور یہ ممنوع ہے بعض احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے اور یہ خبر واحد ہے جس کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غیر مجتہد ہے اور کتب اُصول نور الانوار حسامی اُصول شاشی وغیرہ میں ہے کہ جب خبر واحد قیاس کے خلاف ہو اور راوی غیر مجتہد ہو تو حدیث کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی مگر یہ جواب اگرچہ کتب اُصول فقہ میں موجود ہے لیکن یہ مردود ہے۔ فقہ حنفیہ کے لیے فقہ حنفی ایک بلند مذہب ہے اس میں اس قسم میں مردود باتوں کی گنجائش اور ضرورت نہیں ہے اور یہ ان چند مردود باتوں میں سے ہے جن کی وجہ سے مخالفین مذہب حنفی پر طعن تشنیع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصحاب الرائے وہ اپنی رائے کو حدیث پر فائق سمجھتے ہیں اس لیے محققین احناف مثل عینی وابن ہمام و زیلعی وغیرہ کے نزدیک یہ اُصول غلط ہے کہ قیاس خبر واحد پر راجح ہے۔ ایسی باتوں سے منکرین حدیث کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ شیخ انور نے بھی اس جواب کو سختی سے رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قانون ہمارے آئمہ قدماء امام ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمد سے منقول نہیں ہے اور وہ اس قانون سیئہ سے بری ہیں۔ یہ قول اوّلاً عیسیٰ بن ابان نے کیا ہے اور ہم اس کے مقلد نہیں ہیں بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ بہرحال خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ جواب مردود ہے۔ اوّلاً تو اس لیے کہ یہ قانون آئمہ ثلاثہ قدماء سے منقول نہیں ہے یہ عیسیٰ بن ابان سے منقول ہے، ہمارے لیے اس کی بات تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔

ثانیاً امام ابوحنیفہ کے اس قول کے خلاف ہے۔

"او اصح الحديث فهو مذهبى" لہٰذا قیاس کو حدیث پر ترجیح دینا اس قول ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہے۔

ثالثاً اس سے منکرین حدیث کو گمراہی کا راستہ ملتا ہے۔

رابعاً یہ ایمان وعقل کے تقاضے کے خلاف ہے، ایمان وعقل کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث مطلقاً قیاس پر مقدم ہے۔

خامساً ہمارے آئمہ محققین احناف مثل شیخ انور ابن ہمام عینی وغیرہ نے اس کو رد کیا ہے۔

سادساً یہ کہنا کہ اس کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ اس میں متفرد ہیں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غیر مجتہد ہیں درست نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں متفرد نہیں ہیں۔ "بر واه ابن عمر رضى الله عنهما ايضا كما فى ابى داؤد و طبرانى و انس رضى الله عنه كما فى البيهقى و ابن مسعود رضى الله عنهما كما اخرجه اسماعيل سابعًا على التسليم" کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر مجتہد ہیں، اس سے حدیث صحیح میں نقصان لازم نہیں آتا۔

ثامناً یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کو ان کے غیر مجتہد ہونے کی وجہ سے رد کیا جائے ورنہ اس سے بہت سا ذخیرہ احادیث ضائع ہو جائے گا کیوں کہ اکثر احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ تقریباً ۵۳۷۴ احادیث۔

تاسعاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے، کما فی الفصول فی شرح أصول الشاشی کیونکہ یہ خلفاء کے زمانے میں قاضی ومفتی تھے اور اس زمانے میں قاضی ومفتی کے لیے مجتہد ہونا شرط تھا۔ کما صرح بہ العلماء شیخ انور نے عرف شذی میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک مناظرے کے موقع پر ایک حنفی نے یہی بات کی تو اس کے پیچھے سانپ لگ گیا اور جب توبہ کی تو اس کی جان چھوڑی لیکن یہ قصہ غلط ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ ظَهْرِ الدَّابَّةِ عِنْدَ الْبَيْعِ

جانور بیچتے وقت سواری کی شرط لگانا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ بَاعَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا وَاشْتَرَطَ ظَهْرَهُ إِلَى أَهْلِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے راستے میں ایک اونٹ بیچا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور شرط کرلی کہ وہ سوار ہوگا اس پر اپنے گھر تک۔

تشریح: اس باب میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اونٹ بیچا "واشترط الظهر لاهله" اگر اس طرح کوئی جانور بیچ دے اور اس میں "اشترط ظهر الی موضع" ہو تو اس اشتراط میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: یہ جائز ہے عند الجمہور، ان کی دلیل حدیث ہذا ہے۔

مذہب ثانی: اگر مسافت قریب ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ "قال به مالك وحد القريب ثلاثه ايام"

مذہب ثالث: یہ جائز نہیں ہے، مطلقاً عند ابی حنیفہ وشافعی رحمہا اللہ۔

احناف استدلال کرتے ہیں اولاً مرفوع حدیث سے "نهى النبى عن بيع وشرط" اور ثانیاً اس حدیث سے "نهى النبى عن الثنياء فى البيع" احناف حدیث کے باب کے متعدد جوابات دیتے ہیں۔

جواب اوّل: یہ جزوی قصہ وواقعہ ہے جس میں متعدد احتمالات ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج:۵، ص:۱۹۰)

جواب ثانی: یہ حدیث سابقہ احادیث نہی سے متضاد ہے "كقوله عليه السلام فى نهى النبى صلى الله عليه وآله وسلم عن بيع وشرط" اور ہماری احادیث قولی ہیں اور یہ فعلی اور قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔ عرف شذی میں ہے صفحہ ۴۳۷ "الشرط المفسد غير محتمل عند الثلاثه ومحتمل عند احمد" ہدایہ میں ہے کہ جو شرط موافق مقتضائے عقد ہو مثل تسلیم مبیع وتملیک وغیرہ تو یہ شروط مفسد بیع نہیں ہیں۔ نیز ہدایہ میں ہے "ان شرط الذى فيه نفع لاحد المتعاقدين او المبيع وهو من اهل الاستحقاق غير جائز"

جواب ثالث: حدیث باب جزوی ہے اور ہماری احادیث کلی ہیں اور کلی کو ترجیح ہوتی ہے جزوی پر۔

جواب رابع: ہماری احادیث محرم ہیں شرط فی البیع کے لیے اور حدیث باب مبیح ہے اور محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب خامس: طحاوی فرماتے ہیں "بان شرط جابر رضی اللہ عنہ لم یکن فی صلب العقد بل بعدہ"
جواب سادس: جامع الفصولین میں ہے "ان ھذا الشرط کالو عدو ما کان الشرط شامی، ج:۴، ص:۱۳۳ عرف شذی صفحہ ۴۳۷، نیل ج:۵، ص:۱۹۰"
جواب سابع: شیخ انور لکھتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ اور نبی علیہ السلام کے مابین حقیقتاً بیع نہیں تھی صرف صورتاً بیع تھی اور درحقیقت حضور علیہ السلام کا مقصد ایصال نفع الی جابر رضی اللہ عنہ تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے "اعطاہ النبی علیہ السلام الثمن و زاد ورد علیہ البعیر" حکایت ہے کہ زمانہ حج میں مکہ مکرمہ میں عراق کے تین امام ابوحنیفہ ابن شبرمہ و ابن ابی لیلہ جمع ہوئے تو ایک شخص نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسئلہ پوچھا، "فقال ابو حنیفہ الشرط باطل و البیع باطل" کیونکہ یہ قانون ہے شرط باطل سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ پھر ابن شبرمہ سے پوچھا "فقال ان شرط الصحیح و البیع الصحیح ثم بلغ الی ابن ابی لیلۃ و سالہ عن ھذہ المسلۃ فقال ابن ابی لیلۃ البیع صحیح و الشرط باطل فقال السائل سبحان اللہ مسئلہ الواحدۃ اختلف آئمہ العراق فجاء الی ابی حنیفۃ و اخبرہ فقال لا ادری مازعم لکن صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم انہ نھی عن بیع و شرط ثم عاد الی ابن شبرمہ فقال لا ادری مازعم ولکن صح عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ثم ذکر حدیث جابر رضی اللہ عنہ فی الباب ثم اتی ابی لیلٰی فقال لا ادری مازعم لکن صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ثم ذکر حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا و شرأ عائشۃ رضی اللہ عنہا لھا و اشتراط اھلھا ان الولاء لھم فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلّم صحت البیع و ابطل الشرط"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِانْتِفَاعِ بِالرَّهْنِ ۔۔۔۔ گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ حاصل کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظَّهْرُ يُرْكَبُ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ نَفَقَتُهُ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سواری پر چڑھے جب وہ سواری رہن ہو اور دودھ والی گائے بکری کا دودھ پیا جائے جب وہ رہن ہوں اور جس پر سواری کرے یا اس کا دودھ پیئے اس کے ذمہ پر اس کا دانہ گھاس ہے یعنی راہن ہو یا مرتہن۔

تشریح: انتفاع بالمرہون جائز ہے یا نہیں؟
قول اوّل: عند آئمہ ثلاثہ ابوحنیفہ وشافعی ومالک وجاز عند احمد۔
قول ثانی: احناف کہتے ہیں کہ انتفاع باذن راھن جائز ہے۔ امام احمد استدلال کرتے ہیں حدیث باب سے "وفیہ الظھر یرکب اذا کان مرھونا ولبن منیحۃ یشرب اذا کان مرھونا و علی الذی یرکب ویشرب نفقہ"

یہ امام احمد کی دلیل ہے جمہور متعدد جوابات دیتے ہیں۔

جواب اوّل: راھن کی اجازت ہو اور وہ اجازت صلب عقد میں نہ ہو بلکہ بدر میں

جواب ثانی: مرھونہ سے مراد معنی معروف نہیں ہے بلکہ مراد دودھ والا جانور ہے اور قاموس میں ہے راھن مانح اور مرھونہ منیحہ کو کہتے ہیں۔

جواب ثالث: علی التسلیم کی مراد رھن ہے ہم کہتے ہیں کہ حدیث ہذا میں راکب وشارب کی تعیین نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے مرتہن لینا ضروری نہیں ہے تاکہ یہ اشکال ہو بلکہ ہم کہتے ہیں اس سے مراد راھن ہے۔ (عرف شذی، ص: ۴۳۸، طحاوی، ج: ۲، ص: ۲۵۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْقِلَادَةِ وَفِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ

ایسا ہار خریدنا جس میں سونا اور ہیرے ہوں

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ.

ترجمہ حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ خریدا میں نے خیبر کی فتح کے دن ایک ہار بارہ دینار کو کہ اس میں سونا بھی تھا اور کچھ جواہر بھی جڑے تھے سو اس کو توڑ کر جدا جدا کیا میں نے اور پایا اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ سو ذکر کیا میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو فرمایا ایسی جڑاؤ چیزیں سونے چاندی کی نہ بیچی جائیں بغیر توڑے اور جدا کیے۔

تشریح اگر ایک ہار میں مثلاً ذہب وغیرہ ہو تو اس کی بیع اگر بغیر جنس مالیہ ہو یعنی اس میں ذہب ہے اور اس کی بیع فضہ سے ہو تو یہ مطلقاً جائز ہے لجواز التفاضل لاختلاف الجنس اور اگر یہ بمقابلہ ذہب بیچا جائے یعنی بیع الجنس مالیہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: یہ بیع جائز نہیں ہے "الا عند فضل الذھب عند آئمہ ثلاثہ الشافعی و احمد و مالک"

مذہب ثانی: یہ جائز ہے عندنا بغیر فضل بھی بشرطیکہ "ان یکون البدل ازید ان ما فی القلادۃ" کی لا "یلزم الربوا" مثلاً قلادۃ میں چار تولے سونا ہے اور بقیہ موتی وغیرہ تو مقابلے میں چار تولے سونا ہو تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ربوا ہے کیونکہ چار تولے سونا بمقابلہ چار تولے سونا ہوا اور ہار میں بقیہ چیزیں مفت میں اور یہ ربوا ہے اور اگر اس کی بیع مثلاً ساڑھے چار تولے سونے سے ہوتی تو یہ جائز ہے کیونکہ چار تولہ سونا بمقابلہ چار تولہ سونا اور آدھا تولہ سونا بقیہ اشیاء کے بدلہ میں ہو جائے گا لیکن تقابض فی المجلس شرط ہے کیونکہ یہ بیع صرف ہے اور یہی حکم ہے بیع سمسم بالزیت کا تو خالص زیت کچھ زائد ہونا چاہیے، اس زیت سے جو سمسم میں ہے "وھکذا بیع النقدمع غیرہ کمزرکش ومفضض بنقد من جنسہ در مختار، ج:۳، ص: ۲۶۲، عرف شذی، ص: ۴۳۸" بہرحال عند الاحناف فضل ضروری نہیں ہے اور حدیث باب کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ مبنی ہے احتیاط پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ الْوَلَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذٰلِكَ

لونڈی یا غلام بیچتے وقت ولاء کی شرط اور اس پر تہدید

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطُوا الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ أَوْ لِمَنْ وَلِيَ النِّعْمَةَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ارادہ کیا بریرہ کے خریدنے کا اور بریرہ کے مالکوں نے شرط کی کہ حق ولاء ہمارے ساتھ رہے سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید لو اس کو بے شک ولاء تو اسی کو پہنچے گی جو قیمت دے یعنی خریدنے والے کی ہے بیچنے والے کو نہیں مل سکتی۔ اگر چہ وہ شرط بھی کرے یا یہ فرمایا کہ جو مالک ہو نعمت کا یعنی ولاء اسی کی ہے جو مالک ہو آزاد کرنے کا۔

تشریح یہی وہ حدیث ہے جس سے استدلال کرتے ہوئے امام ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر بیع کے اندر کوئی شرط فاسد لگائی جائے تو شرط فاسد ہو جاتی ہے اور بیع اپنی جگہ درست ہی رہتی ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیع کو درست قرار دیا اور ولاء کی شرط کو باطل قرار دیا۔ حنفیہ کی طرف سے اس استدلال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہم نے یہ جو کہا تھا کہ مقتضائے عقد کے خلاف جو شرط ہو، اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، یہ اس وقت ہے جب عقد کے اندر ایسی شرط لگائی جائے جس کا پورا کرنا بندے کے اختیار میں ہو، اور اگر ایسی شرط ہے جس کا پورا کرنا بندے کے اختیار میں نہیں تو اس صورت میں شرط فاسد ہو جائے گی اور بیع درست ہو جائے گی۔ چونکہ یہاں بھی ''ولاء'' کے ملنے اور نہ ملنے میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ تو شریعت نے خود ہی طے کر دیا ہے کہ ولاء کس کو ملے گی۔ لہٰذا اس میں بندے کا کوئی اختیار نہیں، اس لیے اس شرط کے لگانے سے بیع باطل نہیں ہوگی بلکہ خود شرط ہی فاسد ہو جائے گی۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ يَشْتَرِي لَهُ أُضْحِيَةً بِدِينَارٍ فَاشْتَرَى أُضْحِيَةً فَأُرْبِحَ فِيهَا دِينَارًا فَاشْتَرَى أُخْرَى مَكَانَهَا فَجَاءَ بِالْأُضْحِيَةِ وَالدِّينَارِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِالشَّاةِ وَتَصَدَّقْ بِالدِّينَارِ.

ترجمہ حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیجا کہ ایک قربانی کا جانور خرید لائیں ساتھ ایک دینار کے تو انہوں نے ایک جانور خریدا اور فائدہ اُٹھایا اس میں ایک دینار کا یعنی ایک دینار کا ایک جانور خرید کر دو دینار میں بیچا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جانور اور ایک دینار لے کر حاضر ہوئے، سو

فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو ذبح کر اور دینار کو صدقہ دے دے۔

عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ دَفَعَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا لِأَشْتَرِيَ لَهُ شَاةً فَاشْتَرَيْتُ لَهُ شَاتَيْنِ فَبِعْتُ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ وَجِئْتُ بِالشَّاةِ وَالدِّينَارِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ لَهُ مَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ فَقَالَ لَهُ بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي صَفْقَةِ يَمِينِكَ، فَكَانَ يَخْرُجُ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَى كُنَاسَةِ الْكُوفَةِ فَيَرْبَحُ الرِّبْحَ الْعَظِيمَ فَكَانَ مِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْكُوفَةِ مَالًا.

ترجمہ حضرت عروہ بارقی سے روایت ہے کہ دیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار کہ خرید لاؤں میں ایک بکری سو خریدیں میں نے اس سے دو بکریاں اور بیچی اس میں سے ایک بکری ایک دینار کو اور لایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری اور ایک دینار اور مذکور ہوا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے حال اس بکری کا جو گزرا تھا سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت دے اللہ تعالیٰ تیرے داہنے ہاتھ کو خرید و فروخت میں پھر بعد اس کے وہ جاتے تھے کناسہ کو کوفے کی طرف کہ ایک موضع ہے کوفے کے قریب اور نفع کمالاتے تھے وہاں سے بہت سا سو کوفے میں سب لوگوں سے زیادہ مال والے تھے۔

تشریح اس باب میں چند مسائل کا بیان ہوگا۔

(۱) زیر بحث باب میں دو واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ سیاق اور مخرج کا اختلاف اس کا واضح قرینہ ہے۔ پہلے واقعہ میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ایک قربانی خریدی اور اس کو دو دینار پر فروخت کر دیا۔ پھر ایک دینار کی قربانی خرید لی۔ ایک دینار اور ایک قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کردی اور دوسرے واقعہ میں حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ نے ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں۔

(۲) دوسرا امر یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کو قربانی خریدنے اور قربانی کرنے کے لیے وکیل بنائے تو یہ وکالت جائز ہے جیسے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو قربانی خریدنے کے لیے وکیل بنایا اور پھر قربانی کرنے کے لیے بھی وکیل بنایا۔

(۳) اگر آدمی غنی ہو تو وہ جانور محض خریدنے سے قربانی کے لیے متعین نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی جگہ کسی دوسرے جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے۔ اگر فقیر ہے تو اس صورت میں جانور محض خریدنے سے متعین ہو جاتا ہے اس کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو ایک دینار صدقہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس وقت غنی نہ تھے۔

(۴) بیع الفضولی کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فضولی کی بیع جائز ہے یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع الفضولی جائز نہیں۔ اس لیے فضولی کو ولایت تصرف شرعی حاصل نہیں ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فضولی کی بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ اگر مالک نے اجازت

دی تو نافذ ہو جائے گی۔ اگر اجازت نہ دی تو نافذ نہ ہوگی۔ یہ بیع اس لیے صحیح نہیں کہ یہ بیع تصرف تملیکی ہے اور عاقد تصرف کا اہل ہے یعنی عاقل بالغ ہے اور محل تصرف بھی ہے اور اس میں کسی کا نقصان نہیں بلکہ تینوں کا فائدہ ہے۔ مشتری کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور فضولی کا فائدہ یہ ہے کہ اس کا کلام لغو ہونے سے محفوظ ہو جائے گا۔ مالک کا فائدہ یہ ہے کہ وہ گاہک کی تلاش اور قرار ثمن کی مشقت سے بچ جائے گا اور اگر اس کا نقصان ہو تو اس کو فسخ کا اختیار ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُكَاتَبِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي

اس مکاتب سے متعلق جو بدل کتابت ادا کر سکتا ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْ مِيرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَدِّي الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا أَدَّى دِيَةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مستحق ہو مکاتب دیت کا یا میراث کا وارث ہوگا اس حساب سے کہ جتنا آزاد ہو چکا ہے اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دیت دیا جائے مکاتب دیت آزاد کے موافق اس حصے کی کہ ادا کر چکا ہے یعنی اپنی زرِ کتابت سے اور دیت غلام کی موافق اس کے کہ باقی ہے اس پر یعنی زرِ کتابت سے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَقُولُ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى مِائَةِ أُوقِيَّةٍ فَأَدَّاهُ إِلَّا عَشْرَ أَوَاقٍ أَوْ قَالَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيقٌ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ شعیب کے دادا سے کہا انہوں نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ خطبہ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے جو اپنے غلام سے کہے کہ تو سو اوقیہ ادا کر دے تو آزاد ہے اور اس نے ادا کیے سب مگر دس اوقیہ یا فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ باقی رہے او پر دس درہم پھر عاجز ہو گیا یعنی نہ دے سکا وہ زر باقی تو پھر وہ غلام ہی ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ إِحْدَاكُنَّ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے مکاتب کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ ادا کر دے تو آزاد ہو جائے تو اس سے چھپنا چاہیے۔

تشریح اس باب کی روایت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مکاتب غلام مال کتابت کا جتنا حصہ ادا کرے گا اتنا حصہ اس کا آزاد ہوتا جائے گا، اگر اس وقت اس مکاتب نے ایسا جرم کر لیا جس کی سزا میں حد جاری ہوتی ہے مثلاً اگر اُس نے نصف مال کتابت ادا کر دیا تھا اور زنا کا ارتکاب کیا جبکہ آزاد کی حد سو کوڑے ہیں اور غلام کی پچاس کوڑے تو اس مکاتب غلام پر نصف حد آزادی اور نصف غلام کی جاری کی جائے گی یعنی کل ۷۵ کوڑے لگائے جائیں گے کیونکہ یہ مکاتب نصف آزاد ہے اور نصف غلام ہے۔ اسی طرح مکاتب عام حالات میں وارث نہیں ہوتا لیکن یہ مکاتب غلام نصف میراث کا حق دار ہوگا۔

یہ حدیث اب معمول بہ نہیں ہے۔ بالاتفاق یہ منسوخ ہے اور اس کے لیے ناسخ ابوداؤد کی ایک روایت ہے "وفيه لا مكاتب عبد مابقي عليه درهم" کہ جب تک مکاتب پر مال کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے تو وہ غلام ہے۔

اس حدیث کے منسوخ ہونے پر تائید زیر بحث باب میں حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے اپنے غلام کو سو اوقیہ کے عوض مکاتب بنایا اور غلام نے مال کتابت سے نوے اوقیہ ادا کر دیئے صرف دس اوقیہ باقی رہ گئے پھر وہ غلام مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو وہ بدستور سابق غلام ہی ہوگا۔

"قوله فلتحتجب منه": حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی عورت کے مکاتب کے پاس اتنا مال ہو کہ جو مال کتابت کے طور پر ادا کر سکے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس غلام سے پردہ کرے۔ یہ حکم تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہے کیونکہ اس غلام کو باعتبار مایول الیہ کے مجازاً آزاد شمار کیا گیا ہے کہ اس نے عنقریب بدل کتابت ادا کرکے آزاد ہو جانا ہے۔ لہٰذا تم پہلے ہی سے اسے آزاد سمجھ کر پردہ کرنے کا اہتمام شروع کرلو۔

سوال: آپ نے کہا کہ "فلتحتجب" کا امر استحبابی ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکاتب سے پردہ واجب ہے تو پھر استحباب کا کیا مطلب ہے؟

جواب: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد ہے مبالغۃ فی الاحتجاب کا استحباب یعنی اگرچہ امام صاحب کے نزدیک فی نفسہ پہلے سے پردہ واجب ہے لیکن اب سخت اور گہرے پردہ کا حکم استحبابی ہے کہ اب ان سے اجانب کی طرح پردہ کرو جن سے ملابست کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَفْلَسَ لِلرَّجُلِ غَرِيمٌ فَيَجِدُ عِنْدَهُ مَتَاعَهُ

اگر کسی کا مقروض مفلس ہو جائے اور اس کی چیز بعینہ اس کے پاس ہو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ أَفْلَسَ وَوَجَدَ رَجُلٌ سِلْعَتَهُ عِنْدَهُ بِعَيْنِهَا فَهُوَ أَوْلَى بِهَا مِنْ غَيْرِهِ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مفلس

ہو گیا اور پائے کوئی چیز بعینہ اس کے پاس تو وہ مالک زیادہ مستحق ہے اس کا بہ نسبت اور لوگوں کے۔

تشریح مسئلے کی صورت یہ ہے کہ مثال کے طور پر کسی نے زید کو کوئی چیز قرض فروخت کر دی۔ پھر زید مفلس ہو گیا، پھر بائع کو اپنی چیز زید کے پاس مل گئی تو کیا زید سے وہ اپنی چیز لے سکتا ہے یا وہ اسوۃ للغرماء ہوگا تو احناف کا مسلک یہ ہے کہ اسوۃ للغرماء ہوگا۔ بائع کو وہ چیز نہیں ملے گی۔

مسئلہ اختلافی: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی کا مال بعینہ مفلس کے پاس موجود ہے کیا وہ دوسرے غرماء کے مقابلہ میں اپنے مال کو لینے کا حق دار ہے یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب بذریعہ بیع وہ مال مفلس کی ملکیت میں آ گیا تو اب بائع کیا ہے اس کا حق نہیں بلکہ دوسرے غرماء کے ساتھ مساوی ہوگا۔

قول ثانی: امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ایسے غریم کو دوسرے غرماء پر ترجیح حاصل ہوگی کہ جس کا مال بعینہ مفلس کے پاس موجود ہو۔

قول اوّل کی دلیل اوّل:

المحلی لابن حزم میں حدیث مذکور ہے "ایما امرأ افلس و وجد رجل سلعته عنده بعینها فھو اسوۃ للغرماء"

دلیل ثانی: ترمذی ابواب الزکوٰۃ میں ایک حدیث ہے "وفیہ خذوا ما وجدتم لیس لکم الا ذلک" کہ ایک آدمی پر پھل کی تجارت کی وجہ سے بہت قرضے ہو گئے اور وہ ادائیگی سے عاجز ہو گیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غرماء سے فرمایا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ لے جاؤ، اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جس آدمی کو اپنا فروخت کیا ہوا پھل بعینہ مل جائے وہ اس کو لے جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام غرماء مال کے اندر برابر کے شریک ہوں گے ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔

قول ثانی کی دلیل:

آئمہ ثلاثہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی مفلس ہو جائے اور پھر کوئی آدمی اپنا سامان بعینہ اس کے پاس پائے تو وہ آدمی اس سامان کا دوسرے غرماء کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہے۔

جواب: زیر بحث باب کی روایت عاریت یا ودیعت یا غصب پر محمول ہے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں مفلس کی ملکیت ان اشیاء پر ثابت ہوئی ہی نہیں بلکہ یہ اشیاء بدستور اپنے مالکوں کی ملکیت میں ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہی ان کے حق دار ہیں اور زیر بحث باب کی روایت میں اس کے دو قرینے بھی مذکور ہیں۔

(۱) سلعتہ میں جو ضمیر متصل ہے وہ رجل کی طرف راجع ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ آدمی اپنا سامان اس کے پاس پائے۔ اگر

یہاں بیع ہوتی تو وہ سامان اس کا نہ ہوتا بلکہ اس کی ملکیت سے خارج ہوتا۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ سامان ابھی اسی کی ملکیت میں ہے اور وہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ وہ مفلس تک عاریت یا ودیعت یا غصب یا سرقہ کی وجہ سے پہنچا ہو۔(۲) "بعینها" اس لفظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بیع نہیں ہوئی۔اس لیے کہ بیع کے اندر ملک بدل جاتی ہے اور تبدل ملک سے تبدل عین ہوجاتا ہے جیسے قصہ لحم بریرہ رضی اللہ عنہ اس کے لیے واضح دلیل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیز ابھی بدستور مالک کی ملکیت میں ہے نہ کہ مفلس کی ملکیت میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى الذِّمِّيِّ الْخَمْرَ يَبِيعُهَا لَهُ

مسلمانوں کے لیے ذمی کے ذریعے شراب بیچنے کی ممانعت ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ وَقُلْتُ إِنَّهُ لِيَتِيمٍ فَقَالَ أَهْرِيقُوهُ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس شراب تھی ایک یتیم کی پھر جب اُتری سورۂ مائدہ اور اس میں شراب کی حرمت مذکور ہے تو پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کہا میں نے وہ ایک یتیم کی ہے۔فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر بھی) بہادو اس کو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادا کر اس کی امانت کو جس نے تجھے امین ٹھہرایا اور نہ خیانت کر اس کی جس نے تجھ سے خیانت کی۔

تشریح "اهریقوه" یہ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے اصل میں "اریقوا" تھا "اراق یریق اراقة" سے خلاف قیاس ھا کا اضافہ کردیا گیا ہے۔

پہلا مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ شراب سے سرکہ بنانا جائز ہے یا نہ اور دو مذہب ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا جائز ہے۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا جائز نہیں۔

قول اوّل کی دلیل اوّل:

"نصب الرایہ لزیلعی" میں ایک حدیث مذکور ہے۔ "خير الخل خل الخمر" کہ سب سے اچھا سرکہ وہ ہے جو شراب سے بنایا جائے۔اس حدیث سے بطور اشارۃ النص کے ثابت ہوا کہ شراب سے سرکہ بنانا جائز ہے۔

دلیل ثانی: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ یہ ایک یتیم کا مال تھا اور یتیم کے مال میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔ اگر شراب کو سرکہ بنانا جائز ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اس کو بہادینے کا حکم نہ دیتے؟

جواب: یہ واقعہ حرمت شراب کے ابتدائی دور پر محمول ہے۔ مقصد یہ تھا کہ شراب کی قباحت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائے۔ اسی وجہ سے ابتداءً برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا تھا۔ جب لوگوں کے قلوب میں اس کی شناعت اور قباحت راسخ ہوگئی تو اب برتنوں کو بھی استعمال کرنے کی اجازت ہوگئی اور شراب کو سرکہ بنا کر استعمال کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔

زیر بحث باب بلا ترجمہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے اس کو واپس کردو اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو کیونکہ تمہیں اپنے نیک عمل کا ثواب ملے گا اور اس کو خیانت کا گناہ ملے گا۔

دوسرا مسئلہ: مسئلة الظفر

اس حدیث کے دوسرے جزء "لا تخن من خالک" سے فقہاء نے زیر بحث مسئلہ کا استخراج کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مدیون کسی کا دَین ادا نہ کرے اگر دائن کے پاس مدیون کا کوئی مال آجائے تو کیا وہ دائن اس سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے یا نہ اس میں اختلاف ہے اور تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مدیون کا مال دائن کے ہاتھ آجائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس سے اپنا حق وصول کرے۔

دوسرا قول: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر دائن کے پاس مدیون کا مال آجائے تو وہ اس سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے، چاہے اتحاد جنس ہو یا اختلاف جنس۔

تیسرا قول: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دائن کے پاس مدیون کا جو مال آیا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں، دَین کی جنس سے ہوگا یا نہ اگر دَین کی جنس ہو تو پھر دائن اپنا حق وصول کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ استدلال کرتے ہیں زیر بحث باب کی حدیث کے دوسرے جزء سے "لا تخن من خانک" کہ جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔ لہٰذا مدیون کا جو مال دائن کے پاس آیا ہے وہ امانت ہے، اس کو واپس کردے اور اپنے حق کا اس سے مطالبہ کرے؟

جواب: اس حدیث سے یہ استدلال درست نہیں۔ اس لیے کہ جو آدمی اپنا حق وصول کر رہا ہے وہ خیانت نہیں کر رہا۔ حدیث میں ممانعت خیانت کی ہے اور یہ صورت خیانت میں داخل ہی نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل:

ہندہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا شوہر بخیل ہے وہ نفقہ صحیح طرح ادا نہیں کرتا۔کیا میرے لیے جائز ہے کہ اس کے مال میں سے اپنے اور اولاد کے لیے بقدر نفقہ لے لیا کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خذی مایکفیک وولدک بالمعروف" اس سے معلوم ہوا کہ دائن اپنا حق مدیون کے مال میں مطلقاً وصول کر سکتا ہے۔بعض متاخرین فقہاء حنفیہ کا فتویٰ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل:

امام صاحب کا استدلال اتحاد جنس کی صورت میں ہندہ زوجہ ابوسفیان کی روایت سے ہے۔"وفیہ خذی مایکفیک وولدک بالمعروف" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کے مال سے نفقہ وصول کرنے کی اجازت دی۔یہاں نفقہ بھی نقد تھا اور مال بھی نقد تھا۔معلوم ہوا کہ اتحاد جنس کی صورت میں اپنا حق وصول کیا جا سکتا ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں اپنا حق وصول کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس صورت میں اس مال کو فروخت کیے بغیر اپنے حق کی وصولی ممکن نہیں تو اس سے لازم آئے گا غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا اور یہ جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ۔۔۔۔عاریۃً لی ہوئی چیز کو واپس کرنا ضروری ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْخُطْبَةِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ.

ترجمہ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے حجۃ الوداع کے خطبہ میں مانگے کی چیز آخر پھیر دینی ہے یعنی اس کے مالک کو اور ضمانت دینے والے کو جرمانہ ادا کرنا پڑے گا اور قرض واجب الادا رہے گا۔

عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَ قَالَ قَتَادَةُ ثُمَّ نَسِيَ الْحَسَنُ فَقَالَ فَهُوَ أَمِينُكَ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ يَعْنِي الْعَارِيَةَ.

ترجمہ حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ پر لازم ہے اس کا ادا کرنا جو لیا ہے اس نے یعنی قرض ہو یا عاریت کہا قتادہ نے پھر بھول گئے حسن اس روایت کو اور یوں کہنے لگے وہ امین ہے تیرا یعنی جس کو عاریت دی ہے اور نہیں ہے ڈانڈ اس پر یعنی جس کو عاریت دی ہو کوئی چیز اور تلف ہو جائے تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہے۔

تشریح اس حدیث الباب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احکام ارشاد فرمائے، ایک عاریت کے بارے میں، دوسرا

کفالت کے بارے میں اور تیسرا دَین کے بارے میں۔ان میں سے دو یعنی دَین اور کفالت کے بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ہاں عاریت کے بارے میں اختلاف ہے کہ عاریت مستعیر پر مضمون ہوتی ہے یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عاریت مضمون ہوتی ہے چاہے تعدی سے ہلاک ہو یا بلا تعدی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عاریت پر مستعیر کا قبضہ قبضہ امانت ہے۔اگر عاریت مستعیر کی تعدی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا۔اگر آفت سماوی وغیرہ کی وجہ سے ہلاک ہو تو اس صورت میں ضمان لازم نہیں ہوگا۔

قول اوّل کی دلیل:

ان کا استدلال بھی زیر بحث باب کی روایت سے ہے "وفیه العاریة مؤداة" اس حدیث میں مطلقاً ذکر ہے کہ عاریت واجب الاداء ہے۔ہر حال میں معیر کو واپس کرنی پڑے گی، چاہے تعدی سے ہلاک ہو یا بغیر تعدی کے۔

قول ثانی کی دلیل:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے۔"وفیه العاریة مؤداة" اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کا لفظ استعمال کیا ہے اور دَین کے اندر قضا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ادا اور قضاء میں فرق ہے۔ادا کہتے ہیں تسلیم عین واجب کو اور قضاء کہتے ہیں تسلیم مثل واجب کو۔اس سے معلوم ہوا کہ عاریت کے اندر تسلیم عین واجب ضروری ہے۔اگر عاریت مضمون ہوتی تو اس کے لیے بھی دَین کی طرح قضاء کا لفظ ذکر کیا جاتا۔

باب کی دوسری حدیث پر ایک اشکال اور اس کا جواب:

حضرت قتادہ کا حضرت حسن بصری پر اعتراض:

حضرت حسن بصری کا مسلک وہی ہے جو حنفیہ کا ہے۔حضرت قتادہ جو حضرت حسن بصری سے روایت نقل کر رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری جو میرے اُستاد ہیں وہ خود یہ فرماتے ہیں "علی الید ما اخذت حتی تؤدی" اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت قتادہ کے خیال میں یہ تھا کہ مستعیر کے ذمہ ضمان واجب ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت حسن بصری اس حدیث کو بھول گئے جس کی وجہ سے آپ نے یہ مسلک اختیار کیا اور کہا کہ "هو امینک لا ضمان علیه" گویا کہ حضرت قتادہ نے حضرت حسن بصری پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے لیکن اس کے باوجود وہ عاریت کے مضمون ہونے کے قائل نہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ یہ حدیث بھول گئے، اگر ان کو یہ حدیث یاد ہوتی تو عاریت کو مضمون نہ قرار دیتے۔

"قوله الا ان یخالف" یہ ماقبل "لا ضمان الخ" سے استثناء ہے۔مطلب یہ ہوگا کہ مستعیر، معیر کی ہدایت کے خلاف عاریت کو استعمال کرے۔اس صورت میں اگر نقصان ہو گیا تو مستعیر پر ضمانت لازم ہوگی کیونکہ اس صورت میں معیر کی ہدایت کی مخالفت کی وجہ سے تعدی پائی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاحْتِكَارِ ۔۔۔۔ غلے کی ذخیرہ اندوزی

عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ نَضْلَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ فَقُلْتُ لِسَعِيدٍ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّكَ تَحْتَكِرُ قَالَ وَمَعْمَرٌ قَدْ كَانَ يَحْتَكِرُ وَإِنَّمَا رُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّهُ كَانَ يَحْتَكِرُ الزَّيْتَ وَالْخَبَطَ وَنَحْوَ هٰذَا.

ترجمہ حضرت معمر بن عبداللہ سے روایت ہے جو بیٹے ہیں نضلہ کے کہا انہوں نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے غلہ بند کر کے زیادہ گرانی کا انتظار وہی کرتا ہے جو گنہگار ہے تو کہا محمد بن ابراہیم نے جب سنی میں نے یہ حدیث سعید سے تو کہا میں نے ان سے اے ابو محمد! تم تو احتکار کرتے ہو کہا سعید نے معمر بھی احتکار کرتے تھے اور مروی ہے سعید بن مسیب سے کہ معمر احتکار کرتے تیل اور چارہ کا یعنی غلے کا احتکار نہیں کرتے تھے کہ ممنوع ہے۔

تشریح احتکار ذخیرہ اندوزی کو کہتے ہیں۔اس مسئلہ میں تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ غذائی اجناس میں ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ غذائی اجناس کے علاوہ ذخیرہ اندوزی جائز ہے یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غذائی اجناس کے علاوہ دیگر اشیاء میں احتکار جائز ہے۔

قول ثانی: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب اشیاء میں ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے اس لیے کہ ممانعت کی علت جس طرح غذائی اجناس میں پائی جاتی ہے وہی علت دیگر اشیاء میں بھی پائی جاتی ہے۔

احتکار کی نہی کی علت ضرر ہے کہ جب احتکار کی وجہ سے عوام کو ضرر پہنچے تو اس صورت میں احتکار نا جائز ہے اور گناہ ہے۔اگر عوام کو ضرر نہ ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے اور گناہ نہیں۔

"فقلت لسعید الخ" محمد بن ابراہیم جو اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث سنی تو میں نے کہا اے ابو محمد! آپ تو احتکار کرتے ہیں۔انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میرے اُستاد حضرت معمر بن عبداللہ بھی احتکار کیا کرتے تھے۔مطلب ان کا یہ تھا کہ ہم لوگ ایسی اشیاء کا ایسے اوقات میں احتکار کرتے ہیں جبکہ عوام کو ضرر نہ ہو۔ یہ لوگ زیتون اور درخت سے گرنے والے پتے جو چوپائے کی غذا کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں ان کا احتکار کیا کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُحَفَّلَاتِ ۔۔۔۔ دودھ روکے ہوئے جانور کو فروخت کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَسْتَقْبِلُوا السُّوقَ وَلَا تُحَفِّلُوا وَلَا يُنَفِّقْ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبقت نہ کرو بازاروں پر یعنی قافلہ وغیرہ جو غلہ بیچنے کو لاتا ہو۔ اس سے بازار میں آنے سے پیشتر کچھ نہ خریدو اور جانور دودھ والے کا دودھ نہ روکو کہ اس کے سبب سے خریدار دھوکہ کھائے اور جھوٹے خریدار بن کر کسی چیز کو زیادہ داموں کو نہ بکوادو کہ جس کو لاڑھیاپن کہتے ہیں۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں تین اشیاء سے منع کیا گیا ہے۔ (۱) تلقی جلب سے۔ اس کی وضاحت بقدر ضرورت گزر چکی ہے۔ (۲) تحفیل سے۔ بکری وغیرہ کے دودھ کو روکنا تصریہ کہتے ہیں اور اونٹنی کے دودھ کو روکنا تحفیل کہتے ہیں۔ اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے۔ (۳) نجش سے۔ یعنی بائع اور مشتری کے درمیان دلالی کرنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان بیع کی گفتگو ہو رہی تھی۔ تیسرا آدمی آ کر اس چیز کو زیادہ قیمت پر خریدنے کی پیشکش کر دے تا کہ مشتری کو دھوکہ ہو جائے جبکہ اس کا مقصد خریدنا نہ ہو۔ حدیث باب کے آخری جملہ میں اسی کی ممانعت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ الْفَاجِرَةِ يُقْتَطَعُ بِهَا مَالُ الْمُسْلِمِ

جھوٹی قسم کھا کر کسی کا غصب کرنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، فَقَالَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فِيَّ وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ ذٰلِكَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَكَ بَيِّنَةٌ، قُلْتُ لَا فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ احْلِفْ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذًا يَحْلِفَ فَيَذْهَبَ بِمَالِي فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى {إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا} [آل عمران: 77] الْآيَةِ إِلَى آخِرِهَا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور وہ اس میں جھوٹا ہے اس لیے کہ مارے اس قسم سے مال کسی مسلمان شخص کا جب وہ ملے گا اللہ سے تو اللہ اس پر غصے ہوگا سو کہا اشعث نے یہ حدیث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مقدمہ میں فرمائی تھی قسم ہے اللہ کی! میرے اور ایک یہودی کی شرکت میں ایک زمین تھی سو وہ مکر گیا میری زمین کے حصہ سے سو لے گیا میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور فرمایا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے قسم کھا سو عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! اب تو قسم کھا لے گا

اورداب (غصب) کرلے گا میرا مال۔ سو اُتاری اللہ تعالیٰ نے "إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ" آیت سے آخر تک۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی جھوٹی قسم کے ساتھ کسی مسلمان کا مال لے گا قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوں گے۔ اس حدیث کے بیان کے وقت حضرت اشعث رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے یہ حدیث سن کر فرمایا، اللہ کی قسم! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بارے میں فرمایا تھا۔ وہ اس طرح کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دعویٰ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بینہ کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا میرے پاس بینہ تو نہیں، پھر آپ نے یہودی سے حلف کا مطالبہ کیا۔ میں نے عرض کیا یہ تو یہودی ہے جھوٹی قسم اُٹھا کر میرا مال لے جائے گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "ان الذين يشترون الخ"

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ

اگر خریدنے اور فروخت کرنے والے میں اختلاف ہو جائے

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ.

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اختلاف ہو بائع اور مشتری کے بیچ میں تو قول معتبر وہی ہے جو بائع کہے اور خریدار کو اختیار ہے یعنی چاہے لے اور چاہے پھیر دے۔

تشریح بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض صورتوں میں مشتری کا قول معتبر ہوتا ہے اور بعض میں تحالف کے بعد بیع کو فسخ کر دیا جاتا ہے۔ زیر بحث باب کی روایت میں صرف ایک صورت کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بیع کے بعد بائع اور مشتری کا مبیع یا ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں بائع کا قول معتبر ہوگا۔

سوال: بائع کے قول کے معتبر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: بائع کے قول معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر مشتری کے پاس مبیع کی مقدار پر بینہ ہے تو اس کو پیش کرے اور اگر نہیں ہے تو پھر بائع سے قسم لی جائے گی اور اس کے قول کے مطابق مبیع کی مقدار مراد ہوگی۔ البتہ مشتری کو بیع کے باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ ۔۔۔۔ ضرورت سے زیادہ پانی کو فروخت کرنا

عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُزَنِيِّ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمَاءِ.

ترجمہ حضرت ایاس بن عبد المزنی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا پانی کے بیچنے سے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روکا جائے وہ پانی جو حاجت سے زیادہ ہو اس لیے کہ روکی جائے اس کے سبب سے گھاس۔

تشریح "قوله نهى من بيع الماء" فضل الماء کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) جو پانی مباح ہو، ہر آدمی کو اس سے استفادہ کرنے کا حق حاصل ہو۔ اس کی بیع جائز نہیں۔ مثلاً دریاؤں، نہروں، سمندروں اور چشموں کا پانی

(۲) اگر مباح پانی کو محفوظ کر لیا جائے، برتنوں میں، حوض ٹینکی وغیرہ میں تو ایسی صورت میں پانی کو فروخت کرنا جائز ہے۔

(۳) ذاتی کنواں کا پانی۔ اس کی بیع میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن قول فیصلہ یہ ہے کہ اگر کوئی وقتی ضرورت کے لیے مانگے مثلاً پینے کے لیے یا جانور کے لیے تو ایسی صورت میں بیع ناجائز ہے۔ ہاں البتہ اگر ذخیرہ کرنے کے لیے مانگے یا زمین کو سیراب کرنے کے لیے تو اس صورت میں بیع جائز ہے۔

"قوله لا يمنع فضل الماء ليمنع به الكلاء" اس حدیث کی مختلف توجیہات کی گئیں سب سے صاف توجیہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ بیچنا چاہیے کیونکہ اس سے گھاس بیچنا لازم آتا ہے جو منع ہے کیونکہ بغیر پانی جانور چراگاہ میں نہیں چریں گے اور علامہ خطابی ونووی فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی ارض موات میں کنواں کھود کر مالک بن گیا اور اس کے آس پاس ارض موات میں گھاس ہے اور اس کنویں کے پانی کے علاوہ دوسرا کوئی پانی نہیں ہے اب اگر صاحب بئر پانی نہ دیوے اور جانور والے وہاں جانور نہیں چرائیں گے تو صاحب البئر سے کہا جا رہا ہے کہ وہ زائد پانی کو نہ روکے کیونکہ اس سے گھاس کا روکنا لازم آئے گا حالانکہ وہ سب کے لیے مباح ہے۔ امام مالک وشافعی واحمد رحمہا اللہ سے یہی معنی منقول ہیں اور وہ حضرات اس نہی کو نہی تحریمی قرار دیتے ہیں اور دوسرے بعض حضرات اس کو من باب المروة والاحسان قرار دیتے ہیں کیونکہ آدمی اگر اپنا مال نہ دے تو کوئی جبر اور قہر نہیں لے سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ عَسْبِ الْفَحْلِ ۔۔۔۔ نرکو مادہ پر چھوڑنے کی اُجرت لینا منع ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ منع کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نرکو مادہ پر چھوڑنے کی اُجرت لینے میں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ كِلَابٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُكْرَمُ فَرَخَّصَ لَهُ فِي الْكَرَامَةِ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی کلاب قبیلہ کے ایک مرد نے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ

وسلم سے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی مزدوری لینے سے۔ سو منع کیا ان کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ سو عرض کیا انہوں نے یا رسول اللہ! ہم نر کو چھوڑتے ہیں مادہ پر تو انعام دیتے ہیں لوگ ہم کو سو اجازت دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انعام لینے کی۔

تشریح عسب فحل سے جانور کی جفتی مراد ہے اور یہاں جو ممانعت ہے یہ جفتی کی نہیں بلکہ جفتی کرا کر اُجرت لینے کی ممانعت مراد ہے تو گویا یہاں مضاف محذوف ہے۔ "ای کراء او اجرۃ عسب الفحل" بعض مالکیہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ عقلی دلیل پیش کرتے ہیں، کہا اگر یہ ممنوع ہو جائے تو نسل جانور منقطع ہو جائے گا لیکن جمہور فقہاء احناف وشوافع کے نزدیک ناجائز ہے اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہی ہے کیونکہ احادیث صریحہ میں ممانعت آئی ہے۔ نیز عام کلیات کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں عمل متعین نہیں جو صحت اجارہ کے لیے شرط ہے اور حدیث کے مقابلہ میں مالکیہ کا قیاس صحیح نہیں۔ نیز ابقاء نسل کے لیے اجارہ کی ضرورت نہیں بلکہ عاریت ہی کافی ہے۔ نیز راستہ گھاٹ میں بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ عام طور سے دیہات میں رواج ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَمَنِ الْكَلْبِ۔۔۔۔۔ کتے کی قیمت سے متعلق

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

ترجمہ حضرت ابی مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور زنا کی اُجرت سے اور کاہن کی مٹھائی سے۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ.

ترجمہ حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزدوری پچھنے لگانے والے کی ناپاک ہے اور مہر زنا کا یعنی خرچی (زنا کی اُجرت) ناپاک ہے یعنی حرام ہے اور کتے کی قیمت ناپاک ہے۔

تشریح بیع کلب میں اختلاف ہے۔ ہدایہ میں ہے "یجوز بیع الکلب وان لم یکن معلما قال السرخسی لا یجوز الا بیع المعلم والراجح قول السرخسی" کیوں کہ عام احادیث میں قول سرخسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام سرخسی کے قول کی دلیل اوّلاً مسند احمد میں بعض روایات ہیں جن سے جواز بیع کلب معلم معلوم ہوتا ہے۔ نیز نسائی ج:۲، ص:195 پر ہے "ان عثمان رضی اللہ عنہ اوجب علی رجل قتل کلب رجل قیمتہ وافرا" معلوم ہوا کہ اخذ قیمت کلب جائز ہے ورنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقرر نہ فرماتے اور یہ کلب مطلق ہے اور غیر معلم کو بھی شامل ہے۔ دیگر آئمہ کے نزدیک بیع کلب اور اخذ ثمن کلب حرام ہے۔ "وبہ قال احمد و شافعی و اسحاق" ان کی دلیل حدیث باب ہے "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب" احناف اس حدیث کے متعدد جوابات دیتے ہیں۔

جواب اوّل: اس سے کلب غیر معلم مراد ہے یعنی وہ کلب مراد ہے جس کا اقتناع جائز نہ ہو بدلیل "ما روینا من قبل و بدلیل ماروی الترمذی بعد البابین نهی عن ثمن الکلب الا کلب الصید" معلوم ہوا کہ صید کلب کا ثمن جائز ہے۔

جواب ثانی: وہ ہے جو انہوں نے بیع حرہ میں دیا ہے۔ بیع حرہ بہت سے آئمہ کے نزدیک جائز ہے لیکن ترمذی میں ایک باب کے بعد ہے "نهی النبی عن ثمن الکلب والسنور" تو مجوزین اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بیع حرہ اگرچہ جائز ہے لیکن حدیث کا مطلب ہے کہ بیع نہ کرو بلکہ مفت ہو۔ "کما قاله خطابی"

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَسْبِ الحَجَّامِ ۔۔۔۔ پچھنے لگانے کی مزدوری

عَنْ ابْنِ مُحَيِّصَةَ أَخِي بَنِي حَارِثَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِجَارَةِ الحَجَّامِ فَنَهَاهُ عَنْهَا فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُهُ وَيَسْتَأْذِنُهُ حَتَّى قَالَ اعْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَأَطْعِمْهُ رَقِيقَكَ.

ترجمہ حضرت ابی محیصہ سے روایت ہے جو بھائی ہیں بنی حارثہ کے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ انہوں نے اجازت چاہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگانے کی مزدوری کے لیے سو منع کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہ بار بار پوچھتے رہے اور اجازت چاہتے رہے یہاں تک کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مزدوری اپنے اونٹ کے چارے میں خرچ کر یا کھلا اپنے غلام کو۔

تشریح دوسرا مسئلہ: کسب حجام کے بارے میں ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے لیکن جمہور آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث مذکور ہے کہ کسب حجام کو خبیث کہا گیا۔

جمہور کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ "انه علیه السلام احتجم و اعطی الحجام اجرة"

تو اگر حرام ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُجرت نہ دیتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں خبیث سے مراد دنائت کے ہیں کہ ایک مسلمان کی شان یہ نہیں کہ خون چوس کر ایک رذیل پیشہ کر کے رزق حاصل کرے یا تو نہی کی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے منسوخ ہوگئی ہے۔

ممانعت سے غرض صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرف اشارہ کیا کہ یہ کوئی اچھا پیشہ نہیں ہے کیونکہ اس سے انسان اکثر نجاست میں ملوث رہتا ہے۔ اس لیے کہ حجام اپنے منہ سے انسان کے جسم سے خون چوستا ہے جس کی وجہ سے منہ میں خون آجاتا ہے۔ اس اعتبار سے اس میں خباثت ہے جہاں تک جواز کا تعلق ہے اس کا ثبوت زیر بحث باب کے بعد باب میں ہے۔

"فوضعوا عنه من خراجه" خراج کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنے غلام پر ایک مقدار مال کی مقرر کر دیتا تھا کہ روزانہ

اتنی رقم کما کر لاؤ اور مجھے دو جس دن غلام پوری رقم نہ لاتا اس دن اس کی پٹائی ہوتی تھی یا کسی اور مشقت میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اس مقررہ مقدار کو خراج کہا جاتا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي كَسْبِ الحَجَّامِ

پچھنے لگانے والے کی مزدوری جائز ہونے کے متعلق

عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ كَسْبِ الحَجَّامِ فَقَالَ أَنَسٌ احْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الحِجَامَةُ أَوْ إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الحِجَامَةَ.

ترجمہ حضرت حمید سے روایت ہے کہا انہوں نے پوچھا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ پچھنے لگانے والے کی مزدوری کا تو فرمایا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچھنے لگائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پچھنے لگائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوطیبہ نے پھر حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو صاع غلہ دینے کا اور کہا ان کے مالکوں سے سو کم کر دیا انہوں نے ان کے خراج میں سے اور فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بہتر دوا جو تم کرتے ہو پچھنے لگانا ہے یا فرمایا: "أَوْ إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةَ" مطلب دونوں کا ایک ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ ۔۔۔۔۔ کتے اور بلی کی قیمت حرام ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الهِرِّ وَثَمَنِهِ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے کھانے سے اور اس کی قیمت سے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ إِلَّا كَلْبَ الصَّيْدِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے مگر شکاری کتے کی قیمت کو یعنی اس کو منع نہیں کیا۔

تشریح سنور بلی کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ بلی کی بیع جائز نہیں اور اس کے ثمن بھی حلال نہیں، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایسی بلی جس کا کچھ نفع ہو اس کی بیع جائز ہے اور اس کے ثمن

حلال ہیں، اس حدیث کے جمہور نے دو تاویلیں کی ہیں۔

(ا) نہی تنزیہ پر محمول ہے تا کہ اس قسم کی معمولی چیزوں کے ہبہ اور اعادہ کی لوگوں کو عادت ہو۔ (۲) یہ نہی سنور وحشی پر محمول ہے۔ سنور وحشی کے تسلیم پر بائع قادر نہیں ہوتا اور اس کا کوئی نفع بھی نہیں ہوتا کیونکہ وحشی بلی کو اگر باندھیں گے تو بلی رکھنے کا مقصد فوت ہو جائے گا اور اگر کھولیں گے تو ہاتھ سے نکل جائے گی۔ (مرقاۃ، ج:۶، ص:۴۰ و ۴۱)

یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کی بیع کلب کے جواز میں تائید کرتی ہے کیونکہ جس طرح بیع کلب سے احادیث میں نہی ہے اسی طرح بیع سنور سے بھی نہی ہے اور بیع سنور کی نہی میں شوافع بھی تاویل کرتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے یا یہ نہی سنور غیر نافع کے لیے ہے۔ یہی تاویلات حنفی بیع کلب کی نہی میں کرتے ہیں۔

توان احادیث میں شکاری کتا کے ثمن کھانے کی اجازت دی گئی کیونکہ وہ منتفع بہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جو کتا منتفع بہ ہو اس کا بیچنا جائز ہے کیونکہ وہ مال متقوم ہے اور وہی محل بیع ہے۔ شوافع وغیرہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ان کا جواب یہ ہے نہی کی احادیث محمول ہیں غیر منتفع بہ کلب پر یا تو محمول ہیں اس زمانہ پر جبکہ کتوں کو عام طور سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر قتل کا حکم منسوخ ہو گیا اور اس کے ساتھ بیع کلاب کی نہی بھی منسوخ ہو گئی اور بعض نے یہ جواب دیا کہ یہاں خبیث کے معنی حرام کے نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں حلال طیب نہیں ہے یعنی مکروہ ہے۔ جیسا کہ کسب حجام کو خبیث کہا گیا ہے حالانکہ بالاتفاق وہ حرام نہیں ہے۔ اسی طرح بلی کے بیچنے کی نفی کی گئی حالانکہ اس کا ثمن کسی کے نزدیک حرام نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بلی جیسے جانور کو بیچ کر پیسہ کھانا مروت کے خلاف ہے، اس کو مفت میں دینا مناسب ہے۔ بس یہی کتا کے بارے میں بھی کہا جائے گا، یہ مروت کے خلاف ہے کہ اس کو بیچ کر ثمن کھایا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمُغَنِّيَاتِ ...... گانے والی لونڈیوں کا بیچنا حرام ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوهُنَّ وَلَا خَيْرَ فِي تِجَارَةٍ فِيهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ فِي مِثْلِ هٰذَا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ {وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ} [لقمان: 6] إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

ترجمہ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بیچو تم گانے والی عورتوں کو یعنی لونڈیوں کو اور نہ خریدو اُن کو اور نہ گانا سکھاؤ اور کچھ بھلائی نہیں ان کی تجارت میں اور ان کی قیمت حرام ہے، اس باب میں اُتری یہ آیت: "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ" سے آخر تک۔

تشریح حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانے والی عورتوں کو نہ بیچو۔ پہلے زمانے میں باندیاں ہوتی تھیں، ان میں سے بعض باندیاں گانا بجانا بھی جانتی تھیں، اور گانے کے شوقین لوگ ان کی زیادہ قیمت لگاتے تھے۔

"قولہ قینات" کے معنی ہیں گانے والی عورت، اس لیے آپ نے منع فرمایا کہ نہ ان کو بیچو، نہ خریدو، نہ ان کو گانا بجانا سکھاؤ، اور ان کی تجارت میں بھی کوئی بھلائی نہیں اور ان کا ثمن حرام ہے اور انہی گانے بجانے والی باندیوں کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں ان کی بیع کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ الْأَخَوَيْنِ أَوْ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فِي الْبَيْعِ

ماں اور اس کے بچوں یا بھائیوں کو جدا جدا بیچنا منع ہے

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے جس نے جدا کر دیا ماں کو اس کے لڑکا لڑکی سے جدا کر دے گا اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے دوستوں سے قیامت کے دن۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَهَبَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رُدَّهُ رُدَّهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بخشے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلام کہ دو بھائی تھے سو بیچ ڈالا میں نے ایک کو ان میں سے سو فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے علی! کیا ہوا تمہارا غلام سو خبر دی میں نے ان کو سو فرمایا پھیر لو اس کو پھیر لو اس کو۔

عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یقول: من فرق بین والدۃ وولدھا، فرق اللہ بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ۔

تشریح: حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا، آپ نے فرمایا کہ جو شخص بچے اور اس کی ماں کے درمیان تفریق کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور اس کے احبہ کے درمیان تفریق کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ماں اور بیٹے کا مالک بن گیا، وہ دونوں غلام تھے، اب آقا نے ماں کو ایک کے ہاتھ فروخت کر دیا اور بچے کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تو ایسا کرنا جائز نہیں۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال: وھب لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم غلامین اخوین فبعث احدھما: فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: یاعلی: ما فعل غلامک؟ فاخبرتہ، فقال: ردہ ردہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دو غلام ہبہ فرمائے جو آپس میں

بھائی تھے، میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کردیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ اے علی! دوسرا غلام کا کیا ہوا؟ میں نے بتادیا کہ فروخت کردیا، آپ نے فرمایا کہ اس کو لوٹاؤ کیوں کہ اس طرح بھائیوں کے درمیان تفریق کرنا ٹھیک نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَشْتَرِي العَبْدَ وَيَسْتَغِلُّهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا

جو شخص غلام خریدے اور اس سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کے بعد اس میں عیب پائے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الخَرَاجَ بِالضَّمَانِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا کہ منفعت شے کا اس کے لیے ہے جو شخص اس شے کا ضامن ہے یعنی غلام کا خریدنے والا اس کا ضامن ہوا تو منفعت بھی اس کی اسے حلال ہوئی۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ آمدنی ضمان کے مقابلے میں ہے جب ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک غلام خریدا اور اس کو نوکری پر لگادیا جس کی وجہ سے آقا کو آمدنی ہوتی رہی۔ بعد میں اس غلام کے اندر عیب نکل آیا جس کی وجہ سے غلام بائع کو واپس کرنا پڑا۔ جب غلام واپس کیا تو اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ غلام نے مشتری کے پاس رہتے ہوئے جو مزدوری کی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الخراج بالضمان'' خراج سے مراد آمدنی ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ جس وقت یہ غلام مشتری کے قبضے میں تھا، اس وقت اس غلام کا ضمان مشتری پر تھا۔ اگر وہ اس دوران ہلاک ہوجاتا تو نقصان مشتری کا تھا۔ جب مشتری کے ضمان میں تھا تو اس دوران کی آمدنی بھی مشتری کے لیے ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''الخراج الخ'' شریعت کا ایک اہم اُصول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَارِّ بِهَا

راہ گزرنے والے کے لیے راستے کے پھل کھانا درست ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جائے کسی باغ کے اندر تو کھائے یعنی اس کے پھلوں کو کھانا اسے جائز ہے مگر جمع نہ کرے اپنے کپڑے کے کونے میں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ المُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ شعیب کے دادا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا لٹکے ہوئے پھلوں کے کھانے کا یعنی جو درخت میں ہوں یا خشک کرنے کے لیے لٹکائے ہوں تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لے اس میں سے صاحب حاجت یعنی بھوکا جمع نہ کرتا ہوا اپنے کپڑے میں یعنی موافق ضرورت کے کھالے تو اس پر الزام نہیں۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ أَرْمِي نَخْلَ الأَنْصَارِ فَأَخَذُونِي فَذَهَبُوا بِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَافِعُ لِمَ تَرْمِي نَخْلَهُمْ، قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ الجُوعُ قَالَ لَا تَرْمِ وَكُلْ مَا وَقَعَ أَشْبَعَكَ اللهُ وَأَرْوَاكَ.

ترجمہ حضرت رافع بن عمرو سے روایت ہے کہا میں ڈھیلے مارتا تھا انصار کے کھجوروں کے درختوں پر سو پکڑ لے گئے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے رافع کیوں ڈھیلے مارتا ہے تو ان کھجوروں کے درختوں پر؟ کہا رافع نے عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! بھوک کے سبب سے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھیلے نہ مارو اور جو گرے یعنی آپ سے اسے کھالو، سیر کرے تجھ کو اللہ اور آسودہ کرے۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے یہ درحقیقت عرف کے تابع ہے۔ اگر اس علاقہ کے عرف کے مطابق اجازت ہے تو کھالے ورنہ نہ کھائے اور اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) بعض علاقوں کا عرف یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی باغ کے اندر آیا اور اس باغ کا مالک پھل کھانے سے منع نہیں کرتا ایسے علاقوں میں پھل کھانا جائز ہے۔

(۲) بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جو پھل زمین پر گر جاتا ہے اس کے کھانے کی تو اجازت ہوتی ہے لیکن درخت سے توڑنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسے علاقوں میں اسی کے مطابق حکم ہوگا۔ بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ جو پھل نیچے گر گیا، اس کو کھالو لیکن درخت سے توڑ کر نہ کھاؤ، جیسے بحث زیر بحث باب کی دوسری روایت میں یہی مذکور ہے۔

(۳) بعض علاقوں میں کسی بھی قسم کے پھل کھانے کی اجازت نہیں ہوتی، ایسی صورت میں کوئی بھی پھل کھانا جائز نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الثُّنْيَا۔۔۔۔۔۔ بیع میں استثناء کرنے کی ممانعت

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ المُحَاقَلَةِ وَالمُزَابَنَةِ وَالمُخَابَرَةِ وَالثُّنْيَا إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا محاقلہ اور مزابنہ اور مخابرہ اور ثنیا سے مگر جب کہ اندازہ اور مقدار اس کی معلوم ہو۔

تشریح (۱) "بیع محاقلہ" محاقلہ کا مطلب ہے کھڑی ہوئی کھیتی کو اسی جنس کے نکلے ہوئے غلہ کے بدلہ میں بیچنا۔ یہ بیع ممنوع

ہے کیونکہ اس میں تفاضل کا احتمال ہے۔ ہوسکتا ہے کھیتی کے اندر غلہ کم ہو اور نکلا ہوا زیادہ یا اس کے برعکس اس صورت میں ربا لازم آئے گا۔

(۲) "بیع مزابنہ" درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو اسی جنس کے اُترے ہوئے پھلوں کے بدلہ میں بیچنا یہ بھی ممنوع ہے کیونکہ اس میں بھی سود کا احتمال ہے کبھی مزابنہ کا اطلاق مزابنہ اور محاقلہ دونوں پر بھی آجاتا ہے۔

(۳) "مخابرہ" مزارعت کو کہتے ہیں جس کا بیان آرہا ہے۔ البتہ یہاں ایک خاص صورت منہی عنہ ہے۔ وہ یہ کہ زمین کا مالک زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار کو اپنے لیے خاص کرلے کہ اس حصے کی پیداوار میری ہوگی، باقی تمہاری ہوگی۔ اس کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے اس خاص حصے میں پیداوار ہو اور دوسری جگہ نہ ہو۔

(۴) "ثنیا" استثناء کو کہتے ہیں۔ مثلاً کوئی آدمی یہ کہے کہ میں اپنے باغ میں تمام پھل تمہیں فروخت کرتا ہوں سوائے دو درختوں کے پھل کے اور وہ درخت مجہول ہیں۔ اس سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ درختوں کو متعین کردے تو یہ جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ

غلے کو اپنی ملکیت میں لینے سے پہلے بیچنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ مِثْلَهُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خریدے غلہ تو نہ بیچے اس کو دوسرے کے ہاتھ جب تک قبضہ نہ کرلے اس پر کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور میں سب چیزوں کو ایسا ہی جانتا ہوں یعنی ہر چیز قبل قبضے کے نہ بیچی جائے۔

تشریح اس حدیث کی شرح ماقبل میں گزر گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ۔۔۔۔ کسی کی بیع پر بیع کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبُ بَعْضُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ بَعْضٍ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بیع کرے کوئی تم میں کا دوسرے کی بیع پر یعنی جب بیع منعقد ہوچکے تو اب دوسرا شخص اپنی چیز اس سے کم قیمت پر بیچ کر پہلے بائع کی چیز نہ پھروادے اور پیغام نکاح نہ دے کوئی تم میں کا اس عورت کو جسے کوئی پیغام دے گیا ہے اور وہ راضی ہوگئی ہے۔

تشریح اس باب کی شرح کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْخَمْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ ذٰلِكَ

بیع خمر (شراب بیچنے) کی ممانعت

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، إِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِأَيْتَامٍ فِي حِجْرِي قَالَ أَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاكْسِرِ الدِّنَانَ.

ترجمہ: حضرت ابی طلحہ سے روایت ہے کہا انہوں نے اے نبی اللہ! میں نے خریدی تھی شراب ان یتیموں کے لیے جو میری گود میں ہیں یعنی قبل حرمت کے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہا دے شراب کو اور توڑ دے مٹھور کو اہل دکن اسے گولی کہتے ہیں اور فارسی میں خُم۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُتَّخَذُ الْخَمْرُ خَلًّا قَالَ لَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا بنایا جائے شراب کا سرکہ؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِي لَهَا وَالْمُشْتَرَاةَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب میں دس شخصوں پر اس کے نکالنے والے پر اور جو نکلوائے اور پینے والے پر اور لے جانے والے پر اور جس کے پاس لے جائیں اس پر اور پلانے والے پر اور بیچنے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور جس کے لیے وہ خریدی جائے اس پر۔

تشریح: اس باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ خمر کی بیع ناجائز ہے کیوں کہ اگر اس کی بیع جائز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یتیم بچوں کی شراب کی بیع کو ضرور جائز قرار دیتے۔ خمر کی بیع کے عدم جواز پر تمام فقہاء اُمت کا اجماع ہے۔ خمر سے مراد "النهى من ماء العنب" ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خمر کے حکم میں تین شرابیں اور بھی شامل ہیں۔

(۱) طلاء (۲) نقیع الزبیب (۳) نقیع التمر۔ ان کے علاوہ جتنی شرابیں ہیں اگر ان کی بیع سے غرض صحیح ہو تو بیع جائز ہے۔ یہی مسئلہ ہے الکحل کا، دوسرے آئمہ کے نزدیک تمام شرابوں کی بیع ناجائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي احْتِلَابِ الْمَوَاشِي بِغَيْرِ إِذْنِ الْأَرْبَابِ

جانوروں کا ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر دودھ نکالنا

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ أَذِنَ لَهُ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا أَحَدٌ فَلْيُصَوِّتْ ثَلَاثًا فَإِنْ أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ لَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلْ.

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کہ آئے کوئی تم میں کا جانوروں یعنی بکری گایوں میں پس اگر ہو اس میں مالک اس کا تو اجازت چاہے اس سے پھر اگر اجازت دے تو دودھ دوہے اور پئے اور اگر کوئی نہ ہو اس میں تو تین آوازیں دے۔ پس اگر کوئی جواب دے اس کو تو اس سے اجازت چاہے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو شوق سے دوہے اور پئے مگر ساتھ اُٹھا نہ لے جائے یعنی پیاس اور بھوک سے زیادہ استعمال جائز نہیں۔

تشریح حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جانوروں کے باڑے کے پاس سے گزرے اور ان جانوروں کا دودھ دوہنا چاہے تو اگر مالک وہاں موجود ہو تو اس سے اجازت لے لے، اگر مالک نہ ملے تو تین مرتبہ آواز دے، اگر کسی طرف سے جواب آئے تو اس سے اجازت لے لے اور اگر کوئی جواب نہ آئے تو ان جانوروں کا دودھ پی سکتا ہے جبکہ ساتھ لانے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح کا مضمون اس سے اگلی حدیث میں آ رہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی باغ میں جائے تو وہاں پھل کھا سکتا ہے لیکن ساتھ نہیں لا سکتا۔ دو حدیثوں کے بعد رافع بن عمرو غفاری کی حدیث آ رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پھل خود گرے ہوئے ہوں ان کو اُٹھا کر کھا سکتا ہے خود درختوں سے اُتارنے کی اجازت نہیں۔

یہ حدیثیں بظاہر ان نصوص سے متعارض ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کا مال اس کی اجازت اور طیب نفس کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے بعض علماء نے اس کو جائع اور مضطر پر محمول کیا ہے، حالت اضطرار میں بغیر پوچھے بھی اس طرح دودھ پی سکتا ہے اور پھل کھا سکتا ہے لیکن اصل مالک کو اس کی ضمان دینا پڑے گی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی عرف میں اس طرح گزرنے والے کو گرے ہوئے پھل کھانے کی اجازت ہو یعنی اس طرح اگر کوئی کھالے تو مالک اس کو برا نہ محسوس کرتے ہوں تو کھانے کی اجازت ہے کیونکہ یہاں مالک کی طرف سے دلالۃً اذن موجود ہے۔ لہٰذا دوسری نصوص کے معارض نہ ہوا۔ انصار کے عرف میں یہ بات تھی کہ وہ گری ہوئی کھجوریں وغیرہ کھانے سے کسی کو نہیں روکتے تھے۔ اسی طرح جائع کو لگے ہوئے پھل اُتار کر کھانے سے بھی نہیں روکتے تھے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت عنایت فرمادی، یہ اجازت انصار کے عرف پر محمول ہے جس علاقہ کا جس طرح کا

عرف ہو اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا، ضابطہ یہی ہے کہ کسی کا مال استعمال کرنے کے لیے اذن ضروری ہے خواہ وہ اذن صراحتاً ہو یا دلالتاً۔ جس انداز سے عرف میں کھانے کا رواج ہو وہ دلالۃً اذن ہونے کا قرینہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ

مُردار جانوروں کی کھالیں اور بتوں کو فروخت کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ قَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُومَ فَأَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ۔

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس سال مکہ فتح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے فرماتے تھے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا شراب اور مُردہ جانور اور سور اور بتوں کے بیچنے کو سو عرض کیا گیا یا رسول اللہ! بھلا کیا فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مُردار جانوروں کی چربی میں کہ اس سے کشتیوں کو طلا کیا جاتا ہے اور چمڑے چکنے کیے جاتے ہیں اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ کچھ درست نہیں وہ چربی حرام ہے پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات میں اللہ کی مار ہو یہود پر کہ جب اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ان پر چربیوں کو تو انہوں نے اس کو پگھلایا پھر اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

تشریح اس باب کی روایت میں چند چیزوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) بیع الخمر جس کا ذکر ابھی ہوا۔ (۲) بیع المیتۃ اس بیع کا عدم جواز بھی واضح ہے۔ (۳) بیع الخنزیر۔ نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی بیع بھی ممنوع ہے۔ (۴) بیع الاصنام۔ اس میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اصنام کی بیع کی جائے اصنام ہونے کی حیثیت سے۔ اس اعتبار سے اس کی بیع حرام ہے۔ دوسری یہ کہ اس کی بیع کی جائے اس کے مادے کی حیثیت سے مثلاً سونے کا بنا ہوا بت ہو تو اس کو سونے کی قیمت کے ساتھ بیچنا۔ اس اعتبار سے بیع جائز ہے اور (۵) "بیع شحم المیتۃ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ اس کی بیع جائز ہے یا نہ کیوں کہ اس کی چربی سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے، چمڑے پر لگایا جاتا ہے اور اس سے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں کیونکہ وہ مُردار کی چربی ہے اور مُردار کی چربی حرام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تباہ کردے یہود کو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کیا تھا لیکن انہوں نے حیلہ کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم توڑا۔ وہ یہ تھا کہ چربی کو پگھلا کر فروخت کرتے، اس کی قیمت استعمال کرتے اور کہتے تھے کہ اللہ نے شحم سے منع کیا ہے اور پگھلانے کے بعد وہ شحم نہیں بلکہ ودک ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی شئی کے نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔

باب ماجاء فی کراھیة الرجوع من الھبة

کوئی چیز ہبہ کرنے کے بعد واپس لینا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے بری کہاوت نہیں ہے یعنی ہم کو ایسا کام نہ کرنا چاہیے کہ جس میں بری کہاوت ہو، لوٹا لینے والا چیز دے کر ایسا ہے جیسا کتا کھا جائے اپنی قے۔

تشریح اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ "رجوع عن الھبة" جائز ہے یا نہ اور دو مذہب ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر غیر ذی رحم محرم کو ہبہ دیا ہو تو جائز ہے اگر ذی رحم محرم کو دیا ہو تو پھر رجوع جائز نہیں، اگر غیر ذی رحم محرم کو ہبہ دیا ہو اور اگر ذی رحم محرم کو دیا ہبہ ہو تو پھر رجوع جائز نہیں۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع عن الھبہ ناجائز ہے۔ صرف ایک صورت میں رجوع جائز ہے کہ والد اپنے بچے کو ہبہ کرے۔

قول اوّل کی دلیل: امام صاحب کا استدلال ابن ماجہ کی ایک روایت سے ہے "وفیہ الواھب احق بھبة مالم یثب منھا" کہ ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے۔ بشرطیکہ اس کا عوض نہ دیا گیا ہو۔ "موانع رجوع" امام صاحب کے نزدیک "رجوع عن الھبہ" کے موانع ۷ ہیں جن کو فقہاء نے "دمع خزقہ" میں جمع کیا ہے۔

(۱) دال سے مراد زیادہ متصلہ فی الموہب ہے کہ موہوب لہ کی طرف سے ایسی زیادتی ہو چکی ہو جو الگ نہ ہو سکے، ایسی صورت میں رجوع ناجائز ہے۔

(۲) میم سے مراد موت احد المتعاقدین ہے۔ (۳) عین سے مراد عوض ہے۔

(۴) خاء سے مراد "خروج الھبة من ملک الموھوب لہ" ہے۔

(۵) زا سے مراد عقد زوجیت ہے۔ (۶) ق سے مراد قرابت ہے۔

(۷) ھا سے مراد ہلاکت ہبہ ہے۔ ان سات صورتوں میں رجوع عن الہبہ ناجائز ہے۔

قولِ ثانی کی دلیل: ان کا استدلال زیرِ بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہبہ کر کے رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے اس کو چاٹ لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ واہب کو رجوع کا حق نہیں ہے۔

جواب (۱): اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ہبہ سے رجوع ناجائز ہے بلکہ مثال ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہبہ سے رجوع کرنا مروت کے خلاف ہے۔

جواب (۲): اس حدیث میں دیانت کا بیان ہے اور ہم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دیانت واہب کے لیے ہبہ سے رجوع کرنا درست نہیں، اگرچہ قضاءً وہ رجوع نافذ ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرَايَا وَالرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ ...... بیع عرایا اور اس کی اجازت

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ أَذِنَ لِأَهْلِ الْعَرَايَا أَنْ يَبِيعُوهَا بِمِثْلِ خَرْصِهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا محاقلہ اور مزابنہ سے اور تفصیل ان سب کی مترجم کے کلام میں آ گئی۔ باب میں اس سے پہلے گزری مگر رُخصت دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ عرایا کو کہ وہ بیچ لے اپنے پھلوں کو اس کے برابر کے عوض میں کوت کر یعنی اندازہ سے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ كَذَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخصت دی عرایا کے بیچنے کی پانچ وسق سے کم میں یا ایسا ہی فرمایا یعنی راوی کو شک ہے کہ یہی لفظ ہیں حدیث کے یا کچھ فرق ہے۔

عَنْ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ

ترجمہ: حضرت مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کو پانچ وسق یا اس سے کم مقدار میں بیچنے کی اجازت دی۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخصت دی عرایا کے بیچنے میں کوت کر یعنی اندازے سے۔

عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ ثَنَا بَشِيرُ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ وَسَهْلَ ابْنَ أَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ إِلَّا لِأَصْحَابِ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ وَعَنِ الْعِنَبِ بِالزَّبِيبِ وَعَنْ كُلِّ تَمْرٍ بِخَرْصِهَا.

ترجمہ حضرت ولید بن کثیر سے روایت ہے کہا انہوں نے روایت کی ہم سے بشیر بن یسار نے جو مولیٰ ہیں بنی حارثہ کے کہ رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ دونوں نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بیع مزابنہ سے یعنی تمروں کے عوض میں جو زمین پر ہیں درختوں کا ثمر بیچنے سے مگر صاحب عرایا کے واسطے تو ان کے لیے اجازت دی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور منع فرمایا انگور تر کو انگور خشک کے عوض بیچنے سے اور ہر پھل کو بیچنے سے کوت کر یعنی ایک جنس کے پھلوں کو کوت کر بیچنے سے منع فرمایا کہ اگر کیل اور وزن کر کے بیچے تو درست ہے۔

تشریح اس باب کی بعض احادیث میں آرہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرایا کی بیع کی اجازت دی ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیع العرایا جائز ہے۔ البتہ عرایا کی تفسیر وتصویر میں آئمہ کا اختلاف ہوا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر

عرب میں یہ رواج تھا کہ جب باغ میں پھل لگ جاتے تو اس میں سے چند درختوں پر لگے ہوئے پھل کسی فقیر کو ہبہ کر دیتے اس کو "عریہ" کہتے ہیں۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ فقیر اپنے پودوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے باغ میں آنے جانے لگ جاتا، باغ کا مالک بھی اپنے اہل وعیال سمیت باغ میں ہی مقیم ہوتا، فقیر کے آنے جانے سے ان کو تکلیف ہوتی، اس لیے باغ والا فقیر سے یہ کہتا کہ اندازے سے ان درختوں پر جتنا میوہ ہوگا اتنا اُترا ہوا میوہ لے کر یہ درخت والے پھل ہمیں دے دو، اس معاملہ کو عرایا کہتے تھے۔
اس معاملہ کی شکل اگرچہ بیع مزابنہ کے ساتھ ملتی جلتی ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک حقیقتاً بیع نہیں بلکہ اس کی حقیقت "استرداد الھبة بالھبة" ہے۔ مالک نے درختوں پر لگی ہوئی کھجوریں فقیر کو ہبہ کیں لیکن چونکہ فقیر نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا اس لیے ہبہ تام نہیں ہوا تھا، مالک ہبہ کے تام ہونے سے پہلے اپنے ہبہ سے رجوع کر کے اس کی جگہ دوسرا ہبہ دے رہا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں چونکہ یہ معاملہ درحقیقت بیع نہیں ہے اس لیے اس میں سود بھی لازم نہیں آتا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔
بعض احادیث میں عرایا کا مزابنہ سے استثناء کیا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک وہ استثناء منقطع ہوگا چونکہ عرایا کی صورت مزابنہ سے ملتی جلتی ہے اس لیے مزابنہ سے نہی کرنے سے شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید عرایا والا معاملہ بھی ناجائز ہو، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا استثناء فرما دیا۔

مالکیہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر

امام مالک سے عرایا کی دو تفسیریں منقول ہیں، ایک یہی حنفیہ والی، اس کی تخریج وتنقیح ان کے ہاں مختلف ہے وہ اس کو صورتاً اور

حقیقتاً بیع مزابنہ شمار کرتے ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک صورۃً بیع ہے حقیقتاً استرداد الھبۃ بالھبۃ ہے۔ دوسری تفسیر امام مالک سے یہ منقول ہے کہ بعض اوقات کسی کے چند پودے دوسرے کے باغ میں ہوتے ہیں، پھلوں کے موسم میں جب یہ شخص اپنے مملوکہ درختوں کی دیکھ بھال کے لیے آتا ہے تو باغ والے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اس لیے وہ درختوں والے سے کہتا ہے کہ ان درختوں پر لگے ہوئے پھل مجھے بیچ دو اور اس کے بدلہ میں اندازے سے اسی مقدار میں اُترے ہوئے پھل مجھ سے لے لو۔ یہ معاملہ حقیقتاً بیع مزابنہ ہے کیونکہ بائع ان درختوں کا مالک تھا، لیکن دفع حرج کے لیے شریعت نے اس خاص صورت کی اجازت دے دی۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر

شافعیہ کے نزدیک عریہ کی صورت یہ ہے کہ جب تازہ کھجوریں اُترنے کا موسم آتا تو جن کے باغ نہ ہوتے ان کا بھی دل چاہتا کہ ہم بھی تازہ کھجوریں کھائیں، ان کے پاس خریدنے کے لیے دراہم و دنانیر تو نہ ہوتے البتہ پچھلے سال کی اُتری ہوئی کھجوریں ہوتیں وہ ان کے تمر کے بدلہ میں کسی درخت پر لگی ہوئی رطب خرید لیتے، یہ معاملہ بھی حقیقتاً بیع مزابنہ ہے لیکن دفع ضرورت کے لیے اس کی اجازت دی گئی ہے۔

اس باب کی بعض حدیثوں میں آرہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ وسق میں اس کی اجازت دی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک پانچ وسق کی قید واقعی ہوگی کیونکہ جب یہ معاملہ حقیقتاً مزابنہ ہے ہی نہیں تو پانچ وسق سے زیادہ میں بھی جائز ہونا چاہیے۔ حدیث میں پانچ وسق کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ اس وقت عموماً پانچ وسق ہی میں یہ معاملہ ہوتا تھا۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حقیقتاً بیع مزابنہ ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی ہے اور اُصول ہے "الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ" اور ضرورت پانچ وسق سے پوری ہو جاتی ہے۔ اس لیے پانچ وسق سے زیادہ میں بیع العریہ جائز نہیں، ان کے نزدیک پانچ وسق کی قید احترازی ہوگی۔ ان کے مذہب کی وجوہ ترجیح بھی ہیں۔

وجوہ ترجیح: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تین وجوہ سے راجح ہے۔

(۱) لغۃ، امام صاحب کا مذہب لغۃً راجح ہے وہ اس طرح کہ عرایا جمع ہے عریۃ کی اور عریۃ کا معنی ہے عطیہ اور یہ بات لغت عرب میں مشہور ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو ہبہ کر دینا عریۃ کہلاتا ہے۔

(۲) روایۃ، امام صاحب کا مسلک روایت بھی راجح ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث باب میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ یہ ہے "قد اذن لاھل العرایا" یعنی اہل عرایا کو عرایا کے فروخت کرنے کی اجازت دی۔ لفظ اھل سے معلوم ہو رہا ہے کہ عرایا عطیہ کے معنی میں ہے نہ کہ مزابنہ کے معنی میں اور روایت میں صراحتاً مذکور ہے کہ اہل عریہ خود مالک پر فروخت کرتا تھا۔

(۳) درایۃ، امام صاحب کا مسلک درایت بھی راجح ہے۔ اس لیے کہ مزابنہ درحقیقت ربا کا ایک شعبہ ہے اور ربا کے اندر قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ قلیل میں جائز ہو اور کثیر میں ناجائز ہو اور امام صاحب کی تفسیر کے مطابق قلیل میں بھی ربا کا احتمال نہیں رہتا۔

سوال: اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مذکورہ وجوہ سے راجح ہے تو پھر روایات میں اس کو "خمسة اوسق" کی قید کے ساتھ مقید کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: یہ قید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احترازی ہے لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قید اتفاقی ہے کہ اس زمانہ میں عرایا کی اکثر مقدار یہی ہوتی تھی۔ اس لیے خمسہ اوسق کو ذکر کیا گیا جب یہ بیع مزابنہ ہی نہیں تو پانچ وسق کی شرط نہیں بلکہ دس، بیس وسق میں بھی عریہ جائز ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّجْشِ فِي الْبُيُوعِ ۔۔۔۔ نجش کے حرام ہونے سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قُتَيْبَةُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَنَاجَشُوا.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قتیبہ نے اپنی روایت میں کہا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش نہ کرو۔

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی مت لگاؤ۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "نجش" سے منع فرمایا۔ "نجش" کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی سامان خرید رہا ہے، اب تیسرا شخص آکر اسی سامان کی زیادہ قیمت لگاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز فروخت کردو حالانکہ اس کا مقصد سامان کو خریدنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ مشتری دھوکہ کھا کر اس کو زیادہ قیمت پر خرید لے۔ اس کو "نجش" کہتے ہیں اور حدیث باب میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّجْحَانِ فِي الْوَزْنِ ۔۔۔۔ تولتے وقت جھکاؤ رکھنا

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ أَنَا وَمَخْرَمَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ فَجَاءَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيلَ وَعِنْدِي وَزَّانٌ يَزِنُ بِالْأَجْرَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْوَزَّانِ زِنْ وَأَرْجِحْ

ترجمہ: حضرت سوید بن قیس سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ بیچنے کو لایا میں اور مخرمہ عبدی کپڑا ہجر (نامی جگہ) سے تو تشریف لائے ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مول کیا ہم سے ایک پاجامے کا اور میرے پاس تولنے والا تھا کہ مزدوری پر تولتا تھا سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تولنے والے سے تول اور جھکتی ڈنڈی تول۔

تشریح: حضرت سوید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اور مخرمۃ العبدی نے ہجر سے کپڑا منگوایا۔ ہجر ایک جگہ کا نام ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے شلوار کے کپڑے کے بارے میں بھاؤ تاؤ کیا۔ اس

وقت میرے پاس ایک وزان بیٹھا ہوا تھا جو اُجرت پر دُکانداروں کا سامان وزن کیا کرتا تھا۔ آپ نے اس وزان سے فرمایا کہ وزن کرو اور جھکتا ہوا وزن کرو۔ یعنی جس پلڑے میں سامان ڈالو اس کو دوسرے پلڑے سے جھکا دو تا کہ سامان وزن سے زیادہ ہو جائے کم نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرِّفْقِ بِهِ

تنگ دست قرضدار کو مہلت دینے اور تقاضا میں نرمی کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مہلت دے تنگدست قرض دار کو یا اس کے قرض میں کچھ چھوڑ دے جگہ دے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کے سائے نیچے جس دن کہیں سایہ نہ ہوگا سوا اس کے۔

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ رَجُلًا مُوسِرًا وَكَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ نَحْنُ أَحَقُّ بِذَلِكَ مِنْهُ تَجَاوَزُوا عَنْهُ.

ترجمہ حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حساب کیا گیا ایک شخص کا یعنی عالم برزخ میں ان لوگوں میں سے جو تم سے پہلے تھے سو نہ پائی اس کی کوئی نیکی مگر اتنی کہ وہ آدمی امیر تھا اور لین دین کرتا لوگوں سے تو حکم دیتا اپنے غلاموں کو کہ معاف کرتے رہو تنگدست قرض دار سے سو فرمایا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہم کو پہلے سے معاف کرنا چاہیے معاف کر دو اس کو یعنی فرشتوں سے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو۔

تشریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کے اوپر سے کمی کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

پچھلی اُمتوں کے ایک صاحب کا واقعہ

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں، ان میں سے ایک صاحب کا حساب لیا گیا تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہیں تھی، البتہ وہ غنی اور مال دار آدمی تھا اور لوگوں سے معاملات کیا کرتا تھا تو اس نے اپنے غلاموں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ تنگ دست سے تجاوز کریں یعنی ان پر سختی نہ کریں

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس سے درگزر اور معافی کے زیادہ حق دار ہیں۔ بنسبت اس بندے کے اس لیے اس کو درگزر کر دو، اس سے معلوم ہوا کہ تنگ دست کو معاف کر دینا بڑا افضیلت کا کام ہے اور اس پر ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معافی کی توقع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَطْلِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ ظُلْمٌ۔۔۔۔ ادائیگی قرض میں مالدار کا دیر لگانا ظلم ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیر لگانا غنی کا ادائے قرض میں یعنی ہوتے ہوئے نہ دینا حیلہ وحوالہ کرنا ظلم ہے اور جب کوئی کسی غنی پر حوالہ کر دیا جائے تو چاہیے اس کے پیچھے لگے یعنی جب کوئی قرض دار کسی قرض خواہ سے کہے میرے اوپر جو روپیہ تمہارا ہے وہ فلانے شخص سے لے لو تو قرض خواہ کو اس کا قبول کر لینا چاہیے اور اس کا پیچھا کرنا چاہیے۔

تشریح اس باب کی روایت میں دو جملوں کی وضاحت مطلوب ہے۔ پہلا جملہ ہے "مطل الغنی ظلم" مطل کا معنی ہے ٹال مٹول کرنا یعنی ایک آدمی کا دوسرے کے ذمہ قرض ہو اور وہ آدمی غنی بھی ہو، قرض ادا کرنے کی استطاعت ہو اور اس کے باوجود قرض ادا نہ کرے تو یہ ظلم ہے۔

سوال: کیا ٹال مٹول کی مذکورہ صورت میں تعویض عن الضرر جائز ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں تعویض عن الضرر نا جائز ہے کیونکہ یہ سود ہے۔ "اذا اتبع احد کم علی الخ" یہ حدیث باب کا دوسرا جملہ ہے اس میں دو مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ اولیٰ: اس جملہ میں حوالہ کا ذکر ہے۔ مثلاً مدیون کہے کہ تم مجھ سے قرض وصول کرنے کے بجائے فلاں سے وصول کرنا، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صحت حوالہ کے لیے صرف حوالہ ہی کافی ہے یا کہ محتال یعنی دائن کی رضامندگی بھی ضروری ہے اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک صحت حوالہ کے لی محتال کی رضا مندی ضروری ہے کیونکہ یہ درحقیقت سہ فریقی معاملہ ہوتا ہے تینوں کی باہم رضامندی ضروری ہے۔ (۱) محیل (۲) محتال (۳) محتال علیہ

قول ثانی: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حوالہ کی صحت کے لیے محتال کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

قول اوّل کی دلیل اوّل: ان کا استدلال ترمذی میں حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "وفیہ علی الید ما اخذت حتی تؤدی" اس حدیث کی وجہ سے مدیون پر واجب ہے کہ وہ اپنا دین دائن تک پہنچائے اور یہ وجوب اس وقت تک ہے جب تک وہ ادا نہ کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اصل ذمہ داری مدیون کی ہے اور دائن کو مدیون سے مطالبے کا حق حاصل ہے اور یہ حق دائن کی رضامندی کے بغیر ساقط نہیں ہو سکتا۔

دلیل ثانی: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حوالہ قبول کرنا دائن پر واجب ہے تو پھر یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جائے گا کیوں کہ ہر محتال علیہ

دوسرے پر حوالہ کرتا جائے گا تو اس صورت میں دائن چکر ہی لگاتے لگاتے ختم ہوجائے گا اور دین پھر بھی وصول نہیں ہوگا۔

قول ثانی کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے اور جس میں "فلیتبع" امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حوالہ کو قبول کرنا واجب ہے، چاہے محتال راضی ہو یا نہ ہو۔

جواب: "فلیتبع" میں صیغہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے کہ اگر مدیون کسی غنی آدمی پر حوالہ کررہا ہو تو اس کو قبول کرلو لیکن یہ قبول کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مسئلہ ثانی: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حوالہ سے محیل بری ہوجائے گا یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محیل حوالہ سے اس وقت بری ہوجائے گا جبکہ دین کی ہلاکت کا خطرہ نہ ہو اگر توی کا خطرہ نہ ہوا تو پھر بری نہیں ہوگا۔

قول ثانی: امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حوالہ سے محیل بری ہوجاتا ہے۔ حوالہ کے بعد محتال کو یہ حق حاصل نہیں کہ محیل سے مطالبہ کرے۔

قول اوّل کی دلیل: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے۔ "وفیہ لیس علی مال المسلم توی" کہ مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں آسکتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات اسی وجہ سے بیان فرمائی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ محتال محیل سے مطالبہ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں مسلمان کے مال میں ہلاکت آگئی۔

توی: توی کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) محتال علیہ دین ادا کرنے سے انکار کردے۔
(۲) دین کی ادائیگی سے قبل محتال علیہ فوت ہوجائے۔ (۳) عدالت نے محتال علیہ کو مفلس قرار دیا ہو۔

قول ثانی کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے "وفیہ اذا تبع احدکم علی ملی فلیتبع" اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب محیل پیچھے لگادے تو پیچھے لگے رہو۔ اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ محیل کی طرف رجوع ہوسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محیل بری ہوجائے گا۔

جواب: اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حوالہ قبول کرنے کا مدار محتال علیہ کے غنی ہونے پر ہے، اگر وہ غنی نہیں ہے تو اس صورت میں حوالہ قبول کرنے کی علت معدوم ہے۔ لہٰذا توی کی صورت میں محیل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اس میں یہ قطعاً مذکور نہیں کہ محیل کی طرف رجوع نہیں ہوسکتا، چاہے محتال علیہ زندہ ہو یا مرجائے یا انکار کردے یا مفلس ہوجائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ ــــ بیع منابذہ اور ملامسہ کے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع منابذہ اور بیع ملامسہ سے۔

تشریح اس باب میں زمانہ جاہلیت کی دو قسم کی بیوع کا ذکر ہے۔

پہلی قسم: منابذہ یہ نبذ سے ہے لغوی معنی ہے پھینکنا اور اصطلاح میں بیع منابذہ وہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ جب میں مبیع تمہاری طرف پھینکوں گا اس وقت بیع لازم ہوجائے گی۔

دوسری قسم: ملامسہ یہ لمس سے ہے۔اس کا لغوی معنی ہے ہاتھ لگانا اور اصطلاح میں ملامسہ وہ ہے کہ بائع کو مشتری یہ کہے کہ جس وقت میں مبیع کو ہاتھ لگاؤں گا اس وقت بیع لازم ہوجائے گی۔ان دونوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا کیونکہ ان میں غدر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّلَفِ فِي الطَّعَامِ وَ التَّمْرِ ۔۔۔۔ غلہ وغیرہ کی قیمت پیشگی ادا کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي التَّمْرِ فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب تشریف لائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں لوگ وہاں کے پیشگی روپیہ دیتے تھے پھلوں کے خریدنے کو سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشگی روپیہ لے کسی پھل کے لیے تو چاہیے کہ ان پھلوں کا وزن اور کیل مقرر کرے اور مدت مقرر کرے کہ اتنے سیر گیہوں مثلاً یا اتنے کیل چار یا پانچ مہینہ میں لوں گا۔

تشریح اس باب میں بیع سلم کا بیان ہے۔بیع سلم کی تعریف یہ ہے کہ ثمن فی الحال ہو اور مبیع فی المال ہو۔زیر بحث باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم مکیلی موزونی اور عددی متقارب میں جائز ہے اور بیع سلم اگرچہ خلاف قیاس ہے لیکن اس کا ثبوت قرآن وسنت دونوں سے ثابت ہے۔قرآن کی آیت "یایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل الخ" یہ بیع سلم کے بارے میں ہے اور سنت سے اس کا ثبوت بالکل ظاہر ہے۔

شرائط: بیع سلم کے صحیح ہونے کے لیے سات شرائط ہیں۔(۱) جنس معلوم ہو (۲) نوع معلوم ہو۔(۳) صفت معلوم ہو۔
(۴) مقدار معلوم ہو۔(۵) اجل معلوم ہو۔(۶) رأس المال کی مقدار معلوم ہو جبکہ عقد کا تعلق مقدار سے وابستہ ہو۔
(۷) مسلم فیہ کی ادائیگی کا مکان معلوم ہو، اگر اس کے لیے حمل کی مشقت ہو۔

سوال: کیا حیوان کی بیع سلم جائز ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیوان کی بیع سلم جائز ہے کیونکہ وہ نسیۂ فی الحیوان کو جائز مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حیوان کی تعیین ہوسکتی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیوان کی بیع سلم جائز نہیں۔ اس لیے کہ بیع سلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی متقارب ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز عددی متفاوت ہو، اس میں بیع سلم جائز نہیں۔اس لیے کہ مسلم فیہ کی ادائیگی کے وقت اس میں تنازع کا امکان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَرْضِ الْمُشْتَرِكِ يُرِيدُ بَعْضُهُمْ بَيْعَ نَصِيبِهِ

مشترکہ زمین میں سے اگر کوئی شریک اپنا حصہ بیچنا چاہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيْكٌ فِي حَائِطٍ فَلَا يَبِيعُ نَصِيبَهُ مِنْ ذَلِكَ حَتّٰى يَعْرِضَهُ عَلَى شَرِيكِهِ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شریک ہو کسی احاطہ میں یا باغ میں سو نہ بیچے اپنا حصہ اس میں سے جب تک اس شریک کو بتا نہ لے یعنی شاید وہ ہی خرید لے تو غیر کے ہاتھ کیوں بیچے۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی کا کسی باغ وغیرہ میں کوئی شریک ہو، اگر وہ اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اپنے شریک ساتھی پر پیش کرے، مثلاً ایک باغ یا زمین دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ایک شریک اپنا حصہ دوسرے کسی آدمی پر فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنا حصہ اپنے شریک ساتھی پر پیش کرے۔ اگر اس نے خرید لیا تو "فبها" ورنہ دوسرے پر فروخت کردے۔

سوال: اگر شریک نے خریدنے سے انکار کر دیا تو اس کا حق شفعہ ساقط ہو جائے گا یا نہ؟

جواب: اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس کو خریدنے کا موقع دیا گیا تھا، اس نے خود انکار کیا ہے۔ اب اگر دوسرا آدمی خریدے گا تو بیع تام ہو جائے گی، اس پر شفعہ نہیں ہوسکتا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ حق شفعہ ثابت ہی بیع سے ہوتا ہے جب تک بائع نے بیع نہیں کی تھی اس وقت تک حق شفعہ ثابت ہی نہیں تھا۔ جب بیع سے پہلے شفعہ ثابت ہی نہیں تھا تو ساقط کیسے ہوگا؟ اس لیے کہ سقوط ثبوت کی فرع ہے۔ معلوم ہوا کہ پیشکش کے وقت انکار سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ "انما يحدث قتادة عن صحيفة" اس عبارت میں صحیفہ سے مراد وجادہ ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت سلیمان یشکری کا صحیفہ آ گیا تھا اور حضرت سلیمان یشکری کے پاس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ تھا۔ حضرت سلیمان یشکری اس صحیفے سے روایت نقل کرتے تھے۔ ایسے صحیفے کو وجادہ کہتے ہیں۔ اس وضاحت سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت سلیمان یشکری جو روایات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بطور وجادہ کے نقل کریں وہ معتبر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ ...... بیع مخابرہ اور معاومہ کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ

وَالمُعَاوَمَةِ وَرَخَّصَ فِي العَرَايَا

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا محاقلہ اور مزابنہ اور مخابرہ اور معاومہ کی بیع سے اور رخصت دی عرایا میں ایسی بیع کی۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں چند چیزوں کی ممانعت مذکور ہے۔(۱) محاقلہ (۲) مزابنہ۔

(۳) عرایا۔ ان کی وضاحت گزر چکی ہے۔(۴) مخابرہ، اس کی وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(۵) معاومہ اس سے مراد یہ ہے کہ باغ کے پھلوں کو ایک سال یا زائد مدت کے لیے فروخت کرنا جسے بیع السنین بھی کہتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اس میں مبیع معدوم ہے اور معدوم چیز کی بیع ناجائز ہے۔

زیر بحث باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے سرکاری طور پر اشیاء کے دام مقرر کردیں تاکہ کوئی زیادہ قیمت وصول نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ ہی مسعر ہے، وہی قابض اور باسط ہے اور وہی رزاق ہے۔ میں اللہ سے اس حال میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی آدمی مجھ سے ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ دام مقرر کرنا عاقدین کا باہمی معاملہ ہے، حکومت کوئی دام مسلط نہ کرے، ہاں البتہ خرابی کی صورت میں گنجائش ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ المُسَعِّرُ القَابِضُ البَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غلہ وغیرہ کا بھاؤ مہنگا ہوا، سو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! بھاؤ مقرر کردیجئے ہمارے واسطے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاؤ مقرر کرنے والا وہی اللہ ہے جو کہ روکنے والا ہے یعنی رزق کا مراد اس سے مہنگا ہونا ہے اور وہی کشادہ کرنے والا ہے رزق کا اور رزق دینے والا ہے یعنی اس کے حکم سے کمی بیشی رزق کی اور تنگی کشادگی ہوتی ہے تو بھاؤ مقرر کرنے والا وہی ہے پھر فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میں چاہتا ہوں ملوں اپنے رب سے ایسے حال میں کہ نہ ہو مجھ پر مطالبہ اور مظلمہ کسی کا کہ وہ طلب کرتا ہو مجھ سے مظلمہ خون کا اور نہ مال کا۔

تشریح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دام مہنگے ہوگئے۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے لیے "تسعیر" کردیجئے۔ یعنی سرکاری طور پر اشیاء کے دام مقرر فرمادیجئے

تاکہ کوئی شخص زیادہ قیمت وصول نہ کر سکے۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی قیمتیں مقرر کرنے والے ہیں اور وہی اشیاء کی رسد کو کم کرنے والے اور سکیڑنے والے ہیں اور وہی اشیاء کو پھیلانے والے ہیں اور وہی رزق دینے والے ہیں اور میں اس بات کی اُمید رکھتا ہوں کہ اپنے پروردگار سے اس حال میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو، نہ جان میں اور نہ مال میں۔ یعنی کسی کی جان یا مال پر مجھ سے ظلم سرزد نہ ہو۔

کیا کسی کو تسعیر کی اجازت ہے؟

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتادیا کہ شریعت کا اصل منشاء یہ ہے کہ اشیاء کی قیمتیں خریدار اور بیچنے والا آپس میں باہمی رضامندی سے طے کریں۔ حکومت اپنی طرف سے جانبین پر کوئی قیمت مسلط نہ کرے۔ جیسا کہ کتاب البیوع کے شروع میں بتایا تھا کہ رسد اور طلب مل کر اشیاء کی قیمتیں متعین کرتی ہیں۔ اس لیے کہ جب بازار میں آزاد مقابلہ ہو، کسی کی اجارہ داری نہ ہو تو پھر اس صورت میں شریعت کا منشاء یہ ہے کہ وہی بازار کی قوتیں یعنی رسد اور طلب مل کر اشیاء کی قیمتیں متعین کریں۔ لیکن جہاں اجارہ داریاں قائم ہو جائیں اور بڑے سرمایہ دار تحکم کرنے لگیں جس کی وجہ سے لوگوں کی آزادی سلب ہو جائے تو اس صورت میں حکومت کی طرف سے وقتی طور پر نہ کہ دائمی طور پر "تسعیر" کی گنجائش ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الغِشِّ فِي البُيُوعِ ۔۔۔۔ بیع میں دغابازی کرنا حرام ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ مَا هَذَا قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ، ثُمَّ قَالَ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ایک غلے کے ڈھیر پر اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ ڈالا سو پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں تری سو پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے غلہ بیچنے والے یہ تری کیا ہے؟ اس نے کہا مینہ پڑا ہے اس پر یا رسول اللہ! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تو نے اوپر کیوں نہ کر دیا یعنی بھیگا ہوا غلہ سب کے اوپر رکھ دیا ہوتا کہ دیکھتے اس کو سب لوگ پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خیانت اور دغابازی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

تشریح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کیا تو آپ کی انگلیوں پر تری آ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلے والے سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! اس پر بارش برسی تھی جس کی وجہ سے یہ گیلا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے اس گیلے غلے کو اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ یہ گیلا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِقْرَاضِ البَعِيرِ أَوِ الشَّيْءِ مِنَ الحَيَوَانِ

اونٹ یا اور کوئی جانور قرض لینا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اسْتَقْرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنًّا فَأَعْطَاهُ سِنًّا خَيْرًا مِنْ سِنِّهِ وَقَالَ خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قرض لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ سوادا کیا ایک اونٹ بہتر اس اونٹ سے اور فرمایا تم سے جو بہتر ہیں وہ قرض خوب اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الحَقِّ مَقَالًا، ثُمَّ قَالَ اشْتَرُوا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَطَلَبُوهُ فَلَمْ يَجِدُوا إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، فَقَالَ اشْتَرُوهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے تقاضا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور سختی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سو قصد کیا اس کا اصحاب رضی اللہ عنہم نے یعنی اس کے دفع کر دینے کا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دو اس کو جس کا حق کسی پر ہوتا ہے تو وہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید دو اس کو ایک اونٹ اور دے دو اس کو وہ۔ سو ڈھونڈا اور نہ پایا مگر اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید دو اس کو وہی اونٹ اور دے دو اس کو اس لیے کہ تم میں جو لوگ نیک ہیں وہ قرض ادا کرنے میں اچھی چیز دیتے ہیں۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ أَبُو رَافِعٍ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا أَجِدُ فِي الإِبِلِ إِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطِهِ إِيَّاهُ فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً.

ترجمہ حضرت ابورافع سے روایت ہے جو مولیٰ ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہا قرض لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ پھر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زکوۃ کے اونٹ کہا ابورافع نے سو حکم کیا مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کروں میں اس آدمی کے اونٹ کو سو عرض کیا میں نے کہ نہیں پاتا مگر جوان اونٹ اس سے عمدہ چار اونٹ والا سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دو اس کو وہی اونٹ۔ اس لیے کہ جو نیک لوگ ہیں تم میں کہ وہ قرض ادا کرنے میں اچھی چیز دیتے ہیں۔

تشریح مسئلہ اختلافی: حیوان کا استقراض جائز ہے یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیوان کا استقراض جائز نہیں اس لیے کہ استقراض ہمیشہ ذوات الامثال میں ہوتا ہے۔ ذوات القیم میں استقراض ناجائز ہے۔ اس لیے کہ قانون یہ ہے کہ "الاقراض تقضی بامثالھا" لہٰذا قرض کے لیے مثلی ہونا ضروری ہے اور حیوان عددی متفاوت ہے اس کا استقراض صحیح نہیں کیونکہ قرض میں تماثل ضروری ہے اور حیوان میں تماثل نہیں ہوسکتا۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیوان کا استقراض جائز ہے۔

دلیل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے جس میں استقراض کا ذکر ہے۔

جواب (۱): زیر بحث باب کی روایت اور اس طرح کی دیگر تمام روایات حرمت ربا نازل ہونے سے پہلے کی ہیں۔ جب حرمت ربا کا حکم نازل ہو گیا علت ربا کی وجہ سے یہ بھی حرمت میں شامل ہیں۔

جواب (۲): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانور لے کر اس سے افضل جانور واپس کیا اور یہ بات عقد قرض کے اندر مشروط نہ تھی یہ حسن جزاء ہے جو جائز ہے۔ زیر بحث باب کی دوسری اور تیسری روایت کے اندر بھی حسن قضاء کی ترغیب دی گئی ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ سَمْحَ الْبَيْعِ، سَمْحَ الشِّرَاءِ، سَمْحَ الْقَضَاءِ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے نرمی اور خوبی سے بیچنے کو اور نرمی سے خریدنے کو اور نرمی سے قرض ادا کرنے کو۔

تشریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند فرماتے ہیں جو بیچنے کے وقت بھی نرم ہو اور خریدنے کے وقت بھی نرم ہو اور دَین ادا کرنے کے وقت بھی نرم ہو۔ بیچنے کے وقت نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ ہو کہ کسی خاص قیمت پر اڑ جائے اور مشتری کم کرانا چاہتا ہے تو یہ بالکل کم کرنے پر تیار نہ ہو۔ اس لیے کہ بہتر یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرے اور اگر کم قیمت پر بھی دینا پڑے تو دے دے اور خریدنے کے وقت نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ ہو کہ ایک ایک پیسے پر جان دے رہا ہے بلکہ اگر تھوڑے پیسے زیادہ دینے پڑ جائیں تو دے دے اور دَین کی ادائیگی میں نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بالکل ناپ تول کر دَین کی ادائیگی کرنے کے بجائے بہتر طور پر دَین کی ادائیگی کر دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن کو ایسا نہ ہونا چاہیے کہ وہ ایک ایک پیسے پر جان دے بلکہ اپنے مقابل کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔ چاہے بیع میں ہو یا شراء میں ہو یا دَین کی ادائیگی میں ہو اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَفَرَ اللهُ لِرَجُلٍ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ سَهْلًا إِذَا

بَاعَ سَهْلًا إِذَا اشْتَرَى سَهْلًا إِذَا اقْتَضَى۔

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے بخش دیا ایک مرد کہ تم سے پہلے تھا اس لیے کہ وہ آسانی اور نرمی کرتا تھا جب بیچتا تھا اور آسانی اور نرمی کرتا تھا جب خریدتا تھا اور آسانی اور نرمی کرتا تھا جب تقاضا کرتا تھا۔

تشریح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کی جو تم سے پہلے گزرا ہے، مغفرت کردی۔ وہ بیع کے وقت بھی نرم تھا، شراء کے وقت بھی نرم تھا اور دَین وصول کرتے وقت بھی نرم تھا یعنی لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا کرتا تھا۔ مثلاً کوئی شخص اس سے کوئی چیز خریدنے آتا اور وہ اس سے کہتا کہ اتنے پیسے کم کردو، یہ کہتا اچھا چلو کم دے دو، اور جب وہ کوئی چیز خریدنے جاتا اور بائع زیادہ پیسے مانگتا تو وہ کہتا چلو زیادہ لے لو یا اس کا کوئی مقروض ہے تو اس سے کہتا کہ اچھا تم اتنا ادا کردو، باقی تمہارے لیے معاف ہے تو وہ اس طرح کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کے صلے میں اس کی مغفرت فرمادی۔

• یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ آدمی کو پیسے کے معاملے میں اتنا زیادہ سخت نہ ہونا چاہیے کہ اس میں آدمی ذرا سی بات پر لڑائی کرے بلکہ حتی الامکان اپنا حق چھوڑ دے۔ البتہ اگر نا قابل برداشت ہو تو چھوڑنا کوئی واجب تو ہے نہیں لیکن جب تک انسان برداشت کرسکتا ہو، اپنا حق چھوڑ دینے کو ترجیح دے لیکن لڑائی نہ کرے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ ۔۔۔ مسجد میں خرید و فروخت کرنا منع ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ فِيهِ ضَالَّةً فَقُولُوا لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا جب دیکھو تم کسی کو بیچتا ہے یا خریدتا ہے مسجد میں تو کہو اس کو کہ نہ نفع دے اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں اور جب دیکھو تم کسی کو کہ ڈھونڈتا ہے مسجد میں کوئی چیز اور پکارتا ہے تو کہو نہ پھیرے اللہ تعالیٰ تیری طرف چیز کو۔

تشریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں کوئی چیز فروخت کررہا ہے، یا خرید رہا ہے تو تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کررہا ہے تو یہ اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری گم شدہ چیز تمہیں واپس نہ لوٹائے۔

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہی ہے کہ مسجد میں سامان لاکر خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر سامان تجارت تو مسجد میں نہیں ہے، مسجد میں صرف ایجاب وقبول کرلیا تو اس کی گنجائش ہے۔

اسی طرح اگر بچہ گم ہو جائے تو مسجد سے اس کا اعلان مناسب نہیں کیونکہ انشاد ضالہ کا حکم عام ہے۔ البتہ اس صورت میں مسجد کے اندر کھڑے ہونے کے بجائے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کر دے تو یہ درست ہے۔ آج کل چونکہ لاؤڈ سپیکر ہوتا ہے، اس کو مسجد سے باہر لا کر اعلان کرنا درست ہے۔ مسجد کے اندر اعلان کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔ اگرچہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بچے کا اعلان اس ممانعت میں داخل نہیں کیونکہ "ضالة" کا لفظ حدیث میں آیا ہے اور "ضالة" کا لفظ عام طور پر حیوانات کے لیے بولا جاتا تھا، یہ لفظ بچے پر صادق نہیں آتا۔ لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ بچے کا اعلان بھی مسجد میں نہ کیا جائے۔

أَبْوَابُ الأَحْكَامِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت اور قضاء وغیرہ کے متعلق منقول احادیث کے ابواب

یہاں سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابواب الاحکام کو بیان کرتے ہیں۔ احکام حکم کی جمع ہے اور حکم کا معنی ہے فیصلہ۔ اس مقام پر اس سے مراد قاضی کا فیصلہ ہے۔ قاضی کے فیصلہ کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ یہاں جمع کر دی گئی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَاضِي

قاضی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ أَنَّ عُثْمَانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اذْهَبْ فَاقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ أَوَ تُعَافِينِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ فَمَا تَكْرَهُ مِنْ ذَلِكَ وَقَدْ كَانَ أَبُوكَ يَقْضِي قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَضَى بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِيِّ أَنْ يَنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَافًا فَمَا أَرْجُو بَعْدَ ذَلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن موہب سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جاؤ اور فیصلہ کرو آدمیوں کے بیچ میں یعنی قاضی ہو کر عبداللہ نے کہا کیا مجھ پر رحم کرتے ہو اور معاف رکھتے ہو مجھے اے امیر المؤمنین! یعنی معاف رکھو قاضی بننے سے کہا عثمان نے تم اس کو کیوں برا جانتے ہو۔ تمہارے باپ تو قضا کرتے تھے کہا عبداللہ نے میں نے سنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جو قاضی ہو اور فیصلے کیے اس نے عدل کے ساتھ یعنی موافق حکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو گمان ہے اس کا کہ شاید وہ برابر سرابر چھوٹے سو کیا اُمید رکھوں میں بھلائی کی اس کے بعد اور اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ الْقَضَاءَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ

وَمَنْ أُجْبِرَ عَلَيْهِ يُنْزِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا فَيُسَدِّدُهُ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے طلب کی قضا سونپ دیا جاتا ہے وہ اس کے نفس کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں ہوتی اور جو جبراً قاضی بنایا جاتا ہے اُترتا ہے اس پر ایک فرشتہ اچھی باتیں سکھاتا ہے اور اس کو راہِ راست بتاتا ہے۔

عَنْ خَيْثَمَةَ وَهُوَ الْبَصْرِيُّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيهِ شُفَعَاءَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ.

ترجمہ حضرت خیثمہ سے روایت ہے اور وہ بصرہ کے رہنے والے ہیں وہ روایت کرتے ہیں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ڈھونڈے عہدۂ قضا کا اور اُٹھاتا پھرے اس میں سفارشیں وہ چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے نفس پر یعنی مددِ غیبی نہیں ہوتی اور جو جبراً قاضی کیا جائے اُتارتا ہے اللہ اس پر ایک فرشتہ کہ وہ اسے انصاف کے اُمور سکھاتا ہے اور راہِ حق بتاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ أَوْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عہدیدار ہو قضا کا یا مقرر کیا گیا قاضی لوگوں کا یعنی راوی کو شک ہے یہ فرمایا وہ پس ذبح کیا گیا بغیر چھری کے یعنی مظالم عباد میں داخل ہوا۔

تشریح شرح حدیث، یہاں پر یہ حدیث مختصر ہے۔ منذری کی الترغیب والترہیب میں مسند ابویعلی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں تین شخصوں کا ذکر ہے جن میں سے دو جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ (۱) وہ شخص جس نے جہل سے فیصلہ کیا وہ جہنم میں جائے گا۔ (۲) رشوت یا سفارش کے ساتھ ظلماً فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ (۳) جس نے عدل کے ساتھ صحیح فیصلہ کیا وہ جنت میں جائے گا۔ یہاں باب کی حدیث میں تیسرے شخص کا ذکر ہے۔

سوال: منصب قضاء کو قبول کرنے کے بارے میں روایتوں میں تعارض ہے۔ ایک روایت میں مذکور ہے "فقد ذبح بغیر سکین" کہ جس کو قاضی بنا دیا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ دوسری حدیث میں مذکور ہے جو آدمی عدل کے ساتھ فیصلہ کرے اس کا یہ فیصلہ ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اسی طرح علماء کا عمل بھی متعارض ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے منصب قضاء سے فرار اختیار کیا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے منصب قضاء کو اختیار کیا؟

جواب: تطبیق اس طرح ہے کہ جو آدمی منصب قضاء کا اہل ہو اور اس کے حصول کے لیے خواہش اور کوشش نہ کرے اور جبراً اس کو دیا جائے پھر وہ عدل سے فیصلہ کرے، اس کو ستر سال کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے اور جو آدمی اس منصب کا اہل نہ ہو اور وہ اس منصب

کو قبول کرلے یا اہل تو ہے لیکن اپنی سعی اور سفارش سے حاصل کرے، اس کو بغیر چھری کے ذبح ہونے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

سوال: حضرت یوسف علیہ السلام نے "اجعلنی علی خزائن الارض" فرما کر منصب کو طلب کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ منصب کی طلب جائز ہے؟

جواب: یہ ایک استثنائی صورت ہے وہ یہ کہ جب اس منصب کا اہل موجود نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ نا اہل کے آنے سے لوگوں کو انصاف نہیں ملے گا اور لوگ پریشان حال ہوں گے، ایسی صورت میں منصب کا مطالبہ جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي يُصِيبُ وَيُخْطِئُ

قاضی کا اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور کبھی اس سے خطا بھی ہو جاتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم حکم کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے اصابت حق میں اور ٹھیک پڑتا ہے حکم اس کی رائے کا تو اس کو دو ثواب ہیں یعنی ایک حق دار کے حق پہنچانے کا دوسرا اجتہاد کا اور جب حکم کرتا ہے اور چوک جاتا ہے تو اس کو ایک ثواب ہے یعنی فقط اجتہاد کا۔

تشریح: آسان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي كَيْفَ يَقْضِي۔۔۔۔ قاضی کس طرح فیصلے کرے

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْضِي فَقَالَ أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ مِمَّا يُحِبُّ وَيَرْضَى.

ترجمہ: حضرت معاذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا معاذ کو یمن کی طرف یعنی قاضی بنا کر سو فرمایا کیونکر فیصلہ کرے گا تو عرض کیا انہوں نے فیصلہ کروں گا میں اللہ کی کتاب کے موافق، فرمایا اگر نہ ہو اللہ کی کتاب میں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق، فرمایا اگر نہ ہو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو کہا اجتہاد کروں گا میں اپنی رائے سے فرمایا سب تعریف ہے اللہ کو کہ توفیق خیر دی اس نے اللہ کے رسول کے رسول کو۔

تشریح زیر بحث باب کی حدیث سے دو مسئلے معلوم ہو گئے۔

مسئلہ اولیٰ: اس حدیث سے ادلہ شرعیہ کی ترتیب معلوم ہوگی کہ سب سے اوّل قرآن کریم، دوسرے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تیسرے اجتہاد ہے کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہی ترتیب ذکر کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہوکر ان کے حق میں دُعا فرمائی۔ "الحمد للہ الذی الخ"

مسئلہ ثانی: یہ حدیث تقلید شخصی کے ثبوت پر دلیل ہے۔ اسی طرح قیاس اور اجتہاد کے جواز پر بھی صریح دلیل ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو اہل یمن کو ہدایت کی گئی کہ وہ ہر معاملے میں ان سے رجوع کریں اور تمام مسائل میں ان کی اتباع کریں کیوں کہ یمن میں اس وقت کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو مسائل سے واقف ہو۔ اس لیے اہل یمن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِمَامِ الْعَادِلِ۔۔۔۔ امام عادل کے متعلق

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ وَأَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللهِ وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ.

ترجمہ حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق سب لوگوں میں زیادہ پیارا اللہ کے نزدیک قیامت کے دن اور بہت نزدیک بیٹھنے والا اللہ کے پاس حاکم عادل ہے اور سب لوگوں سے زیادہ دُشمن اللہ تعالیٰ کا اور اس سے دور بیٹھنے والا حاکم ظالم ہے۔

تشریح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور مجلس کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب "امام عادل" ہوگا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ دور "ظالم امام" ہوگا۔

عَنْ بنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ يَجُرْ فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ.

ترجمہ حضرت ابن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی تائید اور مدد قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے مگر جب اس نے ظلم کیا اللہ کی مدد الگ ہوگئی اور ساتھ ہو گیا اس کے شیطان۔

تشریح حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک قاضی ظلم نہ کرے اور جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے الگ ہو جاتی ہے اور شیطان اس سے جا کر مل جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي لَا يَقْضِي بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَهُمَا

قاضی اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک فریقین کے بیانات نہ سن لے

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِي كَيْفَ تَقْضِي قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نالش کریں تمہارے پاس دو اشخاص تو حکم نہ کر پہلے والے کے لیے کچھ جب تک سن نہ لے اظہار دوسرے کا تو آپ ہی معلوم کرے گا کہ کیا حکم کرنا چاہیے کہا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر اس کے بعد میں ہمیشہ فیصلے کرتا رہا لوگوں میں۔

تشریح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جب دو آدمی تمہارے پاس فیصلہ لے کر آئیں تو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرو، جب تک تم دوسرے کی بات نہ سن لو، اس طرح تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ہمیشہ قاضی رہا۔

یہ "قضاء" کا اُصول ہے کہ یک طرفہ بات سن کر فیصلہ کرنا جائز نہیں، جب تک دونوں فریقوں کی بات نہ سن لی جائے۔ اس حدیث کی بنیاد پر علماء کرام نے یہاں تک فرمایا کہ قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو مقدمہ اس کے پاس درپیش ہے، اس کے کسی ایک فریق سے تنہائی میں ملاقات کرے جس وقت کہ دوسرا فریق وہاں موجود نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَامِ الرَّعِيَّةِ ۔۔۔۔۔۔ رعایا کے حاکم سے متعلق

قَالَ قَالَ عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ لِمُعَاوِيَةَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُونَ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلَى حَوَائِجِ النَّاسِ.

ترجمہ حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے جو بادشاہ اپنا دروازہ بند کرے حاجت مند اور محتاجوں اور مسکینوں پر یعنی ان کو نہ آنے دے کہ وہ اپنی حاجات عرض کریں بند کرے گا اللہ تعالیٰ دروازے آسمان کے اس کی ضرورت اور حاجت اور مسکنت سے یعنی قیامت میں یا دُنیا میں سو مقرر کیا اسی وقت ایک آدمی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سن کر کہ وہ خبر دیتا رہے لوگوں کی حاجتوں کی یاد دلاتا رہے حاجات ان کی۔

تشریح حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو کوئی امام اپنا دروازہ ضرورت مند، حاجت منداور مسکنت والوں کے لیے بند کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت، حاجت اور مسکنت دور کرنے کے لیے آسمان کے دروازے بند کردیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی امام اور حاکم کو اپنا دروازہ ضرورت مند لوگوں کے لیے بند کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ یہ حدیث سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر کردیا جو لوگوں کی ضرورتیں معلوم کرکے ان کو پورا کرے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں یہ اعلان کرادیا تھا کہ جس کے گھر بچہ پیدا ہو اس کا نام ہمارے ہاں لکھوادیا جائے، چنانچہ اس کا وظیفہ جاری کردیا جاتا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ۔۔۔ قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَتَبَ أَبِي إِلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ وَهُوَ قَاضٍ أَنْ لَا تَحْكُمْ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحْكُمُ الْحَاكِمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے روایت ہے کہا لکھا میرے باپ نے عبیداللہ بن ابی بکرہ کو اور وہ قاضی تھے فیصلہ نہ کرنا تم دو آدمیوں کے بیچ میں جب کہ تم غصے میں ہو اس لیے کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ ہرگز فیصلہ نہ کرے اور نہ حکم دے حاکم دو اشخاص کے بیچ میں یعنی مدعی اور مدعا علیہ میں جب وہ غصے میں ہو۔

تشریح حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے حضرت عبیداللہ بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کو یہ لکھا جب کہ قاضی تھے کہ دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرنا، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حاکم دو شخصوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

(اس لیے کہ غصے کی حالت میں انسان کی سوچ اور فکر درست نہیں رہتی جس کی وجہ سے وہ صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح شدید بھوک، شدید پیاس اور بیماری کی حالت میں بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي هَدَايَا الْأُمَرَاءِ۔۔۔ امراء کو تحفے تحائف دینا

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَرُدِدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ {وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ} [آل عمران: 161] لِهَذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ لِعَمَلِكَ.

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ بھیجا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی اور

تحصیل دار بنا کر پھر جب چلا میں تو بھیجا کسی کو میرے پیچھے کہ میں پھیرا کر حضرت کی خدمت میں لایا گیا پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے معلوم ہے کہ کیوں بھیجا میں نے تیرے بلانے کو پھر فرمایا نہ لینا تم کوئی چیز یعنی تحفہ و ہدایا سے رعایا و برایا کے بغیر میرے حکم کے اس لیے کہ وہ خیانت ہے اور جو خیانت کرے گا آئے گا خیانت کی چیز لے کر قیامت کے دن اسی لیے بلایا تھا میں نے تم کو اب جاؤ اپنے کام کو۔

تشریح: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا، جب میں روانہ ہوگیا تو میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور مجھے واپس لوٹایا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں کیوں واپس بلایا؟ پھر فرمایا: میری اجازت کے بغیر کسی سے کوئی چیز نہ لینا، اس لیے کہ وہ مال خیانت میں داخل ہوگا اور جو شخص کسی چیز میں خیانت کرے گا تو وہ اس کو لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ یہ بات کہنے کے لیے تمہیں بلایا تھا، اب تم اپنے کام کے لیے چلے جاؤ۔

قاضی کے لیے ہدیہ قبول کرنے کا حکم:

اس حدیث سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ امراء کو لوگوں سے ہدایا وصول کرنا جائز نہیں کیونکہ امراء کو لوگ جو ہدایا پیش کرتے ہیں، اس کے ذریعہ اپنا کوئی مقصد نکالنا منظور ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ہدایا رشوت کے حکم میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہدیہ قبول نہ کرے۔ البتہ فقہاء نے تمام روایات کی روشنی میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر کوئی قاضی کو قاضی بننے سے پہلے بھی ہدیہ دیا کرتا تھا، وہی شخص اب بھی ہدیہ لا رہا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے سابقہ تعلق کی وجہ سے لا رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہدیہ قبول کرنا جائز ہے لیکن ایک شخص قاضی بننے سے پہلے تو کبھی ہدیہ نہیں لاتا تھا، اب قاضی بننے کے بعد روزانہ صبح و شام قاضی کی خدمت میں ہدیہ لے جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قاضی کی ذات کی وجہ سے ہدیہ نہیں دے رہا ہے بلکہ اس کے منصب کی وجہ سے دے رہا ہے۔ اس لیے وہ رشوت کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے جو ناجائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي الْحُكْمِ

رشوت دینے والے اور لینے والے کے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے کو مقدمات میں۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقدمات میں رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الْهَدِيَّةِ وَإِجَابَةِ الدَّعْوَةِ ۔۔۔ دعوت اور ہدیہ قبول کرنا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ہدیہ دیا جائے مجھے ایک کھر بکری کا تو بے شک قبول کرلوں میں اور اگر دعوت دی جائے مجھے اس پر تو حاضر ہوں میں۔

تشریح: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر بکری کا ایک کھر بھی مجھے ہدیہ میں دیا جائے تو میں قبول کرلوں گا، اور اگر مجھے اس کی دعوت دی جائے تو میں چلا جاؤں گا۔ یعنی کسی کا ہدیہ خواہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو، میں اس کو رد کر کے اس کی دل شکنی نہیں کروں گا۔ اسی طرح معمولی چیز کی دعوت بھی قبول کرلوں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عَلَى مَنْ يُقْضَى لَهُ بِشَيْءٍ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ

اگر حاکم کا فیصلہ ایسے شخص کے حق میں ہو جائے جو درحقیقت مالک نہ ہو، اس کے متعلق وعید

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَإِنْ قَضَيْتُ لِأَحَدٍ مِنْكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو یعنی انفصال کے لیے اور میں ایک آدمی ہوں یعنی علم غیب نہیں رکھتا اور شاید کہ بعض تم میں سے تیز زبان ہو اپنا دعویٰ بیان کرنے میں دوسرے سے سو اگر میں دلوادوں تم میں سے اس کے بھائی کا کچھ حق تو گویا میں دیتا ہوں اس کو ایک ٹکڑا دوزخ کی آگ کا سو نہ لے اس میں سے کچھ۔

تشریح: یہاں ایک مشہور مسئلہ ہے جس کا عنوان "قضاء القاضی بشهادة الزور فی العقود والفسوخ هل ینفذ ظاهرا و باطنا ام لا" تو اس میں مشہور اختلاف ہے پہلی بات یہ ہے کہ یہ قضا مال کے بارے میں ہوگا یا غیر مال میں پھر اموال میں املاک مرسلہ میں ہوگا یا غیر مرسلہ میں۔ مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا دعویٰ کیا مگر سبب ملک بیان نہیں کیا اور غیر مرسلہ یعنی مقیدہ وہ ہے کہ دعویٰ ملک کے ساتھ سبب ملک بیان کیا۔ مثلاً خرید کیا یا وراثت سے ملا تو املاک مرسلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اس میں قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگی باطناً یعنی "فیما بینه، و بین الله" نافذ نہیں ہوگی اور املاک غیر مرسلہ یعنی مقیدہ اور غیر اموال یعنی نکاح وغیرہ میں اختلاف ہے تو آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک قضا قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگی باطناً نافذ نہیں ہوگی اور امام

اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہراً و باطناً نافذ ہوگی اور یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے۔اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک عورت نے کسی مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے شادی کی اور حقیقت میں کوئی شادی نہ تھی مگر عورت نے جھوٹی شہادت سے ثابت کردیا تو آئمہ ثلاثہ و محمد کے نزدیک وہ عورت صرف ظاہراً اس کی بی بی ہوگی لیکن حقیقتاً بی بی نہیں ہوگی۔لہٰذا اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہوگا اور امام ابو حنیفہ و ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک حقیقتاً بھی اس کی بیوی ہوگی اور وطی کرنا جائز ہوگا۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: آئمہ ثلاثہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ ایسے فیصلہ کے بعد اس کو نہ لے اس لیے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل بہت ہیں جن کی تفصیل "تانیب الخطب لعلامہ زاھد کوثری رحمہ اللہ" میں موجود ہے۔یہاں چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل: قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے اس لیے اگر واقعتاً نکاح نہیں ہوا تھا تو اب قاضی نے شاہدوں کی شہادت سے لوگوں کے سامنے کردیا اور یہ فیصلہ انشاء عقد ہے بنا بریں وہ عورت باطناً بھی اس کی بیوی ہوجائے گی۔

دوسری دلیل: لعان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "احدکما کاذب" تب بھی آپ نے فیصلہ کردیا۔نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر باطناً نافذ نہ ہو تو عورت معلق ہوگی کہ شوہر ہے بھی اور نہیں بھی یا دو شوہر والی ہوگی جس کی نظیر شریعت میں نہیں ہے اور ساری زندگی میں عورت مصیبت میں پڑی رہے گی۔

تیسری دلیل: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے کہ ایک مرد نے ایک عورت پر جھوٹا نکاح کا دعویٰ کیا اور جھوٹی شہادت پیش کی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرد کے حق میں فیصلہ کردیا تو عورت نے عرض کیا کہ حضور! بخدا اس نے مجھ سے شادی نہیں کی لیکن جب آپ نے فیصلہ کردیا تو نکاح پڑھا دیجیے تاکہ گنہگار نہ ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ضرورت نہیں "شاھداک زوجاک" اسی طرح اگر مال میں دعویٰ ہو اور سبب بیان کردے تو قضا قاضی انشاء عقد ہوجائے گا اور وہ مال باطناً بھی مدعی کا ہوجائے گا بخلاف املاک مرسلہ کے کہ اس میں صرف ظاہراً نافذ ہوگی کیوں کہ اسباب میں تزاحم ہوتا ہے کسی خاص سبب پر انشاء عقد نہیں ہوسکتا۔

جواب اوّل: اب آئمہ ثلاثہ کی مستدل حدیث کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ حدیث املاک مرسلہ کے بارے میں ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جواب ثانی: یہ حدیث مسئلہ متنازع فیہا کے ساتھ متعلق ہی نہیں کیوں کہ اس میں بیان ہے اس صورت کا کہ کوئی شخص چرب لسانی اور زبان درازی کے ذریعہ اپنا حق ثابت کرے اور قاضی فیصلہ کردے اور ہمارا قول ہے اس صورت میں جب کہ قاضی جھوٹی شہادت کے ساتھ کوئی فیصلہ کردے بنا بریں اس حدیث کو پیش کرنا درست نہیں۔

جواب ثالث: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرا ایک لطیف جواب دیا ہے کہ آپ نفس دینے کے اعتبار سے "قطعة من النّار" فرما رہے ہیں لیکن قضا قاضی نافذ ہوگئی تو پھر "قطعة من النار" نہیں رہا۔جیسا کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کی

جاریہ سے وطی کرلی تو یہ حرام کیا، پھر وہ باپ اس کا ادعاء کرتا ہے کہ یہ میری اُم ولد ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس کی قیمت دے دے تو باندی اُم ولد ہو جائے گی تو یہاں پہلے حرام تھی لیکن بعد میں حلال ہو گئی، ایسا ہی یہ مسئلہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

مدعی کے لیے گواہ اور مدعا علیہ کے لیے قسم کے متعلق

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَفِي يَدِي لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ، قَالَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِيَحْلِفَ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلَى مَالِكَ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ.

ترجمہ حضرت علقمہ بن وائل سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ آیا ایک مرد حضر موت سے اور ایک مرد کندہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو کہا حضرمی نے یارسول اللہ! اس نے چھین لی ہے میری زمین سو کہا کندی نے وہ زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس کا کچھ حصہ اس میں نہیں سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا نہیں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر تجھ کو اس سے قسم لینا پہنچتا ہے یعنی مدعا علیہ سے اس نے کہا یارسول اللہ! وہ مرد فاجر ہے پرواہ نہیں رکھتا کسی چیز کی قسم کھانے میں اور پرہیز گار نہیں فرمایا تجھ کو کچھ نہیں پہنچتا اس سے سوا قسم کے کہا راوی نے پھر چلا وہ شخص کہ قسم کھائے اس کے لیے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پیٹھ موڑی اس نے اگر قسم کھائی اس نے اس کے مال پر کہ کھالے اس کو ظلم سے تو ملے گا وہ اللہ تعالیٰ سے یعنی قیامت کے دن اور وہ اس سے منہ پھیرنے والا ہوگا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، مدعی کے لیے گواہ پیش کرنا اور مدعا علیہ کے لیے قسم کھانا ضروری ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قسم مدعا علیہ پر ہے۔

تشریح: آسان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ۔۔۔۔ اگر ایک گواہ ہو تو مدعی قسم کھائے گا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ رَبِيعَةُ وَأَخْبَرَنِي ابْنٌ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ وَجَدْنَا فِي كِتَابِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فیصلہ کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ثابت کر دیا دعویٰ مدعی کا اس کی قسم سے ایک گواہ کے ساتھ اور خبر دی مجھ کو سعد کے ایک بیٹے نے کہ ہم نے سعد کی کتاب میں پایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا ایک گواہ اور قسم پر۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا ایک گواہ اور قسم کے ساتھ۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ وَقَضَى بِهَا عَلِيٌّ فِيكُمْ.

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمد سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا قسم کے ساتھ ایک گواہ سمیت کہا راوی نے اور فیصلہ کیا اس کے ساتھ علی نے بھی تمہارے درمیان۔

تشریح: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ مدعی کے ذمہ بینہ ہے اور مدعی علیہ کے ذمہ قسم ہے۔ اب اگر مدعی کے پاس نصاب شہادت موجود نہ ہو بلکہ ایک شاہد ہو تو اب فیصلہ کی صورت کیا ہوگی؟ اگر دعویٰ غیر اموال کے بارے میں ہو تو بالاتفاق مدعی کو نصاب شہادت پیش کرنا ضروری ہے اس پر قسم نہیں آئے گی، اگر دعویٰ اموال میں ہو تو مدعی کے ایک شاہد ہونے کی صورت میں دوسرے شاہد کے بدلے میں قسم لی جائے گی اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی صورت میں بھی مدعی پر قسم نہیں آئے گی بلکہ ایک شاہد کی صورت میں مدعی علیہ پر قسم آئے گی اور اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

آئمہ ثلاثہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم و حدیث کے کلیات سے استدلال پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے: "واشهدوا ذوی عدل منکم واستشهدوا شهدین . . . الآیہ" اور

ابن عباس اور عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما کی مشہور حدیث ہے "البينة على المدعي و اليمين على من انكر" علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے اور امام نووی نے اعتراف کیا کہ "هذا الحديث قاعدة شرعية كلية من قواعد الشرع" یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم فرمادی کہ بینہ یعنی دو شاہد مدعی کے ذمہ ہیں اور یمین مدعی علیہ کے ذمہ ہیں۔ "و القسمة تنافي الشركة" دوسری بات یہ ہے کہ یہاں "البينة، اليمين" میں الف لام جنسی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جنس بینہ منحصر ہے مدعی پر اور جنس یمین منحصر ہے منکر پر "لا يجاوز الى غير المنكر اى المدعي" بہر حال کسی صورت میں مدعی پر یمین نہیں آسکتی۔

آئمہ ثلاثہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو دلیل پیش کی احناف کی طرف سے اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ حدیث متواتر اور آیت قرآنی کے مقابلہ میں یہ حدیث شاذ ہے۔ لہٰذا متواتر ہی پر عمل ہوگا۔

دوسرا جواب: حدیث ہذا سے یقینی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مدعی پر قسم دی گئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ مدعی ایک گواہ ہوتے ہوئے مدعی علیہ پر قسم دلا کر اس کے حق میں فیصلہ کیا اور بعض نے یہ جواب دیا کہ یہاں طریقہ فیصلہ بیان کیا کہ آپ نے شاہد اور یمین کے ذریعے فیصلہ کیا۔ یعنی کبھی مدعی کے پاس گواہ ہونے پر اس کے حق میں فیصلہ کیا اور کبھی اس کے پاس گواہ نہ ہونے کی بناء پر مدعی علیہ سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ

اگر ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک اسے آزاد کرے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ قَالَ شِقْصًا أَوْ قَالَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ قَالَ أَيُّوبُ وَرُبَّمَا قَالَ نَافِعٌ فِي هَذَا الْحَدِيثِ يَعْنِي فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے آزاد کیا اپنے حصے کو کسی غلام مشترک سے راوی کو شک ہے "نَصِيبًا" فرمایا یا "شَقِيصًا" یا "شِرْكًا" اور معنی سب کے ایک ہیں اور اس آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہے کہ اس غلام کی قیمت کے برابر پہنچتا ہے بازار کے نرخ سے سو وہ غلام آزاد ہو گیا اور نہیں تو اس غلام میں سے جتنا آزاد ہوا اتنا ہی آزاد ہے یعنی باقی غلام ہے کہا ایوب نے اور کبھی کہا نافع نے اس حدیث میں یعنی وہ آزاد ہوا جتنا وہ آزاد ہوا یعنی نافع نے کبھی یعنی کا لفظ بڑھا دیا۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ فَهُوَ عَتِيقٌ مِنْ مَالِهِ.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں بواسطہ اپنے باپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے آزاد کیا اپنا حصہ غلام مشترک میں سے اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ پہنچتا ہے غلام کی قیمت کو سو وہ غلام آزاد ہے یعنی اس کو چاہیے کہ سب شریکوں کو قیمت ادا کر کے پورا غلام آزاد کر دے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ قَالَ شِقْصًا فِي مَمْلُوكٍ فَخَلَاصُهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قُوِّمَ قِيمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ يُسْتَسْعَى فِي نَصِيبِ الَّذِي لَمْ يُعْتِقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے آزاد کیا ایک حصہ کسی غلام یا لونڈی کا پس ضرور ہے خلاص اس کا مال سے اگر وہ مال دار ہے اور اگر نہیں ہے اس کے پاس مال تو قیمت کی جائے غلام کی انصاف سے پھر سعی کرائی جائے اس حصہ کے موافق جو آزاد نہیں ہوا بغیر مشقت کے۔

تشریح اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عتق تجزی کو قبول کرتا ہے یا نہیں اور غلام پر سعایہ واجب ہے یا نہ اور تین مذاہب ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عتق تجزی کو قبول کرتا ہے اور بعض صورتوں میں غلام پر سعایہ بھی واجب ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا۔ اب وہ معتق دو حال سے خالی نہیں معسر ہے یا موسر۔ اگر موسر ہے تو شریک ساتھی کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ (۱) وہ اپنا حصہ بھی آزاد کر دے۔ (۲) معتق پر ضمانت لازم کر دے۔ (۳) غلام سے سعایہ کرائے اور اگر معتق معسر ہے تو اس صورت میں شریک ساتھی کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ (۱) اپنا حصہ آزاد کر دے۔ (۲) غلام سے سعایہ کرائے۔

دلیل اوّل: زیر بحث باب کی روایت ہے "وفیه فقد عتق منه ما عتق" اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ معتق نے جتنا غلام آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عتق کے اندر تجزی ہو سکتی ہے۔

دلیل ثانی: زیر بحث باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "وفیه ثم یستسعی فی نصیب الذی لم یعتق غیر مشقوق علیه" اس جملے کے اندر صراحتاً یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر معتق تنگ دست ہے تو غلام سے سعایہ کرایا جائے گا۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر معتق موسر ہے تو اس صورت میں عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا بلکہ معتق پر ضمانت لازم ہوگی اور غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر معتق معسر ہے تو اس صورت میں عتق تجزی کو قبول کرتا ہے اور ان کے نزدیک غلام پر سعایہ نہیں ہوگا اور یہ غلام ایک دن آزاد ہوگا اور ایک دن غلامی کرے گا۔

قول ثالث: صاحبین کے نزدیک عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ اگر معتق موسر ہے تو اس پر ضمانت لازم ہوگی اور اگر معسر ہے تو غلام پر سعایہ واجب ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَى

عمریٰ کے متعلق

عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا أَوْ مِيرَاثٌ لِأَهْلِهَا.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمریٰ نافذ ہے اور وہ گھر اسی کا ہے جس کو دیا ہے یا فرمایا کہ میراث اس کے ناطے والوں کو یعنی بعد اس کے مرنے کے پھر وہ گھر مالک اوّل نہیں لے سکتا بلکہ اس کے وارث لیں گے جس کو دیا گیا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرَى لَهُ وَلِعَقِبِهِ فَإِنَّهَا لِلَّذِي يُعْطَاهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو کوئی گھر ساری عمر کو دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ یہ گھر تیرے رہنے کو ہے اور تیرے وارثوں کے لیے سو وہ گھر اسی کے لیے ہے جس کو دیا گیا نہیں پلٹتا اس کی طرف جس نے دیا تھا اس لیے کہ اس نے ایسا دیا گھر کہ اس میں حق وارثوں کا ہوگا۔

تشریح: عمرۃ ایک قسم ہبہ ہے اور اس طرح رقبہ بھی تاہم رقبیٰ باطل ہے اور عمرۃ جائز ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: عمریٰ یہ ہے کہ ایک شخص کو مثلاً گھر ہبہ میں دے دے تاحیات کہ جب تک تو زندہ ہو یہ تیرا ہوا۔ لہٰذا یہ ہبہ تام ہوا، اور یہ گھر معمر لہ کا ہوگا اور بعد الموت اس کی اولاد و ورثاء کا ہوگا اور واپس معمر کو یعنی واہب کو نہیں ملے گا اور قید عمر باطل ہوگی۔ لہٰذا یہ گھر "دائما معمر لہ" اور اس کے ورثاء کا ہوگا۔

دوسری صورت: معمر کہے "داری لک عمری ما عشت فان مت فھی راجعة الی" یعنی میں اپنا گھر تمہیں عمری کے طور پر دیتا ہوں جب تک تم زندہ ہو اور جب تمہارا انتقال ہو جائے تو میرے پاس واپس آجائے گا۔

تیسری صورت: معمر کہے "اعمرتک ھذا الدار" کہ میں نے عمری کے طور پر اپنا یہ گھر دے دیا اور یہ تصریح نہ کی کہ معمر لہ کے مرنے کے بعد کیا ہوگا۔

شامی ج:۴، صفحہ ۵۵۹ پر ہے۔ وہ "عندنا اعمرت لک ھذا الشیء وھذہ لک عمریٰ من الفاظ الھبة مثل ملکتک" امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ گھر کبھی واپس معمر کو بھی ملے گا۔ "عند موت معمر لہ" امام مالک فرماتے ہیں اگر واہب نے یوں کہا "ھذہ الدار لک عمریٰ" یا یوں کہا "اعمرتک ھذہ الدار" یعنی لفظ "لعقبک" کا ذکر نہ کیا ہو تو یہ گھر بعد موت معمر لہ واپس واہب کو عود کرے گا کیونکہ یہ ہبہ صرف تاحیات معمر لہ ہے تو معمر لہ کی وفات کے بعد یہ واپس واہب کو ملے گا اور اگر یوں کہا ہو

"هذه عمرىٰ لک ولعقبک" تو پھر ہبہ دائمی ہے اور یہ واپس معمر کو نہیں ملے گا بلکہ معمرلہ کی وفات کے بعد اس کی اولاد کو ملے گا۔

مذہب ثانی: امام مالک کے علاوہ دیگر آئمہ کے نزدیک وہ گھر "دائما معمر له" اور اس کی اولاد کا ہوگا۔ اگرچہ لفظ "لعقبک" نہ کہا ہو، بعض کتب فقہ میں ہے کہ عمریٰ کے الفاظ دو تین پر ہیں۔

قسم اوّل: یہ کہ یوں کہے "اعمرتک هذه الدار فان مت فهي لورثتك او قال فهي لعقبک" اس صورت پر اتفاق ہے آئمہ اربعہ کا کہ یہ ہبہ دائمی ہے معمرلہ کے لیے اور واپس معمر کو نہیں ملے گا۔ لہٰذا معمرلہ کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کو ملے گا۔

قسم ثانی: وہ کہ جو مطلق ہو اور ورثاء وغیرہ اس کے ساتھ نہ ہو۔ "بأن يقول اعمرت لک او هي عمرىٰ لک" تو اسی صورت میں اختلاف ہے جو گزر گیا۔ یعنی امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دائمی ہبہ نہیں ہے بلکہ یہ ہبہ تا حیات معمرلہ، لہٰذا معمرلہ کی وفات کے بعد یہ واپس واہب کو ملے گا اور دیگر آئمہ ابوحنیفہ، شافعی واحمد وغیرہ کے نزدیک یہ مثل قسم اوّل ہے اور یہ "دائما معمر له" کا ہوگا اور بعد موتہ اس کی وراثت میں ہوگا۔ واہب کو واپس نہیں ملے گا۔

جمہور کی دلیلیں، اوّلاً: حدیث باب ہے۔ "العمرىٰ جائزة لاهلها او ميراث لاهلها" اور ثانیاً حدیث میں ہے مسند احمد کی "من اعمر عمرىٰ فهي المعمر له في حيات و بعده ولا ترقب شيئا و من ترقب فشيئا فهي سبيل الميراث" شامی میں ہے اور درمختار میں "جاز العمرىٰ للمعمر له ولورثته بعده لبطلان الشرط انتهى" حاصل یہ ہے کہ عمریٰ میں شرط تاعمر باطل ہے اور ھبہ دائما ہوگا اور ہبہ مثل نکاح شروط باطلہ سے باطل نہیں ہوتا۔ امام مالک استدلال کرتے ہیں حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے جو صحیح مسلم میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر "ولعقبه" نہ کہا ہو تو یہ ہبہ بعد موت معمرلہ واپس معمر کو عود کرے گا۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ فقط قول جابر رضی اللہ عنہ ہے حدیث موقوف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقْبىٰ۔۔۔۔۔۔رقبیٰ کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ العُمْرىٰ جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا وَالرُّقْبىٰ جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمریٰ اس کا ہو جاتا ہے جس کو دیا ہے اور رقبیٰ اس کا ہو جاتا ہے جس کو دیا ہے اور تفصیل رقبیٰ کی آگے آتی ہے۔

تشریح: رقبیٰ ہبہ کی ایک قسم ہے اس کا لغوی معنی ہے انتظار کرنا۔ اصطلاح میں رقبیٰ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی دوسرے سے کہے "داری لک رقبیٰ" کہ میں اپنا گھر تمہیں رقبیٰ کے طور پر دیتا ہوں کہ اگر تو پہلے مرگیا تو یہ میرے پاس لوٹ آئے گا اور اگر میں پہلے مرگیا تو یہ مکان ہمیشہ کے لیے تمہارا ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اس کو رقبیٰ کہتے ہیں کہ یہاں ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔

سوال: رقبیٰ کا حکم کیا ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک رقبی کا وہی حکم ہے جو عمریٰ کا ہے۔امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے ہبہ منعقد ہوجائے گا۔دوسرے قول کے مطابق اس سے ہبہ منعقد نہیں ہوگا کیوں کہ یہ غدر کو مستلزم ہے۔

قول ثانی: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک رقبی سے عاریت ثابت ہوتی ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے "وفيه الرقبى جائزة لاهلها" جس سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے لزوم ثابت نہیں ہوتا اور یہ عاریت کا درجہ ہے۔

جواب: اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی نے کہا "ارقبتک هذا الدار" کہ میں نے یہ تمہیں رقبیٰ سمیت دے دیا۔اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الرقبى جائزة لاهلها" لہٰذا اگر کوئی آدمی "ارقبتک" کے لفظ سے ہبہ کرے گا تو یہ ہبہ منعقد ہوجائے گا لیکن جس رقبی میں غدر والا معنی پایا جائے وہ باطل ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصُّلْحِ بَيْنَ النَّاسِ

لوگوں کے درمیان صلح کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث

حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا.

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صلح جاری ہے اور درست ہے مسلمانوں کے درمیان مگر وہ صلح جائز نہیں کہ کسی حرام کو حلال کردے یعنی اس کے ارتکاب کا موجب ہو یا کسی حلال کو حرام کردے یعنی اس کے اجتناب کے واجب کرنے والی ہو اور مسلمانوں کی شرطوں پر رہنا چاہیے مگر وہ شرط کہ حرام کردے کسی حلال کو یا حلال کردے کسی حرام کو۔

تشریح: ہمارے نزدیک صلح جائز ہے اقرار اور سکوت پر دونوں صورتوں میں اور ایک تیسری صورت، انکار کی صورت میں بھی جائز ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلح صرف پہلی صورت میں جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَضَعُ عَلَى حَائِطِ جَارِهِ خَشَبًا۔۔۔۔ہمسائے کی دیوار پر لکڑی رکھنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدَكُمْ جَارُهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَهُ فِي جِدَارِهِ فَلَا يَمْنَعْهُ فَلَمَّا حَدَّثَ أَبُو هُرَيْرَةَ طَأْطَأُوا رُءُوسَهُمْ، فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ وَاللهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اجازت چاہے تم سے ہمسایہ اس کا کہ ایک لکڑی گاڑے اس کی دیوار میں یعنی میخ وغیرہ یا چھت کی کڑی شہتیر تو منع نہ کرے اس کو پھر جب بیان کی کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث جھکائے لوگوں نے سر اپنے یعنی خجالت (شرمساری) سے کہا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے مجھ کو دیکھتا ہوں تم کو اعراض کرنے والے اس سے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں ماروں گا اس حدیث کو تمہارے شانوں میں یعنی تم سے اس پر عمل کروا کے چھوڑوں گا۔

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کا پڑوسی اس سے اس بات کی اجازت طلب کرے کہ وہ تمہاری دیوار پر لکڑی گاڑ لے، تو وہ اس کو منع نہ کرے۔ (بلکہ اس کو رکھنے کی اجازت دے دے) جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سنائی تو سننے والوں نے اپنے سر جھکا لیے جس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ ان کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں تم کو اس حکم سے اعراض کرنے والا دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم میں یہ حکم تمہارے کندھوں کے درمیان پھینک کر رہوں گا، یعنی تمہیں پسند آئے یا نہ آئے مگر میں یہ حکم تم کو ضرور سناؤں گا۔

بعض اہل ظاہر کا مسلک

اس حدیث کی بنیاد پر بعض اہل ظاہر نے لکڑی رکھنے کی اجازت دینے کو وجوب پر محمول کیا ہے۔ یعنی اگر کوئی پڑوسی اپنے گھر کی چھت کی شہتیر دوسرے کی دیوار پر رکھنا چاہے تو اس پڑوسی کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے، اگر منع کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ لیکن جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پڑوسی کو علی الاطلاق حق حاصل ہو گیا اور اس کے لیے منع کرنا بالکل جائز نہیں بلکہ یہ ایک ارشاد ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مشورہ ہے کہ اگر کوئی اپنا شہتیر رکھنا چاہے تو تم اس کو اجازت دے دو۔ اس لیے کہ اس سے اس کا تو فائدہ ہو جائے گا اور تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور خود حدیث کے الفاظ بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: "فلا یمنعه" اس کو نہ روکے، اگر روکنے کا حق حاصل ہی نہ ہوتا تو پھر "لا یمنعه" نہ کہا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روکنے کا حق بھی حاصل ہے۔ اگر روکے گا تو اس کا روکنا مؤثر بھی ہوگا۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ تم اس کو منع نہ کرو اور اس کے ساتھ ایثار سے کام لو۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى مَا يُصَدِّقُهُ صَاحِبُهُ

قسم دلانے والے کی تصدیق پر ہی قسم صحیح ہوتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَمِينُ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اسی پر واقع

ہوتی ہے جس کی تصدیق کرے تیرا صاحب یعنی قسم لینے والا۔

تشریح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یمین اس معنی پر معتبر ہوتی ہے جس پر تمہارا ساتھی تمہاری تصدیق کرے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص تمہیں کسی بات پر قسم دے رہا ہے اور اس کو تمہیں قسم دلانے کا حق حاصل ہے، اگر تم اس قسم کے اندر توریہ کر کے ایسے معنی مراد لے لو جو اس کے اندر پوشیدہ ہوں، جب کہ تمہارا ساتھی یہ سمجھ رہا ہے کہ تم نے صحیح قسم کھالی ہے تو ایسا کرنا درست نہیں اور اس صورت میں بھی یمین اس معنی پر منعقد ہوگی جس معنی پر قسم دلانے والا قسم دلا رہا ہے۔

قسم میں توریہ نہیں ہو سکتا مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ گھر جس میں تم سکونت پذیر ہو، یہ میرا ہے اور اس کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مدعا علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا کہ وہ قسم کھائے کہ یہ گھر میرا نہیں ہے۔ چنانچہ وہ قسم کھا لیتا ہے اور دل میں یہ نیت کرتا ہے کہ اس گھر کی ملکیت تامہ مدعی کو حاصل نہیں۔ اس لیے کہ ملکیت تامہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، یہ توریہ معتبر نہیں اور قسم اس معنی میں معتبر ہوگی جس میں قسم دینے والے نے قسم دی۔ بشرطیکہ قسم دلانے والا قسم دلانے میں برحق ہو۔ لہٰذا اگر وہ ظلماً قسم لے رہا ہے تو اس صورت میں حالف کی نیت معتبر ہوگی اور اس صورت میں اگر وہ توریہ کرے تو اس کے لیے توریہ کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّرِيقِ إِذَا اخْتُلِفَ فِيهِ كَمْ يُجْعَلُ؟

جب راہ میں اختلاف ہو تو کتنی مقرر کریں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا الطَّرِيقَ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقرر کرو راہیں سات گز کی یعنی سات ہاتھ کی۔

تشریح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: راستے کو سات ذراع بناؤ۔ اس حدیث میں رفع نزاع کا ایک طریقہ آپ نے بتا دیا۔ مثلاً فرض کریں کہ دو آدمیوں کے گھر آمنے سامنے ہیں اور درمیان میں راستہ ہے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے پر الزام لگا دیا کہ تو نے راستے کا حصہ اپنے گھر میں لے لیا ہے اور راستے کی تعیین کا کوئی بینہ موجود نہیں ہے جس کے ذریعہ راستے کی تعیین ہو سکے تو اس صورت میں رفع نزاع کے لیے آپ نے فرمایا کہ تم یہ سمجھو کہ راستہ سات ذراع ہے، اب اگر کسی نے سات ذراع کے اندر مکان بنا لیا ہے تو اس کو گرا دو اور اگر سات ذراع سے باہر ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کوئی تشریع ابدی نہیں ہے کہ ہمیشہ راستہ سات ذراع ہی کا ہونا چاہیے بلکہ جتنا بھی مصلحت کے مطابق ہو، راستہ بنا سکتے ہیں۔ اب جیسے آج کل حکومت کے ادارے ''ایم ڈی اے، سی ڈی اے'' کی طرف سے راستے کی مقدار معین ہوتی ہے۔ آج کل نزاع کی صورت میں وہی معتبر ہوگی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَشَاجَرْتُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاجْعَلُوهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اختلاف کرو تم راہوں میں تو مقرر کردو اس کو سات ہاتھ۔

تشریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب راستے کے معاملے میں تمہارے درمیان آپس میں جھگڑا ہو جائے تو راستے کو سات ذراع بنالو۔اس حدیث کے ذریعہ اور وضاحت ہوگئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْيِيرِ الْغُلَامِ بَيْنَ أَبَوَيْهِ إِذَا افْتَرَقَا

والدین کی جدائی کے وقت بچے کو اختیار دیا جائے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ أَبِيهِ وَأُمِّهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا ایک لڑکے کو چاہے باپ کے پاس رہے چاہے ماں کے پاس۔

تشریح اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر خاوند اور بیوی کے درمیان کسی بھی وجہ سے فرقت واقع ہو جائے تو بچہ کس کو ملے گا، اس میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر لڑکا ہے تو سات سال تک ماں کے پاس رہے گا اور سات سال کے بعد باپ کے پاس رہے گا، اگر لڑکی ہے تو بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی اور بلوغت کے بعد باپ کے پاس رہے گی۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بچہ سن تمیز کو پہنچ چکا ہو تو اس کو اختیار دیا جائے گا، ماں باپ میں سے جس کو چاہے اختیار کرلے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے "وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیر غلاما ... الخ" کہ جب زوجین کے درمیان فرقت ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کا اختیار دیا تھا۔

جواب: یہ حدیث خصوصیت پر محمول ہے۔ وہ اس طرح کہ یہاں زوجین کے درمیان جو فرقت واقع ہوئی تھی اس کا سبب اباء عن الاسلام تھا کہ بیوی مسلمان ہوگئی تو خاوند نے اسلام سے انکار کردیا ایسی صورت میں بالاتفاق بچہ اس کو ملے گا جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو اس اُصول کے مطابق ماں کو ملنا چاہیے تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتر اہتمام حجت کے لیے اس کا بچے کو اختیار دیا کیونکہ آپ کو بذریعہ وحی یہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ بچہ ماں کو اختیار کرے گا۔

باب ما جآءَ اَنّ الوَالِدَ یأخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِہ

باپ اپنے بیٹے کے مال سے جو چاہے لے سکتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَاِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پاکیزہ مال وہ ہے جو کھاتے ہو تم اپنے ہاتھوں کی مزدوری سے اور اولاد تمہاری بھی تمہاری مزدوری میں داخل ہے یعنی ان کا مال بھی تمہارا ہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُكْسَرُ لَهُ الشَّيْءُ مَا يُحْكَمُ لَهُ مِنْ مَالِ الْكَاسِرِ؟

اگر کسی سے کوئی چیز ٹوٹ جائے اس کے بدلے میں چیز دینے سے متعلق

عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَهْدَتْ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا فِي قَصْعَةٍ فَضَرَبَتْ عَائِشَةُ الْقَصْعَةَ بِيَدِهَا فَأَلْقَتْ مَا فِيهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بھیجا کسی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کھانا ایک پیالے میں تو مارا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ہاتھ پیالے پر سو گر گیا جو اس میں تھا سو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بدلے کھانا دینا چاہیے اور پیالے کے بدلے پیالہ۔

عَنْ أَنَسٍ اسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةً فَضَاعَتْ فَضَمِنَهَا لَهُمْ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستعار منگوایا ایک پیالہ پس وہ ٹوٹ گیا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضامن ہوئے اس کے یعنی دیا عوض اس پیالہ کا۔

تشریح اس باب کی روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے ایک اُصول کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اُصول یہ ہے جب کوئی آدمی کسی کی چیز ضائع کر دے تو اس پر ضمانت واجب ہے، وہ اس طرح کہ وہ چیز دو حال سے خالی نہیں، ذوات الامثال میں سے ہوگی یا ذوات القیم میں سے۔ اگر ذوات الامثال میں سے ہو تو ضمان بالمثل واجب ہوگا اور اگر ذوات القیم میں سے ہو تو ضمان بالقیمت لازم ہوگا۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں ''اناء باناء'' کا ذکر ہے کیا برتن ذوات الامثال میں سے ہیں یا ذوات القیم میں سے؟

جواب: اس زمانے میں برتن ذوات القیم میں سے تھے کیونکہ اس زمانے میں ان کی صنعت ہاتھ سے ہوتی تھی اور یہ تفاوت کو

مستلزم ہے۔ موجودہ دور میں برتن ذوات الامثال میں سے ہیں کیونکہ مشین کے ذریعے بنائے جاتے ہیں اور یہ عدم تفاوت کو مستلزم ہے۔

سوال: زیر بحث باب میں مذکورہ ہے "اناء باناء" اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں برتن ذوات الامثال میں سے تھے، اگر ذوات القیم میں سے ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیمت ادا کرنے کا حکم دیتے؟

جواب: اس حدیث میں ضمانت کے وجوب کو بیان کرنا مقصد ہے کہ برتن کا ضمان آئے گا۔ یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ وہ ضمان بالمثل ہوگا یا بالقیمت۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ وَ الْمَرْأَةِ۔۔۔۔ مرد، عورت کب بالغ ہوتے ہیں؟

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَيْشٍ وَ أَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي فَعُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَ أَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِي قَالَ نَافِعٌ وَ حَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَ الْكَبِيرِ ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ يَبْلُغُ الْخَمْسَ عَشْرَةَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پیش کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لشکر میں اور میں چودہ برس کا تھا سو قبول نہ کیا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی بسبب نابالغ ہونے کے پھر پیش کیا گیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سال آئندہ ایک لشکر میں اور میں پندرہ برس کا تھا سو قبول کیا مجھ کو کہا نافع نے بیان کی میں نے یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کے آگے تو انہوں نے کہا یہی حد ہے بالغ اور نابالغ کی اور پھر لکھ بھیجا انہوں نے اپنے عاملوں کو کہ غنیمت سے حصہ دو اس کو جو پندرہ برس کا ہو۔

تشریح لڑکے کی علامت بلوغ دو ہیں احتلام ہونا، جماع سے انزال منی ہونا اور اس سے حمل ٹھہرنا اور لڑکی کی علامت بلوغ حیض ہونا اور احتلام ہونا اور حمل ٹھہرنا۔ اب اگر ان میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو عمر کے اعتبار سے بالغ ٹھہرایا جائے گا لیکن اس میں اختلاف ہے۔ آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک خواہ مرد ہو یا عورت، پندرہ سال ہونے کو بالغ قرار دیا جائے گا اور دلیل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ نیز دوسری حدیث ہے: "اذا استکمل للمولود خمس عشرة سنة کتب ماله وما علیه واقیمت علیه الحدود" اس سے صاف معلوم ہوا کہ حد بلوغ پندرہ سال ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری ایک روایت ہے کہ لڑکے کی حد بلوغ اٹھارہ سال ہے اور لڑکی کی سترہ سال، اور لڑکا کم سے کم بارہ سال میں بالغ ہوتا ہے اور عورت نو سال کی عمر میں بالغ ہوتی ہے۔

بَابُ ماجاءَ فِيمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ۔۔۔۔۔ جو شخص اپنے والد کی بیوی سے نکاح کرے

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ مَرَّ بِي خَالِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَمَعَهُ لِوَاءٌ فَقُلْتُ أَيْنَ تُرِيدُ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ أَنْ آتِيَهُ بِرَأْسِهِ۔

ترجمہ: حضرت براء سے روایت ہے کہا انہوں نے گزرے مجھ پر میرے ماموں اور ان کے پاس ایک نیزہ تھا سو میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ رکھتے ہو تم؟ سو انہوں نے کہا بھیجا ہے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کی طرف کہ اس نے نکاح کیا ہے اپنے باپ کی بیوی یعنی موطوءہ سے اس لیے کہ میں اس کا سر لاؤں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔

تشریح: "قوله تزوج امرأة ابيه" زمانہ جاہلیت میں یہ نکاح جائز تھا، زمانہ اسلام میں محارم سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے شبہ سے نکاح کیا تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ دوسرے فقہاء اس بات کے خلاف ہیں، اسی طرح اگر کسی نے محارم سے نکاح کر لیا تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ زنا نہیں ہے۔ لہٰذا حد بھی نہیں ہوگی۔ اگرچہ یہ زنا سے بھی اشد ہے۔ جیسے لواطت وغیرہ۔

باقی رہی بات حدیث الباب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل تھا اور یہ قتل حداً نہیں تھا کیونکہ حد یا تو رجم ہے یا کوڑے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس پر حد جاری کرنا مقصود ہوتا تو پھر جھنڈا لے کر نہ بھیجتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو جھنڈا دے کر بھیجا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کو قتل اس لیے کیا گیا تاکہ لوگ اس گھناؤنے گناہ سے مکمل اجتناب کرلیں اور جھنڈا دے کر بھیجنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اسلام کے سائے میں محارم سے نکاح حرام ہے جو اسلام میں رہ کر ایسا کرے گا، اس کو ایسی سزا بھی دی جائے گی۔ اسلام میں اس قسم کے گناہ کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الآخَرِ فِي الْمَاءِ

دو شخصوں کے اپنے کھیتوں کو پانی دینے سے متعلق جن میں سے ایک کا کھیت اونچا اور دوسرے کا نیچا ہو

عَنْ عُرْوَةَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الأَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمُوا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ، فَغَضِبَ الأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا زُبَيْرُ اسْقِ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ

حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللهِ إِنِّي لَأَحْسِبُ نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِي ذَلِكَ {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ} [النساء: 65] ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. الآيَةَ:

ترجمہ حضرت عروہ سے روایت ہے انہوں نے حدیث بیان کی ابن شہاب سے کہ عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا ان سے کہ ایک مرد انصاری نے جھگڑا کیا زبیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سنگستان (پتھریلی زمین) کے پانی کی نالیوں میں کہ جس سے سینچتے تھے کھجور کے درختوں کو سو انصاری نے کہا چھوڑ دو پانی کو کہ بہتا چلا جائے سو نہ مانا زبیر نے سو فرمایا لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے پانی دے۔ اے زبیر! اپنے کھیت میں پھر چھوڑ دے اپنے ہمسایہ کے لیے سو غصہ ہوا انصاری اور کہا یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رعایت کی سو متغیر ہو گیا چہرۂ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، پھر فرمایا اے زبیر پانی دے تو اپنے کھیت میں پھر روک رکھ پانی کو یہاں تک کہ منڈیر تک بھر جائے سو کہا زبیر نے قسم ہے اللہ کی میں یقین کرتا ہوں کہ یہ آیت اس مقدمہ میں اُتری ہے: "فَلَا وَرَبِّكَ سے تَسْلِيمًا" تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سو قسم ہے تیرے رب کی ان کو ایمان نہ ہوگا جب تک تجھ کو منصف نہ جانیں جو جھگڑا اُٹھے آپس میں پھر نہ پائیں اپنے جی میں خفگی تیرے چکوتے (فیصلے، حکم) سے اور قبول رکھیں مان کر۔

تشریح پانی کی تقسیم کا ضابطہ یہ ہے کہ جس طرف سے پانی آ رہا ہے اس طرف سے پانی کی تقسیم شروع کرتے ہیں، اعلیٰ یعنی جس کی زمین پہلے ہے پہلے اس کا حق ہوتا ہے، وہ اپنے کھیت وغیرہ منڈیر تک بھر لے تو پھر پانی اسفل کے لیے چھوڑا جاتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جس مخاصمت کا ذکر ہے اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین اعلیٰ تھی یعنی پہلے تھی اور انصاری کی اسفل تھی، قاعدہ کی رو سے تو یہ فیصلہ ہونا چاہیے تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پہلے اپنی زمین جدر تک بھر لیں، پھر اس آدمی کے لیے پانی چھوڑیں لیکن یہ انصاری چاہتا تھا کہ زبیر بالکل پانی نہ لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درمیانہ راستہ نکالا کہ زبیر اپنے کھیت منڈیر تک تو نہ بھریں بلکہ اتنا پانی دے لیں کہ خشک نہ ہونے پائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو اپنا حق چھوڑنے پر آمادہ کیا تھا اس کے باوجود اس شخص نے یہ بات کہی کہ آپ نے اپنے رشتہ دار اور پھوپھی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض ہو کر اس کو جو رعایت دی تھی وہ واپس لے لی اور زبیر سے کہا کہ تم اپنا حق پورا وصول کرو۔ آپ نے ناراضگی کی وجہ سے اس شخص کا حق دبایا نہیں بلکہ اس کو جو رعایت دی تھی وہ واپس لی ہے کیونکہ اس کی بات سے پتا چلتا تھا کہ یہ اس رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ شاید یہ شخص منافق ہو، انصار کے قبیلہ میں سے ہونے کی وجہ سے اس کو انصاری کہہ دیا گیا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُعْتِقُ مَمَالِيكَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ

جو شخص موت کے وقت اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دے اور ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہ ہو

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ سِتَّةَ أَعْبُدٍ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا ثُمَّ دَعَاهُمْ فَجَزَّأَهُمْ ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً.

ترجمہ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک مرد نے انصار سے آزاد کیا چھ غلاموں کو اپنی موت کے نزدیک اور اس کا کچھ اور مال نہ تھا سوا ان غلاموں کے پھر یہ خبر پہنچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ سخت وست کہا پھر بلایا ان غلاموں کو اور ان کے تین حصے کیے یعنی دو غلام الگ الگ کر کے پھر قرعہ ڈالا ان میں اور آزاد کیا ان میں سے دو کو یعنی جن کے نام قرعہ نکلا اور غلام رہنے دیا چار کو۔

تشریح اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی کے بہت غلام ہوں اور غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہ ہو اور وہ موت کے وقت سارے غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کرے تو کیا یہ وصیت ثلث میں نافذ ہوگی یا نہ اس میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہو جائے گا اور دو ثلث غلام رہیں گے اور ہر غلام دو ثلث کا سعایہ کر کے مکمل طور پر آزاد ہو جائے گا۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ہے کہ جس وقت مولی نے کہا کہ میرے تمام غلام آزاد ہیں تو اس کی وصیت شرعاً ایک ثلث میں نافذ ہوگی اور کوئی غلام دوسرے سے اولیٰ و افضل نہیں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ پس معلوم ہوا کہ ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہو جائے گا۔

قول ثانی: امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں یہ وصیت ایک ثلث میں نافذ ہوگی اور ثلث کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی کی جائے گی۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ ایک آدمی نے موت کے وقت اپنے غلاموں کو آزاد کر لیا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ثلث میں وصیت کو جاری کیا تھا یعنی دو کو آزاد کیا تھا اور ان کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی کی تھی۔

جواب (۱): یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں حقوق کے اثبات یا نفی کے لیے قرعہ اندازی کی جاتی تھی۔ جب استقسام بالازلام کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو حقوق کے اثبات یا نفی کی قرعہ اندازی کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ البتہ حصہ کی تعیین کیلئے قرعہ اندازی اب بھی جائز ہے۔

جواب (۲): جب اس آدمی نے تمام غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کی تو ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہو چکا۔ اگر قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کیا جائے تو اس سے ایک بہت بڑی خرابی لازم آتی ہے وہ یہ کہ قرعہ اندازی سے آزادی کے بعد غلامی ثابت ہو جاتی ہے حالانکہ آزادی کے بعد غلامی کبھی نہیں آسکتی۔

بابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ مَلَكَ ذَا مَحْرَمٍ ۔۔۔ اگر کسی شخص کا کوئی رشتہ دار اس کی ملکیت میں آجائے

عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ.

ترجمہ حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مالک ہو ذی رحم یعنی ناطے دار کا خریدنے کے سبب سے یا ارث کی جہت سے تو وہ مملوک آزاد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ
اگر کوئی شخص کسی کی زمین میں بغیر اجازت زراعت کرنے لگے

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ.

ترجمہ حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بوئے کسی قوم کی زمین میں بغیر اجازت کے تو اس کا کچھ نہیں اس کھیتی میں بلکہ وہ سب زمین والے کا ہے اور جو اس میں سے پیدا ہو اور بونے والا اپنا خرچ یعنی بیج وغیرہ کی قیمت لے لے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: اگر کوئی آدمی کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرے تو فصل کس کی ہوگی اس میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی آدمی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرتا ہے تو اس کے لیے تین چیزیں ہوں گی۔

اوّل: اس پر زمین کو غصب کرنے کا گناہ ہوگا۔ دوم: زمین والے کے لیے اس پر نقصان کی ضمانت ہوگی۔

سوم: پیداوار کا یہ مالک ہو جائے گا لیکن یہ ملکیت خباثت سے خالی نہیں ہوگی۔

قول ثانی: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں پیداوار صاحب ارض کی ہوگی اور کاشت کرنے والے کو اُجرت ملے گی۔

قول اوّل کی دلیل اوّل

امام صاحب کا استدلال ابوداؤد کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھیت کے پاس سے گزرے اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت اچھا لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ما احسن زرع زهير رضی الله عنه" زہیر کا کتنا اچھا کھیت ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ اصل میں زہیر کا کھیت نہیں، زمین کسی کی ہے، زہیر رضی اللہ عنہ نے مالک کی اجازت کے بغیر کاشت کی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، پیداوار زہیر ہی کی ہوگی اور مالک کے لیے ضمانت ہوگی۔ اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ فصل زہیر کی ہوگی۔

دلیل ثانی: دوسری دلیل قیاسی ہے۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ پیداوار بذر کی نماء ہے اور بذر کاشت کرنے والے کی ملکیت تھا اس لیے پیداوار بھی اس کی ملکیت ہوگی۔ زمین کو اگرچہ استعمال تو کیا گیا ہے لیکن زمین کا کوئی حصہ اس میں شامل نہیں۔ البتہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے کہ زمین کو پیداوار کے لیے غصب کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ملکیت میں خباثت پیدا ہوگئی۔

قول ثانی کی دلیل:

ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو دوسرے کی زمین کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرے تو اس کاشتکار کو پیداوار میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ زراعت کا نفقہ مل جائے گا۔

جواب: "ليس له من الزرع شيء" کا مطلب یہ ہے کہ اس پیداوار سے انتفاع اس کے لیے جائز نہیں۔ اگرچہ وہ پیداوار اس کی ملکیت میں آگئی اور "له نفقة" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جتنا خرچ کیا تھا اس کے بقدر پیداوار سے انتفاع کرلے تو وہ اس کے لیے حلال اور طیب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النُّحْلِ وَالتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْوَلَدِ

ہبہ کرنا اور اولاد کے درمیان برابری قائم رکھنا

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَاهُ نَحَلَ ابْنًا لَهُ غُلَامًا فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشْهِدُهُ فَقَالَ أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَارْدُدْهُ.

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے اپنے کسی بیٹے کو ایک غلام دیا سو آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گواہ کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب بیٹوں کو تم نے ایسا ہی غلام دیا جیسا اس کو دیا ہے انہوں نے کہا نہیں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیر لو اس کو۔

تشریح مسئلہ اختلافی: اولاد کے درمیان ہدیہ میں مساوات کا کیا حکم ہے اس میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مساوات مستحب ہے واجب نہیں۔ اگر اضرار مقصد ہو تو مساوات واجب ہے اور اگر کسی کو خاص وصف کی وجہ سے زیادہ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ مثلاً خدمت یا علم یا کسی اور وجہ سے زیادہ دے۔

قول ثانی: بعض آئمہ کے نزدیک مساوات واجب ہے۔ تساوی کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے۔ ان کے والد نے اپنے ایک بیٹے کو عطیہ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد بننے کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا سب اولاد کو عطیہ دیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو واپس لوٹا لو کیوں کہ میں ظلم پر گواہ بننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساوات ضروری ہے۔

جواب: حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ عمرۃ بنت رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو زیادہ دینے پر مجبور اور اصرار کیا۔ دوسری اولاد جو دوسری بیوی سے تھی اس کو محروم کردیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری حقیقت معلوم ہوگئی اور زیادہ دینے کی کوئی معقول وجہ بھی نہ تھی کہ ترجیح دی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ اس میں دوسرے کا ضرر ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ظلم قرار دے کر واپسی کا حکم دیا اور شہادت سے انکار کردیا۔

سوال: کیا مذکر و مؤنث کے درمیان تسویہ ضروری ہے یا قانون وراثت کے مطابق تقسیم ہوگی؟

جواب: اس میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ تسویہ ہوگا، دوسرے یہ کہ وراثت کے مطابق ہوگا۔ احناف کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ تسویہ ہوگا۔ اس پر دلیل وہ روایت ہے جس میں اولاد کو برابر دینے کا حکم ہے اور اس میں مذکر اور مؤنث کی تفریق مذکور نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ ...... شفعہ کے بیان میں

عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمسایہ گھر کا زیادہ حق دار ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ لِلْغَائِبِ ...... اگر شفیع شفعہ کے وقت غائب ہو

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ يُنْتَظَرُ بِهِ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمسایہ مستحق ہے اپنے قریب کے گھر کا جس میں شفعہ پہنچتا ہے انتظار کیا اس کا یعنی بیچتے وقت بسبب شفعہ کے اگرچہ وہ غائب ہو جبکہ راستہ ان دونوں کا ایک۔

تشریح: شفعہ کا لغوی معنی ہے "ضم" ملانا۔ شفعہ کی اصطلاحی تعریفیں مختلف کی گئی ہیں۔ حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے احناف سے ایک تعریف یہ نقل کی ہے "هی تملک البقعة جبرا علی المشتری بما قام علیه" (اوجز المسالک، ص: ۲۲۴،

ج:۵) یعنی مشتری کوئی بقعہ خرید تا ہے بعض لوگوں کو شریعت یہ حق دیتی ہے کہ وہ مشتری کی رضاء کے بغیر اس سے وہ زمین یا مکان لے لے، اتنے ہی ثمن کے بدلہ میں جتنے میں مشتری کو پڑی ہے۔ اس طرح سے اس زمین کا مکان کا مالک ہو جانا شفعہ کہلاتا ہے۔ لغوی معنی کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے کہ اس میں شفیع وہ خریدی ہوئی جگہ مشتری سے لے کر اپنی ملکیت کے ساتھ ملا لیتا ہے۔ شفعہ کی نفس مشروعیت پر تقریباً اجماع ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات میں اختلاف ہوا ہے۔

غیر منقولہ چیز میں شفعہ کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: حنفیہ شافعیہ اور جمہور کے نزدیک شفعہ صرف غیر منقولہ جائیداد میں ہوتا ہے، منقولہ چیزوں میں شفعہ کا حق نہیں ہوتا۔

قول ثانی: بعض حضرات غیر منقولہ چیزوں میں بھی حق شفعہ کے ثبوت کے قائل ہیں۔

جمہور کی دلیل: شفعہ کی اکثر احادیث میں دار، عقار، حائط وغیرہ کے لفظ آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ہے "لاشفعة الا فی ربع او حائط" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں ہے "لا شفعة الا فی دار أو عقار"

جو حضرات منقولہ چیزوں میں ثبوت شفعہ کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے جو فصل ثانی میں بحوالہ ترمذی آ رہی ہے۔ "الشفعة فی کل شیء" جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کل حقیقی مراد نہیں بلکہ کل اضافی مراد ہے یعنی شفعہ غیر منقولہ جائیداد میں ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا حُدَّتِ الحُدُودُ وَقَعَتِ السِّهَامُ فَلَا شُفْعَةَ

جب حدود مقرر ہو جائیں اور راستے الگ الگ ہو جائیں تو شفعہ نہیں

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَتِ الحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پڑ جائیں حدیں اور پھر جائیں راستے تو پھر شفعہ نہیں۔

تشریح:...... اقسام شفعہ میں ائمہ کے مختلف اقوال

حنفیہ کے نزدیک شفعہ تین قسم کے لوگوں کو ملتا ہے۔ (۱) شریک فی نفس المبیع یعنی بیچی جانے والی زمین یا مکان میں دونوں شریک ہوں۔ (۲) شریک فی حق المبیع یعنی بیچی جانے والی زمین یا مکان میں تو بائع اور شفیع شریک نہ ہوں البتہ راستہ پانی وغیرہ حقوق میں دونوں کی شرکت ہو۔ (۳) جار یعنی شفیع نہ بائع کے ساتھ بیچے جانے والے مکان میں شریک ہے نہ اس کے کسی حق میں

صرف پڑوسی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ترتیب یہ ہے کہ شریک فی نفس المبیع شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے، دوسرے نمبر پر شریک فی حق المبیع اور تیسرے نمبر پر جار کا حق ہے۔ جار کو حق شفعہ ملتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔

مذہب اوّل: امام شافعی و مالک واحمد کے نزدیک شفعہ کا سبب شرکت ہے وبہ قال اسحاق واوزاعی تو ان کے نزدیک شفعہ بالجوار جائز نہیں ہے۔

مذہب ثانی: عندابی حنیفہ وثوری وابن ابی لیلہ وابن سیرین شفعہ بالشرکت بھی جائز ہے اور بالجوار بھی۔

دلائل امام شافعی، دلیل اوّل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا "اذا قسمت الدار وحدت فلا شفعة فيها رواه ابوداؤد وابن ماجه"

دلیل ثانی: ترمذی میں ہے "عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعا اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة"

جواب اوّل: فلا شفعہ کا معنی ہے "فلا شفعة بالشركة" یعنی تقسیم کے بعد اب شفعہ یا شرکت باقی نہ رہا، اس میں مطلق شفعہ کی نفی نہیں ہے۔

جواب ثانی: ہماری احادیث راجح ہیں کیونکہ وہ مشتمل ہیں زیادت پر، ہماری احادیث قابل تاویل نہیں ہیں بلکہ صریح ہیں تو صریح راجح ہوتی ہے۔

دلیل ثالث: ان کے نزدیک سبب جواز "شفعة دفع مؤنة قسمت" ہے کیونکہ نیا شریک تقسیم کرے گا اور تقسیم پر خرچ آتا ہے نیز تکلیف ہوتی ہے تو اس سے بچنے کے لیے شرع نے شفعہ کی اجازت بخشی ہے اور جوار میں یہ سبب نہیں ہے تو وہاں شفعہ بھی جائز نہیں۔

جواب: سبب جوار شفعہ عندنا یہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ "دفع ضرر من سوء المجاور والشريك" اور ضرر جس طرح شریک سیئہ سے پہنچ سکتا ہے اسی طرح جار سیئہ سے بھی پہنچ سکتا ہے تو دونوں کے رفع کے لیے شفعہ مشروع کیا گیا بلکہ ضرر جار عام و کثیر الوقوع ہے اور اکثر ہے ضرر شریک سے جبھی تو عربی محاورہ ہے "اطلب الجار قبل الدار"

دلائل احناف، دلیل اوّل:

روایت سمرہ رضی اللہ عنہ ہے مرفوعا فی الباب "للترمذی جار الدار احق بالدار و رواه احمد و ابوداؤد"

دلیل ثانی: "عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم الجار احق بالشفعه ينتظر به وان كان غائبا وان كان طريقهما واحد رواه الخمسة الى النسائي"

دلیل ثالث: روایت ہے ابن سوید رضی اللہ عنہ کی مرفوعا "الجار احق ما كان رواه احمد و ابن ماجه، نیل ج:۵، ص:۲۵۵، شامی، ج:۵، ص:۱۵۰"

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّرِيكَ شَفِيعٌ ۔۔۔۔ شفعہ کا حق تمام شرکاء کو حاصل ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّرِيكُ شَفِيعٌ وَالشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شریک کو حق شفعہ پہنچتا ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللُّقَطَةِ وَضَالَّةِ الإِبِلِ وَالْغَنَمِ

لقطہ اور کھوئے ہوئے اونٹ اور بکری کے متعلق

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا قَالَ. ابْنُ نُمَيْرٍ فِي حَدِيثِهِ فَالْتَقَطْتُ سَوْطًا فَأَخَذْتُهُ قَالَا دَعْهُ فَقُلْتُ لَا أَدَعُهُ تَأْكُلُهُ السِّبَاعُ لَآخُذَنَّهُ فَلَأَسْتَمْتِعَنَّ بِهِ فَقَدِمْتُ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ وَحَدَّثْتُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ وَجَدْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ قَالَ فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لِي عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا فَمَا أَجِدُ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ فَعَرَّفْتُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ وَقَالَ أَحْصِ عِدَّتَهَا وَوِعَاءَهَا وَوِكَاءَهَا فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا فَأَخْبَرَكَ بِعِدَّتِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا.

ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ نکلا میں یعنی سفرحج میں زید بن صوحان اور سلمان بن ربیعہ کے ساتھ سو پایا میں نے ایک کوڑا اور ابن نمیر نے اپنی روایت میں کہا: ''فَالْتَقَطْتُ سَوْطًا'' یعنی پڑا پایا میں نے ایک کوڑا سو لے لیا، میں نے اس کو اور دونوں رفیقوں نے کہا میرے چھوڑ دو اس کو میں نے کہا میں کبھی نہ چھوڑوں گا کہ درندے کھالیں میں اس کو لے لوں گا اور اپنا کام نکالوں گا اس سے پھر آیا ابی بن کعب کے پاس اور پوچھا میں نے مسئلہ اس کا اور بیان کیا میں نے اس کا سارا قصہ سو انہوں نے فرمایا خوب کیا تم نے۔ میں نے پائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک تھیلی کہ اس میں سو دینار سرخ تھے۔ کہا ابی نے سو لایا میں اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان کرواؤ (تشہیر کراؤ) اس کو ایک سال پھر پہچان کروائی میں نے اس کو ایک سال سو نہ پایا میں نے کسی کو پہچانتا ہوا اس کو پھر لایا میں اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان کرواؤ اس کو ایک سال پھر پہچان کروائی میں نے اس کو ایک سال اور پھر لایا

میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار پہچان کرو اس کو ایک سال اور فرمایا بعد ایک سال کے یاد رکھ اس کی گنتی اور اس کی تھیلی کی صورت اور اس کی بندھن کی شکل، پھر جب اس کو طالب یعنی مالک آئے اور خبر دے تجھ کو اس کی گنتی کی اور اس کی تھیلی کی صورت کی اور اس کے بندھن کے رنگ و روپ کی تو دے دے اس کو اور نہیں تو تو اپنے خرچ میں لا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ، فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوْ احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى تَلْقَى رَبَّهَا۔

ترجمہ حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ ایک مرد نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم لقطہ کا سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچواو (تشہیر کرا) اس کو ایک سال تک پھر پہچان رکھ سر بند اس کا اور ظرف اور تھیلی اس کی پھر خرچ کر ڈال اس کو پھر آگے آئے اس کا مالک تو ادا کر دے اس کو سو عرض کیا اس نے یا رسول اللہ! گم ہوئی بکری کا کیا حکم ہے؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لے اس کو وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی یعنی اس کو اُٹھانا ضرور ہے۔ نہیں تو بھیڑیا کھا جائے گا پھر پوچھا اس نے یا رسول اللہ! کیا حکم ہے کھوئے ہوئے اونٹ کا؟ کہا راوی نے سو غضبناک ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ سرخ ہو گئے دونوں رُخسار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا سرخ ہو گیا چہرۂ مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی راوی کو شک ہے کہ ان کے شیخ نے کیا کہا پھر فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے کیا کام اس سے حالانکہ اس کے ساتھ ہیں موزے (پاؤں) اس کے اور مشک اس کی جب تک ملاقات کرے اپنے مالک سے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنِ اعْتُرِفَتْ فَأَدِّهَا وَإِلَّا فَاعْرِفْ وِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا وَعَدَدَهَا ثُمَّ كُلْهَا فَإِذَا جَاءَ صَاحِبُهَا فَأَدِّهَا۔

ترجمہ حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا پڑی ہوئی چیز سے تو فرمایا پہچواو (تشہیر کراؤ) اس کو ایک سال تک پھر اگر پہچانی گئی وہ تو دے دو اس کو اور نہیں تو پہچان رکھ اس کے ظرف (تھیلی کی) اور سر بند (رسی کی) اور اس کی گنتی کو پھر کھالے اس کو پھر اگر آئے اس کا مالک تو ادا کر دے اس کو یعنی وہ تجھ پر قرض ہے۔

تشریح "لقطہ بضم لام و بفتح قاف" بمعنی التقاط بھی ہے یعنی راستہ سے کسی چیز کو اُٹھانا اور مالِ ملقوط پر بھی اطلاق ہوتا ہے یہی جمہور لغویین کے قول ہیں اور خلیل بن احمد نے یہ فرق بیان کیا کہ بفتح قاف اُٹھانے والا کو کہا جاتا ہے اور بسکون قاف مال ملقوط کو کہا جاتا ہے۔ پھر لقطہ کے بارے میں بہت مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: اس کے اُٹھانے کے بارے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس کا اُٹھانا جائز نہیں۔ "لانہ اخذ مال الغیر بغیر اذنہ و ذٰلک حرام شرعًا"

لیکن جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے کیونکہ احادیث میں اس کے اُٹھانے کی تاکید آئی ہے۔ باقی انہوں نے اخذ مال الغیر کو حرام کہا ہے وہ تو اپنے استعمال کے لیے حرام ہے۔ یہاں تو اس کی حفاظت اور حتی الامکان مالک تک پہنچانے کے ارادہ سے اُٹھایا جا رہا ہے جس میں قباحت نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔ پھر جمہور میں سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حلال تو ہے لیکن ترک اولیٰ ہے کیونکہ مالک اسی جگہ میں تلاش کر کے پالے گا لیکن احناف اور عام فقہاء کے نزدیک ترک سے رفع افضل ہے خاص کر دورِ حاضر میں اور بدائع میں قدرے تفصیل ہے کہ اگر اس مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو مالک کو دینے کے لیے اُٹھانا اولیٰ ہے اور ضیاع کا خوف نہ ہو تو اُٹھانا مباح ہے اور اپنے لیے اُٹھانا حرام ہے۔ اگر وہ مال معمولی ہو جیسے دو ایک خرما کہ مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا تو اُٹھا کر انتفاع کر سکتا ہے اور جو مال ایسا ہو کہ مالک اس کو تلاش کرے گا تو ملتقط پر لازم ہے کہ اس کو اُٹھا کر حفاظت کرے اور مالک تک پہنچانے کے لیے اس کی تشہیر کرے۔

دوسرا مسئلہ: اگر کوئی آ کر دعویٰ کرے کہ یہ میرا مال ہے اور علامت و نشان بیان کرے تو بغیر بینہ کے دے سکتا ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام مالک و احمد کے نزدیک بینہ کی ضرورت نہیں علامت و نشان درست ہونے پر دینا واجب ہے۔

قول ثانی: لیکن احناف و شوافع کہتے ہیں کہ اگر ملتقط کو یقین ہو جائے کہ یہ اس کا مال ہے تو دے سکتا ہے ورنہ بینہ کے بغیر نہیں دے سکتا۔

فریق اوّل دلیل پیش کرتے ہیں، زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اعرف عفاصھا و وکاءھا فان جاء صاحبھا والا فشانک"

تو یہاں تھیلی و بندھن کو پہچاننے کے بعد مالک کو دینے کا حکم ہے بینہ کا کوئی ذکر نہیں۔

فریق ثانی دلیل پیش کرتے ہیں اس کلی مشہور حدیث سے جس میں مدعی پر بینہ کو لازم قرار دیا گیا کہ "البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر"

فریق اوّل نے جو حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں عفاص و وکاء کی معرفت کا جو حکم ہے وہ مدعی کو دینے کے لیے نہیں بلکہ ملتقط کے مال کے ساتھ اختلاط نہ ہونے کی بناء پر ہے تا کہ مالک کے آنے پر امتیاز کر سکے اور دینے کا مسئلہ الگ ہے۔ "ثم عرفھا سنۃ" اس میں سب کا اتفاق ہے کہ مال ملتقط کا اعلان و تشہیر ضروری ہے لیکن اس کی مدت میں اختلاف ہے۔ آئمہ ثلاثہ مطلقاً ہر

چیز کے لیے ایک سال تشہیر کرنے کو ضروری قرار دیتے ہیں چیز کم ہو یا زیادہ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایات ہیں ایک روایت مثل جمہور کے ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ اگر دس درہم سے کم ہو تو چند روز تشہیر کافی ہے اور اگر زیادہ ہو تو ایک سال۔ تیسری روایت یہ ہے کہ کوئی خاص مدت متعین نہیں بلکہ ملتقط کی رائے کا اعتبار ہے کہ جتنے دن تشہیر کرنے سے معلوم کرلے کہ اگر مالک ہوتا تو ضرور نکل جاتا، اتنے دن اعلان کر کے چھوڑ دے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ نیز اس زمانے میں جب خبر رسانی کے بہت سے ذرائع واسباب اخبار، ریڈیو وغیرہ ایجاد ہوگیا تو پھر تشہیر آسان ہے۔ بنابریں دو ایک دن کی تشہیر کافی ہے۔

آئمہ ثلاثہ حدیث مذکور سے استدلال کرتے ہیں کہ ”عرفها سنة“ کی قید ہے قلیل وکثیر کا فرق نہیں کیا گیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول مشہور کی دلیل مسلم شریف کی مشہور حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ”عرفها“ اس میں کسی مقدار کا ذکر نہیں ہے۔ نیز حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ابوداؤد شریف میں کہ تین سال تشہیر کرنے کا حکم فرمایا تو معلوم ہوا کہ ایک سال دو سال کی کوئی قید نہیں بلکہ مال کی حیثیت دیکھ کر مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہے۔ شوافع وغیرہ نے جو دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قید اتفاقی ہے ورنہ تین سال کا ذکر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہ آتا۔ ”والا فشانک“

تیسرا مسئلہ: لقطہ کو قانون کے موافق اعلان وتشہیر کے بعد اگر مالک نہ ملے تو کیا کرے؟ اس کے بارے میں آئمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

قول اوّل: چنانچہ امام مالک، شافعی واحمد کے نزدیک ملتقط کو اختیار ہے جو چاہے کرے خود تصرف کرے یا صدقہ کردے۔ خواہ وہ فقیر ہو یا غنی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وسفیان ثوری کے نزدیک اگر وہ فقیر ہے تو خود تصرف کرسکتا ہے اور اگر غنی ہے تو خود تصرف نہیں کرسکتا بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔

قول ثالث: آئمہ ثلاثہ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت زید ابن خالد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک نہ ملنے کی صورت میں ملتقط کو مطلقاً اختیار دیا ہے۔ فقیر وغنی کی کوئی تفصیل نہیں کی۔

دوسری دلیل: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها“ (رواہ ابوداؤد)

تو یہاں بھی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ نیز حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے غنی ہونے کے باوجود استمتاع کی اجازت دی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے: ”انه عليه الصلوة والسلام قال يتصدق بها الغني ولا ينفع بها ولا يتملكها“ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیز اس کے پاس بطور امانت ہے۔ لہٰذا خود تصرف نہیں کرسکتا۔

دلیل ثالث: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری دلیل زیر بحث باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک دینار مل گیا تھا۔ آپ نے اس کا اعلان کیا جب مالک نہیں ملا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کی اجازت دی، اگر لقطہ کو صدقہ کرنا واجب ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بنو ہاشم میں سے ہیں اور بنو ہاشم کے لیے صدقہ ناجائز ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ملتقط لقطہ سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے چاہے مستحق ہو یا نہ ہو۔

امام شافعی وائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات:

آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل کا جواب یہ ہے کہ وہاں "شانک" کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی شان کے موافق عمل کرو کہ اگر فقیر ہو تو خود تصرف کرسکتے ہو اور اگر غنی ہو تو صدقہ کردو۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ پر بہت قرض تھا جس بنا پر وہ صدقہ لے سکتے تھے یا جس وقت فقیر تھے کیونکہ جمیع ازمنہ میں غنی ہونا ضروری نہیں۔ "لان المال غادو راح"

تیسری دلیل کا جواب:

اس واقعہ سے استدلال درست نہیں، ایک تو اس وجہ سے کہ اس واقعہ میں دینار کے کھانا کا کوئی ذکر نہیں۔ثانیاً یہ کہ لقطہ کو کھانے کا جائز ہونا یہ ایک الگ بات ہے اور بشرط ضمان کھانے پر مالک کی رضا پر ظن غالب دوسری بات ہے۔

چوتھا مسئلہ: اونٹ وغیرہ جانور جو بغیر چرانے والے کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو ان کا التقاط جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام شافعی و مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ان کا التقاط جائز نہیں۔ التقاط صرف ایسے جانور کا ہوگا جو بغیر راعی ہلاک وضائع ہونے کا اندیشہ ہے جیسے بکری وغیرہ۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک ہر قسم کے جانوروں کا التقاط جائز ہے بلکہ اس کا کرنا چاہیے۔

فریق اوّل دلیل پیش کرتے ہیں اسی زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ "ضالة الابل" کے بارے میں سوال کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا: "مالک ولها معها سقائها وحذائها" (الحدیث)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ضالة الغنم" کے التقاط کی جو علت بیان فرمائی کہ "ھو لک او لاخیک او للذئب" کہ تم اُٹھاؤ گے یا مالک پالے گا ورنہ بھیڑیا کھالے گا۔یعنی ہلاک ہو جائے گا اور یہ علت اس زمانے میں اونٹ وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے کہ اگرچہ جانور بھیڑیا نہ کھائے لیکن انسان نما بھیڑیا کھالے گا۔لہٰذا اونٹ وغیرہ کا التقاط بھی کرنا چاہیے۔نیز روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک اونٹ پایا تھا تو اس نے اس کا اعلان کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید اعلان کا حکم دیا اور اس پر دوسرے کسی نے نکیر نہیں کی۔تو گویا اجماع صحابہ ہوگیا۔انہوں نے جو حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا کہ جانوروں پر صرف بھیڑیوں کا ڈر تھا چور ڈاکوؤں کا خوف نہیں تھا اور اونٹ وغیرہ پر بھیڑیا حملہ نہیں کرسکتا تھا، اس لیے التقاط سے منع فرمایا۔اب اس زمانے میں چور ڈاکو کا خطرہ ہے اس لیے اس کا التقاط کرنا چاہیے۔(درس مشکوٰۃ، ج:۲،ص:۲۷۳،۲۷۴،۲۷۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَقْفِ۔۔۔۔۔ وقف کے بیان میں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ عُمَرُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَصَبْتُ مَالًا بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي قَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهَا لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ تَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَالْقُرْبَى وَالرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ قَالَ فَذَكَرْتُهُ لِمُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ فَقَالَ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا قَالَ ابْنُ عَوْنٍ فَحَدَّثَنِي بِهِ رَجُلٌ آخَرُ أَنَّهُ قَرَأَهَا فِي قِطْعَةِ أَدِيمٍ أَحْمَرَ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا۔

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ملی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ زمین خیبر میں سو کہا انہوں نے یارسول اللہ! مجھ کو ملا ہے ایسا مال خیبر میں کہ نہیں ملا مجھ کو کوئی مال اس سے نفیس زیادہ میرے نزدیک سو کیا حکم کرتے ہیں مجھ کو اس مال کے لیے؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر چاہو تم روک رکھو اس کی اصل کو تم اور صدقہ کردو اس کو یعنی اس کے منافع کو سو صدقہ کردیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے منافع کو اس طرح کہ نہ بیچی جائے اس کی اصل اور نہ ہبہ کی جائے اور نہ ورثہ میں دی جائے اور صدقہ دیا جائے جو اس میں سے نکلے فقیروں کو اور اقرباؤں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں اور مہمانوں یعنی مسافروں کے خرچ میں اور کچھ حرج نہیں جو متولی ہو اس زمین کا کہ کھائے اس میں سے موافق دستور کے یا کھلائے کسی دوست کو کہ مال جمع کرنے والا نہ ہو اس میں کہا راوی نے یعنی ابن عون نے پھر ذکر کی میں نے یہ حدیث محمد بن سیرین سے تو انہوں نے "غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ" کی جگہ "غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا" کہا یعنی جمع نہ کرنے والا ہو مال کا ابن عوف نے کہا پھر بیان کی مجھ سے یہ حدیث ایک دوسرے مرد نے، کہ اس نے پڑھا تھا اس وقف نامے کو کہ لکھا تھا ایک سرخ چمڑے پر اور اس میں بھی یہی لفظ تھا "غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ۔

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرجاتا ہے آدمی تو منقطع ہو جاتے ہیں اس کے سب عمل مگر تین، ایک تو صدقہ جو جاری رہے اور دوسرے علم کہ اس سے نفع دین کا حاصل ہوتا رہے اور تیسرے نیک لڑکا (اولاد) جو دعا کرتا رہے اپنے باپ کے لیے۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں ایک زمین کو وقف کرنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر

میں ایک زمین ملی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو صدقہ کر دیا یعنی اصل کو وقف کر دیا اور منافع کو صدقہ کر دیا اور وقف کے اندر یہ شرط رکھی کہ اس کی اصل کو کبھی فروخت نہیں کیا جاسکے گا نہ ہبہ ہوگا، نہ اس میں کبھی وراثت جاری ہوگی، البتہ اس کے منافع کو مستحقین پر خرچ کیا جائے گا۔

"ان شئت حبست" اس لفظ کو دو طرح پڑھنا صحیح ہے۔(۱) "حبست بالتخفیف" اس صورت میں یہ باب ضرب یضرب سے ماضی کا صیغہ ہوگا، اس کا لغوی معنی ہے روک کر رکھنا اور اس مقام پر روکنے سے مراد وقف ہوگا۔

(۲) "حبست بالتشدید" اس صورت میں یہ ماضی کا صیغہ ہوگا، باب تفعیل سے معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر چاہو اس کی اصل کو وقف کر دو، منافع کو صدقہ کر دو۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔

مسئلہ اختلافی: وقف کی حقیقت میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شئی موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ہبہ اور وراثت نہیں ہو سکتے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ یہاں کل چار صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) اگر کوئی آدمی زمین کا رقبہ وقف کرے تو اس سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔

(۲) اگر کسی آدمی نے زمین کا رقبہ تو وقف نہیں کیا بلکہ اس کے منافع وقف کیے اور منافع کو اپنی موت کے بعد تک منسوب کیا کہ میرے مرنے کے بعد بھی اس کے منافع وقف ہوں گے۔ اس صورت میں منافع ہمیشہ کے لیے وقف ہوں گے۔

(۳) اگر واقف نے موت کے ساتھ معلق تو نہیں کیا لیکن کسی حاکم نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ وقف دائمی ہے تو پھر بھی یہی مسئلہ ہے۔ ان سب صورتوں میں واقف وقف سے رجوع نہیں کرسکتا۔

(۴) واقف نے رقبہ وقف نہیں کیا بلکہ منافع وقف کیے اور موت پر معلق بھی نہیں کیا اور کسی حاکم نے دائمی ہونے کا فیصلہ بھی نہیں کیا۔ اس صورت میں اس وقت تک وقف ہوگا جس وقت تک واقف وقف کرلے اور واقف رجوع کرسکتا ہے۔

"لا جناح علی من ... الخ" جو آدمی وقف کا متولی ہو اس کے لیے جائز ہے کہ شرعی دستور کے مطابق اس وقف کی آمدنی استعمال کرے۔ اسی طرح اگر اپنے دوست کو کھلائے اور مہمانوں کو کھلائے، الغرض اپنی تمام ضروریات کو اعتدال کے ساتھ اس کی آمدن سے پورا کرسکتا ہے۔

"قال فذکرته لمحمد ابن سیرین ... الخ" ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ذکر کی کہ مجھے حضرت نافع نے یہ حدیث سنائی ہے تو حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم جو یہ الفاظ کہہ رہے ہو "غیر متمول فیه" مجھے یہ حدیث اس طرح یاد ہے یعنی "غیر متاثل مالا" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو جڑ پکڑانے والا نہ

ہو۔ ابن عون فرماتے ہیں یہ حدیث مجھے بعد میں ایک اور شخص نے سنائی اور اس شخص نے یہ کہا کہ اس نے ایک سرخ چمڑے کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی یہ عبارت پڑھی۔ "غیر متاثل مالا" اس سے معلوم ہوا کہ متاثل والی روایت زیادہ صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي: الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ

جانور اگر کسی کو زخمی کرے یا مارے تو اس کا قصاص نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانور یعنی گائے، بیل وغیرہ کے مارنے کا کچھ بدلہ نہیں اور کنواں کھودنے میں مرجائے یا دب جائے تو کھودوانے والے پر کچھ بدلہ نہیں اور کان کھودوانے والے پر بھی کچھ بدلا نہیں یعنی اگر کوئی کان کھودنے میں چوٹ کھا جائے یا مرجائے تو کھودنے والے پر الزام نہیں اور دفینہ میں سے اہل جاہلیت کے پانچواں حصہ خیرات دینا ضرور ہے۔

تشریح اس باب کی مکمل شرح کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي إِحْيَاءِ أَرْضِ الْمَوَاتِ ۔۔۔۔ بنجر زمین کو آباد کرنا

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ.

ترجمہ حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے آباد کیا کسی خراب زمین کو جو کسی کی ملک نہ ہو وہ زمین اسی کی ہے اور ظالم کے درخت بونے سے کچھ ظالم کا حق ثابت نہیں ہوتا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے آباد کیا زمین خراب کو جو کسی کی ملک میں نہ تھی پس وہ زمین اسی کی ہے۔

تشریح موات وہ زمین ہے جو اُجاڑ ہو اور آبادیوں سے بہت دور ہو اور آبادی کے مصالح ان زمینوں سے متعلق نہ ہوں۔ اب اگر ایسی غیر آباد زمین کو کوئی محنت مشقت کر کے قابل انتفاع بنائے تو وہ شخص اس کا مالک بن جاتا ہے یا نہیں تو امام شافعی رحمۃ اللہ وغیرہ کے نزدیک وہ شخص مالک بن جائے گا، اذنِ امام کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہی ہمارے صاحبین کا مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ابراہیم نخعی کے نزدیک بغیر اذن امام مالک نہیں ہوسکتا اور امام کے لیے مناسب ہے کہ اگر کوئی

اذن چاہے تو اجازت دے دے۔

فریق اوّل دلیل پیش کرتے ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمر ارضا لیس لاحد فھو احق بھا" (رواہ البخاری)

امام کی اجازت کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے تو معلوم ہوا اس کی ضرورت نہیں۔

پہلی دلیل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں طبرانی کی ایک حدیث سے جس کے الفاظ یہ ہیں:"لیس للمرأ الا ما طابت بہ نفس امامہ"

دوسری دلیل: صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"لا حمی الا للہ ولرسولہ" (رواہ البخاری)

اور آئمۃ المسلمین اللہ ورسول کے نائب ہیں۔لہٰذا زمینوں میں آئمہ کا اختیار ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس زمین میں پوری جماعت مسلمین کا حق ہے۔لہٰذا ایک فرد کو بغیر اذن امام تصرف کا حق نہیں ہے۔فریق اوّل نے حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو دلیل پیش کی،اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کسی خاص قوم کو اس کی اجازت دی تھی،شرعی حکم کلی کے طور پر نہیں فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَطَائِعِ ـــــ جاگیر دینے سے متعلق

عَنْ أَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ أَنَّهُ وَفَدَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ فَقَطَعَ لَهُ فَلَمَّا أَنْ وَلَّى قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجْلِسِ أَتَدْرِي مَا قَطَعْتَ لَهُ إِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ فَانْتَزَعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَأَلَهُ عَمَّا يُحْمَى مِنَ الْأَرَاكِ قَالَ مَا لَمْ تَنَلْهُ خِفَافُ الْإِبِلِ فَأَقَرَّ بِهِ قُتَيْبَةُ وَقَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: حضرت ابیض بن حمال سے روایت ہے کہ انہوں نے پیام بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ مقطع دیں ان کو نمک کی کان سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ان کو پھر جب اس نے پیٹھ پھیری یعنی جو پیغام لایا تھا تو ایک شخص نے عرض کیا کیسی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی مقطع میں بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقطع میں دیا ایسا پانی جو کبھی موقوف اور بند نہیں ہوتا یعنی اس سے بے حد نمک نکلتا ہے۔کہا راوی نے پھر پھیر لیا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے اور سوال کیا رسول ابیض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کون سی زمین گھیری جائے پیلوں کے درختوں کی یعنی بطریق رمنہ کے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کہ نہ پہنچے اس کو پاؤں اونٹوں کے کہا ترمذی نے جب سنائی میں نے یہ حدیث قتیبہ کو تو انہوں نے اقرار کیا اس کا اور کہا ہاں روایت کی ہے مجھ سے محمد بن یحییٰ نے۔

عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتَ.

ترجمہ حضرت وائل سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگیر دی ان کو ایک زمین حضر موت میں۔

تشریح: "قطائع" جمع ہے "قطیعة" کی۔ اس کا معنی ہے جاگیر۔ مراد اس سے وہ زمین ہے جس کو حاکم بطور عطیہ دے۔

"فاستقطعه الملح الخ" کانوں کی دو قسمیں ہیں بعض وہ کانیں ہوتی ہیں جس سے مال بلا مشقت نکالا جا سکتا ہے۔ دوسری وہ جن سے مال نکالنے کے لیے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی کان امام کسی کو دے سکتا ہے۔ پہلی قسم کی نہیں دے سکتا۔ ابیض بن حمال کو جو کان دی تھی اس کے بارے میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سمجھا تھا کہ شاید یہ کان دوسری قسم کی ہے اس لیے ان کو دی تھی لیکن جب پتا چلا کہ پہلی قسم کی ہے تو واپس لے لی۔

"مالم تنله أخفاف الابل" اخفاف الابل نہ پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین شہر سے دور ہو، شہر کی زمین اس سے متعلق نہ ہوں ایسی زمین کا احیاء کیا جا سکتا ہے۔

"وعادیّ الارض لله ورسوله ثم هي لكم مني" عادی نسبت ہے قوم عاد کی طرف، عادی الارض سے مراد وہ قدیم زمین ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ زمین اللہ ورسول کی ہے، پھر میری طرف سے تمہیں دی جاتی ہے۔ اس سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ احیاء موات کی وجہ سے مالک ہونے کے لیے اذنِ امام شرط ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغَرْسِ ۔۔۔۔ درخت لگانے کی فضیلت

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ درخت لگائے یا کھیت بوئے اور کھا جائے اس میں سے کوئی آدمی یا پرندہ چرندہ مگر ہوتا ہے اس بونے والے کو ثواب صدقہ کا۔

تشریح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی مسلمان پودا لگاتا ہے یا کھیتی لگاتا ہے اور پھر اس سے کوئی انسان یا پرندہ یا جانور کھاتا ہے تو یہ سب اس کے لیے صدقہ لکھا جاتا ہے۔

اس حدیث سے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلے پر استدلال کیا ہے کہ بعض مرتبہ تسبب سے بغیر نیت کے بھی ثواب مل جاتا ہے۔ یعنی ایک ثواب وہ ہے جو نیت کرنے سے ملتا ہے لیکن ایک ثواب تسبب کی وجہ سے ملتا ہے۔ اس میں نیت کا پایا جانا بھی شرط نہیں۔ اب اگر کوئی شخص پودا لگا رہا ہے تو اگرچہ اس کی نیت یہ نہ ہو کہ اس سے پرندے، جانور اور انسان کھائیں گے لیکن چونکہ وہ شخص ان کے کھانے کا سبب بنا ہے اس لیے ان کے کھانے پر اس شخص کا صدقہ لکھا جائے گا اور ثواب ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی کی نیکی کا سبب بنا ہو، اگرچہ اس کی نیت نہ بھی ہو، تب بھی اس کو ثواب ملے گا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْمُزَارَعَةِ

مزارعت کے بیان میں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل کیا اہل خیبر کو یعنی زمین دی ان کو اس اقرار پر کہ جو اس میں سے پیدا ہو پھل ہو یا غلہ اس میں سے آدھا تم لو یعنی حق السعی میں اور آدھا ہم کو دو۔

تشریح: مزارعت کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) مالک اپنی زمین کاشتکار کو کرایہ پر دے دے۔ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ (۲) کہ زمین کو اس شرط پر مزارعت کے لیے دینا کہ پیداوار کا کچھ حصہ زمیندار کا ہوگا اور کچھ حصہ کاشتکار کا۔ اگر زمین کا مالک ایک معین مقدار اپنے لیے مقرر کر لے تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ معلوم نہیں پیداوار کتنی ہوگی۔ (۳) زمین کا مالک ایک مخصوص حصہ کی پیداوار اپنے لیے خاص کر لے۔ یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔ (۴) یہ کہ زمین کا مالک ایک مناسب مقدار اپنے لیے مقرر کر لے، مثلاً کل پیداوار کا ثلث یا ربع اس جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

قول اوّل: حنفیہ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہوا کہ صاحبین کے نزدیک مزارعت جائز ہے۔

قول ثانی: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز مع الکراہت ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

دلیل جواز: قائلین جواز کی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے مزارعت کا معاملہ کیا تھا، اس شرط پر کہ پیداوار نصف نصف ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ کو خراجِ مقاسم پر محمول کرتے ہیں، خراج کی دو قسمیں ہیں، خراج موظف اور خراج مقاسم، خراج موظف کی صورت یہ ہے کہ اہل ذمہ پر کوئی خاص مقدار مقرر کر دی جائے کہ ہر شخص کے بدلہ میں سالانہ اتنی مقدار دینی ہوگی اور خراج مقاسم یہ ہے کہ کوئی مقدار متعین نہ کی جائے بلکہ ان سے یہ کہہ دیا جائے کہ تمہاری زمینوں سے جو پیداوار ہوگی اتنا حصہ دے دینا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمین ان کی ملک ہو۔ یہود خیبر کے ساتھ معاملہ کو بھی امام صاحب خراجِ مقاسم پر محمول کرتے ہیں۔ صاحبین اس کو مزارعت پر محمول کرتے ہیں۔ اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک خیبر صلحاً فتح ہوا تھا۔ لہٰذا یہود اس زمین کے مالک تھے، ان سے جو معاملہ ہوگا وہ خراجِ مقاسم ہی ہو سکتا ہے، مزارعت نہیں ہو سکتا۔ صاحبین کی رائے یہ ہے کہ خیبر عنوۃً فتح ہوا تھا، ایسی صورت میں مفتوحہ زمینیں کفار کی ملک میں نہیں رہتیں، مسلمانوں کی ملکیت میں آجاتی ہیں۔ لہٰذا یہود خیبر کے ساتھ معاملہ مزارعت ہی ہو سکتا ہے خراجِ مقاسم نہیں۔

دلیل ثانی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ کیا تھا یعلیٰ بن اُمیہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین بٹائی

پردی تھی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "اعطی عمر یعلی بن امیه العنب والنخل علی ان یعمر ثلثین ولهم ثلثان"
ابوحنیفہ کی دلیلیں، دلیل اوّل: صحیح حدیث ہے "نهی رسول الله عن المحاقلة والمزابنه والمخابره "مخابرہ کا معنی ہے مزارعت۔
دلیل ثانی: "عن جابر مرفوعا من مخابرته فلیؤذن محرب من الله ورسوله رواه ابوداؤد"

بَابٌ مِنَ الْمُزَارَعَةِ۔۔۔ مزارعت کے متعلق

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِنَا أَرْض أَنْ يُعْطِيَهَا بِبَعْضِ خَرَاجِهَا أَوْ بِدَرَاهِمَ وَقَالَ إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِكُمْ أَرْض فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ أَوْ لِيَزْرَعْهَا.

ترجمہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے منع کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے امر سے کہ ہم کو اس میں نفع تھا وہ یہ ہے کہ جب ہوتی ہم میں سے کسی کی زمین دیتا اس کو بعوض بعض خراج اس کے یا بدلے روپوں کے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہو تم میں سے کسی کی زمین تو مفت دے اپنے بھائی کو یا آپ زراعت کرے یعنی کرایہ وغیرہ پر نہ دے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُحَرِّمِ الْمُزَارَعَةَ وَلٰكِنْ أَمَرَ أَنْ يَرْفُقَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام نہیں کیا زمین کو کرایہ پر دینے سے لیکن حکم کیا کہ نرمی کرے ایک دوسرے پر یعنی کرایہ میں تخفیف کرے یا بالکل نہ دے۔

أَبْوَابُ الدِّيَاتِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

دیات سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

تشریح مسئلہ اولیٰ: دیات جمع ہے دیت کی اور یہ لفیف مفروق ہے ودی یدی سے بمعنی دیت ادا کرنا۔ اصطلاح میں دیت اس مال کو کہتے ہیں جو بطور بدل کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مقرر ہو اور مقرر شدہ مقدار میں کمی زیادتی نہ ہو سکے۔

مسئلہ ثانیہ: مال دیت۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مال دیت کیا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اموال دیت تین ہیں۔ (۱) سو اونٹ (۲) ایک ہزار دینار (۳) دس ہزار درہم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اموال دیت چھ اشیاء ہیں۔ (۱) سو اونٹ (۲) ایک ہزار دینار (۳) بارہ ہزار درہم (۴) دو سو گائے (۵) دو ہزار بکریاں (۶) دو سو جوڑے کپڑے۔

مسئلہ ثالثہ: تقسیم دیت۔دیت کی دو قسمیں ہیں۔(۱) دیت مغلظہ۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سو اونٹ ہیں، ارباعاً یعنی چار قسم کے۔۲۵ بنت مخاض، ۲۵ بنت لبون، ۲۵ حقے، ۲۵ جذعے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سو اونٹ ہیں اثلاثاً، ۳۰ حقے، ۳۰ جذعے، ۴۰ حاملہ اونٹنیاں اور دیت غیر مغلظہ سو اونٹ ہیں اخماساً۔۲۰ بنت مخاض، ۲۰ بنی مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰ حقے، ۲۰ جذعے۔

حدیث سائب ابن زید سے مرفوعاً روایت ہے "دیت الانسان خمس و عشرون جذعة و خمس و عشرون حقه و خمس و عشرون بنات لبون و خمس و عشرون بنات مخاض اخرجه ابو داؤد وغیرہ" اس حدیث میں دیت مغلظہ کا بیان ہے اور دیت غیر مغلظہ عند ابن مسعود رضی اللہ عنہ و مالک و شافعی اخماس ہے۔"خمس جذعه خمس حقه خمس بنات لبون خمس بنات مخاض خمس ابنائے لبون" اور عند ابی حنیفہ بھی اخماس ہے لیکن ان کے نزدیک خمس ابنائے مخاض ہیں بجائے ابنائے لبون کے۔بنت مخاض ایک سال کی ہو کہ دوسرے میں اور بنت لبون تیسرے میں حقہ چوتھے میں اور جذعہ پانچویں میں داخل ہوتا ہے اور حضرت عثمان و زید بن ثابت سے مروی ہے کہ دیت مطلقاً تیس جذعہ، تیس حقے، تیس بنت لبون اور بیس بنت مخاض ہے۔یہ دیت غیر مغلظہ کا بیان تھا تو عند عثمان و زید دیت غیر مغلظہ بھی اربعہ ہے۔دیت غیر مغلظہ قتل خطا میں واجب ہے۔نیز قتل خطاء غرہ میں کفارہ بھی واجب ہے اور وہ عتق رقبہ مؤمنہ ہے۔بالعموم "شهرین متتابعین" ہیں۔(فائدہ) عورت کی دیت نصف دیت رجل ہے خواہ دیت نفس ہو یا "ما دون النفس" ہو یہی مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔

مسئلہ رابعہ: عندالاحناف دیت ذمی و مستأمن و مسلم برابر ہے۔مستامن حربی ہے تو پاسپورٹ وغیرہ سے مسلمان ملک میں آئے اس سلسلے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں۔

مذہب ثانی: کافر کی دیت نصف دیت مسلم ہے عند عمر بن عبدالعزیز و احمد۔

مذہب ثالث: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر کی دیت ثلث دیت مسلم ہے۔یعنی چار ہزار درہم "لما روی عبدالرزاق عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده عن رسول اللہ ﷺ فرض علی مسلم قتل رجل من اهل الکتاب اربعة الاف درهم"

مذہب رابع: امام مالک و اسحاق سے منقول ہے کہ دیت یہودی و نصرانی چار ہزار درہم ہے اور دیت مجوسی آٹھ سو درہم ہے۔یہی منقول ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے احناف کا مسلک اس مسئلے میں قوی ہے۔

دلائل احناف، دلیل اول: "روی عن مجاهد عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال دیت المعاهد مثل دیت المسلم"

دلیل ثانی: "اخرج ابو داؤد فی مراسیله عن ابن المسیب قال قال دیت کل وفی عهد فی عهده الف دینار"

دلیل ثالث: ترمذی میں ہے "عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان لهم عهد من رسول اللہ"

دلیل رابع: مراسیل ابوداؤد میں بسند صحیح "عن ربیعة بن عبدالرحمٰن قال عقل الذمی مثل عقل المسلم فی زمن رسول اللہ و زمن ابی بکر و زمن عمر و زمن عثمان حتی کان صدر من خلافة معاویه رضی اللہ عنه"

دلیل خامس: حدیث مشہور ہے "دمائهم كدمائنا و اموالهم كاموالنا" زیلعی میں ہے "كان دية الكافر في عهد خلفاء الاربعة دية المسلم و سنده قوى و انما قلت في عهد معاويه رضى الله عنه مرقاة، ج: ۴، ص: ۲۸، حرف شذى، ص: ۴۶۴"

مسئلہ خامسہ: قتل عمد میں دیت واجب نہیں ہے بلکہ اس میں قصاص علی التعیین واجب ہے اور اگر قاتل و ورثاء مقتول میں صلح علی المال ہو جائے تو جتنے مال پر بھی ہو جائز ہے، خواہ دیت سے کم ہو یا دیت سے زیادہ ہو اور اس کو مال صلح کہتے ہیں نہ دیت۔ دیت قتل غیر عمد میں واجب ہے مثل قتل شبہ عمد و قتل خطاء و شبہ خطاء اور جہاں شرعاً دیت واجب ہو اس سے زیادتی کا مطالبہ جائز نہیں ہے یہ تو دیت بذل نفس میں بحث تھی اور جنایت عضو میں جو مال واجب ہو اس کو ارش کہتے ہیں اس کی مقدار مختلف ہے تو اگر کسی نے ظلماً کسی کے ہاتھ یا قدم کی انگلی کاٹ دی تو عشر دیت واجب ہے یعنی دس اونٹ یا ایک ہزار درہم یا سو دینار اور جس انگلی میں تین مفاصل ہوں تو اگر ایک مفصل کاٹا تو ثلث دیت اصبع واجب ہے اور جس انگلی میں دو مفصل ہوں مثل ابہام ایک مفصل کے قطع پر نصف دیت اصبع واجب ہے اور ہر دانت میں پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم یا پچاس دینار یعنی دیت کا بیسواں حصہ "لنص الوارد"

نیز فقہاء لکھتے ہیں کہ جو عضو بظاہر باقی ہو لیکن اس کی منفعت بالکلیہ ختم ہو جائے، "كاليد اذا اشلت بضرب الرجل او عين ذهب ضوها" تو اس میں اس عضو کی دیت کاملہ واجب ہے، ہاتھ کی دیت نصف دیت رجل ہے۔ یعنی پچاس اونٹ یا پانچ ہزار درہم یا پانچ سو دینار۔

مسئلہ سادسہ: بیان شجاج، شجاج وہ زخم ہے جو سر اور چہرے میں لگے، اس کی متعدد انواع ہیں، سر اور چہرے کے علاوہ زخموں کو جراحت کہتے ہیں۔ (شامی ج: ۵، ج: ۴۰۱) شجاج کی دس قسمیں ہیں، بعض اس سے زائد بتلاتے ہیں۔

"اقسام الشجاج و احكامها" جو زخم کسی کے سر یا چہرے میں کیے جائیں اس کو "شَجّة" کہتے ہیں۔ اس کی جمع شجاج ہے اور جو زخم سر اور چہرے کے علاوہ ہو جیسے پنڈلی میں ران میں ایسے زخم کو جراحت کہتے ہیں اس کی جمع جراحات ہے۔ موضحہ شجاج کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ موضحہ سر یا چہرے کے ایسے زخم کو کہتے ہیں جو ہڈی تک پہنچ جائے۔ ہڈی ننگی ہو گئی لیکن ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا۔ شجاج کی دس قسمیں ہیں۔

(۱) خارصہ۔ وہ زخم جس سے صرف خراش آئے، خون ظاہر نہ ہو۔ (۲) الدامعہ۔ وہ زخم جو خون کو ظاہر کر دے لیکن خون جاری نہ کرے۔ (۳) الدامیہ۔ وہ زخم جو خون جاری کر دے خون بہنے لگ جائے۔ (۴) الباضعہ۔ وہ زخم جو اوپر کی جلد کو کاٹ ڈالے۔ (۵) المتلاحمہ۔ وہ زخم جو کھال کو کاٹ کر گوشت کے اندر گھس جائے لیکن ہڈی تک نہ پہنچے۔ (۶) السمحاق۔ سمحاق اصل میں اس باریک سے پردے کو کہتے ہیں جو گوشت اور عظم الرأس کے درمیان ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد سر کا زخم ہے جو سمحاق تک پہنچ جائے۔ (۷) الموضحہ۔ وہ زخم جو گوشت کو کاٹ کر ہڈی تک پہنچ جائے لیکن ہڈی اس سے نہ ٹوٹے۔

(۸) الہاشمہ۔ وہ زخم جس سے ہڈی ٹوٹ جائے۔ (۹) المنقلہ۔ وہ زخم جو ہڈی کو توڑ کر اس کو اپنی جگہ سے ہٹا دے۔

(۱۰) آمہ۔ کبھی اس کو المامومہ بھی کہتے ہیں، اس سے مراد وہ زخم ہے جو اُم الدماغ تک پہنچ جائے۔ ایک گیارہویں قسم

بھی ہے "الدامغة" یعنی وہ زخم جو دماغ کا بھیجہ نکال دے، اس کو اس لیے شمار نہیں کیا گیا کہ دامغہ کے بعد آدمی عادتاً زندہ نہیں رہتا تو یہ قتل النفس سمجھا جائے گا اور یہاں قتل النفس سے کم کم زخموں پر بحث کی جارہی ہے۔

اگر کسی نے کسی کو سر یا چہرے میں موضحہ زخم کر دیا تو یہ دو حال سے خالی نہیں عمداً کیا ہے یا خطاء ہوا ہے۔ اگر عمداً ہے تو اس میں قصاص یعنی زخم کرنے والے کے بھی اسی کے برابر زخم کیا جائے گا، یہاں مساوات ہو سکتی ہے اس لیے قصاص ہوگا اور اگر خطاءً کیا ہے تو دیت آئے گی۔

ان اقسام کی دیت کا حکم:

موضحہ زخم کی دیت پانچ اونٹ ہیں جو دیت النفس کا نصف العشر ہے یعنی بیسواں حصہ ہے۔ اس حدیث میں یہی بیان کیا گیا ہے اس میں تقریباً سب آئمہ کا اتفاق ہے یعنی حنفیہ کا مذہب ہے۔

ہاشمہ کا حکم: یہ چاہے عمداً ہو چاہے خطاءً، اس کی دیت لی جائے گی اور ہاشمہ کی دیت دس اونٹ ہیں جو کل دیت النفس کا عشر ہے یعنی دسواں حصہ۔

منقلہ کا حکم: چاہے عمداً ہو چاہے خطاءً، اس میں دیت دینی پڑے گی جو پندرہ اونٹ ہیں یہ کل دیت النفس کا عشر اور نصف العشر کا مجموعہ بنتا ہے۔

آمہ کا حکم: اس پر ثلث الدیت دینا پڑتی ہے۔ جائفہ کا بھی یہی حکم ہے جائفہ اس زخم کو کہتے ہیں جو پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے اور اگر پیٹ میں ایسا زخم کیا جو دوسری طرف پار نکل گیا تو یہ دو جائفوں کے قائم مقام سمجھا جائے گا، اس میں کل دیت کے دو ثلث دیئے جائیں گے۔ ہاشمہ سے لے کر جو اوپر والے زخم ہیں ان میں قصاص نہیں آئے گا، اس لیے کہ ان میں مساوات مشکل ہے اور موضحہ میں مساوات ہو سکتی ہے۔

پہلے چھ نمبران کا حکم یہ ہے کہ اگر عمداً ہوں تو اس میں حنفیہ کی دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قصاص لیا جائے گا۔ یعنی بدلہ میں اتنا زخم کیا جائے گا اس لیے کہ یہاں مساوات ہو سکتی ہے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور ایک روایت ہے کہ اس میں چونکہ مساوات مشکل ہے اس لیے قصاص نہیں لیا جائے گا دیت ہوگی، ان قسموں کی دیت شریعت نے مقرر نہیں کی۔ حنفیہ کے ہاں اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں حکومت عدل ہوگی یعنی ایک تجربہ کار عادل کا فیصلہ لیا جائے گا کہ زخم سے اس کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ حکومت عدل کی تفسیر میں امام طحاوی اور امام کرخی کا اختلاف ہے۔

امام طحاوی کے نزدیک حکومت عدل کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی ایسا عادل آدمی جس کو غلاموں کی قیمت کا تجربہ ہے اس کو کہا جائے گا کہ حساب لگاؤ کہ اگر یہ شخص غلام ہوتا اور اس کو زخم نہ پہنچا ہوتا تو اس کی کیا قیمت ہوتی؟ پھر اگر اس کو ایسا زخم پہنچ گیا ہو تب اس کی قیمت کیا ہوگی؟ دونوں قیمتوں کے درمیان تفاوت دیکھ لیا جائے، جس نسبت سے دونوں میں تفاوت ہو آدمی کی پوری دیت کا اتنا حصہ دلایا جائے۔

مثلاً اگر یہ شخص غلام ہوتا اور یہ زخم نہ پہنچا ہوتا تو اس کی قیمت ہزار روپے بنتی ہے اور اس زخم کے پہنچنے کے بعد اس کی قیمت نو سو روپے بنتی ہے۔ کل قیمت کا دسواں حصہ اس قیمت کی وجہ سے کم ہو گیا ہے۔ اس صورت میں اِس زخم کی وجہ سے کل دیت کا دسواں حصہ دلایا جائے گا یعنی دس اونٹ۔

امام کرخی نے حکومت عدل کی تفسیر یہ کی ہے کہ دیکھا جائے کہ یہ زخم موضحہ سے کیا نسبت رکھتا ہے۔ پھر موضحہ کی دیت کا اتنا حصہ دلوایا جائے۔ مثلاً کسی نے کسی کو متلاحمہ زخم کر دیا۔ اب دیکھا جائے گا کہ یہ موضحہ سے کتنا کم ہے۔ مثلاً اگر ہڈی تک پہنچتا تو تین انچ ہوتا اور یہ ڈیڑھ انچ ہے یہ موضحہ سے نصف ہو گیا تو موضحہ میں جو دیت دی جاتی ہے اس کا نصف دلایا جائے گا۔ یہ احکام سر اور چہرے کے زخموں کے ہیں، اگر بدن کے کسی اور حصہ میں جائفہ کے علاوہ کسی اور قسم کا زخم ہو جائے، اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اس میں بھی حکومت عدل ہوگی۔ طحاوی یا کرخی کی تخریج کے مطابق قاضی خان نے فتویٰ یہ دیا ہے کہ مفتی بہ طحاوی کی تخریج ہے۔ بعض حضرات نے کرخی کی تخریج کی تصحیح بھی کی ہے۔ زخموں کی دیت سے فارغ ہونے کے بعد قتل کی اقسام اور دیت کا ذکر کر رہے ہیں۔

مسئلہ سابع: اقسام قتل، قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) قتل عمد: کسی کو عمداً آلہ قتل کے ساتھ قتل کیا جائے۔ اس کا حکم اس سے قصاص واجب ہوتا ہے۔ اگر ورثاء قصاص کو معاف کر دیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اس کے بعد دو صورتیں ہیں۔ (۱) دیت (۲) صلح علی مال۔

(۲) قتل شبہ عمد: کسی کو عمداً قتل کیا جائے لیکن جس کے ساتھ قتل کیا ہے وہ آلہ قتل نہ ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں دیت مغلظہ واجب ہوتی ہے اور ساتھ ہی کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور کفارہ دو چیزوں میں سے ایک ہے۔ (۱) مؤمن غلام آزاد کرنا (۲) دو مہینے کے لگا تار روزے رکھنا اور حرمان ارثا۔

(۳) قتل خطاء: اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خطاء فی القصد۔ ایک آدمی نے شکار سمجھ کر مارا لیکن وہ حقیقت میں انسان تھا۔ (۲) خطاء فی الفعل۔ وہ ہے کہ ایک آدمی شکار کو مارنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے انسان مارا گیا۔

(۴) قتل جاری مجری خطاء: جو قتل خطاء کے قائم مقام ہو یعنی خطاء فی القصد اور خطاء فی الفعل کے علاوہ کوئی تیسری شے ہو، مثلاً حالت نوم میں کوئی نیچے آ کر مر جائے، ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ کفارہ دیت غیر مغلظہ اور حرمان ارث ہوگا۔

(۵) قتل بالسبب: کوئی آدمی کنواں کھود رہا تھا، اس میں کوئی گر کر مر جائے یا اس طرح کا کوئی اور سبب ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ صرف دیت واجب ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الإِبِلِ ۔۔۔۔۔ دیت میں کتنے اُونٹ دیئے جائیں

عَنْ خَشْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْخَطَإِ عِشْرِينَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِينَ بَنِي مَخَاضٍ ذُكُورًا وَعِشْرِينَ بِنْتَ لَبُونٍ

وَعِشْرِينَ جَذَعَةً وَعِشْرِينَ حِقَّةً.

ترجمہ حضرت خشف بن مالک سے روایت ہے کہ سنا میں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا انہوں نے حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا کی دیت میں بیس بنت مخاض اور بیس اونٹ نر بنی مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس جذعہ اور بیس حقہ۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا دُفِعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ وَذَلِكَ لِتَشْدِيدِ الْعَقْلِ.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قتل کیا کسی کو قصداً تو وہ سپرد کردیا جائے مقتول کے وارثوں کو چاہیں وہ اس کو قتل کریں اور چاہیں اس سے دیت لیں اور دیت کے تیس حقہ ہیں اور تیس جذعہ اور چالیس اونٹنیاں حاملہ اور جس پر وارث صلح کرلیں وہ ان کو دینا پڑے گا اور یہ دیت سخت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الدَّرَاهِمِ؟۔۔۔دیت میں کتنے درہم دیئے جائیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی دیت بارہ ہزار درہم۔

تشریح اس حدیث کی شرح پچھلے باب کے ذیل مسئلہ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُوضِحَةِ۔۔۔ایسے زخموں کی دیت جن میں ہڈی ظاہر ہوجائے

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو زخم ایسے ہوں کہ اس میں ہڈیاں کھل گئی ہوں تو اس میں پانچ پانچ اونٹ دیت ہیں۔

تشریح اس باب میں موضحہ کی زخم کے متعلق دیت کا بیان ہے جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الْأَصَابِعِ۔۔۔انگلیوں کی دیت کے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْأَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ لِكُلِّ أُصْبُعٍ.

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیت ہاتھ پیر کی اُنگلیوں کے برابر ہے دس اونٹ دیت میں ہر اُنگلی کے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ.

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اور یہ دیت میں برابر ہے یعنی چھنگلیا اور انگوٹھا دونوں کی دیت یکساں ہے۔

(تشریح) دیت اعضاء: جس طرح پورے جسم کی دیت ہوتی ہے اسی طرح اعضاء کی بھی دیت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک انگلی کی دیت پوری دیت کا دسواں حصہ ہے یعنی دس اونٹ چاہے انگلی ہاتھ کی ہو یا پاؤں کی۔ اسی سے مفاصل اصابع کی دیت کا حساب لگایا جائے گا۔ اگر انگلی میں تین مفاصل ہوں تو ایک مفصل میں انگلی کی دیت کا ثلث ہوگا۔ اگر دو ہوں تو ایک میں انگلی کی دیت کا نصف ہوگا۔ ایک دانت کی دیت پوری دیت کا بیسواں حصہ ہوگی یعنی ۵ اونٹ۔ ایک ہاتھ کی دیت پوری دیت کا نصف ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تفصیل مطولات کتب فقہ میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَفْوِ ۔۔۔۔ معاف کردینے سے متعلق

حَدَّثَنَا أَبُو السَّفَرِ قَالَ دَقَّ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ سِنَّ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَاسْتَعْدَى عَلَيْهِ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ لِمُعَاوِيَةَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ هٰذَا دَقَّ سِنِّي قَالَ مُعَاوِيَةُ إِنَّا سَنُرْضِيكَ وَأَلَحَّ الْآخَرُ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَبْرَمَهُ فَلَمْ يُرْضِهِ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ شَأْنَكَ بِصَاحِبِكَ وَأَبُو الدَّرْدَاءِ جَالِسٌ عِنْدَهُ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهٖ فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهٖ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهٖ خَطِيئَةً، قَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَأَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي قَالَ فَإِنِّي أَذَرُهَا لَهٗ قَالَ مُعَاوِيَةُ لَا جَرَمَ لَا أُخَيِّبُكَ فَأَمَرَ لَهٗ بِمَالٍ.

(ترجمہ) حضرت ابوالسفر سے روایت ہے کہا انہوں نے اُکھاڑ ڈالا ایک مرد قریش نے دانت ایک مرد انصاری کا، پس فریاد کی اس نے معاویہ سے یا امیر المومنین اس نے اکھاڑ ڈالا دانت میرا سو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم تجھ کو راضی کردیں گے یعنی تیری داد دیں گے اور دوسرے شخص نے یعنی قریش نے منت سماجت کرنا شروع کی کہ تنگ کردیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو کہا معاویہ نے تیرا اختیار ہے تیرے صاحب کو یعنی وہ بخش دے چاہے انتقام لے اور ابوالدرداء ان کے پاس بیٹھے تھے سو فرمایا ابوالدرداء نے میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ کوئی مرد ایسا نہیں کہ جس کو زخم لگے بدن میں سو صدقہ دے دے اس کو یعنی معاف کردے اور انتقام اس کا نہ چاہے مگر بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بسبب اس کے اس کا ایک درجہ اور اُتارتا ہے اس سے

ایک گناہ سوانصاری نے کہا تم نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے؟ ابوالدرداء نے کہا ہاں سنا ہے میرے کانوں نے اور یادرکھا ہے میرے دِل نے سوانصاری نے کہا میں معاف کردیتا ہوں۔ معاویہ نے فرمایا مضائقہ نہیں مگر میں محروم نہ کروں گا تجھ کو پھر حکم دیا اس کو کچھ مال دینے کا۔

تشریح ترجمہ سے واضح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ رُضِخَ رَأْسُهُ بِصَخْرَةٍ۔۔۔۔ جس کا سر پتھر سے کچل دیا گیا ہو

عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَرَجَتْ جَارِيَةٌ عَلَيْهَا أَوْضَاحٌ فَأَخَذَهَا يَهُودِيٌّ فَرَضَخَ رَأْسَهَا بِحَجَرٍ وَأَخَذَ مَا عَلَيْهَا مِنَ الْحُلِيِّ قَالَ فَأُدْرِكَتْ وَبِهَا رَمَقٌ فَأُتِيَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَكِ أَفُلَانٌ قَالَتْ بِرَأْسِهَا لَا قَالَ فَفُلَانٌ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ، فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا نَعَمْ، قَالَ فَأُخِذَ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضِخَ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے نکلی ایک لڑکی یعنی کہیں جانے کو اور اس کے بدن پر زیور تھے چاندی کے سو پکڑ لیا اس کو ایک یہودی نے اور کچل دیا اس کا سر یعنی پتھر سے اور لے لیا جو زیور تھا اس کے بدن پر کہا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو لوگ اس تک پہنچ گئے کہ اس میں کچھ جان تھی سو لے آئے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس نے مارا تم کو؟ کیا فلاں شخص نے مارا؟ اس نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں نے مارا؟ اس نے کہا نہیں، یہاں تک کہ نام لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کا تو اس نے کہا ہاں! اسی نے مارا کہا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر وہ پکڑا گیا اور اقرار کیا اس نے اس کے مارنے کا سو حکم کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کچلا گیا اس کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر۔

تشریح مسئلہ اختلافی: قاتل سے قصاص کس طرح لیا جائے گا، دو قول ہیں۔

پہلا قول: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص میں قتل کے وقت تماثل کا لحاظ ضروری نہیں ہے بلکہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا چاہے قتل کسی بھی طریقے سے کیا گیا ہو۔

دوسرا قول: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص میں اسی طرح قتل کیا جائے گا جس طرح قاتل نے قتل کیا۔ بشرطیکہ وہ فعل حرام نہ ہو جیسے زنا اور لواطت۔ اس صورت میں قصاص تلوار سے لیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل: ان کا استدلال ابن ماجہ کی ایک روایت سے ہے "وفیہ لا قود الا بالسیف"

امام شافعی کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی کا سر کچل کر قصاص لیا، اس لیے کہ اس نے بھی سر کچل کر قتل کیا تھا۔

جواب: یہودی کا سر اس وجہ سے نہیں کچلا گیا کہ قصاص بالمثل واجب ہے بلکہ تعزیراً اور سیاسۃً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا اور حاکم کو اس کی گنجائش ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَشْدِيدِ قَتْلِ الْمُؤْمِنِ۔۔۔۔ مؤمن کے قتل پر عذاب کی سختی

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ساری دُنیا کا مٹ جانا کمتر ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مردِ مؤمن کے قتل سے۔

تشریح: اس باب میں قتل کی شدید مذمت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دُنیا کا زائل ہو جانا کسی مسلمان کے مقابلے میں زیادہ اھون ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ بڑا گناہ اور اس سے زیادہ ناپسندیدہ چیز کوئی اور نہیں۔

بَابُ الْحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ۔۔۔۔ آخرت میں خون کے فیصلے سے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے جو فیصلہ کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں بندوں کے خون کا ہوگا۔

عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ قَالَ ثَنَا أَبُو الْحَكَمِ الْبَجَلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ وَأَبَا هُرَيْرَةَ يَذْكُرَانِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت یزید رقاشی سے روایت ہے انہوں نے کہا روایت کی ہم سے ابو الحکم بجلی نے کہا سنا میں نے ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دونوں ذکر کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمام لوگ آسمان زمین کے شریک ہو جائیں گے ایک مؤمن کے خون میں تو سب کو اوندھا ڈال دے اللہ تعالیٰ دوزخ میں۔

تشریح: حدیث ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ روزِ قیامت میں سب سے پہلے خون وقتل قتال کے بارے میں فیصلہ ہوگا اور دوسری روایت جو ترمذی میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نماز کے بارے میں حساب لیا جائے گا "فتعارض الحدیثان؟" تو اس کے مختلف جوابات دیئے گئے۔ بعض نے کہا کہ حساب ہوگا سب سے پہلے نماز کا اور فیصلہ ہوگا سب سے پہلے خون کا اور حساب وقضاء الگ الگ امر ہے تو دونوں کی اولیت دو اعتبار سے ہے فلا تعارض اور بعض نے کہا کہ حقوق اللہ میں

سب سے پہلے صلوٰۃ کے بارے میں حساب ہوگا اور حقوق العباد میں خون کا حساب وفیصلہ ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ مامورات میں نماز کا حساب پہلے ہوگا اور منہیات میں قتل وقتال کا حساب پہلے ہوگا۔ فلا تعارض

بعض حضرات کہتے ہیں کہ باب کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہابیل اور قابیل کے قتل کا فیصلہ ہوگا جو کہ سب سے پہلا قتل تھا۔ باپ اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو باپ پر قصاص نہیں آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ ابْنَهُ يُقَادُ مِنْهُ أَمْ لَا

اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے یا نہیں

عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِيدُ الْأَبَ مِنِ ابْنِهِ وَلَا يُقِيدُ الِابْنَ مِنْ أَبِيهِ.

ترجمہ: حضرت سراقہ بن مالک سے روایت ہے کہ میں حاضر ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو وہ قصاص دلواتے تھے باپ کو بیٹے سے اور نہیں قصاص دلواتے تھے بیٹے کو باپ سے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ قصاص میں نہ مارا جائے باپ بیٹے کے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ ماری جائیں حدیں مسجدوں میں اور نہ مارا جائے کوئی باپ بدلے میں بیٹے کے۔

تشریح: اس حدیث کا بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر لڑکے نے کسی کو قتل کیا تو اس کی وجہ سے اس کے والد کو قتل نہیں کیا جائے گا اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن یہ مطلب خلاف ظاہر ہے بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر لڑکے کو والد نے قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں باپ کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا تو اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر والد نے قصداً تلوار و چاقو وغیرہ سے قتل کر دیا تو والد سے قصاص لیا جائے گا اور اگر قتل کی نیت نہ تھی بلکہ ادب کے لیے لاٹھی وغیرہ سے مارا اور وہ مر گیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن آئمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک کسی صورت میں بھی والد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں قرآن اور مطلق احادیث سے کہ ”ان النفس بالنفس“ اور حدیث ابن

مسعود رضی اللہ عنہ "النفس بالنفس" تو یہاں والد وغیر والد کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ اس میں ڈبل سزا ہونی چاہیے کیوں کہ اس کی جنایت غلط ہے کہ قتل نفس محترمہ کے ساتھ قطع رحمی ہے۔

آئمہ ثلاثہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم واحادیث سے ولد پر والد کے لیے احسان وشکریہ کا حکم ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی تکلیف کی نفی کی گئی۔ فرمایا: "ووصینا الانسان بوالدیه احسانًا وان اشکر لی ولوالدیک، ولا تقل لهما اف واخفض لهما جناح الذل من الرحمة" اور قصاص لینا ان سب کا منافی ہے۔ نیز حدیث میں ولد اور اس کے مال کو والد کی طرف اضافت کی گئی۔ فرمایا: "انت ومالک لابیک، ان طیب ما یأکله الرجل من کسب ولده۔ ان اولادکم من کسبکم" ان احادیث سے قصاص لینے میں شبہ ضرور پیدا ہو گیا۔ "والحدود تندرأ بالشبهات" پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مذکورہ حدیث صراحتاً قصاص کی نفی کر رہی ہے۔ "فقال ولا یقاد بالولد الوالد"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عموم آیت وحدیث سے جو دلیل پیش کی، اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیات واحادیث سے "النفس بالنفس" والی آیت وحدیث میں تخصیص آگئی اور اس سے غیر والدین مراد ہے۔ "کما قال الامام فخر الاسلام بزدوی"

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ

مسلمان کا خون صرف تین چیزوں سے حلال ہوتا ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ.

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال نہیں خون کرنا کسی کا جو گواہی دیتا ہو کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور میں پیغامبر ہوں اس کا مگر تین سببوں سے ایک تو زنا کرنے والے کا اسے رجم ضرور ہے اور دوسرے قاتل کا بعوض مقتول کے تیسرے چھوڑ دینے والا اپنے دین اسلام کو اور جدا ہونے والا جماعت سے اہل اسلام کے۔

تشریح اس باب کی روایت میں قتل حق کی تین صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) محصن زانی کو رجم کیا جائے گا۔ (۲) قصاص۔ (۳) قتل مرتد۔

سوال: "المفارق للجماعة" اس صفت کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ "التارک لدینه" میں ہر مرتد داخل ہے اور جو مرتد ہو گا لازماً وہ جماعت سے بھی الگ ہو جائے گا؟

جواب: یہ صفت کاشفہ ہے جس کے لیے کوئی نیا فائدہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو موصوف کے لیے وضاحت اور تفسیر ہوتی ہے۔

سوال: اس مقام پر صفت کاشفہ ذکر کرنے کی حکمت کیا ہے کیونکہ "التارک لدینہ" بالکل واضح ہے؟

جواب: اس صفت کاشفہ کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ مرتد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو علی الاعلان اسلام کو چھوڑ دے اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے۔

(۲) جو ضروریات دین میں سے کسی ایک شئی کا انکار کرنے کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو گیا ہو لیکن وہ اپنے آپ کو بدستور مسلمان خیال کرے۔ "المفارق للجماعة" کی صفت اس لیے ذکر کی گئی ہے تاکہ یہ مرتد کی دونوں قسموں کو شامل ہو جائے کیونکہ اگر یہ قید ذکر نہ کی جاتی تو "التارک لدینہ" صرف قسم اوّل کو شامل ہوتا۔

مسئلہ اختلافی: یہاں بحث ہوئی کہ قصاص میں ذات انسان کا اعتبار ہے یا صفات کا بھی لحاظ کیا جائے گا؟ تو آئمہ ثلاثہ مالک وشافعی اور احمد کے نزدیک صفات کا لحاظ کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی حر نے عبد کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں حر سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن احناف کے نزدیک صفات کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا حر کو عبد کے بدلے میں قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ آئمہ ثلاثہ دلیل پیش کرتے ہیں: "الحر بالحر والعبد بالعبد" سے تو یہاں حر کو حر کے بدلے میں قتل کا حکم ہے۔ عبد کے بدلے میں قتل کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ عبد کے بدلے میں حر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

احناف دلیل پیش کرتے ہیں دوسری آیت سے "ان النفس بالنفس" نیز ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکور سے "النفس بالنفس" تو یہاں نفس کے بدلے میں نفس کو قتل کرنے کا حکم ہے خواہ وہ نفس مقتول حر ہو یا عبد، کوئی تفصیل نہیں ہے۔ نیز قرآن کریم کی دوسری آیتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً "کتب علیکم القصاص فی القتلٰی ولکم فی القصاص حیوۃ" ان میں حر و عبد کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

انہوں نے جو آیت پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں تو یہ بیان کیا گیا کہ حر کو حر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، باقی عبد کے بدلے میں قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس سے ساکت ہے اور مفہوم مخالف سے اثبات حکم کرنا درست نہیں۔

دوسرا جواب: اس آیت کا مقصد ایام جاہلیت کے رواج کو باطل کرنا تھا کہ ان کا رواج یہ تھا کہ شریف قبیلہ کے غلام مقتول کے بدلے میں دوسرے قبیلہ کے جوان کے برابر نہیں حر کو قتل کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ قاتل نہیں۔ اسی طرح عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جاتا تھا، اگرچہ وہ قاتل ہی نہیں تو اس برے رواج کو باطل کرنے کے لیے یہ آیت نازل کی گئی کہ حر قاتل کو حر مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے اور عبد مقتول کے بدلے میں عبد قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا، اس کے بدلے میں دوسرے حر کو قتل نہ کیا جائے اور عبد مقتول کے بدلے میں حر کو قتل نہیں کیا جائے گا، اگرچہ وہ قاتل ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ آیت کے دوسرے جزو "والانثی بالانثی" میں سب حضرات یہی کہتے ہیں کہ مرد کو عورت مقتول کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے اور اس میں مفہوم مخالف

کا اعتبار نہیں کرتے۔ پھر یہاں تین اشیاء کو مبیح دم قرار دیا گیا۔ بنابریں تارک صلوٰۃ کے قتل کے بارے میں بحث ہوئی کہ اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں، اس کی تفصیل کتاب الصلوٰۃ میں گزر گئی وہاں دیکھ لو۔

مسئلہ اختلافی: مرتد کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھ لیے جائیں۔ مجمل بیان یہ ہے کہ اگر کوئی مرد مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، اگر کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے اور تین دن اس کو قید کر کے رکھا جائے۔ اگر مسلمان ہو گیا تو بہت اچھا، تین دن کے بعد اسلام کی طرف رجوع نہ کیا تو اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ اتفاقی مسئلہ ہے اور اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کی طرح عورت کو بھی تین دن کے بعد قتل کیا جائے گا لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر وقت توبہ طلب کی جائے گی۔

جمہور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں ''ایما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فان عادت فبها و ان لا فاضرب عنقها'' نیز مشہور حدیث ہے ''من بدل دینه فاقتلوه''

دوسری بات یہ ہے کہ جس جنایت مغلظہ کی بناء پر مرد کا دم مباح ہو گیا وہی جنایت مغلظہ عورت مرتدہ میں پائی گئی۔ لہٰذا مرد کی طرح اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔

احناف دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے ''لا تقتلوا امرأة اذا ارتدت''

دوسری دلیل: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''ایما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فان تابت فاقبل توبتها و ان ابت فاستبها'' (رواہ الطبرانی) دوسری بات یہ ہے کہ عورت ناقصات العقل میں سے ہے لہٰذا اس کو معذور سمجھ کر قتل سے رہائی دی جائے۔

انہوں نے جو معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی دونوں حدیثوں میں تعارض ہے لہٰذا تساقطا اور ''من بدل'' والی حدیث اگرچہ عام ہے مگر دوسری حدیث کے ذریعے من کے عموم سے عورت کو خاص کر لیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقْتُلُ نَفْسًا مُعَاهِدَةً ...... معاہد کو قتل کرنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَ ذِمَّةُ رَسُولِهِ فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللهِ فَلَا يُرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ سَبْعِينَ خَرِيفًا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ جس نے مار ڈالا ذمی کو کہ اس کو پناہ تھی اللہ کی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اس نے توڑ ڈالا اللہ کی پناہ کو اور نہ سونگھے گا وہ خوشبو جنت کی کہ آتی ہے میدانِ قیامت میں ستر برس کی راہ پر سے۔

تشریح ذمی کی دیت کا مسئلہ

ذمی کی دیت کتنی ہے؟ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ حنفیہ اور سلف کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اور امام احمد کا قول ظاہر یہ ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمی کی دیت چار ہزار درہم یعنی ثلث دیت ہے۔ حنفیہ کے دلائل یہ ہیں:

دلیل اوّل: مراسیل ابی داؤد میں حدیث مرفوع "دية كل ذي عهد في عهده الف دينار"

دلیل ثانی: دارقطنی میں حدیث مرفوع ہے "ان النبي صلي الله عليه وسلم ودى ذميا دية مسلم" دارقطنی کی دوسری حدیث میں ہے "ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم جعل دية المعاهد كدية المسلم"

دلیل ثالث: کتاب الآثار میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا ارشاد نقل کیا ہے۔ "دية المعاهد دية الحر المسلم" یہ روایات اور اس کے علاوہ اسی مضمون کی اور بہت سی روایات اور آثار حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے نقل فرمائے ہیں۔ حدیث کے اگلے حصہ "لا جلب الخ" کی تشریح کتاب الزکوۃ میں گزر چکی ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَى الْعَامِرِيَّيْنِ بِدِيَةِ الْمُسْلِمِينَ وَكَانَ لَهُمَا عَهْدٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت دلوائی بنی عامر کے دو شخصوں کی جو مقتول ہوئے تھے مسلمانوں کی دیت کے برابر اور وہ دونوں ذمی تھے یعنی ان سے صلح کا اقرار تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُكْمِ وَلِيِّ الْقَتِيلِ فِي الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ

مقتول کے ولی کو اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص لے ورنہ معاف کردے

قَالَ ثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يَعْفُوَ وَإِمَّا أَنْ يَقْتُلَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں فتح دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور تعریف کی اللہ تعالیٰ کی اور ثنا کی اس پر پھر فرمایا جس کا کوئی شخص مارا گیا ہو تو اس مقتول کے ولی کو دو باتوں کا اختیار ہے یا عفو کردے یا قاتل کو قتل کرے یعنی قصاص میں۔

عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا

النَّاسَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يَسْفِكَنَّ فِيهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَنَّ فِيهَا شَجَرًا فَإِنْ تَرَخَّصَ مُتَرَخِّصٌ فَقَالَ أُحِلَّتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللهَ أَحَلَّهَا لِي وَلَمْ يُحِلَّهَا لِلنَّاسِ وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ هِيَ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِنَّكُمْ مَعْشَرَ خُزَاعَةَ قَتَلْتُمْ هَذَا الرَّجُلَ مِنْ هُذَيْلٍ وَإِنِّي عَاقِلُهُ فَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيرَتَيْنِ إِمَّا أَنْ يَقْتُلُوا أَوْ يَأْخُذُوا الْعَقْلَ.

ترجمہ حضرت ابی شریح کعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے حرمت اور تعظیم و تکریم کی جگہ ٹھہرایا ہے مکہ کو اور نہیں ٹھہرایا اس کو حرمت کی جگہ لوگوں نے سو جو شخص کہ ایمان رکھتا ہو اللہ شانہ پر اور پچھلے دن یعنی قیامت پر تو نہ بہائے اس میں خون یعنی کسی کو قتل نہ کرے اور نہ اکھاڑے اس میں کوئی درخت سو کسی نے اگر اپنے لیے رُخصت نکالی یعنی قتل وغیرہ کی اس دلیل سے کہ کہا اس نے رُخصت دی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یعنی پس مجھے بھی ویسی ہی رُخصت ہے پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک مجھے رُخصت دی اللہ تعالیٰ نے اور کسی آدمی کو رُخصت نہیں دی اور مجھ کو بھی رُخصت دی اور حلال کیا قتل وقمع وہاں پر ایک گھڑی میں دن کی پھر مکہ ایسا ہی حرام ہے قیامت کے دن پھر تم نے اے گروہ بنی خزاعہ کے قتل کیا اس مرد کو بنی ہذیل سے اور میں اس کی دیت دلواتا ہوں سو جس کا کوئی مارا جائے آج کے بعد اس کے لوگ اختیار رکھتے ہیں دو امروں کا یا قتل کریں قاتل کو قصاص میں یا دیت لیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُتِلَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدُفِعَ الْقَاتِلُ إِلَى وَلِيِّهِ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا أَرَدْتُ قَتْلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ إِنْ كَانَ قَوْلُهُ صَادِقًا فَقَتَلْتَهُ دَخَلْتَ النَّارَ. فَخَلَّى عَنْهُ الرَّجُلُ وَكَانَ مَكْتُوفًا بِنِسْعَةٍ فَخَرَجَ يَجُرُّ نِسْعَتَهُ فَكَانَ يُسَمَّى ذَا النِّسْعَةِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مار ڈالا ایک شخص نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور سونپا گیا قاتل مقتول کے ولی کو سو کہا قاتل نے یا رسول اللہ! قسم ہے اللہ کی میں نے قصداً نہیں مارا اس کو سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جان لو کہ اگر یہ سچا ہے اور پھر تو نے اس کو قصاص میں مارا تو داخل ہوگا تو دوزخ میں پس چھوڑ دیا اس مرد نے یعنی ولی نے مقتول کے اس قاتل کو اور وہ بندھا ہوا تھا ایک تسمے میں کہا راوی نے پھر نکلا وہ قاتل کھینچتا ہوا اپنے تسمے کو اور نام ہو گیا اس کا ذو النسعہ یعنی صاحب تسمے کا۔

تشریح یہاں جو اولیاء مقتول کو قصاص اور دیت لینے کے درمیان اختیار دیا گیا۔

قول اوّل: امام شافعی واحمد واسحق رحمہم اللہ کے نزدیک اس میں قاتل کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ و مالک و ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کے نزدیک قتل عمد کا اصل حکم قصاص ہے۔ اگر دونوں طرف سے دیت پر رضامند ہوجائے تو دیت آسکتی ہے۔ لہٰذا قاتل دیت پر راضی نہ ہو بلکہ قتل پر تیار رہے تو اولیاء مقتول کو قصاص ہی لینا پڑے گا دیت نہیں لے سکتا۔

فریق اوّل کی دلیل: ابوشریح کی حدیث مذکور سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولیاء کو قصاص و دیت کا اختیار دیا۔

فریق ثانی کی دلیل: قرآن کریم کی آیت ہے: "کتب علیکم القصاص فی القتلی" تو اس میں قتل عمد میں صرف قصاص کا ذکر کیا کیوں کہ قتل خطا کا حکم جب دیت ذکر کیا گیا تو یہاں قتل عمد ہی کا حکم بیان ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ مصنفہ ابن ابی شیبہ میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "العمد قود" دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں "ان النفس بالنفس" کہا گیا اور ظاہر بات یہ ہے کہ دیت جو مال ہے وہ نفس کے مماثل نہیں۔ لہٰذا قتل کا موجب اصل قتل ہی ہوگا تا کہ مماثلت ہوجائے۔ باقی اگر قاتل مال دینے پر راضی ہوجائے تو ولی کو مال لینا جائز ہوگا۔ فریق اوّل نے جو دلیل پیش کی، اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں رضاء قاتل کی قید ملحوظ ہے تا کہ احادیث و قرآن کے مابین تعارض رفع ہوجائے اور ہر ایک پر عمل ہوجائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ۔۔۔۔ مثلہ کی ممانعت

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا فَقَالَ اغْزُوا بِسْمِ اللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابی بریدہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھیجتے کسی کو سردار کر کے کسی لشکر پر تو وصیت کرتے خاص اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور جو لوگ کہ ساتھ اس کے ہوں ان سے نیکی کرنے کی اور فرماتے جہاد کرو اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں لڑو اس سے جو انکار کرے اللہ کا۔ جہاد کرو اور غنیمت کے مال سے کچھ نہ چراؤ اور عہد شکنی نہ کرو اور کسی کے ہاتھ، پیر ناک، کان نہ کاٹو اور کسی لڑکے نابالغ کو نہ مارو اور اس حدیث میں ایک قصہ اور ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ.

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے

احسان کرنا ہر چیز پر پھر جب قتل کرو تو آسانی سے قتل کرو کہ جلد جان نکل جائے اور جب ذبح کرو تو خوبی سے ذبح کرو اور تیز کرلے ہر کوئی تم میں کا اپنی چھری یعنی ذبح کرتے وقت اور راحت دے اپنے ذبیحہ کو یعنی جلد تیز چھری سے ذبح کرے کہ زیادہ تکلیف نہ ہو۔

تشریح اس باب کی احادیث میں مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق بحث ابتدائی ابحاث میں قبیلہ عرینہ کے ۔۔۔ میں گزرچکی ہے۔ "فلیطالع ثم"

بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الْجَنِينِ ۔۔۔۔ حمل ضائع کردینے کی دیت

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ أَوْ عَمُودِ فُسْطَاطٍ فَأَلْقَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِينِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ وَجَعَلَهُ عَلَى عَصَبَةِ الْمَرْأَةِ.

ترجمہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں آپس میں سوتیں (سوکن) تھیں سو مارا ایک نے دوسری کو ایک پتھر یا ایک میخ خیمہ کی پس گر گیا اس کے پیٹ کا بچہ سو حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ کے عوض میں ایک بردہ یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی اور دلوایا وہ عورت کے عصبات سے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِينِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ فَقَالَ الَّذِي قُضِيَ عَلَيْهِ أَيُعْطَى مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَا لَيَقُولُ بِقَوْلِ شَاعِرٍ بَلْ فِيهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل گرانے والی کو ایک بردہ دینے کا اس عورت کو جس کا حمل گرا ہے بردہ غلام ہو یا لونڈی سو کہا اس نے جس پر حکم کیا حضرت نے بردہ دینے کا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیت دلواتے ہیں اس کی جس نے پیا نہ کھایا اور نہ آواز دی نہ پکارا پیدا ہوتے وقت سو ایسے کا خون تو ضائع ہے یعنی اس کا بدلا کچھ نہ دینا چاہیے سو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو باتیں کرتا ہے شاعروں کی ضرور جنین کی دیت میں ایک بردہ دینا چاہیے غلام ہو یا لونڈی۔

تشریح دیۃ الجنین میں "غرہ" کا مصداق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنین کی دیت غرہ مقرر فرمائی۔ آئمہ اربعہ اور اکثر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے حاملہ پر جنایت کی جس کی وجہ سے حمل ساقط ہو گیا تو اس کی دیت ایک غرہ ہے اور اس بات پر بھی اکثر اہل علم کا اتفاق ہے کہ غرہ کا مصداق غلام یا باندی ہے۔ البتہ بعض سلف کا قول یہ ہے کہ فرس اور بغل بھی غرہ میں داخل ہیں۔

جمہور کی دلیل: زیر بحث حدیث کے بعد والی دو حدیثیں ہیں جن میں غرہ کی تفسیر ”عبد أو امة“ سے کی گئی ہے۔ شارحین کا اس بات میں اختلاف ہوا کہ یہ تفسیر راوی کی طرف سے ہے یا حدیث مرفوع کا حصہ ہے۔ دونوں قول ہیں لیکن راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر حدیث کا ہی حصہ ہے۔ اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ مجمع الزوائد میں یہ حدیث تقریباً آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہے اور تمام میں یہ تفسیر موجود ہیں۔ (مجمع الزوائد، ج:۶، ص:۲۹۹ و ۳۰۰) تمام رواۃ کا ایک ہی تفسیر کو اپنی طرف سے درج کر دینا بظاہر مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اقرب یہی ہے کہ یہ حدیث کا حصہ ہے اور جمہور کی دلیل ہے۔

بعض سلف جو فرس کو بھی غرہ میں داخل فرماتے ہیں ان کا استدلال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، جو اسی باب کی فصل ثانی کے آخر میں بحوالہ ابوداؤد مذکور ہے۔ ”قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی الجنین بغرۃ عبد أو أمة أو فرس أو بغل“ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کثیر اسانید سے مروی ہے مگر کسی میں بھی ”فرس أو بغل“ کا ذکر نہیں ہے صرف عیسیٰ بن یونس نے اس کو نقل کیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، ج:۲، صفحہ ۲۷۳)

عاقلہ کون ہیں؟: اس حدیث میں اور اسی واقعہ سے متعلق بعد والی دو حدیثوں میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ دیت عاقلہ دے گی اور اس زیر بحث حدیث میں اور مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں جو ایک حدیث کے بعد آ رہی ہے، یہ ہے کہ عورت کے عصبہ پر دیت لازم فرمائی۔ اب یہاں یہ بحث چلی ہے کہ عاقلہ کون ہیں؟ کیا ہر حال میں عصبہ ہی عاقلہ ہوں گے یا اور لوگ بھی کبھی عاقلہ بن سکتے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہر حال میں عاقلہ عصبات ہی ہیں۔ غیر عصبہ عاقلہ میں داخل نہیں۔

قول ثانی: حنفیہ کے ہاں اہل تناصر عاقلہ ہیں۔ یعنی جو لوگ مصائب وغیرہ میں ایک دوسرے کے مددگار سمجھے جاتے ہوں وہ عاقلہ ہیں۔ زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عصبات اہل تناصر تھے۔ اس لیے یہی عاقلہ تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اہل دیوان اہل تناصر سمجھے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اہل دیوان کو عاقلہ قرار دیا اور کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

جو حضرات صرف عصبہ کے عاقلہ ہونے کے قائل ہیں، انہوں نے زیر بحث واقعہ جنین سے استدلال کیا ہے کہ اس میں عصبات پر دیت کا فیصلہ فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ عصبات ہی عاقلہ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت عصبات ہی اہل تناصر تھے، اس لیے ان کی تعیین کی گئی، نہ اس وجہ سے کہ عصبات ہی عاقلہ بن سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اہل دیوان کو عاقلہ قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کا مدار عصبات کی اس زمانہ میں مناصرۃ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ ...... کوئی مسلمان کسی کافر کے عوض میں مارا نہیں جاتا

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلْ عِنْدَكُمْ سَوْدَاءُ فِي بَيْضَاءَ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ لَا وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عَلِمْتُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللهُ

رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قُلْتُ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ.

ترجمہ حضرت شعبی سے روایت ہے کہ روایت کی ہم سے ابو جحیفہ نے کہا میں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اے امیر المؤمنین! کوئی چیز تمہارے پاس سیاہی سے لکھی ہوئی ہے سفید کاغذ وغیرہ پر سوا کتاب اللہ یعنی قرآن کے انہوں نے فرمایا قسم ہے اس اللہ کی جس نے چیر نکالا دانے کو اور پیدا کیا روحوں کو۔ میں نہیں جانتا کچھ مگر جو سمجھ اللہ تعالیٰ نصیب کرے کسی مرد مسلمان کو قرآن کے سمجھنے کی اور جو اس صحیفے میں ہے میں نے کہا کیا ہے اس صحیفے میں؟ کہا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں دیت ہے اور قیدیوں یا غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ نہ مارا جائے کوئی مسلمان کافر کے بدلے میں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دِيَةُ عَقْلِ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ عَقْلِ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قتل کیا جائے کوئی مسلمان قصاص میں کسی کافر کے اور اسی سند سے یہ بھی حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیت کافر کی برابر ہے آدھی دیت مسلمان کے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: اگر مسلمان نے ذمی کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمی کو قتل کرنے سے قصاص لازم ہے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام صاحب کی دلیل: قرآن کی آیت "ان النفس بالنفس" میں قصاص کا ذکر ہے اور یہ مطلق ہے اپنے اطلاق کی وجہ سے۔ ذمی اور مسلمان دونوں کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ذمہ کو قتل کرنے پر شدید وعید ذکر فرمائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے "وفیہ لا یقتل مؤمن بکافر" اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔

جواب (۱): اس حدیث میں کافر سے مراد حربی ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں یہاں ایک اور جملہ مذکور ہے "ولا ذو عهد فی عهد" ذوعہد کا عطف ہے کافر پر اور عطف تو مغائرت کے لیے آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر سے مراد حربی ہے اور ذوعہد سے مراد ذمی ہے۔

جواب (۲): اس حدیث کا مطلب کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کی شہادت پر قتل نہیں کیا جائے گا۔

جواب (۳): اس سے مراد یہ ہے کہ اگر زمانہ جاہلیت میں کسی نے کسی کو قتل کیا تھا تو اس کے قصاص میں اب مسلمان ہونے کے بعد قتل نہیں کیا جائے گا۔

"ومافی الصحیفة" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات مذکور ہیں۔ پھر ابو جحیفہ نے سوال کیا، اس صحیفہ میں کیا ہے؟ سوال کی غرض یہ تھی تا کہ خاص وصیت کا وہم ختم ہو جائے یعنی خلافت کی وصیت۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، اس صحیفے میں دیت کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے کہ کوئی مؤمن کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ عَبْدَهُ ..... اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے

عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ

ترجمہ حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قتل کیا اپنے غلام کو ہم بھی اس کو قتل کریں گے اور جس نے ناک، کان کاٹی اپنے غلام کی ہم بھی اس کی ناک، کان کاٹیں گے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: اگر کوئی آزاد آدمی کسی غلام کو قتل کر دے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ابراہیم نخعی وثوری کے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا، خواہ دوسرے کا غلام ہو یا اپنا غلام۔

قول ثانی: امام مالک وشافعی واحمد کے نزدیک حر کو قتل نہیں کیا جائے گا، خواہ دوسرے کا غلام قتل کرے یا اپنے غلام کو۔

قول ثالث: احناف کے نزدیک اپنے غلام کے بدلے میں مولیٰ کو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن دوسرے کا غلام قتل کر دے تو قتل کیا جائے گا۔

قول رابع: ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری رحمہما اللہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں صاف فرمایا کہ جو اپنے غلام کو قتل کرے ہم اس کو قتل کریں گے تو جب اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے تو دوسرے کے غلام کے بدلے میں بطریق اولیٰ قتل کیا جائے گا۔ نیز عموم نصوص "ان النفس بالنفس کتب علیکم القصاص فی القتلی" سے استدلال کرتے ہیں کہ ان میں حر اور عبد وغیرہ کے درمیان کوئی تفاوت نہیں کیا گیا۔

امام شافعی و مالک واحمد کی دلیل: یہ آیت پیش کرتے ہیں "الحر بالحر و العبد بالعبد" سے کہ یہاں حر کے مقابلہ میں حر اور عبد کے مقابلہ میں عبد کو قتل کا حکم ہے تو معلوم ہوا کہ عبد کے مقابلہ میں حر قاتل کو نہیں قتل کیا جائے گا۔ عام ازیں اپنا غلام ہو یا دوسرے کا غلام ہو۔

احناف کی دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "لا یقاد المملوک من مولاہ" (رواہ النسائی)

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "ان رجلاً قتل عبدہ فجلدہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مائة جلدة و نفاہ عاما" اگر اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جاتا تو سو کوڑے نہ مارتے بلکہ قتل کر دیتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ

مولیٰ کو اپنے غلام کے اندر ملکیت ہے جس کی وجہ سے اس کے قصاص میں شبہ آ گیا۔ "والحدود تندرئ بالشبہات" اور چونکہ غیر کے غلام میں یہ شبہ نہیں ہے نیز کوئی صریح حدیث بھی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ عموم نص کے اندر داخل رہے گا اور اس کے بدلے میں حر قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

امام اوزاعی وثوری رحمہا اللہ نے جس حدیث سے استدلال کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری نصوص کے پیش نظر اس میں یہ تاویل کی جائے گی کہ بطور زجر وتہدید فرمایا تا کہ کوئی مولیٰ یہ سمجھ کر میرا مال ہے قتل کردوں، قتل نہ کرے گا یا سیاست کے اعتبار سے قتل کرنے کا حکم ہے جیسا کہ شارب خمر کو چوتھی مرتبہ شراب پینے کے بعد قتل کرنے کا حکم ہے حالانکہ اس پر حد ہے یا یہ حدیث منسوخ ہے اس آیت سے "الحر بالحر والعبد بالعبد" یا عبدہ سے مراد وہ عبد ہے جس کو آزاد کردیا۔ "مجاز ما کان" کے اعتبار سے عبدہ کہا گیا۔

شوافع وغیرہ نے الحر بالحر والعبد بالعبد کے تقابل سے جو استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف سے استدلال صحیح نہیں ہے کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ غلام غیر کے مقابلہ میں حر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ عموم آیت و حدیث کے اندر داخل رہے گا اور اپنے غلام کے بارے میں خصوصی حدیث موجود ہے۔ "کما ذکرنا" بنا بریں عمومات سے اس کو خاص کرلیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ هَلْ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا؟

بیوی کو اس کے شوہر کی دیت میں سے ترکہ ملے گا

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا حَتَّى أَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِّثِ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا.

ترجمہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے اور وارث نہیں ہوتی عورت اپنے ورثہ کی دیت سے کسی شئے کی یہاں تک کہ خبر دی ان کو ضحاک بن سفیان نے جو قبیلہ بنی کلاب سے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خط لکھا کہ ورثہ دو اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت سے۔

تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ شبہ تھا کہ دیت عاقلہ سے وصول کی جاتی ہے اور عاقلہ میں صرف مذکر داخل ہوتے ہیں۔ جب عورت دیت دینے میں شامل نہیں تو دیت لینے میں بھی شامل نہیں ہوگی۔ ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا تھا لیکن بعد میں جب ضحاک بن سفیان بن کلابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت سے وارث بناؤ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ نص آ گئی تو انہوں نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِصَاصِ ۔۔۔۔ قصاص کے متعلق

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَنَزَعَ يَدَهُ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتَاهُ فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ لَا دِيَةَ لَكَ فَأَنْزَلَ اللهُ {وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ} [المائدة:45].

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک مرد نے کاٹ کھایا ہاتھ ایک مرد کا تو کھینچا اس نے اپنا ہاتھ پس گر گئے اگلے دو دانت کاٹنے والے کے سو جھگڑتے ہوئے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاٹ کھاتا ہے ایک تم میں سے اپنے بھائی کو جیسا کاٹتا ہے اونٹ نہیں ہے دیت تیرے لیے یعنی گرے ہوئے دانتوں کی۔ سو اُتاری اللہ عزوجل نے یہ آیت یعنی "وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ" زخموں کا بدلہ دینا چاہیے۔

تشریح: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا، یعنی دانتوں سے کاٹ لیا تو جس شخص کا ہاتھ کاٹا تھا اس نے اپنا ہاتھ کھینچا، اس کے نتیجے میں کاٹنے والے کے دو دانت گر پڑے۔ چنانچہ وہ دونوں فیصلے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے جس کے دانت ٹوٹ گئے تھے، اس نے قصاص کا مطالبہ کیا ہوگا کہ مجھے اس سے قصاص دلوایا جائے، اس لیے کہ اس نے میرے دانت توڑ دیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کو اس طرح کاٹتا ہے جس طرح اونٹ کاٹتا ہے، تمہارے لیے کوئی دیت نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جس شخص نے تمہارے دانت توڑے، اس نے اپنی مدافعت کا حق استعمال کیا، اگر اس دفاع کی وجہ سے تم کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس نقصان کا ضمان دفاع کرنے والے پر نہیں ہے، نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے۔

"قصاص" بکسر القاف مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی باہم برابری کرنا چونکہ قتل وغیرہ ظلم میں ایک دوسرے پر جتنا ظلم کرتا ہے دوسرے کو اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے اس سے موئے برابر زیادتی کرنا جائز نہیں، اسی لیے اس بدلہ لینے کو قصاص کہا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ "قص یقص" سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیچھا کرنا اور چونکہ ولی المقتول قاتل کا پیچھا کرتا ہے اس لیے قصاص کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں قصاص کہا جاتا ہے قتل یا زخم کے بدلے میں اس سزا کو جس میں برابری اور مماثلت کی رعایت کی جائے پھر قصاص صرف قتل عمد میں آتا ہے جس کی تفصیل سامنے آئے گی لیکن یہ قصاص اگرچہ ولی المقتول کا حق ہے مگر خود نہیں لے سکتا کہ قاتل کو مار ڈالے بلکہ حاکم وقت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کیوں کہ قصاص کے واجب ہونے نہ ہونے میں پوشیدہ تفصیلات ہیں جو ہر شخص ادراک نہیں کر سکتا نیز ولی المقتول غصہ میں مغلوب ہو کر زیادتی کرے گا تو بجائے اصلاح کے اور فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ولی المقتول کو قصاص لینے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

اپنے دفاع کا حق کس حد تک حاصل ہوگا؟

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت اہم اُصول بتادیا کہ ہر انسان کو اپنا دفاع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اپنے دفاع کے لیے وہ کوئی عمل کرے اور اس عمل کی وجہ سے دوسرے کو نقصان پہنچ جائے تو وہ ضامن نہیں، بشرطیکہ اس نے اپنے دفاع میں اتنا ہی عمل کیا ہو جتنا عمل دفاع کے لیے ضروری تھا۔ مثلاً ایک شخص نے تمہاری کلائی موڑ دی تو تم اپنے دفاع میں اس کو ایک مکہ ماردو تو دفاع ہو جاتا لیکن تم نے اُٹھ کر گولی ماردی تو یہ دفاع میں تجاوز ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے دفاع کے اس حق میں تجاوز کرے تو پھر دفاع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس صورت میں عدالت اور قاضی یہ فیصلہ کرے گا کہ اس شخص نے اپنے دفاع میں جن حالات میں یہ عمل کیا تھا، کیا ان حالات میں دفاع کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یہ عمل کرتا؟ یا اس سے کم میں کام چل سکتا تھا، مگر اس نے تجاوز کر کے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس صورت میں قصاص لیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَبْسِ فِي التُّهْمَةِ

جس پر خون وغیرہ کی تہمت ہو اس کو قید کرنا چاہیے

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِي تُهْمَةٍ ثُمَّ خَلَّى عَنْهُ

ترجمہ حضرت بہز بن حکیم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے کہ قید کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی تہمت کے سبب سے پھر چھوڑ دیا اس کو ثبوتِ برأت کے بعد۔

تشریح حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت میں قید فرمایا۔ یعنی کسی شخص پر کوئی تہمت تھی کہ اس نے فلاں جرم کا ارتکاب کیا ہے اور ابھی وہ جرم ثابت نہیں ہوا تھا، آپ نے اس کو قید کر لیا اور بعد میں اس کو چھوڑ دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص متہم بالجرم ہے تو اس کو قید کیا جاسکتا ہے حالات کی تحقیق کے لیے مگر صرف قید کیا جائے، کوئی سزا نہ دی جائے۔ پھر تحقیق کے بعد اگر جرم ثابت ہو جائے تو اس جرم کے مطابق سزا جاری کی جائے، اگر جرم ثابت نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ

جو اپنے مال کے لیے مارا جائے وہ شہید ہے

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ

ترجمہ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جو مارا جائے اپنے مال کے لیے وہ شہید ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُرِيدَ مَالُهُ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن حسن سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے کہا سفیان نے اور تعریف کی ان کی بہت سی عبداللہ نے کہا ابراہیم نے سنا میں نے عبداللہ بن عمرو سے کہا انہوں نے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے مال کا کوئی ناحق چھیننے کا ارادہ کرے اور وہ لڑے اور مارا جائے تو شہید ہے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ

ترجمہ حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جو مارا جائے اپنے مال کے لیے وہ شہید ہے اور جو مارا جائے اپنی جان بچانے کے لیے وہ شہید ہے اور جو مارا جائے اپنے دین کے لیے وہ شہید ہے اور جو مارا جائے اپنے گھر والوں کو بچانے کے لیے وہ شہید ہے۔

تشریح حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ یعنی کوئی شخص دوسرے کے مال پر حملہ آور ہوا اور اس نے اپنے مال کو بچانے کے لیے اس کا مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں مارا گیا تو وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے خون کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ یعنی کوئی شخص دوسرے کی جان پر حملہ آور ہوا اور وہ دوسرا شخص اپنے دفاع میں لڑتا ہوا مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔

یہ سب شہداء وہ ہیں جو دُنیاوی احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں اور آخرت کے اعتبار سے بھی شہید ہیں۔ لہٰذا ان کو غسل نہیں دیا جائے گا اور ان کو ان کے کپڑوں میں ہی دفن کر دیا جائے گا۔ بعض شہداء وہ ہوتے ہیں جو دُنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہوتے لیکن آخرت کے اعتبار سے شہید ہوتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص اوپر سے گر کر مر جائے تو وہ شہید ہے یا حادثے میں کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ شہید ہے یا طاعون میں انتقال ہو جائے تو وہ شہید ہے۔ یہ سب آخرت کے اجر و ثواب کے اعتبار سے تو شہید ہیں لیکن دُنیاوی احکام کے اعتبار سے ان پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے، لہٰذا ان کو غسل دیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَسَامَةِ ۔۔۔۔ قسامت کے متعلق

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُمَا قَالَا خَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ حَتَّى إِذَا كَانَ بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا فِي بَعْضِ مَا هُنَاكَ ثُمَّ إِنَّ مُحَيِّصَةَ وَجَدَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ

قَتِيلًا قَدْ قُتِلَ فَدَفَنَهُ ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَحُوَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ ذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبَيْهِ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ فَصَمَتَ وَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مَعَهُمَا فَذَكَرُوا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتَلَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ فَقَالَ لَهُمْ أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا فَتَسْتَحِقُّونَ صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ قَالُوا وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا، قَالُوا وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى عَقْلَهُ

ترجمہ حضرت رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ عبداللہ اور محیصہ دونوں نکلے سفر میں پھر جب پہنچے خیبر کو جدا ہو گئے وہ دونوں بعض راہوں میں وہاں کے پھر محیصہ نے پایا عبداللہ بن سہل کو ایک جگہ مقتول کیا تھا ان کو کسی نے سو آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ بھی اور حویصہ بن مسعود اور عبدالرحمن بھی اور عبدالرحمن بن سہل سب قوم میں چھوٹے تھے سو ارادہ کیا انہوں نے کلام کرنے کا یعنی اپنا حال اور دعویٰ بیان کرنے کا اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑائی رکھو بڑے کی۔ پس وہ چپ ہو رہے اور کلام کیا ان کے دونوں ساتھیوں نے یعنی حویصہ بن مسعود اور محیصہ نے پھر بولے عبدالرحمن بھی ان دونوں کے ساتھ اور ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کھاتے ہو تم پچاس قسمیں یعنی اس مضمون کی کہ فلاں نے قتل کیا ہے تا کہ مستحق ہو جاؤ تم صاحب اپنے کے یا فرمایا قاتل اپنے کے کہا انہوں نے کہ ہم کیونکر قسمیں کھائیں کہ وہاں حاضر نہ تھے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بری ہو جائیں گے تم سے یہود پچاس قسمیں کھا کر یعنی تمہاری تہمت سے پاک ہو جائیں گے کہا انہوں نے کیونکر قبول کریں ہم قسمیں قوم کفار کی پھر جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا یہ معاملہ دیدی دیت اس کی یعنی بیت المال سے (اور ایک روایت میں ہے اپنے پاس سے)۔

تشریح قسامت اسم مصدر ہے بمعنی اقسام یعنی قسم کھانا پھر قسامت نام ہوا اس جماعت کا جو قسم کھاتی ہے۔ قسامہ کی بحث سے مراد یہ ہے کہ کسی محلے میں یا کسی مقام پر ایک شخص مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ ہو تو ایسی صورت میں جن پر شبہ ہو، ان میں پچاس آدمی قسم کھائیں گے کہ ہم نے نہ قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا علم ہے تو اگر پورے پچاس آدمیوں نے قسم کھالی تو اس محلے والوں پر یعنی جن پر تہمت تھی اور جن کے بارے میں شبہ تھا دیت واجب ہے اور جس نے قسم سے انکار کیا اس کو جیل میں ڈالا جائے گا حتی کہ وہ قسم کھائے یا اقرار قتل کرے یا قاتل کا پتہ بتلا دے تو قسامۃ کا یہی معنی ہے امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔

سوال: بنابریں قسم کا فائدہ کیا ہے؟

جواب: قسم کا فائدہ دفع قصاص ہے اور یہ کہ اگر قاتل کا علم ہو تو وہ بتلا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب حنفی کے

موافق ہے اور امام بخاری کا مذہب بھی یہی ہے کیونکہ انہوں نے باب قسامۃ ابو طالب کا ذکر کیا ہے جو موافق مذہب احناف ہے۔
بہر حال عندالاحناف قسم اہل لوث کے ذمے ہیں جو مدعی علیہ ہیں اور یہی اُصول اسلام ہے۔ اسلام میں قسم مدعی کے ذمے نہیں ہوتی۔ "قال علیہ السلام البینہ علی المدعی و الیمین علی من انکر" لہٰذا عندابی حنیفہ مدعین یعنی اولیاء مقتول پر قسم نہیں ہے اور نہ ان کی قسموں کا اعتبار ہے۔ جس حدیث میں مدعین کی پچاس قسموں کا ذکر آیا ہے وہ حدیث مؤوّل ہے "کما سیأتی بیان للتاویل" اور ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق ہے مذہب عمرو شعبی ونخعی (مرقاۃ، ج:۴، ص:۴۶، نیل، ج:۷، ص:۳۸، شامی، ج:۵، ص:۴۳۷)

یہ مذہب اوّل کا بیان تھا۔

مذہب ثانی: اگر کسی محلے میں مقتول پایا گیا اور وہاں لوث یعنی تہمت ظاہرہ موجود تھی یعنی عداوت وغیرہ تو اوّلاً ورثاء مقتول یعنی مدعین میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں گے کہ قاتل فلاں شخص ہے یعنی وہ جس پر تہمت تھی۔ یہ مذہب ہے مالک، احمد و اسحاق، شافعی کا، پھر اہل مذہب ثانی میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: اگر ان مدعین نے قسم کھالی تو مدعی علیہ سے قصاص لیا جائے گا یعنی جس کے بارے میں وہ قسم کھائیں، عند مالک واحمد واسحاق۔

قول ثانی: امام شافعی فرماتے ہیں کہ مدعین کے قسم کھانے کے بعد بھی قصاص واجب نہیں ہے بلکہ دیت واجب ہے۔ مدعی علیہ اور یہی فائدہ ہے ان قسموں کا، پھر دونوں قولوں والے یعنی کل اصحاب ثانی کہتے ہیں کہ اگر مدعین نے قسم نہ کھائی تو اہل لوث میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ قاتل کا علم ہے۔ اگر انہوں نے قسم کھالی تو نہ دیت واجب ہے اور نہ قصاص اور یہی فائدہ ہے ان کی قسموں کا کہ وہ دیت وقصاص دونوں سے بچ گئے۔

لیکن پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عندابی حنیفہ اہل محلہ پر قسموں کے بعد بھی دیت واجب ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے، یہ بیان گزر گیا۔ حاصل یہ ہے کہ عندابی حنیفہ رحمہ اللہ عام اُصول اسلام کے مطابق مدعین کے ذمے قسم نہیں ہے، "خلافاً للجمہور" جمہور کی دلیل حدیث باب ہے جس میں عبداللہ بن سہیل مقتول فی خیبر کا بیان ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ورثۃ المقتول" کو فرمایا کہ "اتحلفون خمسین یمینا فتستحقون صاحبکم" تو انہوں نے انکار کیا۔ "وقالوا کیف نحلف ولم نشهد قال علیہ السلام فتبرؤا الیہود بخمسین یمینا" معلوم ہوا کہ قسامۃ اوّلاً پچاس قسمیں مدعین کے ذمے ہیں، اگر وہ نہ کھائیں تو پھر مدعی علیہ کے ذمے ہیں۔

احناف کی دلیلیں، دلیل اوّل: حدیث مشہور ہے "البینۃ علی المدعی و الیمین من انکر" معلوم ہوا کہ یمین فقط مدعی علیہ کے ذمے ہے جسے منکر بھی کہتے ہیں۔

دلیل ثانی: مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں ہے "عن الحارث ابن عزلہ قال رجد قتیلا بالیمن بین وادیا ارهب" تو عامل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس بستی کے قریب ہو ان کو پکڑو تو وہ مقتول

وادی کے قریب تھا" فاخذنا و اغمر منا فاحلفنا فقلنا یا امیر المؤمنین اتحلفنا و تفر منا قال نعم فاحلف خمسین رجلاً بالله ما قتلت و لا علمت قاتلا" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر دیت لازم کردی۔

دلیل ثالث: بخاری میں ہے کہ مجلس عمر بن عبدالعزیز میں علماء جمع ہوئے، قسامۃ پر بحث چھڑی تو بعض علماء نے خلاف مذہب ابی حنیفہ فتویٰ دیا، ابوقلابہ خاموش تھے۔ "فاسلوه فافتی مایوافق بمذهب ابو حنیفه و ذکر ادله فرجعوا عن قولهم"

دلیل رابع: بخاری میں قسامۃ ابو طالب فی الجاہلیۃ کا ذکر ہے جو موافق مذہب حنفی ہے اور بعض روایات میں ہے "ان القسامة اقرت علی ما کان فی الجاهلية" باقی حدیث باب کے متعدد جوابات ہیں۔

جواب اوّل: یہ ہماری احادیث سے متعارض ہے، ہماری احادیث راجح ہیں کیونکہ وہ مشہور و کثیر ہیں۔

جواب ثانی: ابوداؤد صفحہ ۶۳۲ پر ہے اس حدیث میں سہیل کو وہم ہوا ہے۔ "ان سهيلا وهم بالله" لہٰذا حدیث معلول ہے۔

جواب ثالث: اس حدیث کی روایات مختلف ہیں تو اس میں "بينه" کا ذکر ہے حالانکہ اوّلاً "بينه" کا ذکر ضروری ہے۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولیاء مقتول سے اوّلاً طلب حلف کیا اور بعض میں برعکس ہے تو حدیث میں ایک قسم اضطراب ہے۔

جواب رابع: یہ حدیث مذہب حنفی پر بھی منطبق ہو سکتی ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحلیف مدعین کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ یہی حکم شرعی ہے۔ "بل هو استفسار ماهو ضميرهم لينكرو عن الحلف ويتوجهوا الی حلف اليهود المدعی عليهم هذا كما قال النبی صلی الله عليه وسلم لام حبيبه رضی الله عنها حين عرضت اختها علی النبی عليه السلام التحبين ذلک" تو مقصد یہ تھا کہ کیا پسند کرتی ہو یہ مقصد نہیں کہ اگر پسند کرتے ہو تو نکاح کرلوں گا بلکہ مقصد صرف اظہار تھا۔ (نیل الاوطار، ج:۷، ص:۳۸، شامی، ج:۵، ص:۴۳۷، مرقاۃ، ج:۴، ص:۴۶)

أَبْوَابُ الْحُدُودِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حدود کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

تشریح "الحد لغتا المنع و شرعا عقوبة مقدرته وجبت حقا لله" کیونکہ یہ حق اللہ ہے اس لیے بعد الوصول الی الحاکم اس میں شفاعت حرام ہے بلکہ کسی کے معاف کرنے سے بھی دفع نہیں ہوتیں۔ بخلاف دیگر سزاؤں کے کہ وہ محض حقوق اللہ نہیں ہیں تو وہ کسی طرح معاف بھی ہو سکتی ہیں۔ حد کا کبھی مطلق گناہ پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ "قال الله تلک حدود الله فلا تقربوها، شامی، ج:۳، ص:۱۵۲" پر ہے۔ "وهی ستة حد الزنی و شرب الخمر خاصة و حد السكر من غير الخمر و حد القذف و حد السرقة و حد قطع الطريق" لہٰذا تعزیر و قصاص حد نہیں ہے اس لیے تعزیر مقدار معلوم نہیں ہے اور قصاص حق ورثاء مقتول ہے وہ معاف بھی ہو سکتا ہے۔

حدود کی اقسام

۱۔ حد زنا: زانی دو حال سے خالی نہیں محصن ہوگا یا غیر محصن۔ اگر محصن ہو تو اس کی حد رجم ہے اور رجم کا حکم قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے جو منسوخ التلاوۃ مع بقاء الحکم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے میں اس قانون پر عمل کیا ہے، ایک یہودی جوڑے کو اور ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو اور غامدیہ رضی اللہ عنہا عورت کو رجم کیا گیا۔ اگر زانی غیر محصن ہو تو اس کی حد میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر زانی غیر محصن ہو تو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔

دلیل: ان کا استدلال قرآن کی آیت سے ہے "الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة" اس آیت کریمہ میں صراحتاً سو کوڑوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زانی غیر محصن کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کرنا ہے۔

دلیل: سو کوڑوں کے لیے ان کا استدلال قرآن کی مذکورہ آیت سے ہے اور جلاوطن کرنے کی سزا حدیث سے ثابت ہے۔

جواب: حدیث کی وجہ سے جلاوطنی کو سزا میں شامل نہیں کیا جا سکتا ورنہ خبر واحد کی وجہ سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ ناجائز ہے۔ البتہ ہم ان دونوں کے درمیان تطبیق کریں گے وہ یہ کہ زانی کی اصل سزا تو سو کوڑے ہے، کتاب اللہ کے حکم سے اور جلاوطن کرنا حاکم کے لیے سیاسۃً رخصت اور اجازت ہے حدیث کی وجہ سے۔

۲۔ حد خمر: شراب شریعت میں حرام ہے قلیل اور کثیر کا کوئی فرق نہیں۔ بالفعل مسکر ہو یا نہ ہو اس کو پینے سے حد لازم ہو جائے گی۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس کی حد کیا ہے اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۸۰ کوڑے ہیں۔

دلیل: امام صاحب کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد کے لیے ۸۰ کوڑے مقرر کیے تھے۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کی حد کے ۴۰ کوڑے ہیں۔ ان کا استدلال ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے اور اس میں ۴۰ کوڑوں کا ذکر ہے۔

جواب: جن روایات میں ۴۰ کا ذکر ہے ان میں ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ جس چیز کے ساتھ مارا گیا ہے یا تو وہ دو جوتے تھے یا ایسا کوڑا تھا جس کے دو حصے تھے یا ایسا جرید تھا جس کی دو شاخیں تھیں۔ اس اعتبار سے چالیس مرتبہ مارنے سے ۸۰ ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حد سکر من غیر خمر: یعنی اگر کسی آدمی نے شراب کے علاوہ کوئی اور نشہ آور چیز استعمال کر لی تو اس پر حد خمر جاری ہوگی لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس سے بالفعل نشہ آیا ہو۔ غیر مسکر ہونے کی صورت میں حد نہیں ہوگی۔

۴۔حد قذف: اگر کسی آدمی نے کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو شرعی اُصول کے ساتھ ثابت نہ کر سکا تو اس پر حد قذف کے ۸۰ کوڑے لگیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "والذین یرمون المحصنت ... الخ" اس آیت میں ۸۰ کوڑوں کا ذکر ہے جیسے واقعہ افک کے اندر حد قذف کے ۸۰ کوڑے جاری کیے گئے۔

۵۔حد سرقہ: یعنی اگر کسی آدمی نے کسی کا محفوظ مال چوری کرلیا۔ سرقہ ثابت ہو جانے پر اس پر حد جاری کی جائے گی اور وہ قطع ید ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما ... الخ" اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کتنی مقدار مال چوری کرنے سے قطع ید لازم ہوگا۔

قولِ اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم دس درہم مالیت کی چیز چوری کرنے سے حد لازم ہوگی۔

قولِ ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم مقدار سرقہ ربع دینار ہے۔

قولِ ثالث: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم مقدار سرقہ تین درہم ہے۔

منشاء اختلاف: منشاء اختلاف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ڈھال کے چوری کرنے پر قطع ید کی حد جاری کی ہے۔ اب یہ کہ اس ڈھال کی مالیت اور قیمت کیا تھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی قیمت دس درہم تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا قطع الا فی دینار فصاعدا" یعنی قطع ید ایک دینار یا اس سے زیادہ میں ہوتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے کہ اس ڈھال کی قیمت تین درہم تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت میں ہے کہ اس کی قیمت ربع دینار تھی۔ اب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں میں تعارض آ گیا۔ وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ڈھال کی قیمت دس درہم ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ایک میں تین درہم، دوسری کے مطابق ربع دینار ہے تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو ترجیح دی دو وجہ سے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ادرءللحد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر "لا قطع الا فی دینار ... الخ" اس کے موافق ہے۔

سوال: سرقہ کی صورت میں سارق پر حد سرقہ تو جاری ہوگی لیکن مال مسروق کا کیا ہوگا؟

جواب: مال مسروق دو حال سے خالی نہیں، موجود ہوگا یا نہ، اگر موجود ہوا تو بالاتفاق مالک کو واپس کیا جائے گا، اگر موجود نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

قولِ اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضمانت لازم نہیں ہوگی کیونکہ قرآن کریم کے اندر قطع ید کو اس جرم کی پوری سزا قرار دیا ہے۔ اگر ضمانت کو لازمی قرار دیں تو کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی۔

قولِ ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مال مسروق ہلاک ہو گیا ہو تو سارق پر ضمان لازم ہوگا۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں غصب پر کہ اگر شئی مغصوب غاصب کے پاس ہلاک ہو جائے تو بالاتفاق ضمان لازم ہوتا ہے لیکن ہم کہتے

ہیں یہ قیاس نص کے مقابلے میں ہے اور نص کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں ہوتا۔

۶۔ حد قطع طریق: یعنی ڈاکو کی حد۔ اس کی کل چار صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

(۱) اگر ڈاکو نے قتل کیا، مال نہیں لیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ڈاکو قتل کیا جائے گا۔

(۲) اگر ڈاکو نے قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لے گیا ہو، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ڈاکو سولی پر چڑھایا جائے گا۔

(۳) ڈاکو مال لے گیا قتل نہیں کیا۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اس کا دائیاں ہاتھ بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔

(۴) اگر قتل بھی نہیں کیا اور مال بھی نہیں لے گیا صرف ڈرایا دھمکایا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ڈاکو کو جلا وطن کر دیا جائے۔ قرآن کریم کی آیت "انما جزآء الذین یحاربون اللہ الخ" میں حد قطع طریق کو بیان کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الحَدُّ ۔۔۔۔ جن پر حد واجب نہیں ہوتی

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ القَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَشِبَّ وَعَنِ المَعْتُوهِ حَتَّى يَعْقِلَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُٹھالیا گیا قلم تین شخصوں سے یعنی تین شخصوں پر تکلیف شرعی نہیں ایک سونے والا یہاں تک کہ جاگے اور لڑکا یہاں تک کہ بالغ ہو اور مجنون یہاں تک کہ اس کو عقل آئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَرْءِ الحُدُودِ ۔۔۔۔ حدود کو دفع کرنے سے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْرَءُوا الحُدُودَ عَنِ المُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي العَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي العُقُوبَةِ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دفع کرو اور ٹالو حدوں کو مسلمانوں سے جہاں تک کہ تم سے ہو سکے، پھر اگر ہو سکے مجرم کی کوئی شکل رہائی کی تو چھوڑ دو اس کو اس لیے امام خطا کار کو اگر بخش دے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ خطا کار کو عذاب کرے۔

تشریح: اس باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حدود کو نافذ کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اگر حد کے اندر معمولی شبہ پیدا ہو جائے تو حد کو ساقط کر دو۔ اس لیے کہ معافی میں غلطی کرنا، سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ پھر شبہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شبہ فی المحل۔ وہ ہے کہ محل میں شبہ پیدا ہو جائے مثلاً کسی آدمی کی بیوی کی باندی تھی اس نے بیوی کی اجازت سے وطی کر لی۔ اس نے سمجھا شاید یہ میرے لیے جائز ہو بیوی کی اجازت سے یا اسی طرح شبہ کی بناء پر بیٹے کی باندی سے وطی کر لی اور شبہ پیدا

ہوا، اس حدیث کی وجہ سے ''انت و مالک لابیک'' ایسی صورت میں حد تو جاری نہیں ہوگی لیکن سیاستاً سزا دی جاسکتی ہے۔

(۲) شبہ فی الفعل۔ وہ ہے کہ جرم کے ثبوت میں شبہ پیدا ہو جائے کہ اس نے یہ فعل کیا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں نہ حد ہوگی اور نہ تعزیر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ۔۔۔۔ مسلمان کے عیب چھپانے کے بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کھول دی کوئی مصیبت دُنیا کی کسی مسلمان سے کھول دے گا اللہ تعالیٰ اس سے ایک مصیبت آخرت کی مصیبتوں سے اور جو عیب چھپائے مسلمان کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کے دُنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان بھائی ہے مسلمان کا تو چاہیے کہ ظلم نہ کرے اور ہلاکت میں نہ ڈالے اس کو اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مشغول ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں ہے اور جس نے کھول دی کسی مسلمان سے کوئی سختی کھول دے گا اللہ تعالیٰ اس کی ایک سختی قیامت کے دن کی سختیوں میں سے اور جس نے پردہ ڈھانپا یعنی عیب چھپایا کسی مسلمان کا اللہ تعالیٰ پردہ ڈھانپ دے گا اس کا قیامت کے دن۔

تشریح اس باب میں ستر پوشی کا ذکر ہے۔ کتب حنفیہ میں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو حاکم کے سامنے شکایت نہ کرے بلکہ ستر پوشی کرے لیکن یہ صورت اس صورت میں ہے جبکہ اس پردہ پوشی سے وہ مزید جری نہ ہو جائے۔ اگر وہ زنا سے توبہ کر لیتا ہے یا اس کو عادت نہیں تو پھر ستر پوشی اولیٰ ہے ورنہ اس کا اظہار الی الحاکم ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّلْقِينِ فِي الْحَدِّ۔۔۔۔ حدود میں تلقین سے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ أَحَقٌّ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ وَمَا بَلَغَكَ

عَنِّي قَالَ بَلَغَنِي أَنَّكَ وَقَعْتَ عَلَى جَارِيَةِ آلِ فُلَانٍ، قَالَ نَعَمْ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماعز سے جو بیٹے مالک کے تھے کیا سچ ہے جو خبر تمہاری پہنچی ہے مجھ کو پوچھا انہوں نے کیا خبر میری پہنچی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ تم نے زنا کیا فلانے قبیلے کی لونڈی سے انہوں نے کہا ہاں! پھر اقرار کیا چار بار سو حکم دیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سنگسار کیے گئے وہ۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا اور ان سے جرم کی تحقیق کی۔ بعض دیگر روایتوں میں ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جرم کا اعتراف کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعراض کرتے رہے بظاہر تعارض ہے۔

جواب: ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع تو پہلے مل گئی تھی اور پھر بلایا بھی تھا لیکن حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ خود ہی مجلس میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال تھا کہ شاید یہ انکار کرلیں تو شاید معاملہ ختم ہو جائے لیکن انہوں نے اعتراف کرلیا اور آپ اعراض کرتے رہے، جب چار مرتبہ اقرار کرلیا تو آپ نے رجم کا حکم جاری کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَرْءِ الحَدِّ عَنِ المُعْتَرِفِ إِذَا رَجَعَ

اگر معترف اپنے اقرار سے رجوع کرلے تو حد ساقط ہو جاتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزٌ الأَسْلَمِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الآخَرِ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الآخَرِ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ قَدْ زَنَى فَأَمَرَ بِهِ فِي الرَّابِعَةِ فَأُخْرِجَ إِلَى الحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ حَتَّى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهُ لَحْيُ جَمَلٍ فَضَرَبَهُ بِهِ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتَّى مَاتَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ فَرَّ حِينَ وَجَدَ مَسَّ الحِجَارَةِ وَمَسَّ المَوْتِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ۔

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آئے ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا انہوں نے زنا کیا ہے پس منہ پھیر لیا ان کی طرف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، پھر آئے وہ دوسری طرف سے اور کہا کہ زنا کیا ہے اس نے منہ پھیر لیا ان کی طرف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر آئے وہ دوسری طرف سے اور کہا یا رسول اللہ! بے شک اس نے زنا کیا ہے پھر حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی بار پھر

لے گئے ان کو پتھریلی زمین کی طرف، پھر مارے گئے وہ پتھروں سے پھر جب ان کو پتھر لگے تو بھاگے دوڑتے ہوئے یہاں تک کہ پہنچے ایک شخص کے نزدیک کہ اس کے پاس اونٹ کی داڑھ کی ہڈی تھی سو مارا ان کو اس سے اور مارا اور لوگوں نے بھی یہاں تک کہ وفات پائی سو ذکر کیا اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ وہ بھاگے تھے جب چوٹ کھائی انہوں نے پتھر کی اور مزہ چکھا موت کا سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ چھوڑ دیا تم نے اس کو یعنی جب وہ بھاگا تھا تو اس کو چھوڑ دینا لازم تھا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ اعْتَرَفَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِكَ جُنُونٌ، قَالَ لَا قَالَ أَحْصَنْتَ، قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتَّى مَاتَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ

ترجمہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد قبیلہ بنی اسلم کا آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور اقرار کیا زنا کا اور منہ پھیر لیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر اقرار کیا اس نے پھر منہ پھیر لیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہاں تک کہ گواہی دی اس نے اپنے اوپر چار بار سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تجھ کو جنون ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو محصن ہو چکا ہے اس نے کہا ہاں! سو حکم کیا اس کو پھر پتھر مارے گئے اسے عیدگاہ میں پھر جب لگے اس کو پتھر بھاگا وہ پھر پکڑ لیا گیا اور پتھروں سے مارا گیا یہاں تک کہ مر گیا سو فرمایا اس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ خیر اور نمازِ جنازہ نہیں پڑھی اس پر۔

تشریح **مسئلہ اختلافی:** کتنی مرتبہ جرم کا اقرار کر لینے سے جرم ثابت ہو جاتا ہے اور دو مذہب ہیں۔

قول اوّل: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار مرتبہ اقرار کرنے سے جرم ثابت ہوگا۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے کہ انہوں نے چار مرتبہ اعتراف کیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رجم کا فیصلہ کیا۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مرتبہ بھی اعتراف جرم سے جرم ثابت ہو جاتا ہے۔

دلیل: ان کا استدلال حضرت عسیف رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے۔ "وفیه اغدیا انیس الی امرأة هذا فان اعترفت فارجمها" اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ جس سے انہوں نے زنا کیا ہے۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو رجم کر دو۔ اس میں چار مرتبہ اعتراف کا ذکر نہیں بلکہ مطلقاً اعتراف کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ بھی اعتراف کر لینا کافی ہے۔

جواب: "فان اعترفت" کا مطلب یہ ہے کہ معروف طریقہ کے مطابق اعتراف کر لے تو رجم کر دو اور وہ معروف طریقہ چار مرتبہ اعتراف جرم ہے۔

اگر معترف بالزنا حد جاری کرنے کے درمیان میں بھاگنا شروع کرے تو اس کی حد ساقط ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارا فرار رجوع عن الاقرار کی بناء پر ہے یا تکلیف کی بناء پر۔ پہلی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی اور دوسری صورت میں حد ساقط نہیں ہوگی اور شوافع کے نزدیک جب تک صراحتاً اقرار سے رجوع نہ کرے حد ساقط نہیں ہوگی اور احناف کے نزدیک قولاً یا فعلاً حد سے فرار کرتا ہے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ سب کی دلیل ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا فرار تکلیف کی بناء پر تھا رجوع عن الاقرار کی بناء پر نہ تھا اور شوافع کہتے ہیں کہ فرار رجوع عن الاقرار نہیں۔ بنا بریں حد ساقط نہیں ہوگی اور احناف کہتے ہیں کہ فرار رجوع عن الاقرار ہے لیکن حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہو گئے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ "قام بعد الفرار" اسی طرح صحیحین میں ہے کہ ان کا فرار الم فوری کی بناء پر تھا اور یہ فرار ہمارے نزدیک رجوع عن الاقرار نہیں۔ کما فی البدائع بنا بریں رجم کیا۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کہنا "هلا تركتموه" شدت رحمت ورأفت کی بناء پر تھا کہ اگر تم اس کو چھوڑ دیتے تو شاید اقرار سے رجوع کر لیتا۔

"ولم يصل عليه" یہاں بظاہر ایک اشکال ہے کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ غامدیہ خاتون کی نماز جنازہ پڑھی حالانکہ دونوں کا جرم اقرار سے ثابت ہوا تھا اور دونوں کو رجم کیا گیا۔

جواب: اس کی حکمت یہ ہے کہ جو ثبات قدمی غامدیہ کے واقعہ میں ہے وہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نہیں۔ وہ اس طرح کہ غامدیہ نے اپنے انجام کو جاننے کے باوجود اپنے آپ کو پیش کیا اور اعتراف جرم کیا اور ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اس طرح کی ثبات قدمی نہیں بلکہ بعض روایات میں ان کا شکوہ یہ تھا کہ مجھے لوگوں نے مروا دیا اور غامدیہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر اس کا دسواں حصہ تمام اہل مدینہ پر تقسیم کیا جائے تو سب کی مغفرت کے لیے کافی ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُشَفَّعَ فِي الْحُدُودِ۔۔۔۔ حدود میں شفاعت کرنا مکروہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ، ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ فَقَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کو فکر ہوئی ایک عورت مخزومیہ کی جس نے چوری کی تھی سو کہنے لگے کون بات کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کے لیے؟ سو کہا ان لوگوں نے کوئی جرأت رکھتا ہے اس امر کی مگر اُسامہ بیٹے زید کے جو دوست ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر شفاعت کی اُسامہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا شفاعت کرتا ہے تو حد میں اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے؟ پھر کھڑے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ بے شک ہلاک ہوئے وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے جب چوری کرتا تھا ان میں کوئی شریف (بمعنی امیر) اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب چوری کرتا تھا ان میں کوئی غریب قائم کرتے تھے اس پر حد اور قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر فاطمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی چوری کرے تو بے شک کاٹوں میں اس کا ہاتھ۔

تشریح چونکہ قرآن کریم میں صاف بلیغ الفاظ میں ایسے مجرمین پر مہربانی ومحبت کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے اس لیے آپ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ پر شفاعت کرنے کی بناء پر سخت نکیر فرمائی اور تاکید کے ساتھ فرمایا کہ یہ فاطمہ کیوں؟ اگر میری جگہ گوشہ فاطمہ بھی چوری کرلے (اعاذہا اللہ) تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا، ذرا بھی خاطر نہیں کروں گا۔

تنبیہ "لو ان فاطمة بنت محمد سرقت" کا جملہ پڑھنے کے بعد اعاذہا اللہ منہ کہنا محدثین کے نزدیک مستحب ہے۔ لیکن حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے سامنے دوسری آیت تھی۔ "من يشفع شفاعة حسنة يكن له كفل منها" اس لیے سمجھا کہ ہر قسم کی شفاعت مقبول اور سبب اجر ہے۔ بنابریں شفاعت کی۔

پھر یہاں ایک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی عاریت سے انکار کردے تو کیا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو امام احمد واسحٰق رحمہما اللہ کے نزدیک کاٹا جائے گا لیکن احناف وشوافع ومالکیہ کے نزدیک نہیں کاٹا جائے گا۔ احمد واسحٰق رحمہما اللہ دلیل پیش کرتے ہیں مسلم شریف کی حدیث سے کہ "تستعير المتاع وتجحده فامر النبي صلى الله عليه وسلم بقطع يدها" حنفیہ وغیرہ دلیل پیش کرتے ہیں بخاری ومسلم کی صریح حدیث سے کہ اس میں "سرقت" کا لفظ ہے۔ نیز قرآن کریم میں "السارق والسارقة" ہے اور جحود عاریت پر سرقہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر قطع نہیں ہوگا۔ انہوں نے مسلم کی جو روایت پیش کی، اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں جحود عاریت کو سبب قطع قرار دینا مقصد نہیں بلکہ اس سے اس کی شناخت وپہچان مقصد ہے۔ قطع کا سبب تو سرقہ ہے۔ مرقاة، اشعة

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْقِيقِ الرَّجْمِ ۔۔۔۔ رجم کی تحقیق

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ فِيمَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ فَرَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ وَإِنِّي خَائِفٌ أَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ فَيَقُولَ قَائِلٌ لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ أَلَا وَإِنَّ

الرَّجْمَ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى إِذَا أُحْصِنَ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ حَمْلٌ أَوِ اعْتِرَافٌ

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق اللہ نے بھیجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ اور اُتاری ان پر کتاب اور اس میں جو اُتارا ان پر آیت رجم بھی تھی اور رجم کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور رجم کیا ہے ہم نے ان کے بعد اور میں ڈرتا ہوں کہ جب زمانہ دراز لوگوں پر گزر جائے تو کوئی کہنے والا کہنے لگے کہ ہم تو آیت رجم کو نہیں پاتے کتاب میں اللہ تعالیٰ کے اور گمراہ ہو جائیں ایسے فرض چھوڑ دینے کے سبب سے کہ اس کو اُتارا ہے اللہ تعالیٰ نے، آگاہ رہو کہ بے شک رجم ضرور ہے اس پر جو زنا کرے جب وہ محصن ہو اور جو کھڑے ہو جائیں اس پر گواہ یا ہو حمل اس عورت کو کہ جس کا شوہر نہ ہو یا خود وہ اقرار کرے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمَ أَبُو بَكْرٍ وَرَجَمْتُ «، وَلَوْلَا أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أَزِيدَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ لَكَتَبْتُهُ فِي الْمُصْحَفِ فَإِنِّي قَدْ خَشِيتُ أَنْ تَجِيءَ أَقْوَامٌ فَلَا يَجِدُونَهُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَكْفُرُونَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور رجم کیا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور رجم کیا میں نے یعنی زانی محصن کو اور اگر میں مکروہ نہ جانتا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کچھ زیادہ کرنے کو تو لکھ دیتا رجم کی آیت میں اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ آئیں کچھ قومیں اور نہ پائیں رجم کو کتاب اللہ میں پس منکر ہو جائیں اس سے۔

تشریح: خوارج کے نزدیک زنا کا حکم صرف جلد ہے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، کسی حالت میں رجم نہیں ہے اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں "الزانية والزاني فاجلدوا" سے صرف جلد کا حکم ہے رجم کا ذکر نہیں ہے لیکن جمہور صحابہ و تابعین و آئمہ کے نزدیک محصن محصنہ (شادی شدہ آزاد) پر رجم آئے گا۔

دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی: "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما نكالاً من الله" لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اجماع اُمت سے اس کا حکم باقی رہا جس کا قرینہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا اور خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ نے رجم کیا۔ لہٰذا خوارج کا کہنا کہ قرآن میں رجم نہیں یہ بالکل غلط ہے اور عناد پر مبنی ہے۔ اسی خطرہ کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور تمہید یہ فرمایا کہ "ان الله بعث محمداً بالحق" اور یہ بھی فرمایا کہ "انی خشيت ان يطول بالناس زمان فيقول قائل لانجد الرجم فی کتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله، فان الرجم فی کتاب الله حق" پھر اگر بالفرض قرآن کریم میں رجم کا حکم نہ بھی ہو تو کیا رجم کا حکم منتفی ہو جائے گا؟ جب کہ احادیث مشہورہ میں رجم کا حکم موجود ہے۔ نیز تعامل اُمت ہے کیا دوسرے سب احکام قرآن کریم میں موجود ہیں۔ بہرحال کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اجماع سے خوارج کا مذہب کا بطلان روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ عَلَى الثَّيِّبِ۔۔۔۔ رجم صرف شادی شدہ پر ہے

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ سَمِعَهُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَشِبْلٍ أَنَّهُمْ كَانُوا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فَقَامَ إِلَيْهِ أَحَدُهُمَا وَقَالَ أَنْشُدُكَ اللّٰهَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمَا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ خَصْمُهُ وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ أَجَلْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِي فَأَتَكَلَّمَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَفَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ ثُمَّ لَقِيتُ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَزَعَمُوا أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ الْمِائَةُ شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا

ترجمہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ سنا انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور زید بن خالد اور شبل سے کہ وہ سب تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہ آئے دو مرد لڑتے ہوئے اور کھڑا ہوا ایک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان میں کا اور عرض کیا کہ قسم دیتا ہوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ! اس بات پر کہ فیصلہ کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ میں کتاب اللہ کے موافق اور بول اُٹھا مدعی اس کا اور وہ تھا اس سے زیادہ سمجھ دار ہاں یا رسول اللہ! فیصلہ کیجئے ہمارے بیچ میں موافق کتاب اللہ کے اجازت دیجئے مجھ کو کہ میں بیان کروں بے شک میرا بیٹا مزدوری کرتا تھا اس کے یہاں تو زنا کیا اس کی بیوی کے ساتھ سو خبر دی مجھ کو لوگوں نے کہ میرے بیٹے پر رجم ہے سو بدلہ دیا میں نے اس کا سو بکریاں اور غلام پھر ملا میں کئی لوگوں سے جو اہل علم تھے سو کہا انہوں نے کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال وطن سے باہر نکال دینا اور رجم تو اس کی بیوی پر ہے سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بے شک حکم کروں گا تمہارے درمیان موافق کتاب اللہ کے سو بکریاں اور غلام تو اپنا پھیر لے اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال وطن سے نکال دینا اور صبح کو جا تو اے انیس اس کی بیوی کے پاس اگر وہ اقرار کرے زنا کا تو رجم کر اس کو پھر صبح کو لے گئے وہ اس عورت کے پاس اور اقرار کیا اس نے زنا کا اور پتھر مارے اس کو۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ الرَّجْمُ وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ.

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو مجھ سے یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی یہ سبیل کر دی ہے کہ جب زنا کرے ثیب ثیب سے تو سو کوڑے مارنا ہے پھر پتھروں سے مار ڈالنا اور جو بکر سے زنا کرے تو سو سو کوڑے اور ایک سال وطن سے نکال دینا۔

تشریح رجم زانی محصن کے لیے ہے اور محصن کے رجم پر اُمت کا اجماع ہے۔ اس میں صرف خوارج منکر ہیں اور بعض معتزلہ بھی مثل نظام معتزلی وغیرہ خوارج کی دلیل یہ ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، منکرین حدیث فی زمانا کا قول بھی مثل قول خوارج ہے مگر خوارج کا یہ قول مردود ہے اور جمہور کی کئی دلیلیں ہیں۔

دلیل اوّل: رجم محصن پر اجماع اُمت ہے اور اجماع دلیل قطعی ہے۔

دلیل ثانی: بتواتر احادیث قولیہ میں رجم محصن کی تصریح ہے۔

دلیل ثالث: مشہور احادیث فعلیہ بھی اس کے مطابق وارد ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا ہے اور متعدد بار زانی محصن کو سنگسار کیا ہے۔ مثل "ماعز رضی اللہ عنہ و امرأۃ غامدیہ"

دلیل رابع: حدیث ہے "علیکم بسنتی و سنۃ خلفاء الراشدین" اور خلفاء راشدین کے اقوال بھی رجم محصن کے بارے میں ثابت ہیں اور انہوں نے عملاً بھی اپنی خلافتوں میں اس کا امر فرمایا اور عمل کروایا ہے۔

دلیل خامس: قرآن مجید میں رجم محصن کے بارے میں صریح آیت نازل ہوئی تھی "الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ" شیخ و شیخہ سے محصن و محصنہ ہے۔ پھر یہ آیت منسوخ التلاوت ہوئی اور حکم باقی ہے۔ کما فی کتب الحدیث اور تفاسیر میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں منبر پر یہ تقریر فرمائی کہ رجم محصن اسلام کا حکم محکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اور ہم نے بھی اس پر عمل کیا اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ "الشیخ و الشیخہ ... الخ" تو اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے قرآن میں آیت کا اضافہ کیا تو میں یہ آیت قرآن میں ثبت کر دیتا اور فرمایا بعد میں وہ لوگ کہیں گے کہ رجم شرعی حکم نہیں ہے کیوں کہ وہ قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول درست ثابت ہوا اور خوارج منکر ہوئے اور ہمارے زمانے میں پرویز وغیرہ منکرین حدیث یہی دلیل پیش کرتے ہیں بلکہ منکرین حدیث سرے سے نسخ فی القرآن کے قائل بھی نہیں ہیں

مسئلہ ثانیہ، قول اوّل: جمہور کے نزدیک محصن زانی کو صرف رجم کیا جائے گا "جلد مائۃ مع الرجم" کے جمہور قائل نہیں ہیں۔

قول ثانی: امام احمد، اسحاق، داوٗد کہتے ہیں کہ پہلے سو کوڑے اس کے بعد رجم کیا جائے گا۔ وہ استدلال کرتے ہیں بعض احادیث سے جن میں دونوں کا ذکر ہے۔ جمہور اوّلاً استدلال کرتے ہیں، حدیث رجم ماعز رضی اللہ عنہ سے ثانیاً "رجم امرأۃ غامدیہ" سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے صرف رجم کروایا اور یہ متاخر ہیں یہ ناسخ ہے ان احادیث کے لیے جن سے امام احمد و اسحق استدلال کرتے ہیں۔ (عرف شذی، ص: ۴۶۷، نیل: ۷، ص: ۹۴)

"کما مر باب تحقیق الرجم" پھر عندالاحناف عورت کا رجم نہیں کیا جائے گا اور "بالبینة او الاعتراف ولا عرة بالحبل" چنانچہ اگر غیر شادی شدہ عورت حاملہ ہو تو عندنا اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا اور یہ زنا کی صریح دلیل نہیں ہے۔ "لاحتمال نکاح خفیة ولاحتمال وطی بالشبة" اور شبہ بھی دافع للرجم ہے۔ "خلافا للمالک حیث ترجم المرأة بالحبل ایضا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی امام مالک کے مطابق تھا۔

باب منه۔۔۔۔۔اسی سے متعلق

بَابُ تَرَبُّصِ الرَّجْمِ بِالْحُبْلَى حَتَّى تَضَعَ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ اعْتَرَفَتْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالزِّنَا فَقَالَتْ إِنِّي حُبْلَى فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّهَا فَقَالَ أَحْسِنْ إِلَيْهَا فَإِذَا وَضَعَتْ حَمْلَهَا فَأَخْبِرْنِي فَفَعَلَ فَأَمَرَ بِهَا فَشُدَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ثُمَّ أَمَرَ بِرَجْمِهَا فَرُجِمَتْ ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا رَسُولَ اللهِ رَجَمْتَهَا ثُمَّ تُصَلِّي عَلَيْهَا فَقَالَ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ۔

ترجمہ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک عورت نے قبیلہ جہینہ سے اقرار کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زنا کا اور عرض کیا کہ میں حاملہ ہوں سو بلایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو اور فرمایا اس کو اچھی طرح رکھ پھر جب یہ جن لے اپنا بچہ تب خبر دینا مجھ کو اس نے ایسا ہی کیا۔ پس حکم دیا حضرت نے کہ باندھے گئے اس پر کپڑے اس کے پھر حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پتھر مارنے کا سو پتھروں سے ماری گئی پھر نمازِ جنازہ پڑھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کہا ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یا رسول اللہ! پتھروں سے مارا اس کو پھر نماز پڑھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر؟ تو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قبول ہوئی اس کی توبہ اگر تقسیم کی جائے ستر شخصوں پر اہل مدینہ کے تو سب کو پہنچ جائے یعنی سب اس کے سبب سے بخش دیئے جائیں اور اس سے بہتر تو کوئی چیز پاتا ہے کہ اس نے اپنی جان دے دی اللہ کی راہ میں۔

تشریح حدیث ہذا کے پہلے طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ حاملہ کا بچہ جننے کے بعد ہی ماں کو رجم کر دیا جائے لیکن حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے دوسرے طریقہ سے روایت آنے والی ہے کہ اگر اس کی تربیت کا ذمہ دار کوئی نہ ہو تو بچہ کے دودھ چھڑانے اور روٹی کھانے کے قابل ہونے کے بعد ماں کو رجم کیا جائے۔ فتعارضا اور دفع تعارض یہ ہے کہ دوسری روایت نے اصل قانون بیان کیا کہ جب مستغنی ہو جائے تب ماں کو رجم کیا جائے گا اور بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ وضع حمل کے بعد اس بے گناہ

بچہ کی تربیت کا خاص انتظام ہو جائے تو بچہ جننے کے بعد ہی رجم کر لیا جائے یا تو بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مراد بڑا ہونے کے بعد رجم کرنے کا ذکر ہے اور اس رضاعہ سے دودھ پینے کی ذمہ داری نہیں بلکہ اس سے تربیت کی کفالت مراد ہے۔ فلا تعارض

"قولہ ثم امر بھا فصلی علیھا" یہاں لفظ "فصلی علیھا" میں دو قرأت ہیں۔ اکثر روایات میں صیغہ معروف کے ساتھ ہے اور اس کے تقاضا کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز پڑھی اور بعض روایات میں صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ "کما فی روایۃ أبی داؤد و ابن ابی شیبہ رحمھم اللہ" اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی، اس اختلاف کے پیش نظر علمائے کرام میں مرجوم ومحدود پر امام المسلمین و اہل الفضل کے نماز پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہو گیا۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے وہ صیغہ مجہول کو راجح قرار دے کر دلیل پیش کرتے ہیں اور ابوداؤد کی ایک روایت میں "لم یصلِّ علیہ" سے نفی صلوٰۃ موجود ہے۔

امام ابوحنیفہ وشافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے "وھو قول لاحمد رحمہ اللہ"۔ وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ان روایات سے جن میں "فصلی علیھا بصیغہ" معروف ہے اور چونکہ یہ روایات مثبتہ ہیں۔ لہٰذا ان کو ترجیح ہوگی۔ قالہ صاحب المرقاۃ لیکن ہمارے نزدیک بھی یہ ہدایت ہے ایسے جرائم سے لوگوں کو باز رکھنے کے لیے مقتدا اور بزرگ حضرات کا نماز نہ پڑھنا اولیٰ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَجْمِ أَهْلِ الْكِتَابِ ..... اہل کتاب کے رجم سے متعلق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو۔

تشریح: اختلافی مسئلہ: احصان کے لیے اسلام شرط ہے کہ نہیں؟

قول اوّل: امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک اسلام شرط نہیں ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ ومالک کے نزدیک احصان کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ لہٰذا اگر شادی شدہ ذمیوں کے زنا کا فیصلہ مسلمان حاکم کے پاس آئے تو شافعی واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک ان کو رجم کیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ ومالک رحمہما اللہ کے نزدیک ان پر جلد آئے گا رجم نہیں کیا جائے گا۔

فریق اوّل دلیل پیش کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں یہودیوں کو رجم کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ احصان کے لیے اسلام شرط نہیں۔

امام ابوحنیفہ ومالک رحمہما اللہ کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری حدیث ہے۔ "ان علیہ الصلوۃ والسلام قال من اشرک باللہ فلیس بمحصن" رواہ اسحٰق بن راہویہ فی مسندہ والعلامہ ماردینی فی الجوہر النقی۔ یہ حدیث احصان کے لیے اسلام

کی شرط ہونے پر صریح ہے۔ بخلاف ان کی حدیث کے وہ اپنے مدعی پر صریح نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہماری دلیل حدیث قولی ہے اور ان کی فعلی اور "والترجیح للقولی" اس اُصول کے بعد ہمیں ان کا جواب دینا ضروری نہیں۔ تاہم بطور استحباب جواب دیتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم بنایا تھا کہ تورات کے موافق فیصلہ کردیں اور چونکہ تورات میں رجم کے لیے احصان شرط نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تورات کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے رجم کا حکم دیا۔

"کذا ذکرہ الطحاوی" لہٰذا یہاں احصان کے لیے اسلام کے شرط ہونے نہ ہونے کا سوال ہی نہیں آتا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہمارا مؤید ہے۔ چنانچہ زیلعی میں واقعہ مذکور ہے کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے حضرت رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ ایک مسلمان نے ایک ذمیہ سے زنا کرلیا کیا کیا جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ذمیوں کو یہودیوں کے حوالہ کردو تاکہ وہ تورات کے موافق رجم کریں گے اور مسلمان کو رجم کردو تو اگر اسلام شرط نہ ہوتا تو اس کو رجم کا حکم دیتے جیسے مسلمان کے بارے میں رجم کا حکم دیا۔ "فعلم ان الاسلام شرط لاحصان الرجم"

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفْيِ ...... زانی کی جلاوطنی سے متعلق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی محصن کو سو کوڑے مارے اور جلائے وطن کیا یعنی وطن سے نکال دیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوڑے مارے اور جلائے وطن کیا اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوڑے مارے اور جلائے وطن کیا۔

تشریح نفی وتغریب عام کا مطلب یہ ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو ایک سال جلاوطن کیا جائے اور سو کوڑے بھی لگائے جائیں۔ حدیث باب میں تغریب عام کا ثبوت ہے اس مسئلے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عندالاحناف غیر محصن زانی کی سزا صرف "جلد مائۃ" ہے نہ تغریب عام اور بعض احادیث میں تغریب عام عندنا محمول ہے سیاست پر نہ حکم شرعی پر۔ لہٰذا اگر قاضی مناسب سمجھے تو جلاوطن کرے ورنہ نہیں۔

مذہب ثانی: امام شافعی، امام اوزاعی، امام مالک واحمد رحمہم اللہ تغریب عام زانی غیر محصن کے قائل ہیں۔ پھر اہل مذہب ثانی میں اختلاف ہے اور متعدد اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "ذکر وانثی" دونوں کی تغریب کے قائل ہیں۔

قول ثانی: امام مالک فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے تغریب نہیں ہے وبہ قال الاوزاعی "لان المرأۃ عورۃ ولا یجوز لها الخروج والسفر بغیر المحرم" اور یہی مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، پھر ان میں ایک اور اختلاف بھی ہے وہ یہ کہ

امام احمد و مالک واسحاق والشافعی فی قول کہتے ہیں "انہ لا تغریب للعبد" اور امام ثوری وداؤد ظاہری وشافعی کے قول میں کہتے ہیں۔ "لا فرق بین الحر والعبد فی التغریب" تغریب کی اقل مسافت عندھم مسافت قصر ہے۔

دلائل احناف، دلیل اوّل: طحاوی میں ہے "ان عمر غرب رجلاً فلحق باھل الشام وتنصر فقال عمر رضی اللہ عنہ لا اغرب بعد ذلک" معلوم ہوا کہ تغریب حکم سیاسی ہے اور نہ حکم شرعی ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ نہ فرماتے کہ "لا اغرب بعد ذلک" کیوں کہ حد کسی طرح ساقط نہیں ہوتی۔ بخاری میں ہے "باب اقامۃ الحد والتغریب" یہ بحرف عطف ہے اور عطف تغایر پر دال ہے۔ معلوم ہوا کہ تغریب جز حد نہیں ہے۔

دلیل ثانی: "عند ثبوت تغریب مع الجلد" ایسا ہے جیسا کہ ثبوت جلد مع الرجم ہے۔ بعض روایات میں اور یہی جمہور رجم مع الجلد کے قائل نہیں ہیں کما تقدم، اور اس روایت کے جوابات دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے تو ہم یہی جواب تغریب مع الجلد کا دے رہے ہیں کہ تغریب بھی منسوخ ہے۔

دلیل ثالث: آیت جلد میں تغریب سنۃ کا ذکر نہیں ہے "قال اللہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلد" تو اثبات تغریب بخبر واحد زیادت علی کتاب اللہ ہے جو فی حکم نسخ ہے اور نسخ کتاب اللہ بخبر واحد جائز نہیں ہے۔

دلیل رابع: "اذا زنت امۃ احدکم فاجلدھا" اس میں تغریب کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ "قال الطحاوی اذا سقط التغریب عن الاعمی سقط عن الحرۃ لا ینافی معناھما"

دلیل خامس: ابوداؤد میں حدیث سہیل بن سعد ہے "ان رجلا من بکر بن لیث اقر أ النبی انہ ذمی بامرأۃ و کان بکرا فجلدہ النبی مائۃ جلد ولم یغرب" تو اگر تغریب واجب ہوتی تو نبی علیہ السلام اسے ترک نہ فرماتے۔

باقی احادیث اثبات تغریب کما فی حدیث الباب الترمذی کے احناف متعدد جوابات دیتے ہیں۔

جواب اوّل: یہ محمول ہے سیاست پر تا کہ ایک سال تک یہ کلام ختم ہو جائے۔ نیز اگر جھگڑے کا احتمال ہو تو وہ ختم ہو جائے۔

جواب ثانی: یہ حکم منسوخ ہے۔

جواب ثالث: یہ متعارض ہے الزانیۃ والزانی سے تو آیت کو ترجیح ہے۔ (عرف الشذی ص: ۴۶۷، نیل ج: ۷، ص: ۹۴)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْحُدُودَ كَفَّارَةٌ لِأَهْلِهَا

حدود جن پر جاری کی جائیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا قَرَأَ عَلَيْهِمُ الْآيَةَ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ

عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ.

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیعت کرو مجھ سے اس بات پر کہ نہ شریک کرو اللہ کا کسی کو اور نہ چوری کرو اور نہ زنا کرو پھر پڑھی ہم پر آیت فمن اوفی سے آخر تک پھر فرمایا جس نے پورا کیا اپنے اس اقرار کو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ پر ہے اور جس نے کیا اس میں سے کوئی گناہ پس بدلا دیا گیا یعنی دُنیا میں حد ماری گئی وہ اس کا کفارہ ہے اور جس نے کیا اس میں سے کوئی گناہ اور ڈھانپ دیا اس کو اللہ تعالیٰ نے سو وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے چاہے عذاب کرے اس کو چاہے بخش دے۔

تشریح پہلی بات: راوی کے مختصر حالات

راوی کا نام عبادہ بن الصامت ہے۔ کنیت ابوالولید ہے اور انصار صحابہ میں سے ہیں اور انصار میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ بنوخزرج میں سے ہیں۔ اس لیے ان کو الانصار الخزرجی بھی کہا جاتا ہے۔ تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ انتہائی خوبصورت تھے اور طویل القامت تھے۔ حمس جو فلسطین کے قریب ایک علاقہ ہے وہاں کا حاکم بنایا گیا اور فلسطین میں یا مکۃ المکرمہ میں وفات پائی اور وہیں تدفین ہوئی۔

دوسری بات: روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِردگرد صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ان جرائم مذکورہ ستہ فی الحدیث کے عدم ارتکاب پر مجھ سے بیعت کرلو اور ان جرائم مذکورہ میں سے اگر کسی شخص نے کسی جرم کا ارتکاب نہ کیا تو وہ اللہ کے ہاں اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر مرتکب ہوا تو اس کو حد لگائی گئی دُنیا میں تو یہ حد کا جاری ہونا یہ اس کے لیے کفارہ ہو جائے گا اور اگر کسی جرم کا مرتکب ہوا لیکن اقامت حد کی نوبت نہ آئی۔ بایں طور پر کہ قاضی کو پتہ نہ چلا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہے چاہے تو معاف کردیں اور چاہیں تو سزا دیں۔ تو راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرلی۔

تیسری بات، حدیث کے الفاظ کی وضاحت:

"قولہ تبایعونی" یہ مبایعت سے ہے اور مبایعت یہ بیع سے ہے اور بیع کا معنی ہے مبادلۃ المال بالمال، اور یہاں مجازی معنی مراد ہے۔ التزام اطاعت بعوض الجنۃ یعنی ایک طرف التزام اطاعت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وعدہ کر رہے ہیں کہ آپ کی اطاعت کریں گے اور دوسری طرف جنت ہے۔

پہلا عمل اشراک باللہ کا عدم ارتکاب۔ "شیئا" یہ نکرہ تحت النفی ہے اس لیے شرک کی تمام اقسام سے نفی ہے معنی یہ ہے کہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا نہ ہو، نہ شرک فی الصفات میں نہ شرک فی العبادۃ میں اور نہ شرک فی العادۃ۔ امور ستہ میں سے دوسرا امر سرقہ کا عدم ارتکاب۔ تیسرا امر زنا کا عدم ارتکاب، امر رابع اولاد کے قتل کا عدم ارتکاب۔

سوال: جس طرح اولاد کا قتل ناجائز ہے اسی طرح غیر اولاد کا قتل بھی تو ناجائز ہے تو پھر اولاد کی تخصیص کیوں کی؟ اس کے دو جواب ہیں۔

جواب (۱): تخصیص اقبح اور اشفع ہونے کی وجہ سے کی ہے ورنہ کوئی احتراز مقصود نہیں ہے۔ باقی اشفع اور اقبح اس لیے ہے کہ اس میں دو جرم پائے جاتے ہیں۔ (۱) نفس معصومہ کا قتل (۲) قطع رحمی، تو دُہرا گناہ ہو گیا۔

جواب (۲): وقوع عام طور پر اس وقت قتل اولاد کا تھا، اس لیے قتل اولاد کی تخصیص فرمائی۔ امر خامس اتیان بہتان کا عدم ارتکاب۔ بہتان کہتے ہیں کسی کو ایسے عیب کی طرف منسوب کرنا جو اس میں پایا نہ جائے جس کو سن کر وہ حیرت میں پڑ جائے۔ اس حدیث کے بقیہ الفاظ کی وضاحت جس کا ذکر اگرچہ یہاں پر نہیں آیا البتہ مشکوۃ میں پوری ذکر کی گئی ہے اس مناسبت سے پوری وضاحت کر دی جاتی ہے۔

سوال: یہ جملہ یہاں حدیث میں اگرچہ مذکور نہیں لیکن پھر بھی وضاحت کی جاتی ہے "افتراء بین ایدیکم و ارجلکم" کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) یہ کنایہ ہے ذات سے "ای تفترونہ من انفسکم" تو چونکہ ذات سے اکثر افعال صادر ہوتے ہیں خصوصاً ہاتھ اور پاؤں سے اس لیے ان کا ذکر کر دیا۔ اب مطلب یہ ہے کہ وہ بہتان جو تم اپنی طرف سے گھڑتے ہو۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے مواجہت اور مشافہت سے، اب اس کا مطلب یہ ہے وہ بہتان جس کا تم ارتکاب کرتے ہو، آمنے سامنے یہ نہ کرو، مثلاً کوئی کہے تو ابھی میرے سامنے چوری کر رہا تھا وغیرہ حالانکہ فی الواقع اس نے کچھ نہ کیا ہو کیوں کہ اس قسم کے الزام تراشی سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس لیے رد کا کیوں کہ یہ زیادہ خطرناک ہے۔

(۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے ظن فاسد سے جس بہتان کی بناء تمہارے ظن فاسد پر ہو وہ جو تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان قلوب میں چھپا ہوا ہے اور جس کا کوئی باعث نہیں اس کا ارتکاب نہ کرو۔ باقی قرآن پاک کی آیت "یفترینہ بین ایدیھن و ارجلھن" اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو نطفہ تمہارے خاوند کے ماسوا کا ہو یعنی ناجائز حمل سے پیدا شدہ بچہ کو اپنے خاوند کی طرف نسبت مت کرو۔ یہ مطلب آیت کریمہ میں تو بیان کیا جا سکتا ہے لیکن احادیث میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ حدیث میں مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا ذکر نہیں اور یہ بات عورتوں کے متعلق ہے۔

"قولہ ولا تعصوا فی معروف" نیکی میں نافرمانی نہ کرو۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو نیکی ہی کا حکم کرتے ہیں تو نبی کا ہر حکم معروف ہی ہوتا ہے تو پھر معروف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: تطییب قلبی کیلئے اور ترغیب کیلئے معروف کی قید لگائی ہے۔

سوال: بطور تمہید، تم میں سے جس نے وفاداری کی یعنی اُمور مذکورہ ستہ میں سے کسی کا ارتکاب نہ کیا تو "فاجرہ علی

اللہ" اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

سوال: کیا مطیع کو اجر وثواب دینا اللہ پر واجب ہے:؟ کلمہ علیٰ تو لزوم کے لیے آتا ہے تو اس سے بظاہر معتزلہ کی تائید ہو رہی ہے اور اہل سنت والجماعت کے خلاف معلوم ہو رہا ہے؟

جواب: لزوم کی دو قسمیں ہیں۔(۱) وجوب تفضلی (۲) لزوم استحقاقی۔ یہاں لزوم سے مراد لزوم تفضلی ہے۔ سوال ہم نے بھی تو کچھ نہ کچھ کیا ہے اس کا بدلہ تو ضرور ہوگا۔ جواب: اعمال صالحہ کے کرنے کی قوت اور توفیق کس نے عطا کی ہے؟ اللہ نے عطا کی ہے تو معلوم ہوا کہ دخول جنت فضل الٰہی سے ہوگا لیکن فضل الٰہی بھی اس کے لیے متوقع ہوگا جس نے اطاعت کی ہوگی۔

واقعہ

بنی اسرائیل میں ایک عابد رہتا تھا، وہ ایک پہاڑ پر چلا گیا، وہاں عبادت کرتا تھا، اللہ نے وہاں اس کے لیے ایک انار کا درخت لگا دیا اور پانی کا چشمہ جاری کر دیا تو وہ انار اور پانی پیتا رہا اور عبادت کرتا رہا۔ ۵۰۰ سال اس نے بے ریا عبادت کی اور پھر فوت ہوگیا، جب دربار الٰہی میں حاضر ہوا تو اللہ نے فرمایا کہ اے فرشتو! اس کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ تو اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے ۵۰۰ سال عبادت کی ہے پھر بھی اللہ اپنی رحمت سے مجھے جنت میں بھیج رہے ہیں تو خیال آتے ہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو جہنم کی طرف لے جاؤ، جب قریب پہنچا تو اس کو گرمی جہنم کی شدت سے سخت پیاس لگی۔ ادھر ایک شخص پانی کا گلاس لے کر جا رہا تھا، اس نے پانی مانگا تو اس نے کہا مفت پانی نہیں ملے گا، اس پر ۵۰۰ سال کی عبادت بے ریا لگے گی، پھر گلاس پانی کا ملے گا تو اس شخص نے کہا کہ میرے پاس اس کا معاوضہ موجود ہے لہٰذا اس نے پانی لے کر پی لیا۔ پھر اب اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ لہٰذا وہ سجدہ میں گر گیا اور کہنے لگا اے اللہ! تیری رحمت ہی سے جنت میں داخل ہوں گا، میں حساب وکتاب نہیں دے سکتا تو معلوم ہوا کہ دخول جنت فضل الٰہی سے ہوگا۔

"قولہ فھو کفارۃ لہ" یعنی اگر کسی شخص نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اس کے لیے دُنیا میں کفارہ بن جائے گی۔

سوال: یہاں اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ جرائم میں سے ایک شرک بھی ہے اور شرک تو کفر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کفر کا ارتکاب کیا اور پھر اس کو ارتداد (العیاذ باللہ) کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو یہ قتل اس کے لیے کفارہ بن جائے گا حالانکہ یہ بالاجماع کفارہ نہیں ہوگا، حالانکہ حدیث کی رو سے کفارہ ہونا چاہیے۔

جواب: یہ بالاجماع عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے۔ لہٰذا یہ مستثنیٰ ہوا۔

چوتھی بات، سوال: یہ حدود زواجر کی قبیل سے ہیں یا ساتر کی قبیل سے ہیں؟

جواب: احناف کا مذہب یہ ہے کہ زواجر کی قبیل سے ہیں ساتر نہیں ہیں۔ اس سے مقصود عالم کو خالی کرنا ہے ان جرائم سے،

لہٰذا اقامت حد کے بعد بھی محدود کے حق میں مواخذہ اخروی داخل تحت مشیت الٰہی ہوگا گناہ معاف نہیں ہوگا، اس کے لیے توبہ کرنی پڑے گی اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ یہ ساتر کی قبیل سے ہیں اور اس سے گناہ بھی معاف ہوجائے گا۔

ثمرہ اختلاف: احناف کے نزدیک گناہوں کا کفارہ بننے والی دو چیزیں ہیں۔ (۱) توبہ (۲) فضل الٰہی اور شوافع کے نزدیک تیسری چیز بھی ہے وہ اجرائے حد۔

دلائل احناف: وہ آیت کریمہ جس میں قطاع الطریق کی سزا بیان کی گئی ہے "ذالک لھم خزی فی الدنیا و لھم فی الآخرۃ عذاب عظیم" یہ نص ہے اس بات پر کہ مواخذہ اخروی باقی رہے گا اور اس میں محدود کی توبہ کا بھی ذکر ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہ آیت کریمہ کہ جس میں محدود بحد اور سرقہ کی توبہ کا ذکر ہے توبہ کی ضرورت باقی ہے کیونکہ گناہ باقی ہے۔ "فمن تاب من بعد ظلمہ" اور اس طرح محدود فی القذف کے حق میں فرمایا: "الا الذین تابوا و اصلحوا" ایک اور دلیل مستدرک حاکم کے حوالے سے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا ادری الحدود کفارات لاھلھا ام لا" تو ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حدود کے بعد توبہ کی ضرورت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اور اس کے جوابات:

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہی ایک حدیث ہے عبادہ بن صامت والی۔ ہم نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔

جواب (۱): یہ مقید ہے توبہ کی قید کے ساتھ۔ "ای فھو کفارۃ لہ اذا تاب" تقیید پر قرینہ نصوص مذکورہ ہیں قطاع الطریق وغیرہ۔

جواب (۲): محدود کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) محدود تائب (۲) محدود منذجر۔ (۳) محدود متعنت۔ محدود تائب جس پر حد جاری کردی گئی ہو اور اس نے توبہ بھی کرلی ہو اور محدود منذجر توبہ تو نہیں کی لیکن تنبیہ ہوگئی۔ (۳) محدود متعنت حد جاری ہونے کے بعد پہلے سے زیادہ جرائم کرنے لگ گیا۔

واقعہ: مؤطا امام محمد میں روایت ہے کہ ایک شخص ہاتھ پاؤں کٹا ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کے حاکم نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے اور اس کے بعد وہ نمازیں، نفلیں اور عبادتیں کرنے لگا حتیٰ کہ اتنی عبادت کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی شک ہونے لگا کہ واقعی ظلم کیا گیا ہے تو ایک دن حضرت اسماء کے کچھ زیورات گم ہوگئے اور وہ تلاش کرنے لگے اور یہ شخص بھی ساتھ تلاش کرنے میں لگا رہا اور یہ زور زور سے کہہ رہا تھا اور پھر بددعا دے رہا تھا کہ اللہ اس کو تباہ و برباد کرے اس شخص کو جس نے اس شریف گھرانے کو تنگ کیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک سنارے کی دکان پر وہ زیورات مل گئے، اس سے پوچھا یہ کہاں سے لیے ہیں تو اس دکاندار نے کہا میں نے اس سے لیے ہیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بہت لا اُبالی ہے کہ یہ شخص اپنے بارے میں ہی کیسی بددعا کررہا ہے، یہ ہے متعنت۔ تو اس حدیث میں پہلی دو قسمیں مراد ہیں اس کا مصداق تیسری قسم نہیں ہے اور پہلی دو قسمیں محل نزاع نہیں اور جو محل نزاع ہے وہ مصداق نہیں ہے۔

جواب (۳): اس عبارت میں عاقبت میں عبادت سے مراد اجرائے حد نہیں بلکہ آفات سماویہ ہیں جب کہ محل نزاع اجرائے حد ہے۔

جواب (۴): یہ خبر واحد ہے جو کہ آیات قرآنیہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔ "لمعارضة بالقرآن" اس وجہ سے یہ متروک العمل ہے۔

"فهو الی الله" یعنی اگر کسی نے کبھی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کی پردہ پوشی فرمالی تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے۔ یعنی یہ داخل تحت المشیت ہے، اگر اللہ چاہیں تو معاف فرمائیں اور چاہیں تو عذاب دیں۔

سوال: آیا مرتکب کبیرہ "مخلد فی النار" ہوگا یا مخلد فی النار نہیں ہوگا؟

جواب: یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے احناف کے نزدیک مخلد فی النار نہیں ہوگا اور معتزلہ کے نزدیک مخلد فی النار ہوگا۔

"قوله ان شاء عفاعنه وان شاء عاقبه" یہ حدیث کا آخری حصہ ہے اور یہ جملہ معتزلہ کی گردن پر قاطع تلوار ہے کیوں کہ یہاں ان کے اعتقاد سے سب کی نفی ہو رہی ہے کہ سب مشیت الٰہی کے تحت مندرج ہیں۔ "قوله فبایعناه" یہ راوی کی کلام ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کے بعد ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرلی۔

واقعہ

حضرت شیخ الحدیث کی بزرگی تمام طبقات حتیٰ کہ دشمنوں کے ہاں بھی مسلم تھی۔ آپ بیتی کا واقعہ کہ ہمارے سبق مغرب کے وقت ہوتا تھا، ہمارے چچا جی سبق پڑھاتے تھے تو ایک دن میں نے مغرب کے بعد نفل شروع کر دیئے اور میرا دل نفلوں میں لگ گیا حتیٰ کہ سبق میں دیر ہوگئی، میں اپنے دل دل میں بڑا خوش ہو رہا تھا کہ چچا جی پوچھیں گے دیر سے کیوں آئے ہو تو جواب میں کہوں گا کہ نفلیں پڑھتا رہا ہوں وہ خوش ہوں گے کہ ابھی چھوٹا سا بچہ ہے اور ماشاء اللہ ابھی سے عبادت کا شوق پیدا ہوگیا ہے لیکن جب گئے تو چچا جی نے پوچھا کہ دیر سے کیوں آئے تو جواب میں کہا نفلیں پڑھتا رہا ہوں اس پر جو چچا جی نے کہا وہ یہاں درج کرنے کے قابل نہیں ہے آپ بیتی میں جس کا دل چاہے مطالعہ کرلے۔

پانچویں بات: بیعت کی اقسام: اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بایعونی" یہ کیسی بیعت تھی، اس کے سمجھنے کے لیے بیعت کی اقسام سمجھنا ضروری ہیں۔ بیعت کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) بیعت اسلام (۲) بیعت جہاد (۳) بیعت خلافت (۴) بیعت طریقت۔

بیعت اسلام: وہ بیعت ہے جو اسلام لانے کے وقت کسی کے ہاتھ پر کی جائے، عہد و پیمان کی پختگی کے لیے۔ شرک و کفر سے توبہ کر کے بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت اسلام کرتے رہتے تھے۔

بیعت جہاد: وہ بیعت ہے کہ مسلمان امام کے ہاتھ پر اس عہد و پیمان کے لیے کریں کہ ہم اللہ کے راستے میں جان دینے اور ہر بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار ہیں۔ جیسے حدیبیہ کے مقام پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست

مبارک پر مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کے لیے بڑے جوش وخروش کے ساتھ کی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے: "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ" اس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ بیعت جہاد تھی۔

بیعت خلافت: وہ بیعت ہے جو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر اس کی خلافت کے تسلیم کرنے کی نشانی کے طور پر کی جائے۔ جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرات صحابہ نے بیعت کی۔

بیعت طریقت: اس بیعت کو کہتے ہیں جو کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر اس عہد و پیان کے لیے کی جائے کہ میں آپ کی تعلیم کی اتباع کرتا ہوا اپنے ظاہر و باطن کو شریعت کے مطابق کروں گا۔ یعنی گناہ چھوڑوں گا اور نیکیاں کروں گا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت طریقت ہی بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بیعت اسلام تو ہے نہیں اس لیے کہ بایعوا کے مخاطب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو پہلے سے اسلام لائے ہوئے ہیں۔ ان کا بیعت اسلام کرنا تحصیل حاصل ہے۔ بیعت جہاد بھی مراد نہیں اس لیے کہ اس میں جہاد کا کوئی مضمون مذکور نہیں نہ ہی جہاد کا کوئی موقعہ ہے۔ بیعت خلافت رسول کے ہاتھ پہ نہیں ہوتی بلکہ خلیفہ رسول کے ہاتھ پر ہوتی ہے یہ بھی مراد نہیں ہوسکتی۔ اس بیعت کا مقصد ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد و پیان لینا ہے۔ اسی قسم کی بیعت کو صوفیاء کی اصطلاح میں بیعت طریقت کہا جاتا ہے۔

پہلی تین قسم کی بیعتوں کو سب مانتے ہیں۔ بعض علماء ظاہر نے بیعت طریقت کو بدعت قرار دیا ہے یہ غایت درجہ کی بے انصافی اور جہل ہے جس قسم کی بیعت کو صوفیاء بیعت طریقت کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ثبوت حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث سے بھی ثبوت ہے، بکثرت احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مسلمانوں سے گناہ چھڑوانے کے لیے اور نیکیاں کروانے کیلئے بیعت لی ہے۔ اس بیعت کی حقیقت سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور ثابت بالسنۃ کو بدعت کہنا یہ ظلم اور تعدی ہے یا جہل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَى الإِمَاءِ ۔۔۔ باندیوں پر حدود قائم کرنا

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ قَالَ خَطَبَ عَلِيٌّ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَقِيمُوا الْحُدُودَ عَلَى أَرِقَّائِكُمْ مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ وَإِنَّ أَمَةً لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَأَمَرَنِي أَنْ أَجْلِدَهَا فَأَتَيْتُهَا فَإِذَا هِيَ حَدِيثَةُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِيتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا أَوْ قَالَ تَمُوتَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ أَحْسَنْتَ.

ترجمہ حضرت ابی عبدالرحمن سلمی سے روایت ہے کہا خطبہ پڑھا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور کہا اے آدمیو! حدیں جاری کرو اپنی لونڈی غلاموں پر جو محصن ہوں ان میں یا نہ ہوں اور ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی نے زنا کیا تو حکم کیا مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوڑے ماروں میں اس کو سو آیا میں اس کے پاس اور اس کو نیا

نفاس آیا تھا یعنی وضع حمل کے بعد سو ڈرا میں کہ اگر کوڑے ماروں میں اس کو تو قتل کروں میں اس کو یا یہ مرجائے یعنی راوی کو شک ہے کہ "أَقْتُلُهَا" کہا یا "تَمُوْتُ" سو میں گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ذکر کیا اس کا ان سے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خوب کیا تو نے یعنی نفاس میں حد نہ ماری۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَجْلِدْهَا ثَلَاثًا بِكِتَابِ اللهِ فَإِنْ عَادَتْ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زنا کرے کسی کی لونڈی تم میں سے تو کوڑے مارے اس کو تین بار اللہ کی کتاب کے موافق سو اگر پھر زنا کرے یعنی چوتھی بار تو بیچ ڈالو اس کو اگرچہ ایک بالوں کی رسی کے عوض بکے۔

تشریح پہلی بات، اختلافی مسئلہ: عبد اور باندی اگر زنا کرلے تو امام مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا مولیٰ بھی حد لگا سکتا ہے لیکن ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مولیٰ اپنے غلام و باندی پر حد جاری نہیں کرسکتا ہے۔ ہاں اگر حاکم اجازت دے دے تو جاری کرسکتا ہے۔

آئمہ ثلاثہ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مولیٰ جلد لگائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے "انه علیه السلام قال اربع الی الولاة الحدود، والصدقات والجمعات والفئی" (رواہ اصحاب السنن)

دوسری بات یہ ہے کہ حدود قصاص قائم کرنا انتظام عالم کو باقی رکھنے کے لیے ہے اور یہ حاکم کا کام ہے، دوسروں کے کرنے میں انتظام عالم میں خلل واقع ہوگا۔

تیسری بات: حد خالص، اللہ کا حق ہے، لہٰذا جو اللہ کا نائب ہوگا، وہی اس کو قائم کرے گا یا اس کے اذن سے ہوگا اور نائب امام المسلمین ہے۔ انہوں نے جو حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ "فلیجلدها" کی نسبت سببیت کی بناء پر ہے کہ مولیٰ امام المسلمین کے دربار میں مقدمہ دائر کر کے حد لگانے کا بندوبست کرے۔ اس معاملہ کو نہ چھپائے اور قرآن کریم کا ظاہر بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کرتا ہے کیوں کہ اس میں مخاطب امراء و حکام ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّكْرَانِ ۔۔۔۔ نشہ کرنے پر حد جاری کرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ الْحَدَّ بِنَعْلَيْنِ أَرْبَعِينَ، قَالَ مِسْعَرٌ أَظُنُّهُ فِي الْخَمْرِ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد ماری جوتیوں

سے چالیس جوتیاں کہا مسعر نے جوراوی اس حدیث کے ہیں گمان کرتا ہوں میں کہ یہ حد شراب کی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ الْأَرْبَعِينَ وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ كَأَخَفِّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے ایک مرد کو کہ اس نے شراب پی تھی تو مارا اس کو دو چھڑیوں سے کھجور کی جس کے پتے توڑ ڈالے تھے چالیس چھڑیوں کے قریب ماریں اور ایسا ہی کیا ابوبکر نے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ کیا لوگوں سے تو کہا عبدالرحمن بن عوف نے سب حدوں سے ہلکی حداسی کوڑے ہیں۔ سو اس کا حکم دیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔

تشریح پہلی بات: خمر کے معنی چھپانا ہے اور چونکہ یہ عقل کو چھپا دیتی ہے اس لیے خمر کہا جاتا ہے اور تمام اُمور کا مدار بلکہ خود انسانیت کا مدار عقل پر ہے اور خمر سے انسان کی انسانیت باقی نہیں رہتی بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہو کر پاگل کتے کی طرح ہر قسم کے برے افعال کرتا رہتا ہے اور عرب میں شراب پینے کی عام عادت تھی، اس کے سوا ان کا گزارا مشکل تھا لیکن اس سے انسانیت ختم ہو جاتی ہے جس پر تمام امور خیر کا مدار ہے اور بھلائی و برائی کی تمیز اسی سے ہوتی ہے اس لیے شریعت نے اس کو حرام قرار دیا اور قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس اس کی حرمت قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، اس کا مستحل کافر ہوگا لیکن ایک ہی دفعہ سے حرام قرار دینے میں دقت تھی۔ بنا بریں تدریجاً حرمت نازل ہوتی رہی۔ چنانچہ سب سے پہلے اس کی نفرت قلوب میں ڈالی گئی۔ چنانچہ خمر کے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئیں۔ پہلی آیت مکہ میں نازل ہوئی: "قوله تعالى ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون منه سكرا و رزقا حسنا" گویا ان کے رواج و عادات کا ذکر فرمایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خدمت نبوت میں عرض کیا کہ "افتنا في الخمر والميسر فانهما مذهبتان للعقل" تب دوسری آیت نازل ہوئی "قوله تعالى يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير و منافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما" تو اثم کی طرف خیال کر کے بعض نے بالکل چھوڑ دیا اور منافع کی طرف خیال کر کے بعض حضرات پیتے رہے۔

حتیٰ کہ ایک روز حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دعوت کی اور عادت کے موافق شراب کا دور چلا۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو گیا اور نشہ کی حالت میں نماز میں کھڑے ہو گئے اور امام نے نشہ کی وجہ سے "قل یایها الکافرون لا اعبد" کی جگہ میں "اعبد ما تعبدون" پڑھنا شروع کیا جس کا مطلب ظاہر ہے تب تیسری آیت نازل ہوئی۔ "قوله تعالى یایها الذین امنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سکاری" کہ صرف نماز کے وقت شراب کی ممانعت کی گئی اور غیر اوقات صلوۃ میں حلال رہی۔ پر ایک صحابی عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے دعوت تیار کی اور اونٹ کا گوشت بھونا، اس میں بھی شراب پی کر اپنی اپنی قوم

کے فخریہ اشعار کہنا شروع کیا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار کے ہجو کا بیان اور اپنی قوم کا فخر تھا۔ تب ایک انصار نے اونٹ کی ہڈی لے کر سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر ماری تو انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر شکایت کی اور کہا ”اللّٰھم بیّن لنا بیانا شافیا“ تب سورۂ مائدہ کی چوتھی آیت نازل ہوئی۔ ”قولہ تعالیٰ یایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ . . . فھل انتم منتھون۔ قال عمر رضی اللہ عنہ انتھینا انتھینا“ اس وقت سب لوگوں نے فوراً شراب پینا چھوڑ دی اور شراب کے مٹکے توڑنے لگے حتیٰ کہ مدینے کی گلی کوچوں میں پانی کی طرح شراب بہنے لگے اور قیامت تک کے لیے شراب حرام ہوگئی۔ (تفسیر مظہری و بغوی)

”ھذا احکمة بالغة للہ تعالیٰ فی تحریم الخمر“

دوسری بات: چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حرمت خمر کے بعد شراب پینا بالکل بند ہوگیا تھا، معدود چند واقعات پیش آئے، اس لیے اس کے بارے میں کوئی خاص حد مقرر نہ تھی بلکہ مناسب سزا دی جاتی تھی، کبھی جرید نخل سے کبھی جوتے سے کچھ مار دیا جاتا تھا اور کبھی چالیس کوڑے لگائے جاتے تھے اور کبھی اسّی کوڑے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح رہا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور ملک شام، مصر، عراق وغیرہ فتح ہوئے اور کثرت سے عیاشی، عیش وعشرت میں مبتلا ہو کر شراب پینے میں کثرت ہونے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو اکثر صحابہ نے اسّی کا مشورہ دیا اور خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اسّی درّے کا ہے۔ ”وقال لانہ اذا شرب الخمر سکر و اذا سکر ھذی و اذا ھذی افتری“ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کا فیصلہ کر دیا۔ کسی صحابی نے اس میں اختلاف نہیں کیا بس اجماع سکوتی ہوگیا۔

اس اجماع کے باوجود امام شافعی و احمد رحمہما اللہ و اہل ظواہر کے نزدیک حد شارب چالیس کوڑے ہیں۔ وہ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے جس میں چالیس کا ذکر ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک، سفیان، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک اسّی دُرّے ہیں۔ ”لاجماع الصحابة فی زمان عمر رضی اللہ عنہ کما ذکرنا قبل“

جب اجماع سے اسّی دُرّے ثابت ہوگئے اب انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب دینا ضروری نہیں، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی اسّی دُرّے لگانا ثابت ہے ”کما فی البخاری فی مناقب عثمان و الطحاوی“ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جس روایت میں چالیس کا ذکر ہے وہاں ایسا دُرّہ تھا جس کے دو سرے تھے لہٰذا مجموعہ اسّی ہی ہوئے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ، وَمَنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ

جب کوئی شراب پیے تو اسے کوڑے ماریں اور چوتھی بار اس کو قتل کریں

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ

فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ.

ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی تو اس کو کوڑے مارو پھر اگر پی چوتھی بار تو اس کو قتل کرو۔

تشریح اس میں تمام علماء اُمت کا اجماع ہے کہ شرب خمر جتنے مرتبہ بھی کرے حد ہی لگائی جائے گی، قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر امام مناسب خیال کرے تو احناف کے نزدیک سیاستاً قتل کرسکتا ہے۔ البتہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ایک فریق کا قول نقل کیا ہے کہ چوتھی مرتبہ کے بعد قتل کرنے کا حکم ہے اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ جمہور اُمت کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے "لا یحل دم امرأ مسلم الا باحدی ثلث۔ النفبس بالنفس و الثیب الزانی والفارق لدینہ" نیز اجماع صحابہ ہے عدم قتل پر، پھر اسی حدیث کے اخیری جز میں یہ ہے: "ثم اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذالک برجل قد شرب فی الرابعة فضربه ولم يقتله"

اب جس روایت میں قتل کا ذکر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ منسوخ ہے۔ آخری حدیث سے یا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے یا قتل سے ضرب شدید مراد ہے یا قتل سیاست کے اعتبار سے ہے حداً نہیں۔ انگوری شراب کے علاوہ دوسرے نبیذوں کے بارے میں تفصیل آئندہ آنے والی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ.... کتنی قیمت کی چیز چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْطَعُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ کاٹتے تھے چوتھائی دینار کے عوض میں یا اس سے زیادہ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مِجَنٍّ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کاٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ ایک شخص کا ایک ڈھال چرانے کے سبب سے کہ اس کی قیمت تین درہم تھی۔

تشریح ......مسئلہ اولیٰ:

"السرقة لغتاً اخذ الشیء من الغیر خفیة و فی الشرع اخذ الشیء من الغیر خفیة بغیر حق" تو سرقہ میں کئی قیود ملحوظ ہیں۔ بعض قید محرز کا اضافہ بھی کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے "فالسرقة اخذ مال للغیر مقوم محرز خفیه بغیر حق محرز" بمعنی محفوظ ہے۔ چنانچہ مال غیر محفوظ کا اُٹھانا موجب قطع ید نہیں ہے۔ سرقہ شرعی دو قسم پر ہے اوّل وہ جو موجب قطع ید ہے۔ دوم وہ جو موجب قطع ید نہیں ہے۔ دوم کا بیان ہو چکا اور قسم اوّل جو موجب قطع ہے کی تعریف فقہاء یہ کرتے ہیں "وھو اخذ

مکلف ناطق لبصیر مالا محرزا نحو عشرة دراهم فصاعدًا من صاحب ید صحیح مع کون المال متقوم من غیر ذی رحمٍ محرم وزوجته'' تواخذ شئی غیر قلیل ہو یا کثیر وہ سرقہ ہے۔ قسم ثانی: اگرچہ اخذ مجنون یا صبی ہو بخلاف قسم اوّل کے کہ اس میں متعدد شروط ہیں جو تعریف سابق سے معلوم ہوگئیں۔

اوّل: یہ کہ اخذ مکلف ہو۔ لہٰذا صبی و مجنون پر قطع ید نہیں ہے۔

ثانیاً: وہ ناطق ہو تو گونگے پر قطع ید نہیں ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی شبہ سے اُٹھایا ہو جو دافع حد ہے۔

ثالثاً: وہ بصیر ہو لہٰذا نابینا پر قطع ید نہیں ہے۔

رابعاً: وہ مال محرز و محفوظ ہو۔ لہٰذا گھر کے ملازم پر قطع ید نہیں ہے اور اس کے سامنے چیزیں کھلی پڑی ہوں یا دُکان پر ملازم ہو تو کچھ سامان چرائے تو اُس پر قطع ید نہیں ہے۔

خامساً: وہ مالک صاحب ید صحیح ہو۔ لہٰذا سارق من السارق پر قطع ید نہیں ہے۔

سادساً: وہ مال متقوم ہو۔ لہٰذا سرقہ خمر میں قطع ید مسلم پر واجب نہیں ہے کیونکہ خمر للمسلم متقوم نہیں ہے۔

سابعاً: وہ مال جلد خراب ہونے والا نہ ہو۔ لہٰذا سرقہ لبن میں قطع ید نہیں ہے۔ فقہاء کہتے ہیں ''فلا قطع فی اخذ لبن ولحم وفاكهة رطبة وثمر على الشجر وبطيخ وكل مالا يبقى حولا''

ثامناً: وہ مال ذورحم محرم وزوجہ کا نہ ہو۔ لہٰذا اگر خاوند نے زوجہ کی چیز چوری کی یا بھائی وغیرہ ذوالارحام کے مال کو چرایا تو قطع ید نہیں ہے، لشبہ اختلاط المال۔

تاسعاً: وہ آلات لغو میں سے بھی نہ ہو۔ چنانچہ آلات لغو کے سرقہ پر قطع ید نہیں ہے۔ علی مذہب الاصح، فقہاء نے لکھا ہے مصحف کے سرقہ پر قطع نہیں ہے۔

عاشراً: وہ مال عشرہ دراہم یا زائد ہو۔ چنانچہ اس سے اقل موجب قطع ید نہیں ہے۔

حادی عشر: وہ خفیہ ہو۔ لہٰذا غاصب و خائن پر قطع ید نہیں ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ طرار پر قطع ید واجب ہے کیونکہ وہ حکم سارق ہے۔ البتہ نباش میں اختلاف ہے ''فلا قطع عليه عند ابی حنيفه ومحمد وثوری والاوزاعی بل يفرد وقال ابو يوسف وابی ليله وشافعی قول ليقطع'' احناف کے ہاں اس لیے قطع ید نہیں ہے کہ میت اپنے کفن کے لیے محافظ نہیں ہے تو کفن محرز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ قبروں پر غلاف کے اخذ پر قطع ید نہیں ہے کیونکہ غلاف محرز نہیں ہے۔ (شامی و در مختار، ج:۳،ص:۲۱۶، کتاب الاحکام لجصاص الرازی، ج:۲،ص:۵۰۷)

مسئلہ ثانیہ: سارق کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا ''وتحصم وجوبًا ثم رجله اليسرى من الكعب وان عاد ثالثا فلا قطع بل يحبس حتى يتوب'' لہٰذا جن روایات میں ہے کہ ثالثاً ید یسریٰ کاٹا جائے گا اور رابعاً رجل یمنیٰ کاٹا جائے گا۔ یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ کما فی المبسوط یا منسوخ ہیں یا محمول ہیں سیاست پر۔ روافض کہتے ہیں نصف له

قدم عند الشراک کا ٹا جائے گا نہ عند الکعب (کتاب الاحکام، ج:۲،ص:۵۰۴)

مسئلہ ثالثہ: اس میں اختلاف ہے کہ سرقہ کی کتنی مقدار موجب قطع ہے۔

قول اوّل: "عند الاحناف اقل ذلک عشرۃ دراھم وبہ قال سفیان وابن مسعود رضی اللہ عنہ"

قول ثانی: درھمان ہے۔ عند الحسن البصری۔

قول ثالث: چار یا پانچ دراہم ہیں عند ابن شبرمہ۔

قول رابع: ربع دینار ہے عند الشافعی۔

قول خامس: تین دراہم ہیں عند مالک۔

قول سادس: چار دینار ہیں یا چالیس دراہم عند ابراہیم النخعی۔

قول سابع: ایک درہم عند الربیعۃ

قول ثامن: داؤد ظاہری وخوارج کے نزدیک ہر قلیل وکثیر میں قطع ہے حتیٰ کہ ایک دانہ بھی چرایا تو قطع ید ہے۔ ابن حجر ودیگر علماء نے اس میں بیس کے قریب مذاہب ذکر کیے ہیں۔ حسن بصری کا بھی ایک قول مثل داؤد ظاہری ہے۔

داؤد ظاہری کی دلیلیں، دلیل اوّل: قرآن میں ہے "السارق والسارقہ فاقطعوا ایدیھما" اس میں مطلق سرقہ تو موجب قطع ید قرار دیا ہے مقدار بیان نہیں کی۔

دلیل ثانی: بخاری ومسلم میں ہے عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً "لعن اللہ السارق یسرق بیضہ وتقطع الید ویسرق الجبل وتقطع یدہ" معلوم ہوا کہ انڈہ ورسی جیسی چیزیں بھی موجب قطع ہیں۔

جواب: اولاً ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت مجمل ہے مقدار میں اور احادیث اس کے لیے بیان ہیں اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سرقہ کی خاص مقدار موجب قطع ید ہے جو ربع دینار ہے۔ "کما قال الشافعی والفقھاء السبعۃ" یا دس دراہم ہے کما قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور جبل سے مراد بڑی رسی ہے مثل جبل سفینہ وغیرہ اور وہ بڑی قیمتی ہوتی ہے اور بیضہ سے مراد بیضہ حدید یعنی خود ہے اور خود بڑی قیمتی ہوتی ہے یا مراد یہ ہے کہ بیضہ وجبل خود تو موجب قطع نہیں ہیں لیکن ان کا سرقہ مفضی ہے۔ "الی سرقہ اشیاء کثیرہ" قطع ید واجب ہے "لان الجرم الصغیر یفضی الی الجرم الکبیر" امام شافعی واحمد استدلال کرتے ہیں۔ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً "لا قطع الا فی ربع دینار فصاعدًا"

دلائل احناف، دلیل اوّل: نسائی میں روایت ایمن مرفوعاً ہے "یقطع السارق فی ثمن المجن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دینارًا او عشرۃ دراھم" ایک روایت ایمن کے الفاظ یہ ہیں "لم یقطع عند النبی الا فی ثمن المجن وثمن المجن یومئذٍ دینار" یہ حدیث موقوف بھی مروی ہے۔

(نسائی صفحہ ۲۴۰، مستدرک حاکم، ج:۲،ص:۳۷۹، دار قطنی، ج:۳،ص:۱۵۷، طحاوی، ج:۲،ص:۹۳، زیلعی، ج:۳،ص:۳۵۷، وسندہ قوی)

سوال: آئمن صحابی نہیں ہے یہ حدیث مرسل ہے جو قابل حجت نہیں ہے؟

جواب: حق یہ ہے کہ یہ صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ قال الزیلعی ج ۳، ص: ۳۵۷ آئمن صحابی ہے "کما قاله ابن اسحاق و ابن سعد و ابن القاسم و ابو نعیم ذهبی" لکھتے ہیں اسماء الرجال، ج:۱، ص: ۴۳ پر آئمن صحابی ابن حجر تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۹، "آئمن صحابی و ابن ام الآئمن كان اكبر من اسامه بن زيد و قتل يوم حنين علامه ماردينی جوهر النقی، ج:۸، ص:۲۹۸، قال الطحاوی عاش بعد وفات النبی علیه السلام طحاوی، ج:۲، ص:۹۳، زیلعی، ج:۳، ص:۳۵۷"

دلیل ثانی: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق سرقہ موجب قطع نہیں ہے بلکہ ایک خاص مقدار ہے یعنی مقدار معتد بہ تو ہم اسے نکاح پر قیاس کرتے ہیں اور اس میں اقل مہر عشرہ دراہم کی روایت موجود ہے۔ جامع یہ ہے کہ نکاح مہر بھی ایک عضو کے مقابل ہے اور سرقہ میں بھی ایک عضو کاٹا جاتا ہے۔

دلیل ثالث: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ ثمن مجن میں کاٹا جاتا تھا اور ثمن مجن میں اختلاف ہے۔ بعض میں ربع دینار ہے وبہ قال الشافعی بعض میں ثلاثہ دراہم ہے وبہ قال مالک بعض میں دس دراہم کی روایت ہے وبہ قال ابوحنیفہ تو ہم نے روایت اکثر پر عمل کیا جو یقین ہے اور یہی مقتضائے احتیاط ہے اور یہی جواب ہے دلیل امام شافعی کا بھی۔ عرف شذی، ص:۴۲۵، ہدایہ میں ہے ج:۲، ص:۴۳۹ "والقطع فی ثلاثه دراهم احفظ للاموال وفی العشره ادخل فی باب التجاوز و الصفح فی المال عرف شذی ص:۴۲۵، کتاب الاحکام للجصاص الرازی، ج:۲، ص:۵۰۸، شامی و در مختار، ج:۳، ص:۲۲۴، نیل، ج:۷، ص:۱۳۲، شرح مسلم للنووی، ج:۲، ص:۶۳، بدایة لابن رشد، ص:۴۳۷"

مسئلہ رابعہ: کتب تاریخ میں ہے کہ شاعر یا کسی اور نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے یہ شعر مسلمانوں میں مشہور کر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ کیسا اسلام ہے کہ کسی ہاتھ کی قیمت کبھی ربع دینار ہے اور کبھی نصف دیت ہے۔ مسئلہ ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ کاٹا خطا تو قاطع سے نصف دیت یعنی پانچ سو دینار یا پانچ ہزار دراہم یا پچاس اونٹ لیے جائیں گے۔ شعر یہ ہے:

يد بخمس مائين اجسد قومت	ما بالها قطعت فی ربع دينار

اس وجہ سے بغداد میں کھلبلی مچ گئی تو متعدد علماء نے اس کے جوابات دیئے۔ میرا جواب یہ ہے جو ایک شعر میں ہے اسی وزن پر۔

غدت اذا ظلمت ذلت اذا ظلمت یا جاهل احفظ وهذا حكمت البارى

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيقِ يَدِ السَّارِقِ۔۔۔۔ چور کا ہاتھ کاٹ کر گلے میں لٹکانا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُحَيْرِيزٍ قَالَ سَأَلْتُ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ عَنْ تَعْلِيقِ الْيَدِ فِي عُنُقِ السَّارِقِ أَمِنَ السُّنَّةِ هُوَ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقُطِعَتْ يَدُهُ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِي عُنُقِهِ

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن محیریز سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے فضالہ بن عبید سے کہ ہاتھ لٹکانے گلے میں

چور کے سنت ہے یا نہیں؟ یعنی بعد کاٹنے کے تو انہوں نے کہا کہ لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو اور کاٹا گیا ہاتھ اس کا پھر حکم کیا اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لٹکا دیا جائے وہ کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں۔

تشریح: سارق کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے تا کہ خود اس کو بھی عبرت ہو اور دوسرے لوگوں کو بھی لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو سنت قرار دیتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ احناف کے نزدیک سنت نہیں بلکہ اگر امام المسلمین مناسب سمجھے تو لٹکا سکتا ہے ورنہ شریعت کی طرف سے کوئی مستقل قانون نہیں کیوں کہ بہت سے سارقوں کا ہاتھ کاٹا گیا۔ اکثر کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا گیا بلکہ دو ایک کے ساتھ کیا گیا۔ اگر مستقل سنت و امر ہوتا تو سب کے ساتھ نہ سہی اکثر کے ساتھ کیا جاتا۔ "فحصل الجواب عن هذا الحديث"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَائِنِ، وَالْمُخْتَلِسِ، وَالْمُنْتَهِبِ

خائن اُچکے اور ڈاکو کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے خیانت کرنے والے پر اور ڈاکو اور اُچکے پر ہاتھ کاٹنا یعنی ان کی اور سزائیں ہیں ہاتھ کاٹنا ان کی سزا نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ

درختوں کے پھلوں اور کھجوروں کے خوشوں کی وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ.

ترجمہ: حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے چچا واسع بن حبان سے کہ رافع بن خدیج نے کہا سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے ہاتھ کاٹنا نہیں ہے جو پھل درختوں پر ہو اس کے چرانے میں اور اسی طرح کھجور کے گابھوں میں یعنی بسبب نہ ہونے مال محروز کے۔

تشریح: "کثر" درخت کھجور کے سر کے درمیان ایک قسم کے گودہ و مغز ہوتا ہے اس کو کثر کہا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے پھول کی کلی ہے ان دونوں کو لوگ کھاتے ہیں۔

اب اس میں سب کا اتفاق ہے کہ جو پھل درخت پر ہو یا کھیت پر ہو، اب تک نہیں کاٹا گیا، اس کو چوری کرنے سے قطع ید نہیں ہوگا کیوں کہ یہ مال محرز نہیں ہے اور جو پھل توڑ کر اور کھیت کاٹ کر اس کی حفاظت کر لی گئی، اس کی چوری پر ہاتھ کاٹنے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی و مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ہر قسم کے پھل میں قطع ید ہوگا۔ یہی امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت

ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کے ایسے پھل جو بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں اس کے چوری کرنے سے قطع ید نہیں ہوگا، خواہ محرز ہو بلکہ جو چیز بھی جلد خراب ہو جاتی ہے اس میں قطع نہیں ہے جیسے دودھ، مچھلی، تازہ گوشت، تیار شدہ کھانا، شوافع وغیرہ کے پاس حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے صرف قیاس کرتے ہیں کہ اس پر سرقہ کا اطلاق ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کے مال محترم محرز کو خفیہ لیتا ہے اور سرقہ میں قطع ہے۔ لہٰذا اس میں قطع ہوگا۔

ابوحنیفہ رحمہ اللہ دلیل پیش کرتے ہیں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے کہ اس میں "لا قطع فی ثمر ولا کثر" نکرہ تحت النفی واقع ہوا جو ہر قسم کے پھل کے لیے عام ہے خواہ محرز ہو یا غیر محرز۔ دوسری بات یہ ہے کہ خراب ہو جانے والی چیز کی زیادہ اہمیت وقدر نہیں ہوتی۔ بنابریں ایسی چیزوں کے بدلے میں محترم ہاتھ کا نہ کاٹنا ہی مزاج شریعت کا تقاضا ہے۔ انہوں نے جو قیاس پیش کیا اس کا جواب یہ ہے کہ صریح صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں۔

فائدہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ ایک ہاتھ کے بدلے میں پچاس اونٹ دیت دینی پڑتی ہے اور ادھر دس درہم چوری کرنے سے ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ یہ ظاہراً ظلم اور خلاف حکمت معلوم ہو رہا ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا حکیمانہ جواب دیا کہ "کانت الید ثمینة لما کانت امینة فلما خانت هانت"

بَابُ مَا جَاءَ أَنْ لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ ----- جہاد میں کسی چور کا ہاتھ نہ کاٹیں

عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ.

ترجمہ حضرت بسر بن ارطاۃ سے روایت ہے کہ سنا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ ہاتھ نہ کاٹے جائیں جہاد میں (یعنی چوروں کے)۔

تشریح اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ غنیمت کے مال سے قبل التقسیم چوری کرنے میں قطع ید نہیں ہوگا اور اس میں سب کا اتفاق ہے کیوں کہ اس مال میں اس چور کا بھی حق ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنگ کے میدان میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ وہاں سے واپس آنے کے بعد کاٹا جائے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس سے ایک مسلمان کی بے عزتی ہوگی کفار کے سامنے یا تو اس لیے کہ تاکہ کفار لوگ اس کو فتنہ میں ڈال کر مرتد نہ بنالیں یا تو دوسرے مسلمانوں میں سستی وتفرقہ واقع ہونے کا خطرہ نہ ہو، پھر عام فقہاء شافعی ومالک واحمد وغیرہم کے نزدیک ہر جگہ میں خواہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب، حد جاری کی جائے گی لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دارالحرب میں دوران جنگ کے وقت حد جاری نہیں کی جائے گی۔

فقہاء کرام کے پاس حدیث سے کوئی دلیل نہیں، صرف قیاس ہے کہ دوسرے احکام نماز، روزہ وغیرہ دوسری فرائض وواجبات بھی دارالحرب میں ادا کیے جاتے ہیں، کسی جگہ کے ساتھ خاص نہیں۔ لہٰذا قطع ید بھی دارالحرب میں جاری کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل مذکورہ حدیث ہے کہ اس میں غزوہ میں صاف قطع ید کی نفی کی گئی۔ نیز حدود کا قائم کرنا امام کے حوالہ ہے امیر لشکر

کے اختیار میں نہیں۔ لہٰذا وہ قطع ید نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر خود امام امیر لشکر ہو تو قطع کر سکتا ہے، ان کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ صریح صحیح حدیث کے مقابلہ میں قیاس سے استدلال صحیح نہیں، اگر بیت المال سے کسی نے چوری کر لی تو امام مالک و ابن منذر رحمہما اللہ کے نزدیک قطع ہوگا لیکن امام ابو حنیفہ، شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بیت المال میں اس چور کا بھی حق ہے۔ "فوقع الشبيهة في السرقة والحدود تندرأ بالشبهات" نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا اثر ہے: "من سرق من بيت المال فارسله فمامن احد الا وله في هذا المال حق" حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا قول منقول ہے۔ آیت کا جواب یہ ہے کہ یہ بہت سے تفصیلی احکام کے بارے میں مجمل ہے۔ احادیث سے اس کا بیان ہوا۔ لہٰذا اجمال سے استدلال صحیح نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ۔۔۔ جو شخص اپنی بیوی کی باندی سے زنا کرے

عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ رُفِعَ إِلَى النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَجُلٌ وَقَعَ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَقَالَ لَأَقْضِيَنَّ فِيهَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ كَانَتْ أَحَلَّتْهَا لَهُ لَأَجْلِدَنَّهُ مِائَةً وَإِنْ لَمْ تَكُنْ أَحَلَّتْهَا لَهُ رَجَمْتُهُ۔

ترجمہ حضرت حبیب ابن سالم سے روایت ہے کہ لایا گیا نعمان بن بشیر کے پاس ایک مرد کہ زنا کیا تھا اس نے اپنی بی بی کی لونڈی سے پس فرمایا انہوں نے میں فیصلہ کروں گا اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق اگر اس عورت نے بخش دی ہو یہ لونڈی اس مرد کو تو کوڑے ماروں گا میں اس کو سو اگر نہ بخشی ہو وہ عورت اس کو تو پتھر ماروں گا میں اس کو۔

تشریح الحاصل یہ ہے کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ بیوی کے حلال کرنے سے بیوی کی باندی شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا۔ اس شبہ کی وجہ سے رجم کی حد ساقط کر دی گئی۔ البتہ تعزیراً اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اگر بیوی نے اس کے لیے حلال نہیں کیا تھا تو پھر اس میں حلال ہونے کا شبہ بھی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس کو رجم کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ إِذَا اسْتُكْرِهَتْ عَلَى الزِّنَا
اگر کسی عورت سے زبردستی زنا کیا جائے

عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ اسْتُكْرِهَتْ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَرَأَ عَنْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَدَّ وَأَقَامَهُ عَلَى الَّذِي أَصَابَهَا وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا۔

ترجمہ حضرت عبدالجبار بن وائل بن حجر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا زبردستی زنا کی گئی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پس دُور کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد اور حد

قائم کی اس پر جس نے اس سے زنا کیا تھا اور نہیں ذکر کیا راوی نے کہ مقرر کیا ہو حضرت نے اس عورت کے لیے کچھ مہر۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ الْكِنْدِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ امْرَأَةً خَرَجَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيدُ الصَّلَاةَ فَتَلَقَّاهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا فَصَاحَتْ فَانْطَلَقَ وَمَرَّ عَلَيْهَا رَجُلٌ فَقَالَتْ إِنَّ ذَاكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا وَمَرَّتْ بِعِصَابَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَتْ إِنَّ ذَاكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا فَانْطَلَقُوا فَأَخَذُوا الرَّجُلَ الَّذِي ظَنَّتْ أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهَا وَأَتَوْهَا فَقَالَتْ نَعَمْ هُوَ هَذَا فَأَتَوْا بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَمَرَ بِهِ لِيُرْجَمَ قَامَ صَاحِبُهَا الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَا صَاحِبُهَا فَقَالَ لَهَا اذْهَبِي فَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكِ وَقَالَ لِلرَّجُلِ قَوْلًا حَسَنًا وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا ارْجُمُوهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ

ترجمہ حضرت علقمہ بن وائل کندی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ایک عورت نکلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز کا ارادہ رکھتی تھی سو ملا اس سے ایک مرد اور ڈھانپ لیا اس کو اور پوری کی حاجت اپنی اس سے اور وہ چیخی اور وہ شخص چلا گیا اور گزرا اس کے پاس سے ایک مرد سو اس عورت نے کہا کہ اس مرد نے میرے ساتھ ایسا ویسا کیا اور گزری اس پر سے ایک جماعت مہاجرین کی تو کہا اس عورت نے کہ اس مرد نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا یعنی زنا کیا پس دوڑے وہ لوگ اور پکڑ لیا اس مرد کو کہ گمان کیا تھا اس عورت نے کہ زنا کیا اس سے سو لیے اس کو اس عورت کے پاس اور کہا اس نے یہی وہی ہے یعنی اس شخص مظنون کو کہ وہ حقیقت میں زانی نہ تھا۔ سو پکڑ لائے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو جب حکم فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رجم کیا جائے کھڑا ہوا اس عورت کا زنا کرنے والا کہ جس نے زنا کیا تھا اس سے اور کہا یا رسول اللہ! میں ہوں زنا کرنے والا کہ جس نے زنا کیا تھا اس عورت سے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے جا تو اللہ نے بخش دیا تجھ کو یعنی اس لیے کہ تو مجبور تھی اور فرمایا اس مرد سے کہ جس پر گمان کیا تھا کچھ بہتر قول یعنی اس کی تسلی کی اور فرمایا اس مرد کو جس نے زنا کیا تھا اس سے پتھر مارو اس کو اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک توبہ کی اس نے ایسی کہ اگر ویسی توبہ کریں تمام شہر والے تو قبول کی جائے ان سے۔

تشریح حضرت علقمہ بن وائل کندی اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز پڑھنے کے ارادے سے نکلی، راستے میں ایک شخص اس کے سامنے آ گیا اور اس عورت کو ڈھانپ لیا۔ "تجلل" جل سے نکلا ہے۔ "جل" زین کو کہتے ہیں، یعنی وہ شخص ایسا ہو گیا جیسے گھوڑے کے لیے زین ہوتی ہے۔ گویا اس پر لیٹ گیا اور اپنی حاجت اس سے پوری کی۔ اس عورت نے شور مچایا تو وہ آدمی بھاگ گیا۔ اسی حالت میں

ایک دوسرا شخص اس عورت کے پاس سے گزرا تو اس عورت نے کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس کے بعد وہ عورت مہاجرین کی ایک جماعت کے پاس سے گزری تو ان سے یہی کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ چنانچہ وہ مہاجرین گئے اور اس شخص کو پکڑ کر لے آئے جس کے بارے میں عورت کا گمان تھا کہ اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ جب وہ اس کو پکڑ کر عورت کے پاس لائے تو اس عورت نے تصدیق کر دی کہ ہاں یہی شخص ہے۔

پھر وہ حضرات اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو رجم کیا جائے تو اصل مجرم اور اصل زانی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں نے زنا کیا تھا، اس نے نہیں کیا تھا۔ پھر آپ نے عورت سے فرمایا کہ تم چلی جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کر دی ہے یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس شخص کو خواہ مخواہ بلا جرم پکڑ لیا گیا تھا اس کے بارے میں آپ نے اچھے کلمات ارشاد فرمائے اور پھر جو حقیقی مجرم تھا، اس کے بارے میں آپ نے حکم دیا کہ اس کو رجم کر دو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کریں تو سب کی توبہ قبول ہو جائے اور سب بخش دیئے جائیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ زنا کا جرم تو اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک چار گواہ موجود نہ ہوں یا جب تک اس مجرم کی طرف سے اقرار نہ ہو جبکہ یہاں تو صرف اس عورت نے کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے، نہ تو اس پر کوئی بینہ تھا اور نہ اس کی طرف سے اقرار تھا تو پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کیسے حکم دے دیا کہ اس کو رجم کر دو؟

جواب: اس کا جواب دیتے ہوئے محدثین نے فرمایا کہ "فلما امر بہ لیرجم" سے راوی کی مراد یہ نہیں ہے کہ آپ نے واقعۃً رجم کا فیصلہ فرمادیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ قریب تھا کہ آپ رجم کا فیصلہ کر دیتے اور آپ کا رُجحان اس طرف تھا کہ گواہیاں لے کر یا اقرار لے کر رجم کا فیصلہ کر دینا چاہیے۔ ابھی رجم کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

جس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے، اس پر سزا نہیں

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا ہو اس عورت پر کوئی سزا جاری نہیں ہوگی بلکہ صرف مرد پر سزا جاری ہوگی۔

حضرت علقمہ کا سماع اپنے والد وائل سے ثابت ہے

اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ دو احادیث لائے ہیں۔ پہلی حدیث عبدالجبار بن وائل بن حجر سے مروی ہے اور دوسری حدیث علقمہ بن وائل بن حجر سے مروی ہے اور یہ دونوں حضرت وائل بن حجر کے بیٹے ہیں اور دونوں حدیثوں کو نقل کرنے

کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وعلقمة بن وائل بن حجر سمع من ابیه وهو اکبر من عبدالجبار بن وائل، وعبدالجبار بن وائل لم یسمع من ابیه"

یعنی علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے ہے اور یہ عبدالجبار بن وائل سے عمر میں بڑے ہیں اور عبدالجبار بن وائل کا سماع اپنے والد سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دوسری حدیث متصل اور قابلِ استدلال اور درست ہے لیکن آپ نے کتاب الصلوٰۃ میں "آمین بالجهر" کے مسئلے میں ایک روایت علقمہ بن وائل سے مروی ہے اور وہ روایت حنفیہ کا مستدل ہے جس میں فرمایا "خفض بها صوته" اس روایت پر شافعیہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے نہیں ہے اور خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلل الکبیر میں نقل کیا ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے نہیں ہے لیکن یہاں خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے ہے۔ لہٰذا حنفیہ کا استدلال درست ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقَعُ عَلَى الْبَهِيمَةِ ۔۔۔۔۔۔ جو شخص کسی جانور سے بدکاری کرے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيمَةَ فَقِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا شَأْنُ الْبَهِيمَةِ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا وَلٰكِنْ أَرَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنْ لَحْمِهَا أَوْ يُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ عُمِلَ بِهَا ذٰلِكَ الْعَمَلُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو پاؤ تم لوگ وطی کی اس نے چارپائے سے تو قتل کرو اس کو اور اس جانور کو اور پوچھا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا وجہ ہے چارپائے کے قتل کی؟ یعنی وہ تو بے قصور ہے اور غیر مکلف سو کہا انہوں نے نہیں سنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کوئی وجہ لیکن گمان کرتا ہوں میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ رکھا کہ گوشت کھائیں اس سے یا اس سے کچھ فائدہ لیں اور اس کے ساتھ ایسا برا فعل کیا گیا ہو۔

تشریح وطی بالبهیمة کا حکم؟

یہاں دو مسئلے ہیں۔ ایک یہ کہ بھیمہ کے ساتھ وطی کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ دوسرا یہ کہ اس بھیمہ کا کیا حکم ہے جس کے ساتھ وطی کی گئی ہے۔ ان دونوں مسئلوں میں فقہاء کی روایات کافی مختلف ہیں۔ یہاں صرف احناف کا نقطہ نظر بیان کیا جائے گا۔

مسئلہ اولیٰ: بھیمہ کے ساتھ وطی کرنے والے کا حکم حنفیہ کے ہاں یہ ہے کہ اس کی حد شرعاً مقرر نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے جس کی مقدار مقتضائے حال کے مطابق امام تجویز کرسکتا ہے۔ (الدر المختار،ص:۲۶،ج:۴) دلائل: (۱) جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے۔ "من أتی بهیمة فلا حد علیه" (جامع ترمذی،ص:۲۷۰،ج:۱، وکتاب الآثار،ص:۱۳۶)

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے حد جاری فرمائی۔ (کتاب الآثار، ص:۱۳۶)

(۳) امام محمد رحمہ اللہ نے "الأصل" میں بطریق بلاغ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس بھی ایسا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے حد جاری نہیں فرمائی۔ (مبسوط سرخسی، ص:۱۰۲، ج:۹، قبیل باب الرجوع عن الشہادۃ)

مسئلہ ثانیہ: بھیمہ کے حکم کی تفصیلات احناف کے ہاں یہ (۱) اگر وہ بھیمہ واطی کا اپنا مملوک ہو تو اس جانور کا ذبح کر دیا جائے، اس کے بعد غیر ماکول اللحم ہو تو جلا دیا جائے۔ اگر ماکول اللحم ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے ہاں ذبح کر کے اس کو کھانا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور صاحبین کے ہاں اس کو بھی جلا دیا جائے گا، یہ سب کارروائی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (۲) اور اگر وہ بھیمہ کسی کا ہو تو اس سے قیمت کے ساتھ خرید کر وہی مذکورہ بالا معاملہ کرنا مستحب ہے، اس کے مالک کو بیچنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ (الدر المختار، ص:۲۶، ج:۴)

توجیہ حدیث: اس حدیث میں واطی اور جانور دونوں کے قتل کا حکم ہے۔ واطی کے قتل کا حکم حداً نہیں ہے بلکہ تغلیظ و تعزیر پر محمول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار جو نقل کیے گئے ہیں وہ اس کا قرینہ ہیں۔ بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی حدیث بھی ہیں اس کے باوجود انہوں نے حد کی نفی فرمائی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے قتل کے حکم کو تعزیر پر محمول فرمایا ہے یا ضرب شدید پر۔

ایسے ہی بھیمہ کے قتل کا امر استحبابی ہے وجوبی نہیں، اور قتل کا حکم اس لیے ہے کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو اس کو دیکھ کر فاحشہ کے یاد آنے یا اس کے تذکرے کا اندیشہ ہے اور اس سے اشاعت فاحشہ ہوتی ہے۔ اشاعت فاحشہ اور تحدث فاحشہ کے قطع کے لیے اس کے ذبح کا امر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ اللُّوطِيِّ۔۔۔۔ لواطت کرنے والے کی سزا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو پاؤ تم عمل کرتا ہے قوم لوط کا سا عمل یعنی لواطت کرتا ہے تو قتل کرو فاعل اور مفعول کو۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي عَمَلُ قَوْمِ لُوطٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن محمد عقیل سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ خوف کی چیز جس سے میں ڈرتا ہوں اپنی اُمت پر عمل ہے لوط علیہ السلام کی قوم کا۔

تشریح لواطت کہا جاتا ہے "وطی الرجل بالرجل فی الدبر" اگر دبر میں نہ ہو تو لواطت نہ ہوگی بلکہ تفخیذ ہوگی یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اس کی سزا تعزیر ہے باتفاق آئمہ۔

لواطت کے حکم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاعل ومفعول پر حد زنا جاری ہوگی، یہی ہمارے صاحبین رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول ہے کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے گا اور امام مالک واحمد رحمہا اللہ کے نزدیک دونوں کو رجم کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقرر کوئی حد نہیں ہے بلکہ امام کی رائے کے حوالے ہے وہ جس طرح کی سزا دے اختیار ہے خواہ قتل کر دے یا اونچے پہاڑ سے اوندھا گرا کر پتھر سے مارے یا قید کر کے رکھ دے۔ صاحبین اور امام شافعی رحمہا اللہ کے پہلے قول کی حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ زنا پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں قضا شھوت فی محل حرام مثل الزنا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول کی دلیل عکرمہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ حدیث کے الفاظ "فاقتلوا الفاعل والمفعول" ہیں۔ امام مالک واحمد رحمہا اللہ کی دلیل اسی حدیث کا دوسرا طریقہ ہے جس میں "فارجمو الاعلی والاسفل" کا لفظ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ لواطت کا معاملہ انسانی طبیعت وفطرت کے خلاف کام ہے۔ بنابریں اس پر قانونی کوئی حد جاری نہیں ہوگی۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس میں بہت اختلاف تھا، بعض آگ سے جلا دینے کے قائل تھے۔ بعض دیوار گرا کر مارنے کے قائل تھے، بعض قتل کر دینے کے قائل تھے اور بہت سی رائیں تھیں۔ بنابریں اس میں کوئی خاص حد پر متفق نہیں ہوئے۔ "فلھذا" رائے امام کے سپرد ہوگی جیسا مناسب سمجھے ویسا کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُرْتَدِّ ...... مرتد کے متعلق

عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ عَلِيًّا حَرَّقَ قَوْمًا ارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَبَلَغَ ذَلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَقَتَلْتُهُمْ بِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ. وَلَمْ أَكُنْ لِأُحَرِّقَهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذَلِكَ عَلِيًّا، فَقَالَ صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

ترجمہ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلا دیا ایک قوم کو کہ مرتد ہوگئی تھی اسلام سے سو یہ خبر پہنچی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تو کہا انہوں نے اگر میں ہوتا تو قتل کرتا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے موافق کہ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بدل ڈالے اپنا دین اسلام تو اس کو قتل کرو اور میں ان کو ہرگز نہ جلاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نہ عذاب کرو تم اللہ کے عذاب خاص سے سو یہ خبر پہنچی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور کہا انہوں نے سچ کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے۔

تشریح پہلی بات: ردّ وارتداد کے اصل معنی مطلقاً پھر جانا ہے لیکن قرآن وحدیث اور عرف میں اکثر اس کا استعمال اسلام

سے پھر جانے میں ہوتا ہے ارتداد کہا جاتا ہے کوئی مؤمن ایسا کوئی فعل کر کے یا زبان سے ایسی بات نکال لے جس سے خدا کی ذات وصفات کا انکار لازم آئے یا کسی نبی کی تکذیب لازم آئے یا ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار لازم آئے یا دین کے کسی امر کا استہزاء واہانت ہو، ان صورتوں میں ایسے شخص پر مرتد ہونے کا حکم لگایا جائے گا بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہو۔ لہٰذا "مجنون وصبی لا یعقل" پر ارتداد کا حکم نہیں ہوگا، اب مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ کما فی الحدیث "من بدل دینه فاقتلوه" البتہ ہمارے نزدیک اس کو کچھ مہلت دے کر اسلام پیش کرنا مستحب ہے، اگر کوئی شبہ ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے بلکہ مناسب خیال کرے تو تین دن جیل میں رکھا جائے، اگر مسلمان ہو تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرتد کے لیے دو ہی صورتیں ہیں، اسلام یا تلوار کیوں کہ اس نے اسلام کی حرمت دری کی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دن مہلت دینا واجب ہے لیکن "من بدل دینه فاقتلوه" کی حدیث ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ اگر عورت مرتد ہو جائے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد کے مانند اس کو بھی قتل کیا جائے گا کیوں کہ جنایت میں دونوں برابر ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید کر دیا جائے گا اور اسلام پیش کیا جائے گا حتیٰ کہ اسلام لے آئے یا قید ہی میں مرجائے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل نساء سے منع فرمایا۔ نیز کم عقلی کی بناء پر اس کی جنایت مرد کے برابر نہیں۔ لہٰذا اس جیسی سزا نہ ہونی چاہیے، سعاۃ ساعی کی جمع ہے اور سعی سے مشتق ہے جس کے معنی دوڑنا، کوشش کرنا، جلدی کرنا، مگر یہاں اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو دُنیا میں فتنہ وفساد پھیلانے میں کوشش کرتے ہیں اور اکثر اطلاق ڈاکوؤں پر ہوتا ہے۔

دوسری بات: اب بحث ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن زندیقوں کو جلایا تھا، ان سے کون مراد ہے؟ تو قاضی عیاض رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ان زندیقوں سے مجوس کی ایک جماعت مراد ہے جن کو "ثنویہ" کہا جاتا ہے جو دو خالق مانتے ہیں کہ نور کا خالق خیر ہے اور ظلمت خالق شر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان سے وہ فرقہ مراد ہے جو عبداللہ بن سبا کے متبعین تھے اور روافض سے مل کر ان کو گمراہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ روافض کا ایک فریق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معبود اور اللہ اکبر کہنے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو گرفتار کر کے توبہ طلب کی تو انہوں نے انکار کیا تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گڑھا کھود کر اس میں آگ جلادی اور ان کو اس میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ بعض نے کہا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو بقاء دہر کے قائل و منکر آخرت ہیں اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ ان سے مرتدین مراد ہیں کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن کو جلا دیا تھا ان کے بارے میں ابوداؤد میں روایت ہے "ان علیا احرق قوما ارتدوا عن الاسلام" ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ دین سے نفرت رکھنے والے مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتے رہے۔ لہٰذا جو جماعت بھی دین حق سے متنفر ہو، زندیق کے حکم میں شامل ہوگی۔

اب اس میں اشکال ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: "ان النار لا یعذب بها الا الله" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آگ سے عذاب دینا اللہ کی خصوصیت ہے کسی انسان کے لیے آگ سے سزا دینا جائز نہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حدیث کا خلاف کرتے ہوئے ان لوگوں کو آگ سے کیسے جلایا؟ تو اس کی مختلف توجیہات بیان کی گئیں۔ حضرت علی رضی

اللہ عنہ کو یہ حدیث معلوم نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا اور مجتہد، اجتہاد میں خطا کرنے سے معذور بلکہ ماجور ہوتا ہے۔ اسی لیے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سننے کے بعد تسلیم کرلیا کہ مجھ سے اجتہادی غلطی ہوگئی۔ فلا اشکال فیہ

اور بعض نے کہا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی تہدید وزجر کی غرض سے کیا تا کہ لوگ اس خطرناک فرقہ سے پرہیز کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ شَهَرَ السِّلَاحَ۔۔۔۔ جو شخص مسلمانوں پر ہتھیار نکالے

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ حضرت ابی موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہم پر ہتھیار اُٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔

تشریح "من حمل علینا السلاح" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں جیسا نہیں یا وہ مسلمانوں کے اخلاق جیسا نہیں اور سنت پر عمل کرنے والا نہیں، یا یہ ارشاد زجر وتشدید پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّاحِرِ۔۔۔۔ جادوگر کی حدود کے متعلق

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ.

ترجمہ حضرت جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حد جادوگر کی مار ڈالنا ہے تلوار سے۔

تشریح ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساحر (جادوگر) کو مطلق قتل کیا جائے گا مگر اس میں تفصیل ہے کہ اگر وہ کفریات کے ذریعے جادو کرتا ہے اور توبہ نہ کرے تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کردیا جائے گا اور اگر اس کا عمل موجب کفر نہ ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت مطلقاً ساحر کے قتل کے قائل تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطراف میں لکھا "اقتلوا کل ساحر و ساحرۃ" چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ "فقتلنا ثلث سواحر" سحر کی تعلیم وتعلم میں تین اقوال ہیں۔

(۱) جمہور کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔ (۲) مکروہ ہے۔ (۳) مباح ہے۔ لیکن احناف میں سے شیخ ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر سحر میں اس چیز کا ردّ ہو جو شرط ایمان ہے تو یہ کفر ہے ایسے ساحر کو قتل کیا جائے گا، اگر کفر نہ ہو لیکن اہلاک نفس کرتا ہے تو قطع الطریق کا حکم جاری ہوگا علیٰ تفصیل ما سبق اور اگر دوسروں کے سحر کے دور کرنے کے لیے ہو تو جائز بلکہ مستحب ہے، اگر ساحر نے توبہ کرلی تو قبول کی جائے گی کیوں کہ فرعون کے ساحرین کی توبہ قبول ہوئی لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ جو باریک باریک حیلے یا آلات سے اور ادویہ کی امداد سے عجیب وغریب کام کرتے ہیں وہ حرام نہیں ہے اس کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں وہ سحر نہیں ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَالِّ مَا يُصْنَعُ بِهِ۔۔۔۔ جو شخص غنیمت کا مال چرائے

عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللهِ فَاحْرِقُوا مَتَاعَهُ قَالَ

صَالِحٌ فَدَخَلْتُ عَلَى مَسْلَمَةَ وَمَعَهُ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَوَجَدَ رَجُلًا قَدْ غَلَّ فَحَدَّثَ سَالِمٌ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فَأَمَرَ بِهِ فَأُحْرِقَ مَتَاعُهُ فَوُجِدَ فِي مَتَاعِهِ مُصْحَفٌ فَقَالَ سَالِمٌ بِعْ هٰذَا وَتَصَدَّقْ بِثَمَنِهِ

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو پاؤ تم کہ چوری کی اس نے جہاد کے مال میں یعنی غنیمت میں تو جلا دو اس کا اسباب صالح نے کہا جو راوی اس حدیث کے ہیں کہ داخل ہوا میں مسلمہ کے پاس اور ان کے ساتھ سالم بن عبداللہ بھی تھے سو پایا ایک شخص کو کہ اس نے چوری کی تھی غنیمت کے مال میں۔ سو بیان کی سالم نے یہی حدیث تو حکم کیا مسلمہ نے تو جلایا گیا اسباب اس کا اور پایا اس کے سامان میں ایک قرآن تو کہا سالم نے اس کو ہدیہ کر ڈالو اور خیرات کر دی اس کی قیمت۔

تشریح مال غنیمت میں خیانت و چوری کرنے والے کے بارے میں امام احمد و حسن بصری رحمہا اللہ کے نزدیک قرآن کریم اور حیوانات کے علاوہ اس کا سب مال جلا دیا جائے گا اور حدیث ہذا سے دلیل پیش کرتے ہیں لیکن جمہور کے نزدیک صرف بدنی سزا دی جائے گی مالی سزا نہیں ہوگی کیوں کہ مشہور حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اضاعت اموال سے تاکید کے ساتھ منع فرمایا اور حدیث مذکور کا جواب یہ ہے کہ وہ ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ ”کما قال التور پشتی رحمہ اللہ یا تشدیداً أو زجراً“ حکم ہے۔ ”ربنا تقبل منا واجعل سعینا سعیًا مشکوراً“

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقُولُ لِآخَرَ يَا مُخَنَّثُ ...... جو شخص کسی کو مخنث کہہ کر پکارے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا يَهُودِيُّ فَاضْرِبُوهُ عِشْرِينَ، وَإِذَا قَالَ يَا مُخَنَّثُ فَاضْرِبُوهُ عِشْرِينَ وَمَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوهُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی کسی مسلمان کو کہے اے یہودی! تو مارو اس کو بیس (یعنی کوڑے) اور جب کہے کسی کو اے مخنث! تو مارو اس کو بیس کوڑے اور جو صحبت کرے ناطے والی محرم عورت سے یعنی جس سے نکاح حرام ہے تو اس کو قتل کرو۔

تشریح زنا کی تہمت کے علاوہ دوسرے عیوب کے ساتھ متہم کر کے مثلاً فاسق، کافر، یہودی، چور منافق وغیرہ کہے تو ان صورتوں میں تعزیر آئے گی کیوں کہ ان سے تکلیف و شرم ہوتی ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ جس کے اندر جو عیب ہے اس کے ساتھ پکارے مثلاً فاسق کہے لوطی کو لوطی کہے وغیرہ تو تعزیر نہیں ہوگی کیوں کہ یہ عیب اس کے اندر پہلے ہی سے موجود ہے اس نے نہیں لگایا، زیادہ سے زیادہ اس نے ظاہر کیا اور اگر کسی کو گدھا یا سور، کتا کہے تو امام شافعی واحمد و مالک رحمہم اللہ کے نزدیک تعزیر ہوگی کیوں کہ یہ گالی ہے لیکن احناف کے نزدیک تعزیر نہیں ہے کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ یہ شخص سور، گدھا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ عیب نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اپنی ذات محرم کے ساتھ بدفعل کر لیا تو امام احمد کے نزدیک اس کو قتل کر دیا جائے گا لیکن امام ابو

حنیفہ و مالک و شافعی رحمہا اللہ کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دوسرے زانیوں کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا اس کے ساتھ بھی وہی کیا جائے گا، ہاں اگر امام مصلحت سمجھے تو سیاستاً قتل کر سکتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں "فاقتلوہ" کا لفظ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے موافقین دلیل پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیت اور زنا کے بارے میں احادیث مطلقہ سے کہ ان میں محرم و غیر محرم کی کوئی قید نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی استدلال کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ تہدید و تشدید پر محمول ہے کہ ایسے خبیث کو قتل کر دینا مناسب ہے یا سیاست پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعْزِيرِ ---- تعزیر کے بیان میں

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ.

ترجمہ حضرت ابی بردہ بن نیار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ مارے جائیں دس کوڑے سے زیادہ مگر کسی حد میں حدود اللہ سے۔

تشریح تعزیر "عزر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی روکنا، دھمکی دینا ہیں اور اصطلاح شریعت میں تعزیر ایسی سزا کو کہا جاتا ہے جو برائے تادیب و تہذیب دی جاتی ہے اور کسی حد کے درجہ تک نہ پہنچے اور اس کا ثبوت قرآن کریم و حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سے ثابت ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "فاضربوھن فاطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا" یہ ضرب برائے تادیب و تہذیب اخلاق کے ہے اور حدیث شریف میں ہے: "لا ترفع عصاک عنھم ادبًا" اور بہت سی احادیث ہیں لیکن شریعت میں تعزیر کے اندر کوئی حد متعین نہیں بلکہ امام کی رائے کی طرف حوالہ ہے وہ جیسا، جتنا مناسب سمجھے کرے کیوں کہ تعزیر سے مقصود زجر ہے اور اس میں لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، بعض کو عار دلانا کافی ہو جاتا ہے اور بعض کو تھپڑ مارنا کافی ہے اور کسی کو حبس کافی ہے اور کسی کو کچھ دُرّے کافی ہے، کسی کو زیادہ کی ضرورت پڑتی ہے، بنابریں متعین نہیں کیا گیا۔

اب بحث ہوئی کہ تعزیر ضروری ہے یا نہیں؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری نہیں بلکہ امام کا اختیار ہے چاہے کرے یا نہ کرے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک امام پر تعزیر واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر کسی جریمہ پر نص کے اندر تعزیر موجود ہے تو ایسے جریمہ کرنے پر تعزیر واجب ہے اور نص میں کوئی تعزیر نہیں ہے تو امام کی رائے پر موقوف ہے کہ اگر دیکھے کہ بغیر تعزیر جرم سے باز آجائے گا تو تعزیر واجب نہیں، اگر دیکھے کہ بغیر تعزیر جرم سے باز نہ آئے گا تو واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ دلیل پیش کرتے ہیں اس مشہور حدیث سے کہ "ان رجلاً جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اصبت من امرأۃ ما دون ان اطأھا" تو آپ نے اس پر کوئی تعزیر نہیں کی۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمایا "واقبلوا من محسنھم وتجاوزوا عن مسیئھم" تو یہاں ان کے برے افعال

سے چشم پوشی کرنے کا حکم دیا، تعزیر کا حکم نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ تعزیر ضروری نہیں بلکہ نہ کرنا اولیٰ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ دلیل پیش کرتے ہیں قیاس سے کہ تعزیر کا مقصد زجر ہے، لوگوں کو برے کاموں سے روکنا اگر واجب قرار نہ دیا جائے تو یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب شریعت نے اس میں کوئی حد مقرر نہیں کی تو امام کی رائے پر موقوف رہے گا اور جس میں مقرر کیا اس پر عمل واجب ہوگا ورنہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو حدیث پیش کی، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمارے خلاف نہیں کیوں کہ وہ شخص نادم ہو کر آیا تھا۔ لہٰذا وہ بغیر تعزیر باز آنے والا تھا، اس لیے تعزیر کی ضرورت نہیں تھی اور امام احمد رحمہ اللہ نے جو کہا کہ بغیر تعزیر مقصد فوت ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ بغیر تعزیر فقط وعظ و نصیحت سے بھی زجر حاصل ہو جاتا ہے۔ بنابریں تعزیر کو واجب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حدیث "عن ابی بردة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم قال لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ" شریعت نے تعزیر کے لیے اگرچہ کوئی حد متعین نہیں کی تاہم آئمہ کرام کا اتفاق ہے کہ تین کوڑے سے کم نہ ہونا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ کتنا مار سکتا ہے؟ اس میں کچھ اختلاف ہے۔ چنانچہ امام احمد و اشہب مالکی رحمہا اللہ کے نزدیک عشر جلدات سے زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک زیادہ کی کوئی حد نہیں، امام جتنا مناسب سمجھے لگائے، یہی ہمارے صاحبین کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کی حد سے کم ہونا چاہیے اور حد قذف کی حد میں غلام کی حد چالیس جلدات ہیں۔ لہٰذا اس سے ایک کم کر کے انتالیس جلدات ہوں گے۔ بعض کتب حنفیہ میں ہے کہ اگر امام مناسب سمجھے تو زیادہ بھی مار سکتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا: "لا یجلد فوق عشر جلدات" امام مالک و صاحبین دلیل پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے کہ ایک شخص نے بیت المال کا مہر بنا کر کچھ مال لے لیا تھا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سو دُرّے لگائے اور قید کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحت سمجھ کر سو دُرّہ مار کر قید کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی معین تعداد نہیں بلکہ مصلحت امام پر مدار ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دلیل پیش کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے "من بلغ حدا فی غیر حد فھو من المعتدین" اور تعزیر غیر حد ہے، لہٰذا حد کی مقدار تک نہ پہنچنا چاہیے۔

امام احمد و شافعی رحمہا اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ منسوخ ہے کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس سے زیادہ مارنا ثابت ہے۔ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اذا قال الرجل للرجل" یا یہودی "فاضربوہ عشرین سوطاً" (رواہ الترمذی) امام مالک وغیرہ رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے جو استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو جو سو دُرّے اور حبس کیا وہ ایک جرم پر نہیں بلکہ متعدد جرم پر زیادہ مارا۔ نیز ہماری ایک روایت ہے مالک رحمہ اللہ کے مانند بنابریں کوئی اشکال نہیں۔

أَبْوَابُ الصَّيدِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شکار کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

لفظ ”صید“ مصدر ہے جس کے معنی شکار کرنا اور کبھی اسم مفعول ”مصید“ کے معنی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی شکار کیا ہوا جانور اور ذبائح ”ذبیحۃ“ کی جمع ہے جس کے معنی ذبح کیا ہوا جانور۔

قرآن وحدیث اور اجماع سے غیر محرم کے لیے غیر حرم میں شکار کرنے کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ”واذا حللتم فاصطادوا“ اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”اذا ارسلت کلبک المعلم۔ الحدیث“ اور احادیث میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شکار کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکیر نہ فرماتے تھے اور اس کی اباحت پر ”انعقد اجماع الصحابة کلهم“ پھر شکار کرنے کے بارے میں قرآن کریم نے بیان کیا کہ چیرنے اور پھاڑنے والا جانور ہو۔ خواہ پرندہ ہو یا چرندہ اور وہ تعلیم یافتہ ہو۔ باقی کتے، چیتے وغیرہ کی تعلیم کے لیے تین شرطیں ہیں۔

(۱) جب چھوڑے تو وہ دوڑے۔ (۲) پوری روانگی میں روک لیں تو فوراً باز آجائے بغیر سامنے بڑھنے کے۔

(۳) شکار پکڑ کر مالک کے سامنے لے آئے، بالکل نہ کھائے اور پرندہ اور باز وغیرہ کی تعلیم کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) چھوڑنے سے اُڑے اور (۲) واپس بلانے سے آجائے۔ عدم اکل شرط نہیں۔ اگر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھے، اب اگر وہ جانور کو مجروح کردے تو اس کا حلال ہوگا جہاں بھی زخم کرے ہاں اگر زندہ پکڑ لائے تو ذبح کرنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح تیر کا حکم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُؤْكَلُ مِنْ صَيْدِ الْكَلْبِ وَمَا لَا يُؤْكَلُ

کتے کا کون سا شکار کھایا جائے اور کون سا نہ کھایا جائے

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نُرْسِلُ كِلَابًا لَنَا مُعَلَّمَةً قَالَ كُلْ مَا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَإِنْ قَتَلْنَ مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا، قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ، قَالَ مَا خَزَقَ فَكُلْ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَأْكُلْ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کہا یا رسول اللہ! ہم چھوڑتے ہیں اپنے شکاری کتے سکھائے ہوئے کو تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھا تو اس شکار کو کہ جس کو روک رکھا ہے اس نے تیرے لیے کہا میں نے یا رسول اللہ! اگر وہ کتا اس شکار کو مار ڈالے؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ مار ڈالے یعنی جب بھی کھانا درست ہے جب تک کہ نہ شریک ہو اس شکار کے قتل میں دوسرا

کتا بے سکھایا ہوا کہا انہوں نے عرض کیا میں نے یارسول اللہ! ہم تیر مارتے ہیں ساتھ معراض کے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیر کی نوک سے شکار پھٹ جائے وہ کھالے اور جو تیر کی چوڑان لگ کر مرے اُسے نہ کھا۔

عَنْ عَائِذِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا أَهْلُ صَيْدٍ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ فَأَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ، قُلْتُ وَإِنْ قَتَلَ قَالَ وَإِنْ قَتَلَ، قُلْتُ إِنَّا أَهْلُ رَمْيٍ قَالَ مَا رَدَّتْ عَلَيْكَ قَوْسُكَ فَكُلْ قَالَ قُلْتُ إِنَّا أَهْلُ سَفَرٍ نَمُرُّ بِالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسِ فَلَا نَجِدُ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ، قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ كُلُوا فِيهَا وَاشْرَبُوا

ترجمہ: حضرت عائذ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا ابوثعلبہ خشنی سے کہ کہا انہوں نے یارسول اللہ! ہم شکار والے لوگ ہیں سو فرمایا جب تو چھوڑے اپنا کتا اور یاد کرے اس پر نام اللہ کا اور وہ کتا روک رکھے شکار کو تیرے لیے یعنی آپ نہ کھانے لگے تو اس کو کھا میں نے کہا اگرچہ وہ کتا مار ڈالے شکار کو؟ کہا کچھ مضائقہ نہیں اگر مار ڈالے۔ کہا راوی نے کہ ہم تیر مارنے والے لوگ ہیں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پھیر لائے تجھ پر کمان وہ کھالے یعنی جو تیرے تیر (کی نوک لگنے) سے مرے کہا راوی نے کہا میں نے ہم سفر والے لوگ ہیں گزر کرتے ہیں یہود و نصاریٰ پر اور مجوس پر اور نہیں پاتے ان کے برتنوں کے سوا فرمایا اگر نہ پاؤ تم ان کے سوا اور برتن تو اس کو دھو لو پانی سے اور پھر اس میں کھاؤ پیو۔

تشریح: مسئلہ اختلافی: اگر شکاری کتے نے شکار کر کے اس سے کچھ کھالیا اور شکار مر گیا تو اس کی حلت و حرمت کے بارے میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالک، اوزاعی اور لیث رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ و شافعی و صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک وہ جانور حلال نہیں۔ فریق اوّل نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پیش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "کل مما امسک علیک الکلب قال فان اکل منہ قال و ان اکل منہ" تو یہاں کتے کے کھانے کی صورت میں بھی کھانے کی اجازت دی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ دلیل پیش کرتے ہیں مذکورہ حدیث سے کہ اس میں "صراحۃً اکل الکلب" کی صورت میں صاف منع کیا گیا "و ان اکل فلا تاکلہ" نیز قرآن کریم کی آیت میں لفظ "امسکن علیکم" سے بھی صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ حلت کی شرط ہے مالک کے لیے امساک کرنا اور اس کی پہچان ہوگی نہ کھانے سے اور کھالیا تو معلوم ہوگا کہ اپنے لیے امساک کیا مالک کے لیے نہیں۔ فریق اوّل نے جو حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں "و ان اکل منہ" کا لفظ ہے وہ بالکل غلط ہے۔ صحیح روایات میں یہ لفظ نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے قرآن کریم اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی۔ نیز حلت و حرمت میں تعارض کے وقت حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

حدیث مذکور میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر تمہارے کتے کے ساتھ دوسرا کتا آ کر شریک ہوگیا اور شکار کو مار دیا تو اکثر علماء کے نزدیک وہ شکار حلال نہیں کیونکہ بسم اللہ صرف اپنے کتے کو ارسال کرتے وقت پڑھی تھی اور یہاں معلوم نہیں کہ کس کتے نے مارا؟ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح و مشہور قول ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ارسال کلب وغیرہ کے وقت بسم اللہ ترک کردی یا ذبح اختیاری کے وقت بسم اللہ چھوڑ دی تو ذبیحہ کی حلت وحرمت کے بارے میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: چنانچہ داؤد ظاہری اور شعبی اور ابن سیرین رحمہم اللہ کے نزدیک وہ ذبیحہ حرام ہوگا خواہ عمداً چھوڑے یا نسیاناً۔ یہی امام مالک سے ایک روایت ہے

قول ثانی: امام شافعی واحمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں حلال ہے اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کی دوسری روایت ہے۔

قول ثالث: احناف اور سفیان ثوری اور امام اسحٰق رحمہم اللہ کے نزدیک عمداً چھوڑنے کی صورت میں حرام ہے اور نسیاناً چھوڑنے کی صورت میں حلال ہے۔

فریق اوّل دلیل پیش کرتے ہیں آیت قرآنی سے "ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه" تو یہاں مطلقاً اللہ تعالیٰ کے نام نہ لینے کی بناء پر کھانے کی ممانعت کی گئی۔ عمداً ونسیاناً کی کوئی قید نہیں۔

فریق ثانی استدلال کرتے ہیں کہ قرآن کریم اور احادیث میں اللہ کے نام کو ذکر کرنے کا جو حکم ہے وہ عام ہے خواہ زبان سے ہو یا قلب سے اور ذکر قلبی نیت کرنے سے متحقق ہو جاتا ہے یعنی جب ذبح کرنے کی نیت ہو یا شکار کی نیت سے کتا، باز یا تیر چھوڑا تو اس رب کا ذکر متحقق ہوگیا۔ لہٰذا زبان سے بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں۔

فریق ثالث یعنی امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری دلیل پیش کرتے ہیں اسی آیت سے کہ اس میں "ترک اسم رب" کو فسق کہا گیا اور ظاہر بات ہے کہ فسق متحقق ہوتا ہے عمداً کی صورت میں۔ لہٰذا عمداً ترک کرنے سے نہ کھانے کا حکم ہے اور نسیان اس میں داخل نہیں ہوگا کیوں کہ "نسیان مرفوع عن هذه الامة۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع عن أمتی الخطاء والنسيان" نیز انسان کثیر النسیان ہے بالخصوص ذبح کے وقت دل میں ڈر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سہو ونسیان زیادہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر ذبیحہ کو حرام قرار دیا جائے تو حرج لازم آئے گا۔ "وهو مدفوع عنها" لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دونوں قسم کے نصوص کو پیش نظر رکھتے ہوئے بین بین کی راہ اختیار کی کہ عمداً چھوڑنے سے حرام ہوگا اور نسیاناً چھوڑنے سے حرام نہ ہوگا۔

اہل ظواہر نے جو آیت کے اطلاق سے استدلال کیا ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ آیت میں "وانه لفسق" کا لفظ عمداً کی قید پر دلالت کرتا ہے۔ "كما ذكرنا" اسی طرح "رفع عن أمتی" سے بھی عمد کی قید لگانا ضروری ہے ورنہ حدیث اور قرآن میں تعارض ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے جو ذکر قلبی مراد لیا ہے وہ خلاف ظاہر ہے۔ ہاں نسیان کی صورت میں معذور ہونے کی بناء پر ذکر قلبی پر اکتفا کرلیا جائے گا۔ "كما هو مذهبنا"

"فاغسلوھا بالماء الخ" حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم شکاری لوگ ہیں، ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر تم نے بوقت ارسال بسم اللہ پڑھی اور کتے نے شکار تمہارے لیے روک دیا تو اس کو کھا سکتے ہو۔ پھر عرض کیا گیا کہ ہم تیرانداز لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جانور تمہارے تیر سے شکار ہو جائے اس سے کھا سکتے ہو، پھر ہم نے عرض کیا کہ ہم مسافر لوگ ہیں۔ دوران سفر یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں کے برتن استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے، ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دھو کر استعمال کر سکتے ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوسِ ۔۔۔۔ مجوسی کے کتے سے شکار کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ نُهِينَا عَنْ صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوسِ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے منع کیے گئے ہم کلب مجوسی کے شکار سے۔

تشریح ......ترجمہ سے واضح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبُزَاةِ ۔۔۔۔ باز کے شکار کے متعلق

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَيْدِ الْبَازِي، فَقَالَ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ.

ترجمہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کو تو فرمایا جو روک لے تیرے لیے وہ کھا۔

تشریح اس حدیث کی شرح بھی ماقبل باب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَغِيبُ عَنْهُ

کوئی شخص شکار پر تیر چلائے اور شکار غائب ہو جائے

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَرْمِي الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِي قَالَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِيهِ أَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ.

ترجمہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! میں تیر مارتا ہوں شکار کو اور پاتا ہوں میں اس میں دوسرے دن اپنا تیر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جانے تو کہ تیرے ہی تیر نے مارا ہے اس کو اور نہ دیکھے تو اس میں اثر کسی درندے کا تو اسے کھا لے۔

تشریح تیر وغیرہ سے شکار کرنے کا حکم

آلہ اصطیاد دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ حیوانیہ اور جمادیہ، حدیث کے پہلے حصہ میں آلہ حیوانیہ کا ذکر تھا یہاں سے آلہ جمادیہ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

تیر وغیرہ سے جانور شکار کیا جائے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ شکاری اس جانور کو زندہ پالے۔ اس صورت میں تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ شکاری اس کو زندہ نہ پا سکے۔ زیر بحث حدیث میں اسی صورت کا حکم بیان کیا گیا ہے اس صورت میں وہ جانور بغیر ذبح اختیاری کے ہی حلال ہو جائے گا چند شرطوں کے ساتھ، چند اہم شرطیں یہ ہیں۔

(۱)...... تیر وغیرہ چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے، اگر تسمیہ عامداً چھوڑ دے تو یہ شکار حلال نہیں ہوگا، اس لیے کہ شکار کی یہ صورت ذبح اضطراری ہی کی ایک صورت ہے اور تسمیہ جس طرح ذبح اختیاری میں ضروری ہے اسی طرح ذبح اضطراری میں بھی ضروری ہے۔ ہاں اگر تسمیہ بھول کر چھوٹ جائے تو اس کا کھانا جائز ہے، اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو تسمیہ کا حکم دیا ہے۔ ”اذا رمیت بسھمک فاذکر اسم اللّٰہ“

(۲)......اس بات کا یقین یا ظن غالب ہو کہ شکار کی موت اس شکاری کے تیر وغیرہ کی وجہ سے واقع ہوئی ہے، اگر اس بات میں تردد ہو جائے کہ اس کی موت شکاری کے آلہ اصطیاد کی وجہ سے ہوئی ہے یا کسی اور وجہ سے یا اس بات کا ظن غالب یا یقین ہو جائے کہ یہ موت کسی اور سبب سے واقع ہوئی ہے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔

لہٰذا اگر تیر چلانے کے بعد شکار گم ہو گیا اور شکاری اس کی تلاش میں لگا رہا، ایک دن کی تلاش کے بعد اس کو ایسی حالت میں پالیا کہ اس پر شکاری کے تیر کے علاوہ کسی اور سبب موت کا نشان نہیں ہے تو اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ اغلب یہی ہے کہ اس کی موت شکاری کے تیر کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ”فان غاب عنک یومًا فلم یجد فیه الا أثر سھمک فکل ان شئت“

اگر شکاری کے تیر لگنے کے بعد وہ جانور پانی میں گر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اب تردد ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی موت تیر لگنے سے ہوئی ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ پانی میں گرنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ ”وان وجدته غریقا فی الماء فلا تأکله“

(۳)......اگر شکار غائب ہونے کے بعد ملے تو اس کے حلال ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ شکاری اس کے پانے تک اس کی تلاش میں لگا رہے۔ اگر اس نے تلاش چھوڑ دی، اس کے بعد شکار مل گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں، تلاش کرنا عام ہے، خواہ خود تلاش کرے یا کسی کو اس کام پر مقرر کر دے۔

(۴)......ایسے شکار کے حلال ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ آلہ ایسا ہو جس کے دباؤ اور ثقل کی وجہ سے جانور کی موت واقع نہ ہو بلکہ اس کی دھار اور تیزی اس کی موت کا سبب بنے جیسے تیر وغیرہ۔ لہٰذا اگر کوئی پتھر وغیرہ مارا، اس کی وجہ سے جانور مر گیا یا تیر عرضاً لگا اس سے مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ موقوذہ کے حکم میں ہوگا۔ اگلی حدیث کے مندرجہ ذیل حصہ میں اسی شرط کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَجِدُهُ مَيِّتًا فِي الْمَاءِ

جو شخص تیر لگنے کے بعد شکار کو پانی میں پائے

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّيْدِ فَقَالَ إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَإِنْ وَجَدْتَهُ قَدْ قُتِلَ فَكُلْ إِلَّا أَنْ تَجِدَهُ قَدْ وَقَعَ فِي مَاءٍ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي الْمَاءُ قَتَلَهُ أَوْ سَهْمُكَ.

ترجمہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کا مسئلہ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تو مارے شکار کو تو یاد کر اس پر نام اللہ کا سو اگر پائے تو اس کو مرا ہوا تو کھا لے مگر یہ کہ جب پائے تو اسے پانی میں گرا ہوا سو نہ کھا اس کو تو نہیں جانتا کہ پانی نے اسے قتل کیا یا تیرے تیر نے۔

تشریح اس باب کی شرح اوپر باب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَلْبِ يَأْكُلُ مِنَ الصَّيْدِ ۔۔۔۔ کتا شکار میں سے کھا سکتا ہے کے متعلق

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَيْدِ الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ خَالَطَتْ كِلَابَنَا كِلَابٌ أُخَرُ قَالَ إِنَّمَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تَذْكُرْ عَلَى غَيْرِهِ قَالَ سُفْيَانُ أَكْرَهُ لَهُ أَكْلَهُ.

ترجمہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سکھائے ہوئے کتے کے شکار کا مسئلہ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چھوڑے تو اپنا سکھایا ہوا کتا اور یاد کرے اس پر نام اللہ تعالیٰ کا تو کھا جو روک رکھے وہ تیرے لیے۔ سو اگر اس کتے نے اس شکار سے کچھ نہ لیا تو نہ کھا اس لیے کہ اس نے اپنے واسطے شکار پکڑا عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! بھلا دیکھئے تو اگر مل جائے ہمارے کتوں میں دوسرا کتا یعنی شکار مارنے میں دوسرا کتا بھی کسی کا ایسا شریک ہو جائے کہ اس پر نام نہ لیا ہو اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اور نہیں ذکر کیا تو نے نام اللہ تعالیٰ کا دوسرے کتے پر یعنی اس شکار کا کھانا درست نہیں۔ کہا سفیان ثوری نے جو راوی حدیث کے ہیں اس کا کھانا درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْمِعْرَاضِ ۔۔۔۔ معراض سے شکار کا حکم

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ مَا أَصَبْتَ

بِحَدِّهِ فَكُلْ وَمَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَهُوَ وَقِيذٌ.

ترجمہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض کے شکار کا مسئلہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مارے تو اس کی نوک سے تو کھا اس کو اور جو مارے تو اس کو چوڑان سے تو وہ وقیذ (مُردار) ہے۔

تشریح "معراض" وہ تیر ہے جو شکار پر عرضاً لگتا ہے، دھار کی طرف سے نہیں لگتا ہے۔نیز ثقیل لکڑی یا لاٹھی جس کی طرف میں کبھی لوہا بھی ہوتا ہے۔امام اوزاعی و مکحول اور فقہاء شام کے نزدیک تیر، لاٹھی، ثقیل لکڑی وغیرہ سے شکار کرنے کی صورت میں شکار مر جائے چاہے عرضاً پڑے یا طولاً پڑے، زخمی کرے یا نہ کرے شکار حلال ہوگا۔اسی طرح بندوق سے شکار کردہ جانور حلال ہوگا لیکن جمہور آئمہ اربعہ کے نزدیک معراض سے شکار کردہ جانور اگر دھار سے قتل ہو تو حلال ہوگا اور اگر قتل بالعرض ہو یا دباؤ سے ہو تو حلال نہیں ہوگا۔

فریق اوّل دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم اور حدیث مذکورہ کے لفظ "کلوا مما امسکن" سے کہ اس میں زخم کرکے خون بہا دینے کی کوئی قید نہیں ہے صرف امساک کا ذکر ہے۔لہٰذا بغیر زخم کے بھی حلال ہوگا۔جمہور دلیل پیش کرتے ہیں اسی عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لفظ "ما خزق" سے کہ اس میں زخم کی قید ہے کہ اگر صید کے اندر زخم نفوذ ہو گیا تو کھانے کا حکم ہے۔"وما اصاب بعرضه فقتل فانه وقيذ فلا تأكل" متفق علیہ۔اس میں صراحتاً "وقیذ" کی حرمت بیان کی گئی اور "وقیذ" بغیر زخم دباؤ سے مقتول جانور کو کہا جاتا ہے۔

فریق اوّل نے آیت وحدیث کے لفظ امساک سے جو دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ سے کلب معلم کی شرط کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مالک کے لیے امساک کرے اپنے لیے "امساک" نہ کرے۔اسی لیے تو فقط "امساک" پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ "علیکم" کا اضافہ کیا اور حدیث میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اگر وہ کھالے تو حلال نہیں کیونکہ "امساک علیکم" نہیں ہوا۔باقی زخم کرنا شرط ہے یا نہیں؟ اس لفظ میں اس کا تعرض نہیں کیا گیا۔دوسرے لفظ "خزق" سے اس کی شرط لگائی گئی ہے۔خلاصہ یہ ہوا کہ لفظ "امساک" قید جرح کا مخالف نہیں جو دوسرے جملہ میں موجود ہے۔لہٰذا اس سے جرح کے عدم شرط پر استدلال کرنا درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبِيحَةِ بِالْمَرْوَةِ ــــــ پتھر سے ذبح کرنے کا حکم

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ قَوْمِهِ صَادَ أَرْنَبًا أَوْ اثْنَيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِمَرْوَةٍ فَتَعَلَّقَهُمَا حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهِمَا.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے ان کی قوم سے شکار کیا ایک یا دو خرگوشوں کو اور ذبح کیا ان کو پتھر سے اور لٹکالیا ان دونوں کو یہاں تک کہ ملاقات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کا۔

تشریح اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے ذبح کیا ہے وہ چاہے پتھر ہو یا ہتھیار ہو، اگر وہ دھاردار ہے تو اس سے ذبح کرنا اور اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروہ پتھر سے ذبح کیے ہوئے جانور کو کھانے کی اجازت دے دی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْمَصْبُورَةِ

بندھے ہوئے جانور پر تیر چلا کر ہلاک کرنے کے بعد اسے کھانا منع ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِيَ الَّتِي تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ

ترجمہ حضرت ابی درداء سے روایت ہے کہا انہوں نے منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ کے کھانے سے اور مجثمہ وہ جانور ہے کہ اس کو باندھ کر تیر ماریں یہاں تک کہ مرجائے یعنی اس کو نشانہ بنائیں۔

عَنْ وَهْبِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ الْعِرْبَاضِ وَهُوَ ابْنُ سَارِيَةَ عَنْ أَبِيهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنِ الْخَلِيسَةِ وَأَنْ تُوطَأَ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى سُئِلَ أَبُو عَاصِمٍ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ قَالَ أَنْ يُنْصَبَ الطَّيْرُ أَوِ الشَّيْءُ فَيُرْمَى، وَسُئِلَ عَنِ الْخَلِيسَةِ فَقَالَ الذِّئْبُ أَوِ السَّبُعُ يُدْرِكُهُ الرَّجُلُ فَيَأْخُذُهُ مِنْهُ فَيَمُوتُ فِي يَدِهِ قَبْلَ أَنْ يُذَكِّيَهَا.

ترجمہ حضرت وہب بن ابی خالد سے روایت ہے کہا روایت کی مجھ سے اُم حبیبہ بن عرباض بن ساریہ نے انہوں نے اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا خیبر فتح ہونے کے دن ہر جانور دانت والے درندے سے اور ہر پنجے والے پرندے سے اور پالے ہوئے گدھوں کے گوشت سے اور منع فرمایا مجثمہ کے کھانے سے اور خلیسہ کے کھانے سے اور منع فرمایا اس سے کہ وطی کی جائے حاملہ عورتوں سے جب تک کہ وہ جن نہ لے جوان کے پیٹوں میں ہے کہا محمد بن یحیٰی نے اور وہ قطعی ہیں اور سوال کیا گیا ابو عاصم سے کہ مجثمہ کیا ہے تو کہا وہ جانور پرندہ ہے یا کوئی اور چیز کہ سامنے رکھی جائے اور اس کو تیر یا پتھر ماریں یعنی اس کو نشانہ (باندھ کر تختہ مشق) بنائیں اور پوچھا ان سے کہ خلیسہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ خلیسہ وہ جانور ہے کہ جس کو بھیڑیئے یا کسی اور درندے نے پکڑا ہو اور کوئی آدمی اس کو دیکھ کر اس سے چھین لے اور وہ جانور قبل ذبح کے مرجائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَّخَذَ شَيْءٌ فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ مقرر کی جائے وہ چیز کہ جس میں جان ہو نشانہ یعنی جاندار چیز کو (پکڑ کر) نشانہ نہ بنایا جائے۔

تشریح: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "مجثمہ" کھانے سے منع فرمایا اور "مجثمہ" وہ جانور ہے جن کو تیروں سے صبراً قتل کیا جاتا ہے۔ صبراً قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانور کو سامنے رسی سے باندھ دیا اور پھر اس پر دور سے تیر برسائے اور اس کے نتیجے میں وہ جانور ہلاک ہو گیا۔ ایسے جانور کو "مصبورہ" بھی کہتے ہیں۔ ایسا جانور کھانا حرام ہے، اس لیے کہ جب اس جانور کو سامنے رسی وغیرہ سے باندھ دیا تو اب اس کی ذکوٰۃ اختیاری ہو گئی، اضطراری نہیں رہی کیونکہ ذکوٰۃ اضطراری اس وقت ہوتی ہے جب جانور قابو میں نہ ہو لیکن جب جانور قابو میں ہے اور بندھا ہوا ہے تو اب اس کی ذکوٰۃ اختیاری ہے، اضطراری نہیں اور ذکوٰۃ اختیاری میں حلق کی عروق اربعہ کو کاٹنا ضروری ہے اس کے بغیر وہ جانور حلال نہیں ہو گا، چاہے وہ بندھا ہوا جانور پالتو ہو یا جنگلی ہو۔ اس کے برعکس جن جانوروں کی ذکوٰۃ اختیاری ہوتی ہے وہ جانور اگر قابو سے باہر ہو جائیں۔ مثلاً گائے یا اونٹ ہے، اس کی ذکوٰۃ اختیاری ہے، اگر وہ گائے یا اونٹ بھاگ جائے اور قابو سے باہر ہو جائے تو اس صورت میں اس کی ذکوٰۃ اضطراری ہو جائے گی اور اس صورت میں ان کو شکار کے طریقے پر تیروں کے ذریعہ مار دیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا۔

دوسری حدیث: "وعن الخليسة" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیسہ سے منع کیا ہے۔ خلیسہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو کسی درندے نے پھاڑ دیا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو زندہ پالیا ہو اور ذبح کر لیا ہو تو پھر حلال ہے ورنہ حلال نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں "وما اكل السبع" سے یہی مراد ہے۔

لحوم الخیل کا حکم: گھوڑے کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی، امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک حلال ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔ پھر مشائخ کا اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی۔ بعض مشائخ کی تخریج یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک یہ کراہت تحریمی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔ فقہ حنفی کی بعض فروع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً سورِ خیل مشہور روایت کے مطابق طاہر ہے۔ اسی طرح امام صاحب کے نزدیک اس کے پیشاب کا حکم "بول مايؤكل لحمه" والا ہے۔ اس قسم کے فروع سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔

دلیل قائلین حلت: جو حضرات لحوم خیل کی عدم کراہت کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث سے اس میں یہ بھی ہے "وأذن في لحوم الخيل" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر لحوم خیل کی اجازت مرحمت فرمائی۔

دلائل کراہت: کراہت پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں ہے "والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة" اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا تذکرہ فرماتے ہوئے خیل کا بھی ذکر فرمایا اور اس کے دو منافع ذکر کیے ہیں، ایک رکوب دوسرے زینت، اگر گھوڑے کا گوشت حلال ہوتا تو موضعِ امتنان میں اس نعمت کا تذکرہ ضرور ہوتا اس لیے کہ اکل لحم نعمتوں میں سے ہے۔ (۲) اس باب کی فصل ثانی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث بحوالہ ابوداؤد و نسائی "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن اكل لحوم الخيل والبغال والحمير"

وجہ ترجیح یا تطبیق: اگر کراہت تحریمیہ والا قول لیا جائے تو دونوں قسم کے دلائل میں ترجیح والا طریق اختیار کرنا پڑے گا۔ ہمارے پیش کردہ دلائل محرم ہیں اور دوسرے مبیح محرم کو مبیح پر ترجیح ہونی چاہیے۔ اگر کراہت تنزیہہ والا قول لیا جائے تو دونوں قسم کے دلائل میں بڑی آسانی سے تطبیق ہوسکتی ہے۔ پہلے قسم کے دلائل نفس اباحت پر دلالت کر رہے ہیں اور دوسرے دلائل کراہت تنزیہی پر، اس صورت میں نہی اس وجہ سے نہیں کہ ان کا گوشت حرام ہے بلکہ نہی کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے میں تو تفویت آلہ جہاد کا خطرہ ہے، اس لیے کھانے سے ممانعت فرمادی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَكَاةِ الْجَنِينِ۔۔۔۔ جنین کو ذبح کرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال کرنا بچہ شکم کا یہی ہے کہ اس کی ماں حلال کی جائے یعنی جب کوئی جانور حلال کیا جائے اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلا تو اس کو دوبارہ حلال کرنا کچھ ضرور نہیں۔

تشریح: جنین جانور کے اس بچے کا نام ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو۔ اگر حاملہ اونٹنی و گائے کو ذبح کیا، پھر اس کا جنین زندہ نکلا تو باتفاق آئمہ اس کے لیے الگ ذبح ضروری ہے۔ ماں والا ذبح کافی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر وہ بغیر ذبح مر گیا تو وہ حرام ہے لیکن اگر اس کی ماں کو ذبح کیا اور جنین مردہ نکلا تو کیا اس کا اکل حلال ہے یا حرام اس میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حرام ہے کیوں کہ یہ حیوان مستقل ہے اور حیوان بغیر ذبح حلال نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ میتہ ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور ماں کا ذبح اس کے لیے کافی نہیں ہے۔

مذہب ثانی: امام شافعی، ثوری، مالک، سعید بن المسیب، اوزاعی رحمہم اللہ یہ ماکول اللحم ہے۔ یعنی اس کا اکل حلال ہے اور ماں کا ذبح جنین کے لیے بھی ذبح ہے۔ اس کے لیے الگ ذبح کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اہل مذہب ثانی میں متعدد اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "يوكل الجنين اشعر او لم اشعر وبه قال محمد وابو يوسف قول ثاني اكل الجنين ان تم خلقه والا فلا كتاب الاحكام للجصاص، ج: ۲، ص: ۱۲۹" اہل مذہب ثانی کی متعدد دلیلیں ہیں۔

دلائل احناف، دلیل اوّل: "قال اللہ تعالٰی حرمت علیکم المیتة والدم الی قولہ الا ما ذکیتم" تو از روئے قرآن صرف مذبوح ومزکی مستثنٰی ہے اور یہ جنین مذبوح نہیں ہے بلکہ یہ میتہ ہے جو مستثنٰی منہ میں داخل ہے۔

دلیل ثانی: "قال اللہ تعالٰی انما حرم علیکم المیتة الخ" اس کا بیان وہی ہے جو گزر گیا۔

دلیل ثالث: احادیث میں ذبح دو قسم پر بتلایا گیا ہے۔ اوّل ذبح اختیاری اور وہ نحر وبعد میں ہے، یعنی گلے کی رگیں کاٹنا ضروری ہے، ذبح اختیاری میں اور دوم ذبح اضطراری، اس میں کسی جگہ زخم کر کے خون نکالنا کافی ہے۔ مثلاً اونٹ بھگوڑا ہو کر بھاگا تو ذبح اختیاری نہیں ہو سکتا تو دور سے تیر مارے تو کہیں بھی زخمی ہو جائے، یہ کافی ہے، اگر زندہ نہ پکڑا جائے اور اگر زندہ پکڑا جائے تو پھر ذبح اختیاری ضروری ہے۔ اسی طرح شکار میں بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا، شکار زخمی ہوا اور آپ کے پہنچنے سے قبل مر گیا تو یہ ذبح اضطراری کافی ہے تو حلت حیوان کے لیے ذبح کی یہ دو قسمیں ہیں اور جنین میت میں ان میں سے کوئی قسم بھی نہیں، لہٰذا وہ حرام ہے۔

دلیل رابع: حدیث ہے "ذکوة الجنین ذکوة الام ای کذکوة الام" یعنی جس طرح ماں کے لیے مستقل ذبح ضروری ہے اسی طرح جنین کے لیے بھی مستقل ذبح ضروری ہے یہ کلام مبنی بر تشبیہ ہے "عندنا مثل زید اسد ای کالاسد" اور اسے تشبیہ بلیغ کہتے ہیں کہ حرف تشبیہ کو حذف کر کے براہِ راست حمل کیا جائے۔

دلائل اہل مذہب ثانی، دلیل اوّل: حدیث ہے "ذکوة الجنین ذکوة أمه رواه ابو سعید خدری و ابو درداء و ابو امامه و کعب بن مالک و ابن عمر و ابو ایوب و ابو هریره رضی اللہ عنهم مرفوعا" ان کے نزدیک یہ کلام مبنی بر عینیت واتحاد ہے۔ یعنی جنین کا ذبح بعینہ وہ ہے جو ماں کا ذبح ہے جنین کے لیے الگ ذبح کی ضرورت نہیں ہے، اگر اس کے لیے الگ ذبح ہو تو پھر عینیت واتحاد باقی نہ رہے گا اور حدیث دال ہے عینیت ذبح جنین واُمہ پر۔

جوابات احناف، جواب اوّل: یہ اخبار ضعیف ہیں عند المحدثین۔

جواب ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اوّل تو اس حدیث کی سندوں پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔ (اوجز المسالک، ص: ۱۴۰، ج: ۹)

اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو امام صاحب کے نزدیک اس حدیث کا مطلب وہ نہیں ہے جو ان حضرات نے سمجھا ہے، امام صاحب کے نزدیک یہ حدیث تشبیہ پر مبنی ہے۔ "ذکاة الجنین ذکاة أمه" کا مطلب ہے "کذکاة أمه" بچے کا ذبح ماں کے ذبح کی طرح ہے یعنی جس طرح ماں کو ذبح کیا ہے اس کے زندہ بچے کو بھی اسی طرح سے ذبح کرو، اس کے ذبح کا طریقہ بھی وہی ہے جو ماں کے ذبح کرنے کا ہے۔ باقی یہ کہ مُردہ بچہ نکلے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ سے اس حدیث میں تعرض نہیں کیا گیا۔ حاصل یہ کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث تشبیہ بلیغ پر محمول ہے۔ جیسا کہ شاعر کے اس قول میں ہے:

وعیناک عیناها وجیدک جیدها	سوی أن عظم الساق منک دقیق

امام صاحب نے حدیث کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں ذکاۃ أمہ نصب کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اس صورت میں ذکاۃ منصوب بنزع الخافض ہوگا یعنی کذکاۃ امہ نیز امام صاحب نے جو مطلب بیان کیا ہے وہ اس لیے بھی راجح ہے کہ اسی صورت میں دلائل میں تعارض نہیں رہے گا۔ اگر دوسرا مطلب لیا جائے تو دلائل میں تعارض ہو جائے گا۔ اس حدیث کے مقتضی اور حرمت منخنقہ والی نصوص میں تعارض ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ مطلب مراد لینا اولی ہے جس سے نصوص میں تعارض نہ رہے۔

جواب ثالث: یہ حدیث محتمل معنیین ہے ایک وہ معنی جو خصم نے کیا ہے کہ اتحاد و عینیت، دوم معنی وہ ہے جو احناف نے کیا ہے کہ یہ من قبیل تشبیہ ہے اور ہمارے معنی محرم اور ان کے مبیح اور محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب رابع: حدیث محتمل معنیین ہے اور ہمارا معنی راجح ہے کیونکہ آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے اور از روئے آیت یہ جنین میتہ ہے۔

جواب خامس: یہ حدیث آیت مذکورہ سے متعارض ہے اور آیت کو ترجیح ہوتی ہے حدیث کے مقابلے میں۔

جواب سادس: جنین جب زندہ باہر آئے تو اس کا مستقل ذبح واجب ہے اور ذبح ام کافی نہیں ہے حالانکہ زندہ بچہ بھی جنین کہلاتا ہے تو جب مُردہ باہر آئے پھر اس جنین کے لیے ذبح ام کافی نہیں ہونا چاہیے "لان الحدیث واحد فمن این علم الفرق بین الجنین الحی و المیت"

سوال: یہ آخری جواب درست نہیں ہے کیوں کہ بچہ جب پیٹ میں ہو تو جنین کہلاتا ہے اور پیٹ سے باہر آنے پر جنین نہیں کہلاتا؟

جواب: پیٹ میں مرنے کے بعد بھی وہ جنین کہلاتا ہے جب کہ مدت زیادہ نہ گزری ہو، خود حدیث میں ولا خارج من البطن پر جنین کا اطلاق ثابت ہے۔ حدیث ہے "حملی بن مالک ضرب احدی الجاریتین اخری بعمود فسطاط فالقت جنینا میتا" اس حدیث میں بعد از القاء اس پر جنین کا اطلاق ہوا ہے۔ (احکام القرآن ج ۲، ص: ۱۳۰)

جواب سابع: حدیث ہذا متعارض ہے حدیث مشہور سے "وهو قول علیه السلام احلت لنا میتتان و دمان" یہ حدیث مشہور حصر پر دال ہے کہ صرف دو قسم کے میتہ حلال ہیں جو "جراد و سمک" ہیں۔ لہٰذا یہ جنین حرام ہوگا کیوں کہ یہ میتہ ہے اور میتتان مذکورتان فی الحدیث کے علاوہ ہے۔

دلیل ثانی: "عن یحیی بن سعید عن مجاهد عن ابی الوداک عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم سئل عن الجنین یخرج المیت فقال ان سیتوا فکلوا فزکوۃ الام ذکاته" جواب یہ ہے اس روایت میں رواۃ ثقات لفظ یخرج میتہ ذکر نہیں کرتے یہ صرف ایک راوی ذکر کرتا ہے اور وہ ثقہ نہیں ہے اس کا نام ساجی ہے۔

دلیل ثالث: روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما "فی قوله تعالی احلت لکم بهیمة الانعام قال انها اجنحة" جواب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے علاوہ تفسیر بھی منقول ہے وہ یہ "وهو جمیع انها الانعام" اور علی التسلیم ہم کہتے ہیں کہ

"الاجفة مثل سائر الانعام مباحة" ہیں بشرط الذکوۃ۔

دلیل رابع: یہ جنین عضو ہے ام مذبوح کا تو یہ حلال ہونا چاہیے مثل سائر الاعضاء الام۔ جواب یہ بمنزلہ عضو نہیں ہوسکتا "بجواز انفصاله حیا والعضو لا ینفصل حیا"

دلیل خامس: جنین تابع ہے عتق وکتابت وغیرہ میں۔ مثلاً اگر ماں آزاد یا مکاتبہ ہوئی تو اس کے پیٹ میں جنین بھی اس حکم کے تابع ہے۔

جواب: یہ قیاس حکمی ہے علی حکم مغایر کیونکہ ہماری بحث انسان میں نہیں ہے بلکہ اکل حیوانات میں ہے اور عتق من قبیل اکل نہیں ہے۔

جواب ثانی: عتق میں اس لیے ولا تابع لام ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ ام حرۃ سے ولد غیر حر پیدا ہوجائے، اس لیے عتق میں وہ ماں کے تابع ہوگا بخلاف ذکاۃ کے۔ اس میں تابع ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ ماں کے ذبح کے بعد ولد کو زندہ نکالا جائے اور پھر مستقل اس کا ذبح کیا جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا ان بیانات سے اور ان اجوبۃ سے کہ مذہب حنفی احق وارجح ہے، واقویٰ ہے اور اقرب الی القرآن والحدیث والعقل ہے۔ "وفی ذلک لطافة من علمها علم"

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كُلِّ ذِي نَابٍ وَذِي مِخْلَبٍ ۔۔۔ ذی ناب وذی مخلب کی حرمت

عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ.

ترجمہ حضرت ابی ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہا انہوں نے کہا منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کے کھانے سے مانند شیر اور بھیڑیے وغیرہ کے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي يَوْمَ خَيْبَرَ الْحُمُرَ الْإِنْسِيَّةَ وَلُحُومَ الْبِغَالِ وَكُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حرام کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی جس سن خیبر فتح ہوا پلے ہوئے گدھوں کا گوشت اور گوشت خچروں کا اور ہر کچلی والا جانور درندہ اور چنگل سے پکڑنے والا پرندوں میں کا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہر کچلی والا جانور درندوں میں کا مثل شیر اور کتے کے۔

تشریح "ناب" نوکدار تیز دانت کا نام ہے جس کے ذریعہ پھاڑنے چیرنے کا کام ہوتا ہے اور وہ رباعیات کے متصل ہوتا ہے اور مسلم شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں "نهى عن اكل ذى مخلب من الطيور و كل ذى ناب من السباع" ہے تو "من السباع" دونوں کی قید ہے۔ یعنی پرندوں میں جو چنگل والے اور پھاڑنے چیرنے والا ہو وہ حرام

ہے۔لہٰذا فقط چنگل والا پرندہ حرام نہیں ہوگا۔اسی طرح ”ذی ناب“ چوپایہ جو چیرنے پھاڑنے والا ہو وہ حرام ہوگا۔فقط ناب والا حرام نہیں ہوگا۔خلاصہ یہ ہوا کہ ہر دونوں قسم میں سباع حرام ہیں غیر سباع حرام نہیں ہوگا۔صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ سبع سے وہ جانور و پرندے مراد ہیں جن میں پانچ اوصاف ذمیمہ موجود ہوں۔حملہ کرنا، قتل کرنا، اُچک لینا، غارت کرنا، زخمی کرنا، ان کو حرام کرنے کی حکمت یہ ہے تاکہ انسان میں اوصاف ذمیمہ پیدا نہ ہوں کیوں کہ اخلاق میں غذا کا قوی اثر ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ مَاقُطِعَ مِنَ الحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ

زندہ جانور سے کاٹا جانے والا عضو مُردہ کے حکم میں ہے

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَدِينَةَ وَهُمْ يَجُبُّونَ أَسْنِمَةَ الإِبِلِ وَيَقْطَعُونَ أَلْيَاتِ الغَنَمِ فَقَالَ مَا قُطِعَ مِنَ البَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ.

ترجمہ حضرت ابی واقد لیثی سے روایت ہے کہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اور وہاں کے لوگ کاٹ لیتے تھے اونٹوں کی کوہانوں کو اور کاٹ لیتے تھے سرین بکریوں کے یعنی بغیر ذبح ان جانوروں کے سو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کاٹا جائے جانور سے اور وہ جانور زندہ ہے تو وہ کاٹا ہوا ٹکڑا مُردار ہے۔

تشریح الحاصل یہ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ زندہ اونٹوں کی کوہان اور زندہ بھیڑیوں کی چکتیاں کاٹ کر پکا کر کھا لیتے تھے۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جانور کا جو عضو اور حصہ اس کے زندہ ہونے کی حالت میں کاٹ لیا جائے وہ حصہ مُردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اُصول بیان فرما دیا کہ جس جانور کو ابھی تک ذبح نہیں کیا گیا اور وہ زندہ ہے اس حالت میں اگر اس کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ مُردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الذَّكَاةِ فِي الحَلْقِ وَاللَّبَّةِ۔۔۔ حلق اور لبہ سے ذبح کرنا چاہیے

عَنْ أَبِي العُشَرَاءِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَمَا تَكُونُ الذَّكَاةُ إِلَّا فِي الحَلْقِ وَاللَّبَّةِ قَالَ لَوْ طَعَنْتَ فِي فَخِذِهَا لَأَجْزَأَ عَنْكَ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ هَذَا فِي الضَّرُورَةِ.

ترجمہ حضرت ابی العشراء سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا انہوں نے یا رسول اللہ! کیا حلال نہیں ہوتا جانور جب تک حلق اور لبہ میں ذبح نہ کرے؟ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر نیزہ مار دے تو اس کی ران میں تو بھی کفایت کرتا ہے تجھ کو کہا احمد بن منیع نے کہا یزید بن ہارون نے یہ حکم ضرورت کے وقت کا ہے۔

تشریح یہ حکم اس صورت میں ہے جب کسی جانور کی ذکاۃ اضطراری ہو، اس لیے کہ ذکاۃ اختیاری میں تو حلق سے ہی ذبح کرنا اور

عروق اربعہ کا کاٹنا ضروری ہے لیکن ذکاۃ اضطراری میں اگر دور سے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ یا تیر مارا تو وہ تیر اس کے جسم کے جس حصے پر بھی لگ جائے گا وہ جانور حلال ہو جائے گا اور اختیاری اور اضطراری کی تعریف یہ ہے کہ جو جانور قابو میں ہو اس کی ذکاۃ اختیاری ہے اور جو جانور بے قابو ہو، چاہے وہ مانوس جانور ہو اور بے قابو ہو گیا ہو یا وہ وحشی جانور ہو جو انسان کے قابو میں نہیں آتا ان کی ذکاۃ اضطراری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْوَزَغِ۔۔۔۔ چھپکلی کو مارنے کے متعلق

عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ وَزَغَةً بِالضَّرْبَةِ الْأُولَى كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً فَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّانِيَةِ كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً فَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّالِثَةِ كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قتل کرے چھپکلی کو پہلی چوٹ میں ہوگا اس کو اتنا ثواب پھر اگر مارا اس کو دوسری چوٹ میں تو ہوگا اس کو اتنا اتنا ثواب یعنی پہلے سے کم پھر اگر مارا تیسری چوٹ میں تو ہوگا اس کو ثواب اتنا اتنا یعنی دوسری چوٹ سے بھی کم۔

تشریح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے چھپکلی کو ایک ہی ضرب میں مار دیا تو اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے دوسری ضرب میں مار دیا اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی اور جس نے تیسری ضرب میں مار دیا اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ دوسری ضرب میں مارنے سے پہلی مرتبہ سے کم نیکیاں ملیں گی اور تیسری ضرب میں مارنے سے دوسری مرتبہ سے کم نیکیاں ملیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھپکلی مارنا ثواب کا کام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْحَيَّاتِ۔۔۔۔ سانپوں کو مارنے کا حکم

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَاقْتُلُوا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْأَبْتَرَ فَإِنَّهُمَا يَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ وَيُسْقِطَانِ الْحَبَلَ.

ترجمہ حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل کرو سانپوں کو اور قتل کرو اس سانپ کو کہ جس کی پشت پر دو نقطے سیاہ ہوں اور قتل کرو اُس سانپ کو کہ جس کی دُم چھوٹی ہوتی ہے گویا وہ دُم کترا ہے اس لیے کہ یہ دونوں اندھا کر دیتے ہیں بینائی کو اور گرا دیتے ہیں حمل کو یعنی ان کے دیکھتے ہی آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور حاملہ کا حمل گر جاتا ہے بسبب زہر کے جو ان میں اللہ عزوجل نے رکھا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِبُيُوتِكُمْ عُمَّارًا فَحَرِّجُوا عَلَيْهِنَّ ثَلَاثًا فَإِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَاقْتُلُوهُ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے گھروں میں گھریلو سانپ ہیں، سوان کو آگاہ کردو تین بار سو اگر پھر ان میں کا کوئی نکلے تو اس کو قتل کرو۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ قَالَ أَبُو لَيْلَى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُولُوا لَهَا إِنَّا نَسْأَلُكِ بِعَهْدِ نُوحٍ وَبِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ أَنْ لَا تُؤْذِيَنَا فَإِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوهَا.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ کہا ابو لیلیٰ نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکلے سانپ گھر میں تو اس سے کہو ہم تجھ سے چاہتے ہیں اس اقرار کی رو سے جو نوح علیہ السلام سے تھا اور اس اقرار کی رو سے جو سلیمان بن داؤد علیہما السلام سے تھا کہ تو ہم کو نہ ستا پھر اگر وہ دوبارہ نکلا تو اس کو قتل کرو۔

تشریح پہلی روایت میں دو سانپوں کو قتل کرنے کا حکم ہے۔

(۱) "ذو الطفتین" اس سانپ کو کہتے ہیں جس کے منہ اور جسم پر دو لکیریں ہوں۔

(۲) ابتر۔ اس سانپ کو کہتے ہیں جس کا دم کٹا ہو، یہ دونوں سانپ انسان کی بینائی اور حمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔

جنان، جمع ہے جان کی۔ اس سے مراد چھوٹے سانپ ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں ان کو عوامر بھی کہتے ہیں ان کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ بعض اوقات جنات ہوتے ہیں بغیر اعلان کے مارنا اچھا نہیں ہے۔ حدیث میں ان کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ باریک ہوتے ہیں، رنگ ان کا چاندی جیسا ہوتا ہے اور اپنے چلنے میں بل نہیں کھاتے بلکہ سیدھے چلتے ہیں۔

"فحرجوا علیھن ثلاثا" یہاں سے اعلان کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ تین دن تک ان سے کہو کہ تم یہاں سے نکل جاؤ ورنہ ہم تمہیں ماردیں گے۔ اگر شریف جنات ہوں گے تو نکل جائیں گے، اگر سانپ ہوئے یا شریر جنات ہوئے تو پھر نہیں نکلیں گے پھر ان کو قتل کردو۔

"بعهد نوح و بعهد سلیمان علیهم السلام" عہد نوح سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کرلی اور اس میں جانوروں کو بھی سوار کرنے کا ارادہ کیا تا کہ نسل باقی رہے۔ اس وقت ان سے یہ عہد لیا تھا کہ تم کسی انسان کو تکلیف نہیں دو گے۔ عہد سلیمان سے مراد یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت تمام انسانوں، جنات اور جانوروں پر تھی، انہوں نے بھی جنات سے عہد لیا تھا کہ انسان کو تکلیف نہیں پہنچائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْكِلَابِ ۔۔۔۔ کتوں کو مارنے کے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيمٍ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتے ایک گروہ نہ ہوتے اللہ کے پیدا کیے ہوئے دو گروہوں میں تو حکم کرتا میں ان کے سب کے مارڈالنے کا سو مارو اس میں سے ہر کالے سیاہ رنگ کو۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا مَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ

کتا پالنے والے کی نیکیاں کم ہوتی ہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا أَوِ اتَّخَذَ كَلْبًا لَيْسَ بِضَارٍ وَلَا كَلْبَ مَاشِيَةٍ نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پالا کتا یا رکھا راوی کو شک ہے کہ "اقْتَنٰی" فرمایا یا "اتَّخَذَ" کہ نہیں ہے وہ دوڑنے والا یعنی شکار پر اور نہ جانوروں کی حفاظت کرنے والا گھٹایا جائے گا اس کی نیکیوں کا ثواب ہر ایک دن میں دو دو قیراط۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ، قَالَ قِيلَ لَهُ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ فَقَالَ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ لَهُ زَرْعٌ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کتوں کے مارنے کا مگر شکار کا کتا اور جانوروں کی حفاظت کا کتا۔ کہا راوی نے کہا گیا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے "أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ" کی بجائے "أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ" یعنی کتا کھیت کا کہ اس کا مارنا بھی ضرور نہیں تو فرمایا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ ابا ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کھیت تھے یعنی اس لیے انہوں نے کھیت کا کتا روایت کیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پالے کتا مگر کتا چرائی کا یا کتا شکار کا یا کھیت کا یعنی اس کے سوا جو کتا پالے گھٹتے جاتے ہیں اس کے ثواب حسنات ہر دن میں ایک قیراط۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ إِنِّي لَمِمَّنْ يَرْفَعُ أَغْصَانَ الشَّجَرَةِ عَنْ وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ فَقَالَ لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا فَاقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيمٍ وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَرْتَبِطُونَ كَلْبًا إِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ میں ان لوگوں میں تھا جو شاخیں اُٹھا رہے تھے درخت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کتے ایک گروہ نہ ہوتے تو سب گروہوں میں سے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں تو البتہ میں حکم کرتا ان کے قتل کا سو قتل کرو اس میں سے ہر کالے سیاہ رنگ کو اور کوئی گھر والے ایسے نہیں کہ باندھیں کتے کو مگر گھٹتے جائیں گے ان کے عملوں میں سے ہر دن میں ایک قیراط مگر کتا شکار کا یا کھیت یا بکریوں کی حفاظت کا یعنی تین کتے پالنا جائز ہیں باقی سب حرام ہیں۔

تشریح "کلب ماشیۃ" سے پہرہ دار کتا اور "کلب ضار" سے وہ کتا جو شکار کا عادی و حریص ہو پھر نقصان اجر کی وجہ یہ ہے کہ اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں ہوں گے، یا اس کتے کی وجہ سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے یا اس لیے کہ بعض کتوں کو حدیث میں شیطان کہا گیا یا اس لیے کہ مالک کی ادنیٰ غفلت کے وقت پاک برتن میں منہ ڈال کر ناپاک کر دیتا ہے۔ پھر علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نقصان اجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت کتا پالنا حرام نہیں اور یہ نقصان اجر اعمال ماضیہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ کتا پالنے کے زمانہ کے اعمال میں نقصان اجر مراد ہے اور دو قیراط کے عمل میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) رات کے عمل سے ایک اور دن کے عمل سے ایک قیراط

(۲) فرض عمل سے ایک اور نوافل سے ایک قیراط۔ پھر بعض روایت میں ایک قیراط کا ذکر ہے تو بعض نے کہا کہ بعض راوی نے دو قیراط کی روایت کی ہے وہ مثبت زیادہ ہے، لہٰذا اس کا اعتبار ہوگا یا کم نقصان کرنے میں ایک قیراط کم ہوگا اور کثرت نقصان پر اجر دو قیراط کم ہوگا یا مکہ، مدینہ میں پالنے میں دو قیراط کم ہوگا اور دوسرے شہروں میں ایک قیراط۔ "ھکذا قال فی المرقاۃ" امام الحرمین رحمہ اللہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہر قسم کے کتوں کو قتل کا عام حکم جاری کیا۔ پھر صرف سیاہ کتوں کو قتل کا حکم دیا۔ بعد میں یہ بھی منسوخ ہوگیا۔ لہٰذا بلاضرورت اب کسی کتے کو قتل کرنا جائز نہیں لیکن "کلب عقور" کو قتل کرنا بالاجماع جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّكَاةِ بِالْقَصَبِ وَغَيْرِهِ ---- بانس وغیرہ سے ذبح کرنے کے متعلق

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ مَا لَمْ يَكُنْ سِنًّا أَوْ ظُفُرًا وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ.

ترجمہ حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم مقابلہ کریں گے دشمن سے کل کے روز اور نہیں ہے ہمارے پاس چھری یعنی ذبح کرنے کی سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خون بہائے اور نام لیا جائے اللہ تعالیٰ کا اس پر اسے کھاؤ جب تک کہ وہ دانت اور ناخن نہ ہو یعنی دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو میں اب بیان کرتا ہوں تم سے اس کا حلال سو دانت وہ تو ہڈی ہے اور ناخن وہ تو چھری ہے حبشیوں کی۔

تشریح دانت اور ناخن اگر غیر منزوع ہوں تو سب کے نزدیک ان سے ذبح کرنا جائز نہیں اور ذبیحہ حلال نہیں ہوگا اور اگر منزوع ہوں تب بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ احناف کے نزدیک "سن و ظفر منزوع" سے ذبح جائز ہے اور ذبیحہ حلال ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں منزوع وغیر منزوع میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ لہٰذا مطلقاً دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں لفظ "انھر الدم بما شئت و افر الاوداج بما شئت" ہے۔ (رواہما النسائی) تو اس میں لفظ "ما" عام ہے جس سے بھی زخم کر کے خون بہا دے ذبح کرنے کی اجازت ہے تو منزوع دانت اور ناخن بھی پتھر کی طرح دھار ہے لہٰذا اس سے ذبح جائز ہوگا اور غیر منزوع کے ذریعے ذبح کرنا اس کے ثقل سے قتل ہوتا ہے دھار سے نہیں اس لیے "منخنقہ" کے حکم میں ہو جاتا ہے بنا بریں حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے غیر منزوع دانت و ناخن مراد ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے آخر میں یہ فرمایا کہ یہ حبشی کفار کی چھری ہے اور حبشی کفار کی عادت یہ تھی کہ غیر منزوع دانت اور ناخن سے ذبح کرتے تھے۔ لہٰذا اس سے منزوع کے ذبیحہ کی حرمت پر استدلال درست نہیں لیکن احناف کے نزدیک بھی ایسا ذبح کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے حیوان کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے اور یہ انسان کا جزء ہے اس کو استعمال میں لانا جائز نہیں۔ نیز دانت ہڈی ہے اور یہ جنات کی خوراک ہے اس کو خون سے ملوث کرنا درست نہیں۔ بنا بریں مکروہ ہے۔ پھر حدیث مذکور میں دوسرا ایک مسئلہ بیان کیا گیا کہ اونٹ بھی کبھی کبھی وحشی جانوروں کی طرح بھاگ جاتے ہیں تو اس کے لیے بھی ذبح اضطراری کافی ہے یعنی جسم کے کسی حصہ پر کسی آلہ سے زخم کر کے "دم مسفوح" کو نکال دے اور اونٹ کے اندر بھاگنے کی عادت زیادہ ہے اس لیے اس کو خاص کر کے بیان کیا گیا ورنہ ہر قسم کے جانور کا یہی حکم ہے۔ مثلاً گائے، بکری، بھینس، مرغی اگر بھاگ جائے اور کسی طرح پکڑا نہ جا سکے تو ان کے لیے کسی آلہ سے جسم کے کسی حصہ پر زخم کر کے خون بہا دینا کافی ہے۔

باب بلا ترجمہ

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَعِيرِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ إِذَا نَدَّ فَصَارَ وَحْشِيًّا يُرْمَى بِسَهْمٍ أَمْ لَا؟

عَنْ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِيرٌ مِنْ إِبِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَافْعَلُوا بِهِ هَكَذَا.

ترجمہ حضرت رافع سے روایت ہے کہ ہم تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں سو بھاگا ایک اونٹ قوم کے اونٹوں میں سے اور ان لوگوں کے پاس گھوڑے بھی نہ تھے کہ اس پر سوار ہو کر پکڑ لیں۔ سو مارا اس کو ایک مرد نے تیر سو روک دیا اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار پایوں میں بعض بھگوڑے ہوتے ہیں مثل وحشی

جانوروں کے سو جو ایسا کام کرے ان میں سے یعنی بھاگے اس کے ساتھ ایسا ہی کرو یعنی اسے تیر مارلو یا جس طرح قادر ہو۔

تشریح ذبح کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ذبح اختیاری (۲) ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری میں جانور کے حلق کی مخصوص رگوں کو کاٹنا ضروری ہے۔ ذبح اضطراری کا حکم یہ ہے جانور کے جس حصہ پر بھی زخم ہو جائے (چند شرطوں کے ساتھ) وہ حلال ہو جاتا ہے۔ ذبح اضطراری کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کتے باز یا تیر وغیرہ کا شکار ذبح اضطراری میں داخل ہے ان کے بقدر ضرورت مسائل بیان ہو چکے ہیں۔

گھریلو جانوروں میں اصل تو یہی ہے کہ ان کو معروف طریقہ سے ذبح کیا جائے تو ذبح اضطراری بھی کافی ہو جائے گا، یعنی اللہ کا نام لے کر کسی نوک دار یا دھاری دار چیز سے اس کو زخم کر دے جس کی وجہ سے موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ مثلاً کوئی اونٹ بیل وغیرہ بھاگ جائے، ان کو پکڑنا مشکل ہو تو بسم اللہ پڑھ کر دور سے تیر وغیرہ لگا دینا کافی ہوگا۔ اس کا حکم عام شکار والا ہو جائے گا۔ اسی طرح سے اگر کوئی جانور کسی کنویں وغیرہ میں گر جائے اور اس کو معروف طریق سے ذبح کرنا مشکل ہو تو اوپر سے کوئی دھاری دار نوک دار مار کر زخمی کر دے تو وہ بھی حلال ہو جائے گا۔ بشرطیکہ یہ ظن غالب نہ ہو کہ اس کی موت کسی اور وجہ سے (مثلاً گرنے کی وجہ سے) واقع ہوئی ہے۔

أَبْوَابُ الْأَضَاحِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قربانیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں کئی لغتیں ہیں۔(۱) "أضحية بضم الهمزة" (۲) اِضحية بكسر الهمزه، ان دونوں کی جمع "اضاحی" آتی ہے۔ یاء کی تخفیف و تشدید دونوں کے ساتھ۔ (۳) ضحية اس کی جمع ضحایا آتی ہے۔ (۴) "أضحاة بفتح الهمزة" اس کی جمع "أضحى" آتی ہے۔ یہ اس جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے دنوں میں تقرب الی اللہ کیلئے ذبح کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْأُضْحِيَّةِ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ إِنَّهُ لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا وَأَنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ مِنَ الْأَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کیا آدمی نے کوئی عمل نحر کے دن زیادہ دوست اللہ کے نزدیک خون بہانے سے یعنی قربانی ذبح کرنے سے اور جانور قربانی کا آئے گا قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں سمیت اور خون گرتا ہے اللہ تعالیٰ کے آگے مکان

قبولیت میں اس سے پہلے کہ زمین پر گرے سو خوشِ دِل ہو تم اس بشارت سے۔

تشریح حیثیت قربانی

اس بات پر اجماع ہے کہ قربانی ایک انتہائی پسندیدہ اور مقبول عمل ہے۔ حدیث میں ہے کہ نحر والے دن قربانی حق تعالیٰ کے ہاں احب الاعمال ہے۔ قربانی کے استحسان پر متفق ہونے کے بعد آئمہ میں اختلاف ہوا ہے کہ کیا قربانی واجب بھی ہے یا نہیں؟

قول اوّل: اس میں آئمہ ثلثہ سے یہ منقول ہے کہ قربانی سنت ہے۔ ابن رشد نے "بداية المجتهد" میں تصریح کی ہے کہ امام مالک وشافعی کے نزدیک قربانی سنن مؤکدہ میں سے ہے۔ امام مالک سے ایک روایت وجوب کی بھی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ امام ابویوسف کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ امام ابویوسف کی دوسری روایت یہ ہے کہ قربانی سنت ہے۔ امام طحاوی نے حنفیہ کے آئمہ ثلثہ کے مذاہب کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ قربانی امام صاحب کے قول کے مطابق واجب ہے اور صاحبین رحمہا اللہ کے قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے۔

پہلی دلیل: جمہور استدلال پیش کرتے ہیں، حضرت اُمِ سلمہ کی حدیث سے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اذا دخل العشر و اراد بعضكم ان يضحى الحديث" تو یہاں قربانی کو ارادہ پر معلق کیا "والتعليق بالارادة ينافي الوجوب" تو معلوم ہوا کہ قربانی واجب نہیں ہے۔

دوسری دلیل: یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک سال دو سال قربانی نہیں کرتے تھے، اگر واجب ہوتی تو ہر سال کرتے۔

پہلی دلیل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے "فصل لربک وانحر" یہاں "وانحر" امر کا صیغہ ہے "وهو يقتضى الوجوب"

دوسری دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "انه عليه السلام قال من كان له سعة ولم يُضح فلا يقربن مصلانا" (رواہ الحاکم) اس قسم کی وعید ترک واجب پر ہو سکتی ہے۔

تیسری دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "قال عليه الصلوة والسلام من ذبح قبل الصلوة فليعد مكانها اخرىٰ" (رواہ البخاری)

اور اعادہ واجب ہی کا ہوتا ہے۔ سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، ہر سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی، اگر پہلے دن نہ کر سکے تو دوسرے دن ضرور کی تو اتنے اہتمام کے ساتھ مواظبت کرنا وجوب کی دلیل نہ ہو تو کیا ہوگی۔

انہوں نے حضرت اُمِ سلمہ کی حدیث سے جو دلیل پیش کی، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اراد کے اطلاق سے نفی وجوب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ "من اراد الحج فليعجل اور من اراد الجمعة فليغتسل" میں اراد کی وجہ سے نفی وجوب نہیں ہوتی۔

حضرت صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اثر کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ان کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں تھا۔ لہٰذا واجب نہ تھی اس لیے نہیں کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأُضْحِيَّةِ بِكَبْشَيْنِ ۔۔۔۔ دو مینڈھوں کی قربانی کے متعلق

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمَّى وَكَبَّرَ وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا۔

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں سینگ والوں ابلق کی، ذبح کیا ان کو اپنے ہاتھ سے اور نام لیا اللہ تعالیٰ کا یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور پیر رکھا اس کے پہلو یا گلے پر وقت ذبح کے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأُضْحِيَّةِ عَنِ الْمَيِّتِ

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ أَمَرَنِي بِهِ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَدَعُهُ أَبَدًا۔

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ہمیشہ قربانی کرتے تھے دو مینڈھوں کی ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے سو لوگوں نے اُن سے کہا کہ کیوں ایسا کرتے ہیں آپ تو جواب دیا انہوں نے کہ حکم کیا مجھ کو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا پس نہ چھوڑوں گا میں اسے کبھی۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَضَاحِيِّ ۔۔۔۔ جس جانور کی قربانی مستحب ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَحِيلٍ يَأْكُلُ فِي سَوَادٍ وَيَمْشِي فِي سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ۔

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھے نر کی کہ کھاتا تھا وہ سیاہی میں یعنی اس کا منہ سیاہ تھا اور چلتا تھا وہ سیاہی میں یعنی چاروں پیر سیاہ تھے اور دیکھتا تھا وہ سیاہی میں یعنی آنکھوں کے کنارے سیاہ تھے۔

تشریح اس باب کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دو قربانیاں کرتے تھے، ایک اپنی اور دوسری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کی جانب سے قربانی کرنی جائز ہے۔ اصل قربانی تو کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے۔ اعلاء السنن میں "باب التضحية عن الميت" قائم کیا گیا ہے۔ پھر

"ترجمة الباب" کے تحت یہی واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ اعلاء السنن میں اس مقام پر ایک سوال جواب بھی مذکور ہے جو یہ ہے:

سوال: حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ موافقت نہیں ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو زندہ ہیں اور ترجمۃ الباب ہے میت کی جانب سے قربانی کرنا؟

جواب: حیات دو قسم کی ہے، حیات دنیوی اور حیات برزخی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیاوی حیات کے اعتبار سے میت ہیں اور برزخی حیات کے اعتبار سے زندہ ہیں۔ لہٰذا حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت موجود ہے۔

سوال: کیا ایصال ثواب کے لیے قربانی کرنے والا اس کا گوشت کھا سکتا ہے؟

جواب: حضرت عبداللہ بن مبارک کے نزدیک ایصال ثواب کی قربانی کا گوشت خود نہیں کھا سکتا، سب صدقہ کردے لیکن آئمہ اربعہ کے نزدیک خود قربانی کرنے والا کھا سکتا ہے جیسے اپنی اور دیگر قربانیوں کا گوشت۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الأَضَاحِيِّ ۔۔۔۔ جس جانور کی قربانی جائز نہیں

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَفَعَهُ قَالَ لَا يُضَحَّى بِالْعَرْجَاءِ بَيِّنٍ ظَلَعُهَا وَلَا بِالْعَوْرَاءِ بَيِّنٍ عَوَرُهَا وَلَا بِالْمَرِيضَةِ بَيِّنٍ مَرَضُهَا وَلَا بِالْعَجْفَاءِ الَّتِي لَا تُنْقِي۔

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے مرفوع کرتے ہیں وہ اس روایت کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قربانی کی جائے لنگڑے جانور کی کہ ظاہر ہو لنگڑا پن اس کا اور نہ کانی کی کہ ظاہر ہو کانا پن اس کا اور نہ بیمار کی ظاہر ہو بیماری اس کی اور نہ اس قدر دُبلی کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں چار طرح کے عیب دار جانوروں کی قربانی سے منع کیا گیا ہے۔ (۱) العرجاء لفظ، بین صیغہ صفت ہے اور "ظلعها" اس کا فاعل ہے اور صیغہ صفت اپنے فاعل سے مل کر "العرجاء" کی صفت ہے۔ مراد وہ جانور ہے جس کا لنگڑا ہونا ظاہر ہو یعنی وہ چل کر قربان گاہ تک نہ جا سکے۔ (۲) "العوراء" اس کی بھی مذکورہ ترکیب ہے۔ مراد اس سے وہ جانور ہے جس کا کانا ہونا ظاہر ہو جبکہ یہ عیب ایک ثلث تک پہنچ جائے۔ اس کو معلوم کرنے کے طریقے ہدایہ میں مذکور ہیں۔ (۳) "المريضة" ایسا بیمار جانور جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو۔ اتنا بیمار ہو کہ خود چل کر قربان گاہ تک نہ جا سکے۔ (۴) "العجفاء" ایسا کمزور اور دُبلا جانور جس کی ہڈیوں میں گودا ختم ہو گیا ہو۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الأَضَاحِيِّ ۔۔۔۔ جس جانور کی قربانی مکروہ ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ

وَأَنْ لَا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حکم دیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خوب دیکھ لیں ہم آنکھ کو اور کان کو یعنی تا کہ اس میں کچھ نقص نہ ہو اور حکم دیا اس کا کہ قربانی نہ کریں ہم اس کی جس کا کان پیچھے سے کٹا ہو اور نہ شرقاء اور نہ خرقاء۔

تشریح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے کان اور آنکھ کو اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔ "نستشرف" کے معنی ہیں جھانکنا اور غور سے دیکھنا اور نہ ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے کان کا کنارہ سامنے سے کٹا ہوا ہو اور نہ ایسے جانور کی جس کا کان اوپر کی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ ایسے جانور کی جس کا کان چرا ہوا ہو اور نہ ایسے جانور کی جس کے کان میں سوراخ ہو، یعنی چھدا ہوا ہو۔ بشرطیکہ یہ عیب ایک تہائی عضو تک پھیلا ہوا ہو، اگر ایک تہائی سے کم ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ فِي الْأَضَاحِيِّ۔۔۔ چھ ماہ کی بھیڑ کی قربانی

عَنْ أَبِي كِبَاشٍ قَالَ جَلَبْتُ غَنَمًا جُذْعَانًا إِلَى الْمَدِينَةِ فَكَسَدَتْ عَلَيَّ فَلَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نِعْمَ الْأُضْحِيَةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ قَالَ فَانْتَهَبَهُ النَّاسُ.

ترجمہ حضرت ابی کباش سے روایت ہے کہا سوداگری کو لایا ڈنبے میں چھ چھ مہینے کے سو کھوٹے ہو گئے وہ یعنی نہ بکے سو ملاقات کی میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور پوچھا میں نے تو کہا انہوں نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کیا خوب ہے قربانی جذع کی بھیڑوں میں سے کہا راوی نے پھر جلدی جلدی خرید لے گئے ان کو لوگ راوی کو شک ہے کہ "نِعْمَ نِعْمَتِ الْأُضْحِيَةُ" فرمایا یا "نِعْمَتِ الْأُضْحِيَةُ" معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

تشریح "کسد" کے معنی ہیں لوگوں کی رغبت کا ختم ہو جانا۔ "ضان" کے معنی ہیں جس جانور کے جسم پر اون اور پشم ہو، اور "جذع" چھ ماہ کی عمر کے جانور کو کہتے ہیں۔ ابو کباش فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگ ان ڈنبوں کو لوٹ کر لے گئے۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نہیں سنائی تھی اس وقت تک کوئی شخص بھی اس کو خریدنے کے لیے نہیں آ رہا تھا لیکن جب انہوں نے یہ حدیث سنی کہ یہ قربانی کا اچھا جانور ہے تو لوگ جلدی سے آئے اور خرید کر لے گئے اور اتنی کثرت سے لوگ خریداری کے لیے آئے جیسے وہ لوٹ رہے ہوں۔

"جذع" چھ ماہ کے جانور کو کہا جاتا ہے۔ اسی حدیث کی بنیاد پر فقہاء فرماتے ہیں کہ ڈنبے اور بھیڑ میں جذع کی قربانی جائز ہے، بکرے میں جائز نہیں کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "من الضان" کی قید لگائی ہے۔ لہٰذا "معز" یعنی بکری میں

جائز نہیں۔ اس میں سال بھر کا ہونا ضروری ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى أَصْحَابِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ أَوْ جَدْيٌ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهِ أَنْتَ

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیں ان کو بکریاں کہ بانٹ دیں اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں قربانی کے لیے سو باقی رہ گئی اس میں سے ایک عتود یا، ایک جدی (یعنی سال یا سال سے کم کی) سو ذکر کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تم قربانی کردو۔

تشریح: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کچھ بکریاں دیں کہ میں ان کو آپ کے صحابہ میں تقسیم کردوں تاکہ وہ اس کی قربانی کرلیں، پھر تقسیم کے بعد ایک "عتود" یا ایک "جدی" باقی رہ گئی۔ عتود اور جدی بکری کے بچے کو کہتے ہیں۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا کہ سب تقسیم ہوگئیں، صرف ایک عتود یا جدی باقی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کی قربانی کرلو۔

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "عتود" یا "جدی" جو باقی رہ گئی تھی وہ "جذع" تھی یعنی چھ مہینے کی بکری تھی اور بکری کے اندر چھ ماہ کے جانور کی قربانی جائز نہیں ہوتی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمادیا کہ "ضح به انت" یعنی تمہاری خصوصیت ہے کہ میں اس وقت تمہیں اس کی قربانی کرنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک صحابی کو "جذع من الغنم" کی قربانی کرنے کی اجازت دی لیکن ساتھ یہ بھی تصریح فرمادی کہ "لا تجزی احدا بعدک" تمہارے بعد ایسے جانور کی قربانی دوسرے کیلئے جائز نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِشْتِرَاكِ فِي الْأُضْحِيَةِ ۔۔۔ قربانی میں شریک ہونے کے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيْرِ عَشَرَةً.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں اور آگئی عید قربان تو شریک ہوگئے گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ذبح کیا ہم نے قربانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔

تشریح: اختلافی مسئلہ، قول اوّل: امام اسحاق کے نزدیک قربانی میں ایک بقرہ سات آدمی کے لیے کافی ہے اور

اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قول ثانی: جمہور آئمہ کے نزدیک بقرہ کی طرح اونٹ میں بھی سات آدمی سے زائد شریک نہیں ہو سکتے۔امام اسحاق دلیل پیش کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ”قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ“ (رواہ الترمذی)

جمہور کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے جس میں بقرہ اور اونٹ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے اور ایسی بہت احادیث ہیں۔

امام اسحاق کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اونٹ کے بارے میں احادیث متعارض ہیں۔ بعض میں سات کا ذکر ہے اور بعض میں دس کا تو احتیاط یہی ہے کہ صرف سات شریک ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بعض حضرات نے موقوف کہا۔ لہٰذا مرفوع کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہے۔

تیسرا جواب: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اضحیہ واجبہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صرف ثواب حاصل کرنا مراد ہے یا صرف گوشت کھانے کے لیے کہا گیا تھا یا صاف کہہ دیا جائے کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہو گئی۔

”اعضب“ اسے کہتے ہیں جس کا سینگ بالکل اکھڑا ہوا ہو۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اوپر سے ٹوٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے لیکن اگر کسی نے سینگ جڑ سے اکھاڑ دیا ہے تو جڑ سے اکھاڑنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کا دماغ بھی خراب ہو گیا ہوگا۔ اس صورت میں اس کی قربانی درست نہیں۔

بَابُ فِي الضَّحِيَّةِ بِعَضْبَاءِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ قُلْتُ فَإِنْ وَلَدَتْ قَالَ اذْبَحْ وَلَدَهَا مَعَهَا قُلْتُ فَالْعَرْجَاءُ قَالَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَنْسَكَ قُلْتُ فَمَكْسُورَةُ الْقَرْنِ قَالَ لَا بَأْسَ أُمِرْنَا أَوْ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَيْنِ وَالْأُذُنَيْنِ.

ترجمہ: حضرت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے کافی ہے سات آدمیوں کی طرف سے کہا حجیہ نے کہا میں نے اگر وہ بچہ جنے بعد اس کے قربانی کے لیے اس کو خریدا یا مقرر کیا تو فرمایا ذبح کر اس بچے کو بھی ساتھ اس کے کہا میں نے اور عرجاء یعنی لنگڑی فرمایا درست ہے اگر پہنچ سکے قربانی کی جگہ تک کہا میں نے سینگ ٹوٹے ہوئے؟ کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مضائقہ نہیں اس میں حکم کیے گئے ہم یا حکم کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خوب دیکھ لیں ہم دونوں آنکھوں کو یعنی کانی اور اندھی نہ ہو اور خوب دیکھ لیں کانوں کو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُضَحَّى بِأَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ قَالَ قَتَادَةُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ فَقَالَ الْعَضْبُ مَا بَلَغَ النِّصْفَ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے کہ قربانی کرے سینگ ٹوٹے اور کان کٹے کی قتادہ نے ذکر کیا میں نے اس کا سعید بن مسیب سے تو کہا انہوں نے ٹوٹا وہی مانع ہے جو آدھے سینگ تک پہنچے یا اس سے زیادہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ تُجْزِي عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ

ایک بکری ایک گھر کے لیے کافی ہے

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ يَقُولُ سَأَلْتُ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ حَتَّى تَبَاهَى النَّاسُ فَصَارَتْ كَمَا تَرَى.

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ کہتے تھے پوچھا میں نے ابو ایوب سے کیونکر ہوتی تھیں قربانیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو کہا انہوں نے ایک آدمی قربانی کرتا تھا ایک بکری اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے سو آپ بھی کھاتے تھے اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے یہاں تک کہ فخر کرنے لگے سو ہو گئی جیسے تو دیکھتا ہے یعنی بہت جانور قربانی کرنے لگے۔

مسئلہ اختلافی: کیا ایک بکری پورے گھر کی طرف سے کافی ہو گی؟

تشریح: قول اوّل: اس حدیث کی وجہ سے امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بکری ایک انسان کے پورے اہل بیت کی طرف سے کافی ہے۔ حتیٰ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک گھر میں کئی افراد صاحب نصاب ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی طرف سے قربانی کی ضرورت نہیں بلکہ اگر ایک بکری کی قربانی کر دی جائے تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ سب آپس میں رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور "ایک گھر" کی تعریف مالکیہ کی کتابوں میں اس طرح کی ہے کہ "یغلق علیھم باب" یعنی ایک ہی دروازہ سب پر بند ہو جاتا ہو۔ ان حضرات کا استدلال حدیث باب سے ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک:

قول ثانی: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب کے ذمہ الگ الگ قربانی واجب ہے۔ ایک بکری سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہو سکتی۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ "قربانی" ایک عبادت ہے اور عبادت ہر ایک انسان پر

الگ الگ فرض ہوتی ہے۔ عبادت میں ایک آدمی دوسرے کی طرف سے قائم مقامی نہیں کرسکتا جس طرح زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر الگ الگ فرض ہے، اسی طرح قربانی بھی ہر ایک پر الگ الگ واجب ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی قربانی الگ فرماتے تھے اور ازواجِ مطہرات کی طرف سے الگ قربانی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک قربانی سب کی طرف سے کافی نہیں۔ اس کے علاوہ حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک قربانی گھر کے سارے افراد کی طرف سے کافی ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر ایک گھر میں پچاس آدمی رہتے ہیں تو ایک بکری پچاس افراد کی طرف سے کافی ہوجائے گی حالانکہ نصوص کی روشنی میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ایک بکری گائے کے ساتویں حصے کے برابر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر گائے کا ساتواں حصہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوجائے تو پھر ایک گائے کے اندر صرف سات افراد نہیں بلکہ سات سو افراد کی قربانی ہوسکے گی جو واضح طور پر نصوص کے خلاف ہے۔

اس لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث باب کو ثواب میں شرکت پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی ایک شخص اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اور اس کے ثواب میں اپنے سارے اہل بیت کو شریک کرلے تو یہ جائز ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مینڈھا اپنی طرف سے قربان فرمایا اور دوسرا مینڈھا قربان کرکے فرمایا:

"هذا عن من لم يضح من أمتي"

یعنی میری اُمت میں سے جو جو لوگ قربانی نہ کرسکیں ان کی طرف سے قربانی کررہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی طرف سے ایک مینڈھا قربان فرمادیا۔ اس لیے اب اُمت کی طرف سے قربانی ساقط ہوگئی بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کے ثواب میں ساری اُمت کو شریک کرتا ہوں۔ یہی مراد حدیث باب میں ہے کہ بعض اوقات ایک گھر کے اندر ایک ہی شخص کے ذمہ قربانی واجب ہوتی، باقی لوگ چونکہ صاحب نصاب نہ ہوتے، اس لیے ان کے ذمہ قربانی واجب نہ ہوتی لیکن قربانی کرنے والا اپنے گھر کے تمام افراد کو اس قربانی کے ثواب میں شریک کرلیتا تھا۔ حدیث باب میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ وہ شخص ثواب میں اپنے اہل بیت کو شامل کرتا تھا یہاں تک کہ لوگوں نے مفاخرت کے طور پر ان افراد کی طرف سے بھی قربانی شروع کردی جن کے ذمہ قربانی واجب نہیں تھی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس پر نکیر فرمارہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس طرح مفاخرت کے طور پر قربانی کرنے کا رواج نہیں تھا جیسے آج رائج ہے۔ یہ مراد نہیں کہ جب ایک آدمی اپنی طرف سے قربانی کرے تو سب کی طرف سے واجب قربانی ساقط ہوجاتی ہے۔

باب بلا ترجمہ۔۔۔۔ بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الأُضْحِيَةَ سُنَّةٌ

عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الأُضْحِيَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ فَقَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالمُسْلِمُونَ، فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ فَقَالَ أَتَعْقِلُ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ.

ترجمہ حضرت جبلہ بن سحیم سے روایت ہے کہ ایک مرد نے پوچھا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حال قربانی کا کہ واجب ہے یا نہیں؟ تو کہا انہوں نے قربانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے، پھر پوچھا اس نے دوبارہ تو کہا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو سمجھتا نہیں قربانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قربانی کی مسلمانوں نے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي كُلَّ سَنَةٍ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہا انہوں نے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال قربانی کرتے تھے یعنی ہر سال۔

تشریح مطلب آپ کا یہ تھا کہ تم اس بحث میں مت پڑو کہ اصطلاحاً قربانی واجب ہے یا سنت ہے یا فرض ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قربانی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی قربانی کی ہے لہٰذا تمہیں بھی کرنی چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک طرح سے واجب ہونے کی علامت بتادی کہ مکہ میں کھانے پینے کا انتظام نہیں ہوتا تھا، اس لیے حج کے موقع پر قربانی مشروع کی گئی تھی تاکہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام ہو جائے۔ لہٰذا دوسرے لوگ جو مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں مقیم اور آباد ہوں ان پر واجب نہیں اور منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں ایسا بے عقلی کا حکم نہیں ہوسکتا کہ کروڑوں روپے کی دولت خون کی شکل میں نالیوں میں بہادی جائے کیوں کہ ایک دن میں ہزارہا جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔

سوال: قربانی کا مقصد کیا ہے؟

جواب: جب انسان کے دماغ پر ہر وقت مادے اور پیسے کا غلبہ ہو تو وہ ایسی ہی بے تکی باتیں کیا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی کا تو مقصود ہی یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجانے کے بعد وہ اس میں مادی منافع تلاش نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا جو حکم دیا، اس کو عقل کی کس میزان میں تولا جائے کہ کوئی باپ اپنے معصوم بیٹے کو ذبح کرے۔ یہ بات عقل میں تو نہیں آتی لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس حکم کو تسلیم کیا اور اسی تسلیم کو قرآن کریم نے فرمایا: "فلما اسلما وتله للجبین"

تو اسلام اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس حکم کے آگے جھکادے، چاہے وہ عقل میں آئے یا نہ آئے اور جب تک انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا انسان، انسان نہیں بنتا بلکہ وہ جانور اور درندہ رہتا ہے جیسے آج کل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ دل میں نہیں ہے، اس جذبے کو پیدا کرنے کے لیے قربانی مشروع کی گئی ہے۔ اب اگر کوئی شخص قربانی کرنے میں حساب کتاب لگانا شروع کردے اور معاشی فوائد تلاش کرنا شروع کردے اور مادی منفعت تلاش

کرنا شروع کردے تو یہ قربانی کے اصل فلسفے ہی سے جہالت اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بالمدینة عشر سنین یضحی"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور ہر سال آپ نے قربانی کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ... نماز کے بعد قربانی کرنا

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ لَا يَذْبَحَنَّ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُصَلِّيَ، قَالَ فَقَامَ خَالِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا يَوْمُ اللَّحْمِ فِيهِ مَكْرُوهٌ وَإِنِّي عَجَّلْتُ نُسُكِي لِأُطْعِمَ أَهْلِي وَأَهْلَ دَارِي أَوْ جِيرَانِي قَالَ فَأَعِدْ ذِبْحَكَ بِآخَرَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدِي عَنَاقُ لَبَنٍ وَهِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ أَفَأَذْبَحُهَا قَالَ نَعَمْ وَهِيَ خَيْرُ نَسِيكَتَيْكَ وَلَا تُجْزِئُ جَذَعَةٌ بَعْدَكَ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ خطبہ پڑھا ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن سو فرمایا ہرگز نہ کرے ذبح کوئی تم میں سے جب تک عید کی نماز نہ پڑھ لے کہا براء نے کھڑے ہوگئے ماموں میرے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ ایسا دن ہے کہ گوشت سے اس دن نفرت ہوتی ہے یعنی بسبب کثرت کے تو اسی لیے جلدی ذبح کی میں نے قربانی اپنی کہ کھلاؤں اپنے گھر والوں کو اور اپنے محلہ کے لوگوں کو یا اپنے ہمسائے کے لوگوں کو سو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوبارہ ذبح کرو دوسری قربانی سو کہا میرے ماموں نے یا رسول اللہ! میرے پاس ایک بکری ہے ایک سال سے کم کی دودھ دیتی ہوئی کہ بہتر ہے میرے نزدیک گوشت کھانے کی دو بکریوں سے کیا اس کو ذبح کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ تو تمہاری قربانیوں سے بہتر ہے اور نہیں درست ہے جذعہ قربانی میں کسی کو بعد تیرے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ اس دن اتنے جانور ذبح ہوتے ہیں کہ لوگ گوشت کو دیکھ دیکھ کر اس سے اُکتا جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گوشت سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں سب سے پہلے قربانی کرلوں تا کہ جب میں کسی کے پاس گوشت بھیجوں تو وہ اس کو خوشی کے ساتھ لے لے اور نفرت پیدا ہونے سے پہلے اس کو گوشت مل جائے۔ اس غرض سے میں نے نماز سے پہلے ہی قربانی کرلی تا کہ میں اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو کھلاؤں۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس حدیث میں لفظ "اللحم" بفتح الحاء ہے جس کے معنی ہیں "حرص" یعنی یہ دن ایسا ہے کہ اس میں حرص کرنا مکروہ ہے کہ آدمی اس حرص اور لالچ میں رہے کہ دوسرا آدمی میرے پاس گوشت بھیجے گا تو میں اس کو پکا کر کھاؤں گا، یہ بات پسندیدہ نہیں ہے اس لیے میں نے جلدی نماز سے پہلے ہی قربانی کرلی تا کہ میرے بچوں کے دل میں حرص اور لالچ پیدا نہ ہو، اس سے پہلے ہی ان کو گوشت مل جائے۔

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی قربانی دوبارہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس ایک بکری ہے جو دودھ دینے والی ہے اور سال سے کم ہے۔ البتہ وہ بکری گوشت والی دو بکریوں سے بھی بہتر ہے۔ یعنی عام طور پر دودھ دینے والی بکری کمزور ہوتی ہے اور اس کا گوشت اچھا نہیں ہوتا لیکن میری یہ بکری بہت موٹی تازی ہے، کیا میں اس کو ذبح کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ذبح کرلو، یہ تمہاری اچھی قربانی ہو جائے گی لیکن تمہارے بعد کسی کے لیے "جذع" کی قربانی جائز نہیں ہوگی، یعنی کسی اور کے لیے آئندہ یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ ایک سال سے چھوٹی بکری کی قربانی کرے۔

چونکہ وہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا۔ احکام سے ناواقفیت تھی اور ایک جانور ناواقفی کی وجہ سے ذبح کر ہی چکے تھے، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خصوصیت کے طور پر ان کو جذع کی قربانی کرنے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ میں صراحت فرمادی کہ آئندہ تمہارے بعد کسی اور کے لیے جذع کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

قربانی کا وقت: فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر شہر میں ایک جگہ پر بھی عید کی نماز ہوگئی تو اب قربانی کا وقت شروع ہو گیا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک جگہ نماز عید پڑھی، اس شخص کے لیے اس جگہ پر اپنی طرف سے قربانی کرنا اور دوسرے لوگوں کی طرف سے جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی قربانی کرنا جائز ہے۔ چاہے دوسری جگہوں پر ابھی نماز نہ ہوئی ہو۔ لیکن اگر ایک شہر میں نماز ہو جائے تو دوسرے شہر میں قربانی کرنا جائز نہیں جس میں ابھی نماز نہ ہوئی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْأُضْحِيَةِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانا مکروہ ہے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ مِنْ لَحْمِ أُضْحِيَتِهِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ کھائے کوئی تم میں سے گوشت اپنی قربانی کا تین دن سے زیادہ۔

تشریح مسئلہ اختلافی: قربانی کے کتنے دن ہیں؟

قول اوّل: علامہ ابن سیرین اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک قربانی کا صرف ایک دن ہے وہ دس ذی الحجہ۔

قول ثانی: امام شافعی اور حسن بصری رحمہما اللہ کے نزدیک چار دن ہیں۔ یوم النحر وایام تشریق کے تین دن۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہ اور مالک واحمد رحمہم اللہ کے نزدیک تین دن ہیں۔

ابن سیرین وغیرہ کی دلیل بخاری شریف کی مشہور حدیث ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے آخر میں الفاظ ہیں: "الیس یوم النحر قلنا بلی" تو یہاں النحر میں الف لام جنسی ہے اور یوم کی اس کی طرف اضافت کی گئی تو جنس نحر منحصر ہے اسی دن میں تو قربانی کا ایک ہی دن ہوا۔

امام شافعی وغیرہ کی پہلی دلیل: جبیر بن مطعم کی حدیث ہے "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی کل ایام التشریق ذبح" رواہ ابن حبان، اور ایام تشریق یوم نحر کے بعد تین دن ہیں۔ لہٰذا مجموعہ چار دن ہوئے۔

دوسری دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث "قال الاضحی ثلاثۃ ایام بعد ایام النحر، رواہ البیھقی"

تیسری دلیل: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال ایام التشریق کلھا ذبح رواہ ابن عدی فی الکامل"

امام ابوحنیفہ، مالک، احمد رحمہم اللہ استدلال کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے "قال ایام النحر ثلاثۃ ایام افضلھن" دوسرا استدلال حضرت ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے۔ "قال النحر ثلاثۃ ایام اولھا افضلھا" اور بہت سے آثار صحابہ ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوا کہ قربانی کے ایام تین دن ہیں۔

ابن سیرین کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہاں جنس کمال بیان کرنے کے لیے ہے۔ جیسا کہ "المسلم من سلم المسلمون، المال الابل وغیرھا من الامثلۃ" تو مطلب یہ ہوا کہ دسویں تاریخ نحر کامل کا دن ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کی دلیل حدیث جبیر بن مطعم کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث منقطع ہے "کما قال البزار" اسی طرح کامل بن عدی کی حدیث کے بارے میں ابن ابی حاتم نے موضوع تک کہہ دیا اور ضعیف تو ضرور ہے۔

تیسری دلیل: جو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سند جید کے ساتھ طحاوی شریف میں حدیث موجود ہے۔ "انہ قال الاضحی یومان بعد یوم النحر" لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِهَا بَعْدَ ثَلَاثٍ

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ لِيَتَّسِعَ ذُو الطَّوْلِ عَلَى مَنْ لَا طَوْلَ لَهُ فَكُلُوا مَا بَدَا لَكُمْ وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا

ترجمہ حضرت سلیمان بن بریدہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو منع کرتا تھا قربانیوں کے گوشت سے کہ تین دن سے زیادہ گوشت نہ رکھو اس لیے کہ کشادگی کریں طاقت والے لوگ بے طاقت والوں پر۔ سو اب کھاؤ تم جس طرح چاہو تم اور کھلاؤ اور جمع کرو۔

عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قُلْتُ لِأُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ قَالَتْ لَا وَلَكِنْ قَلَّ مَنْ كَانَ يُضَحِّي مِنَ النَّاسِ فَأَحَبَّ أَنْ يُطْعِمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي وَلَقَدْ كُنَّا نَرْفَعُ الْكُرَاعَ فَنَأْكُلُهُ بَعْدَ عَشَرَةِ أَيَّامٍ.

ترجمہ حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ عرض کیا میں نے اُم المؤمنین سے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع کرتے تھے قربانیوں کے گوشت کھانے سے؟ تو فرمایا انہوں نے نہیں مگر اتنا تھا کہ قربانی کرنے والے لوگ کم تھے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو بھی کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی اور ہم اُٹھا رکھتے تھے ایک وسعت کو سو کھاتے تھے اس کو دس دن کے بعد۔

تشریح تین روز کے بعد آپ نے قربانی کا گوشت کھانے سے جو منع فرمایا یہ نہی شرعی تھی ہی نہیں بلکہ نہی انتظامی تھی اور ایک ''اولی الامر'' کی حیثیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہی فرمائی تھی۔ چنانچہ ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ روایت میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ کے پاس ایک قافلہ آکر ٹھہر گیا تھا اور وہ قافلہ غریب الوطن تھا، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا، اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم لوگ قربانی کے گوشت کا ذخیرہ مت کرو۔ یہ حکم اس لیے دیا تا کہ اپنی قربانی کا بچا ہوا گوشت قافلہ والوں کو جا کر دیں۔ بعد میں جب یہ عارض ختم ہو گیا تو وہی اصل حکم واپس آ گیا اور وہ یہ کہ گوشت کا ذخیرہ کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ اسی باب کی اگلی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گوشت ذخیرہ کرنا منقول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الفَرَعِ وَالعَتِيرَةِ ـــ فرع اور عتیرہ کے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ وَالفَرَعُ أَوَّلُ النِّتَاجِ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ فَيَذْبَحُونَهُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ فرع ہے نہ عتیرہ ہے یعنی اسلام میں اور فرع وہ پہلا بچہ ہے جانور کا کہ پیدا ہوتا تھا کافروں کے یہاں اور وہ اپنے بتوں کے لیے اس کو ذبح کرتے تھے۔

تشریح فرع کہا جاتا ہے جانور کے سب سے پہلے بچہ کو جس کو اپنے بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور بعض نے کہا اس کو ذبح کر کے غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے تا کہ اس سے جانور میں برکت ہو اور وہ کثیر النسل ہو اور بعض کہتے ہیں کہ جب کوئی اونٹنی ایک سو بچے جنتی ہے اس کے بعد جو بچہ جنتی ہے اس کو مشرکین ذبح کر دیتے تھے اسی کو فرع کہا جاتا ہے اور عتیرۃ اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کو ماہ رجب میں ذبح کرتے تھے کیوں کہ اشہر حرم میں یہ سب سے پہلے مہینہ ہے اس لیے اس کی تعظیم کے لیے ایسا کرتے تھے۔ پھر ابتدائے اسلام میں مسلمان اللہ کے نام پر یہ دونوں کرتے تھے۔

مسئلہ اختلافی: اب علماء میں اختلاف ہوا کہ اب تک یہ حکم باقی رہا یا نہیں۔

قول اوّل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب بھی یہ دونوں مستحب ہیں۔

قولِ ثانی: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے جمہور آئمہ فرماتے ہیں کہ فرع وعتیرہ کا حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں: "ان جماهير العلماء على انه منسوخ وبه جزم الحازمی"

شوافع حضرات استدلال پیش کرتے ہیں کہ بعض احادیث سے ان کے وجوب کا حکم معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مخنف بن سلیم کی حدیث ہے۔ "يايها الناس على كل اهل بيت في كل عام اضحية وعتيرة" اور بعض سے صرف اجازت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ حارث بن عمرو باہلی کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من شاء عتر ومن شاء لم يعتر ومن شاء فرع ومن شاء لم يفرع" اور بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ "لا فرع ولا عتيرة" لہٰذا سب کو ملا کر ہم نے مستحب کہا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور آئمہ رحمہم اللہ کی دلیل ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا فرع ولا عتيرة" اور اجازت وامر پہلے ہوتا ہے اور ممانعت بعد میں ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث تمام کے لیے ناسخ قرار دی جائے گی۔

البتہ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا اس میں آپ نے فرمایا: "على كل اهل بيت كل عام اضحية وعتيرة" یعنی ہر اہل بیت پر ہر سال دو قربانیاں واجب ہیں۔ ایک اضحیۃ اور ایک عتیرۃ۔ اس موقع پر آپ نے ہر سال عتیرۃ کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔ اس اشکال کے جواب میں جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ "لا عتيرة" والی حدیث حجۃ الوداع کے خطبے سے بھی متاخر ہے اور اس حدیث کے ذریعہ اس کی مشروعیت منسوخ ہو گئی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی عتیرۃ پر عمل کرنا ثابت نہیں۔ اگر آپ نے اس کی مشروعیت کو برقرار رکھا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی نہ کبھی ضرور اس پر عمل فرماتے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس پر عمل کرنا منقول نہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس کی مشروعیت ختم ہو گئی اور "لا عتيرة" والی حدیث اس کی ناسخ ہے۔

اور تابعین میں سے سوائے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے کسی سے بھی اس پر عمل کرنا منقول نہیں ہے۔ البتہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ عتیرۃ کیا کرتے تھے اور اس کو جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض فقہاء نے یہ کہہ دیا کہ اگرچہ عتیرۃ مسنون تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی کرے تو جائز ہے اور "لا عتيرة" کا مطلب یہ ہے کہ واجب نہیں ہے اس سے جواز کی نفی کرنا مقصود نہیں لیکن جمہور فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ عتیرۃ اب مشروع ہی نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي العَقِيقَةِ ۔۔۔۔۔ عقیقہ کے متعلق

لفظ "عقیقہ" ماخوذ ہے "عق" سے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں اور عقیقہ تو مولود بچہ کے وہ بال ہیں جو ساتویں دن حلق کیے جاتے ہیں۔ پھر اس جانور کو بھی کہا جاتا ہے جو بال کاٹنے کے دن ذبح کیا جاتا ہے۔

قولِ اوّل: پھر امام احمد رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق عقیقہ واجب ہے اور اہل ظواہر کا بھی یہی مذہب ہے۔

قول ثانی: جمہور کے نزدیک سنت ہے۔

اہل ظواہر وامام احمد رحمہ اللہ دلیل پیش کرتے ہیں سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ اس میں امر کا صیغہ "فاهر قوا عنه" آیا ہے جو وجوب پر دال ہے۔ جمہور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اکثر احادیث سنیت پر دال ہیں اور امر ہر جگہ میں وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ پھر اس کی سنیت ساتویں دن سے اکیس دن تک رہتی ہے اس کے بعد سنیت ختم ہوجاتی ہے۔ "كما روى عن ابن عباس و ابن جبير رضي الله عنهما رواه السرخسي و اورده قاضي خان" اور چونکہ لفظ عقیقہ میں عقوق والدین کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ برے نام کو بدل کر اچھا نام رکھتے تھے، بنا بریں اس کو بجائے "عقیقہ" کے "نسکیہ" یا "ذبیحہ" کہتے تھے اور عقیقہ کو مکروہ سمجھتے تھے اور جن احادیث میں عقیقہ آیا وہ کراہت سے پہلی کی ہیں۔

عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ أَنَّهُمْ دَخَلُوا عَلَى حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَسَأَلُوهَا عَنِ العَقِيقَةِ فَأَخْبَرَتْهُمْ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ عَنِ الغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الجَارِيَةِ شَاةٌ.

ترجمہ حضرت یوسف بن ماہک سے روایت ہے کہ وہ آئے حفصہ عبدالرحمن کی بیٹی کے پاس اور پوچھا ان سے مسئلہ عقیقہ کا تو خبر دی انہوں نے کہ خبر دی ان کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریوں کا کہ سن میں برابر ہوں اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری کا۔

تشریح لفظ "ماهک" پر کوئی اعراب نہیں پڑھتے، اس میں "ک" تصغیر کے لیے ہے اور یہ فارسی لفظ ہے اور فارسی میں جب کسی لفظ کی تصغیر بنانی ہوتی ہے تو یا تو آخر میں لفظ "کاف" لگا دیتے ہیں جیسے "مردک" یا لفظ "چہ" لگا دیتے ہیں۔ جیسے "کتابچہ" چھوٹی کتاب۔ اسی طرح "ماهک"...... "ماہ" کی تصغیر ہے اور "ماہ" فارسی میں چاند کو کہتے ہیں۔ "ماهک" کے معنی ہو گئے چھوٹا چاند۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ماہک جب پیدا ہوئے تو بہت خوبصورت تھے، اس لیے ان کے والد نے محبت کے طور پر ان کا نام "ماهک" رکھ دیا تھا۔ اس وجہ سے اس لفظ پر کوئی اعراب نہیں آئے گا بلکہ ساکن رہے گا لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ عربی کلام میں مستعمل ہونے کی وجہ سے اب معرب ہو گیا تو اس صورت میں اس کو غیر منصرف پڑھیں گے کیوں کہ اس میں منع صرف کے دو اسباب موجود ہیں، ایک عجمہ اور ایک معرفہ۔

جیسے امام ابن ماجہ کا صحیح نام "ابن ماجہ" ہے۔ ابن ماجۃ غلط ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ "ابن ماجہ" کے آخر میں جو "ہ" ہے وہ تائے مدورۃ ہے حالانکہ وہ تائے مدورۃ نہیں بلکہ وہ ھائے وقفہ ہے۔ لہٰذا "ابن ماجہ" پر تا کے دو نقطے لکھنا غلط ہے اور "ابن ماجۃ" پڑھنا غلط ہے۔

عقیقہ کرنا سنت ہے: حضرت یوسف بن ماہک فرماتے ہیں کہ وہ لوگ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن کے پاس گئے اور ان سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو یہ حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔

"قولہ مکافئتان" کے لفظی معنی ہیں "مساویتان"۔ مراد یہ ہے کہ اس جانور میں بھی وہی صفات ملحوظ ہونی چاہئیں جو قربانی کے جانور میں ملحوظ ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پورے ایک سال کی ہوں اور ان میں اس قسم کا کوئی عیب نہ ہو جو قربانی کے لیے مانع ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ انہوں نے عقیقہ کی مشروعیت اور اس کی سنت کا انکار کیا ہے، یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی عقیقہ کرنا سنت ہے۔

عَنْ اُمِّ کُرْزٍ اَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ وَاحِدَةٌ لَا يَضُرُّ كُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَمْ اِنَاثًا.

ترجمہ حضرت اُم کرز سے روایت ہے کہ پوچھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم عقیقہ کا تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کچھ نقصان نہیں ہے تم کو نر ہو یا مادہ۔

دوسری حدیث: "ام کرز اخبرته انها سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن العقيقة فقال: عن الغلام شاتان وعن الجارية واحدة لا يضر كم ذكرانا كن ام اناثا"

عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ الضَّبِّيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَاَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى.

ترجمہ حضرت سلیمان بن عامر ضبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے تو بہاؤ اس کی طرف سے خون یعنی جانور ذبح کرو اور دور کرو اس سے تکلیف کی چیزوں کو یعنی بال مونڈو، ناخن کترو۔

بَابُ الأَذَانِ فِي أُذُنِ الْمَوْلُودِ۔۔۔۔ بچہ کے کان میں اذان دینا

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ فِي أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلَاةِ.

ترجمہ حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا انہوں نے دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ اذان دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی کے کان میں جب جنیں ان کو فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسے اذان ہوتی ہے نماز کی۔

تشریح جو بچہ پیدا ہو، اس کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے "عمل الیوم واللیلۃ" میں ابن السنی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اذان سے اُم الصبیان کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اذان اذان الصلوٰۃ ہے اور صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ جنازہ ہے جو اس کے مرنے کے بعد ادا کی جائے گی۔

باب بلاترجمہ

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الأُضْحِيَةِ الكَبْشُ وَخَيْرُ الكَفَنِ الحُلَّةُ

ترجمہ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر قربانی کے جانوروں میں مینڈھا ہے اور بہتر سب کفنوں میں حلہ ہے یعنی ایک ازار اور ایک چادر قمیص کے سوا۔

تشریح الحاصل بہترین قربانی مینڈھے کی قربانی ہے اور بہترین کفن حلہ ہے یعنی جس میں تین کپڑے ہوں، ازار، قمیص، لفافہ۔

باب بلاترجمہ

عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ كُنَّا وُقُوفًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَاتٍ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَةٌ وَعَتِيرَةٌ هَلْ تَدْرُونَ مَا العَتِيرَةُ هِيَ الَّتِي تُسَمُّونَهَا الرَّجَبِيَّةَ.

ترجمہ حضرت مخف بن سلیم سے کہ ہم کھڑے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں اور سنا میں نے کہ فرماتے تھے اے آدمیو! ہر گھر والے پر سال میں قربانی ہے اور عتیرہ ہے۔ تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہ ہے جس کا نام تم رجبیہ رکھتے ہو۔

تشریح عتیرہ کے متعلق بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ العَقِيقَةِ بِشَاةٍ

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ احْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً. قَالَ فَوَزَنْتُهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ

ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کیا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بکری کا، فرمایا اے فاطمہ! مونڈواؤ اس کا سر اور صدقہ دو اس کے بالوں کے برابر چاندی تول کر سو تولا انہوں نے بالوں کو سو اس کا وزن ہوا ایک درہم کے برابر یا کچھ اس سے کم۔

تشریح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض سے ایک بکری معلوم ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ روایت ہے اور ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ایک بکری کا عقیقہ موجود ہے لیکن نسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ دو مینڈھے کے ذریعہ عقیقہ دیا۔ "فتعارضا" تو اس کی مختلف وجہ تطبیق بیان کی گئیں۔

بعض نے کہا کہ ایک والی روایت بیان جواز پر محمول ہے اور دو والی روایت افضلیت واستحباب پر محمول ہے کیونکہ لڑکے کے لیے دو بکری دینا سنت ہے اور لڑکی کے لیے ایک۔ بعض نے یہ کہا دو دن میں دو ذبح کیں ایک یوم ولادت میں اور ایک ساتویں دن میں تو بعض روایت میں مجموعہ کو بیان کیا اور بعض روایت میں ہر دن کے لیے الگ الگ بیان کیا۔ "فلاتعارضا" یا ایک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ذبح کی اور دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ یا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کرنے کے لیے دی۔ لہٰذا ایک والی اور دو والی روایت دونوں صحیح ہیں یہ تو ہوئی وجہ تطبیق اور بعض نے ترجیح سے کام لیا کہ دو والی روایات صحیح اور کثیر ہیں۔ لہٰذا ان کی ترجیح ہوگی اور یا یہ کہا جائے کہ دو والی روایت قولی ہے اور ایک والی فعلی ہے۔ "والترجیح للقولی"

باب بلا ترجمہ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِكَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا پھر اُترے اور منگائے دو مینڈھے پھر ذبح کیا ان کو یعنی عید قربان میں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَضْحٰى بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهُ نَزَلَ عَنْ مِنْبَرِهِ فَأُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حاضر ہوا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید قربان کے دن عیدگاہ میں پھر جب پورا کر چکے شعبہ اُترے اپنے منبر سے اور لایا گیا ایک دُنبہ تو ذبح کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اور فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر سے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ ذبح کرتا ہوں میں اس کو ساتھ نام اللہ کے اور اللہ بہت بڑائی والا ہے یہ قربانی ہے میری طرف سے اور اس کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی میری اُمت سے۔

تشریح: اس کی تشریح ماقبل کے باب میں گزر چکی ہے۔

بَابٌ مِنَ الْعَقِيقَةِ ۔۔۔۔ باب بلا ترجمہ

عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ.

ترجمہ: حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکا رہن ہے اپنے عقیقہ کے ساتھ

چاہیے کہ ذبح کیا جائے جانور عقیقہ کا اس کی طرف سے ساتویں دن اور نام رکھا جائے اور سر اُس کا مونڈا جائے۔

تشریح "مرتھن" بمعنی "رہین" کے ہے اور وہ اسم مفعول کے معنی پر ہے یعنی بچہ محبوس اور مقید رہتا ہے عقیقہ کے ساتھ۔ چنانچہ ابوداؤد و نسائی کی روایت میں "رھینة" کا لفظ آیا ہے اور تا مبالغہ کے لیے ہے یا بتاویل نفس تا تانیث کے لیے لایا گیا۔ کما قال علامہ تورپشتی، امام احمد رحمہما اللہ حدیث کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ اگر بچہ کا عقیقہ نہ کیا گیا اور وہ حالت صغر میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی سفارش نہیں کرے گا تو سفارش کرنا والدین کے عقیقہ کرنے پر موقوف و مقید ہے اس لیے "رھنة و مرتھن" کہا گیا اور بعض یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ بچہ کی صحت و سلامتی والدین کے عقیقہ کرنے پر محبوس و مقید ہے اور ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بچہ پلیدگی و گندگی کے ساتھ مقید رہتا ہے جب تک ساتویں دن عقیقہ کر کے حلق راس نہ کرلے۔ لہٰذا اب یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ بچہ غیر مکلف ہے، وہ ایک عقیقہ کی وجہ سے محبوس و مقید ہوگا۔

بَابُ تَرْكِ أَخْذِ الشَّعْرِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ۔۔۔۔ باب بلا ترجمہ

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ.

ترجمہ حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دیکھا چاند ذی الحجہ کا اور ارادہ رکھتا ہے قربانی کرنے کا تو نہ مونڈے اپنے بال اور نہ کاٹے اپنے ناخن یعنی جب تک قربانی نہ کرے۔

تشریح بال اور ناخن نہ کاٹنے کا مسئلہ

حنفیہ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور بعض اہل ظاہر اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو وجوب پر محمول کرتے ہیں اور بعض حضرات اس حکم کو محض اباحت پر محمول کرتے ہیں، ان کے نزدیک یہ نہ واجب ہے نہ سنت اور نہ مستحب۔ حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالحجاج ہو جائے کیوں کہ اس زمانے میں حجاج نہ ناخن کاٹتے ہیں اور نہ بال کاٹتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ حج پر نہیں گئے وہ کم از کم اپنی صورت ہی حجاج جیسی بنالیں اور اپنے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔ اس لیے کہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ حجاج کو جن برکات سے نوازیں گے، اس مشابہت کی وجہ سے ان برکات کا کوئی حصہ ان کو بھی عطا فرمادیں۔

حدیث باب سے آئمہ ثلاثہ کا استدلال اور اس کا جواب:

آئمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے قربانی کے واجب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور اس کا قربانی کا ارادہ ہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی ارادے پر موقوف ہے۔ اگر قربانی واجب ہوتی تو پھر ارادے کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا تعلق ہوتا، وہ تو واجب ہی ہوگی۔ حنفیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث قربانی کے وجوب کی نفی نہیں کرتی، اس لیے کہ بعض اوقات آدمی پر قربانی واجب نہیں ہوتی لیکن وہ

قربانی کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے۔ ان افراد کو داخل کرنے کے لیے آپ نے ''ارادہ'' کا لفظ استعمال فرمایا لیکن اس سے صاحب حیثیت لوگوں پر قربانی کے واجب ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال اور اس کا جواب:

وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْعَثُ بِالْهَدْيِ مِنَ الْمَدِينَةِ فَلَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُ مِنْهُ الْمُحْرِمُ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات جو یہ فرماتے ہیں کہ بال اور ناخن نہ کاٹنا مستحب بھی نہیں ہے، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے ہدی کو بھیجتے تھے لیکن ان محرمات میں سے کسی سے اجتناب نہیں فرماتے تھے جن سے محرم اجتناب کرتا ہے اور ان محرمات میں قلم اظفار اور حلق شعر بھی داخل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال بہت کمزور ہے، اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کرنے کا منشاء یہ ہے کہ صرف ہدی کے بھیجنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدمی پر اسی وقت سے حالت احرام کے موانع لازم ہو جائیں۔ یہ ایک بالکل علیحدہ مسئلہ ہے کہ آیا ''ہدی'' بھیجنے سے احرام کے محرمات لازم ہو جائیں گے یا نہیں؟ زیر بحث مسئلہ کا تعلق قربانی سے ہے، اس کا ہدی بھیجنے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم

أَبْوَابُ النُّذُورِ وَالْأَيْمَانِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نذروں اور قسموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں نذر ماننا صحیح نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر منعقد نہیں ہوتی گناہ کے اُمور میں اور کفارہ اس کا کفارہ قسم کا ہے۔

تشریح ایمان جمع ہے ''یمین'' کی جس کے معنی دایاں ہاتھ چونکہ پہلے زمانے کے لوگ جب کسی چیز پر قسم کھاتے تھے تو مخاطب کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، اس لیے قسم کو یمین کہتے ہیں۔ نیز یمین کے ایک معنی قوت کے ہیں اور قسم سے محلوف بہ کی مضبوطی مقصود ہوتی ہے۔ اس لیے یمین کہا جاتا ہے۔

اصطلاح شرع میں یمین کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے نام یا صفت کے ذریعے کسی چیز کو مضبوط و مؤکد کرنا اور نذور جمع ہے نذر کی جس کے معنی ڈر و خوف چونکہ منت ماننے سے دل میں ڈر و خوف ہوتا ہے اس لیے اس کو نذر کہا جاتا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں نذر کہا جاتا ہے کہ جو چیز اپنے اوپر واجب نہ ہو کسی مقصود کے حصول کے لیا اس کو اپنے نفس پر واجب کرنا، پھر معصیت کی دو قسمیں ہیں۔(۱) معصیت لعینہ (۲) معصیت لغیرہ۔ معصیت لعینہ وہ ہے جس کی ذات میں قباحت اور گناہ ہو جیسے زنا، شراب وغیرہ۔ معصیت لغیرہ وہ ہے جس کی ذات میں تو کوئی قباحت اور گناہ نہ ہو لیکن کسی عارض کی وجہ سے گناہ بن گئی ہو جیسے عید کے دن روزہ رکھنا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُصول یہ ہے کہ جو افعال معصیت لعینہ ہیں اگر کوئی آدمی ان کی نذر مان لے تو وہ نذر منعقد نہیں ہوگی اور جو کام معصیت لغیرہ ہیں تو اس صورت میں نذر منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے یوم نحر میں روزہ رکھنے کی نذر مانی۔ اس سے نذر منعقد ہو جائے گی اور یوم نحر کے علاوہ کسی دن روزہ رکھے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے "من نذر نذرا لم یسمه فکفارته کفارة یمین" اگر کسی طاعت کی نذر کرے تو بالاتفاق اس کو پورا کرنا واجب ہے لیکن اگر کسی معصیت کی نذر مانے تو امام شافعی و مالک رحمہا اللہ کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوگی اور کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا لیکن امام ابوحنیفہ واحمد رحمہا اللہ کے نزدیک نذر منعقد ہو جائے گی لیکن اس کا ایفاء نہیں بلکہ اس کے بدلے میں قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ فریق اوّل کے پاس سوائے قیاس کے کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ معصیت سے دور رہنا واجب ہے، لہٰذا اس کو اپنے اوپر واجب کرنا صحیح نہیں بلکہ اور زیادہ گناہ ہوگا۔

فریق ثانی: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ "ان علیه السلام قال لا نذر فی معصیة و کفارته کفارة یمین" رواہ السنن الاربعہ واحمد، تو صاف بتا دیا کہ نذر معصیت کی صورت میں کفارہ یمین واجب ہے تو اب صریح حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول و قیاس کا اعتبار نہ ہوگا۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ معصیت میں نذر نہیں۔ ساتھ ہی مذکور ہے "و کفارته کفارة یمین" کہ نذر کا کفارہ کفارہ یمین ہوگا۔ اگر معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی تو کفارہ کیسے لازم آئے گا؟

جواب: یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ کوئی آدمی مطلقاً معصیت کی نذر مانے مثلاً یوں کہے "للہ علی معصیت" اور معصیت کے عموم میں دونوں قسمیں شامل ہیں تو اس عموم کی وجہ سے اس کے اندر معصیت لغیرہ پائی جائے گی جس سے نذر منعقد ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے کفارہ بھی لازم ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَ كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر منعقد نہیں ہوتی گناہ کے اُمور میں اور کفارہ اس کا کفارہ قسم کا ہے۔

تشریح اگر کوئی کسی معصیت کے متعلق نذر مانے مثلاً یہ نذر مانی کہ فلاں شخص کو قتل کروں گا تو بالاتفاق اس کا اعتبار نہیں اور نہ اس کو

پورا کیا جائے گا بلکہ اس میں معصیت بالائے معصیت ہوگی لیکن اختلاف اس میں ہوا کہ ایسی صورت میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟

قول اوّل: امام شافعی و مالک رحمہا اللہ کے نزدیک اس میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ واحمد واسحٰق رحمہم اللہ کے نزدیک اس میں کفارہ یمین واجب ہوگا۔

امام مالک و شافعی رحمہا اللہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ''حیث قال کفارۃ النذر کفارۃ الیمین'' (رواہ مسلم)

تو یہاں مطلق نذر میں کفارۂ یمین کہا گیا خواہ طاعت کا ہو یا معصیت کا۔

دوسری دلیل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم لا نذر فی معصیتہ وکفارتہ کفارۃ یمین'' (رواہ الترمذی) اس میں صاف بتا دیا کہ نذر معصیت میں کفارۂ یمین ہے۔

نیز نسائی میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کفارہ کا ثبوت و نفی کا کوئی ذکر نہیں کیا اور عدم بیان سے عدم ثبوت لازم نہیں آتا جب کہ دوسری حدیث میں صراحتاً کفارہ کا ذکر ہے۔

یمین کی تین قسمیں ہیں: اوّل منعقدہ، دوم غموس، سوم لغو، منعقدہ وہ یمین ہے کہ زمانہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانا۔ اب اگر قسم کے موافق کام کر لیا تو اس پر نہ اخروی مواخذہ ہے نہ دنیوی اور اگر اس کے موافق عمل نہ کیا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ ''کما قال اللہ تعالی لا یواخذ کم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذ کم بما عقدتم الایمان'' اور اس مسئلے میں اتفاق ہے۔ اگرچہ کیفیت میں کچھ اختلاف ہے۔

یمین غموس کہا جاتا ہے کسی امر ماضی میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعی و اوزاعی رحمہا اللہ کے نزدیک اس میں بھی کفارہ ہے لیکن امام اعظم اور امام مالک رحمہا اللہ کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے بلکہ صرف توبہ و استغفار ہے۔ شوافع کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یمین منعقدہ میں مواخذہ بالکفارہ فرمایا گیا او. کسب بالقلب کے بارے میں لفظ مواخذہ کہا گیا ''کما قال اللہ تعالی ولکن یواخذ کم بما کسبت قلوبکم'' اور یمین غموس مکسوبہ قلب ہے۔ لہٰذا اس میں مواخذہ ہوگا اور مواخذہ، کفارہ سے ہوتا ہے ''کمافی المنعقدہ''

امام ابوحنیفہ و مالک رحمہا اللہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم من حلف علی یمین وھو فیھا اثم فاجر لیقتطع بھا مال مسلم لقی اللہ وھو علیہ غضبان'' تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گنہگار ہونے کا فیصلہ کیا، کفارہ کا بالکل ذکر نہیں کیا، اگر کفارہ واجب ہوتا تو ضرور ذکر کرتے۔ جیسا کہ منعقدہ میں کفارہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے مکسوبہ قلب ہونے کی بناء پر یمین غموس میں کفارہ واجب ہونے پر جو دلیل پیش کی آیت ''ولکن یواخذ کم بما کسبت قلوبکم'' سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مواخذہ اخروی یعنی عذاب و

عقوبت مراد ہے اور منعقدہ میں مواخذہ دنیوی مراد ہے جس کی تفسیر "فکفارته" سے کی گئی۔

تیسری قسم یمین لغو کی تعریف میں کچھ اختلاف ہے۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی زبان سے بلا ارادہ جو قسم نکلتی ہے وہ لغو ہے خواہ ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل وحال سے۔ مثلاً کہے "لا واللہ، بلی واللہ" یہی امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے اور ان کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک موقوف روایت سے ہوتی ہے۔ "انها سألت عن يمين اللغو فقالت هي ان يقول الرجل في كلامه لا والله بلى والله" امام شعبی اور مسروق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جن فعل یا قول کو اللہ تعالیٰ نے مباح وحلال قرار دیا ہے اس کے نہ کرنے نہ کہنے پر قسم کھانا جیسا کہ کہا "واللہ لا اصلی، ولا اکلم فلانا" احناف کے نزدیک یمین لغو کہا جاتا ہے ماضی یا حال کے کسی کام پر اس خیال سے قسم کھائی کہ وہ واقع کے موافق ہے حالانکہ وہ درحقیقت واقع کے خلاف ہے اور اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے کہ فرمایا "هو الحلف على يمين كاذبة وهو يرى انه صادق" یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے اس یمین کا کوئی اعتبار نہیں اور اس میں دنیوی واخروی مواخذہ بھی نہیں۔ "کما قال اللہ تعالیٰ لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم" الآیہ

بَابُ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ

جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی اسے چاہیے کہ اسے پورا کرے

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نذر کرے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی تو چاہیے کہ فرمانبرداری کرے اس کی یعنی پورا کرے اپنی نذر کو اور جو نذر کرے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو نافرمانی نہ کرے اس کی یعنی نذر پوری نہ کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا نَذْرَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ

جو چیز آدمی کی ملکیت نہیں اس کی نذر ماننا صحیح نہیں

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ.

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے پر وہ نذر واجب نہیں ہوتی جو اس کے اختیار میں نہیں۔

تشریح الحاصل یہ کہ جو چیز کسی کی ملکیت میں نہ ہو اس کے بارے میں نذر درست نہیں۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو فلاں شخص کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں ہے اس وجہ سے یہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ

نذر غیر معین کا کفارہ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ كَفَّارَةُ يَمِينٍ

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفارہ اس نذر کا کہ جس کا نام نہ لیا ہو کفارہ قسم کا ہے۔

تشریح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نذر میں کفارہ یمین واجب ہوتا ہے اس سے نذر لجاج مراد ہے اور نذر لجاج کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی کے ساتھ کلام کرنے سے باز رہنا چاہتا ہے اور اسی وجہ سے اپنے اوپر حج وغیرہ کی کوئی عبادت واجب کر لیتا ہے۔ مثلاً یہ کہے "ان کلمت زیداً فعلی حجة او صلوٰة" اب اگر اس نے کلام کر لیا تو اختیار ہے خواہ وہ عبادت کرے جو لازم کی تھی یا کفارہ یمین دیدے۔ یہ جمہور شوافع کی رائے ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور بعض شوافع کے نزدیک اس سے نذر معصیت مراد ہے۔ مثلاً کوئی نذر کرے کہ شراب پیئے گا تو یہ کام نہ کرے اور کفارہ یمین دے دے لیکن امام ابوحنیفہ اور مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے نذر مطلق مراد ہے۔ مثلاً یہ کہے "للہ علی نذر" صوم وصلوٰۃ کسی عبادت کا نام نہیں لیا اور حدیث مذکور میں لفظ "لم یسمه" اسی پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے لیکن اگر نیت میں کوئی خاص عبادت موجود ہو تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ کفارہ کافی نہیں۔ "کذافی البدائع" شوافع نے جو نذر لجاج پر محمول کیا وہ بلا دلیل ہے اور لفظ حدیث "لم یسمه" کا خلاف ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے جو نذر معصیت پر محمول کیا وہ بھی سیاق حدیث کے خلاف ہے کیوں کہ نذر معصیت کا بیان بعد والے جملے میں آ رہا ہے تو اگر پہلے میں بھی نذر معصیت مراد ہو تو تکرار بلا فائدہ لازم آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا

اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے کی قسم کھائے اور اس قسم کو توڑنے میں ہی بھلائی ہو تو اسے توڑ دے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أَتَتْكَ عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أَتَتْكَ عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلْتُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمن! مت مانگ

حکومت کو اس لیے کہ اگر آئے تیرے پاس حکومت تیرے مانگنے سے تو سونپ دیا گیا تو اسی کی طرف یعنی تائید غیبی نہ ہوگی اور اگر آئے تیرے پاس بغیر مانگے تو مدد کیا جائے گا تو اس کے اوپر یعنی اللہ کی طرف سے اور جب قسم کھائے تو کسی کام پر پھر دیکھے تو اس سے بہتر دوسرا کام تو کر اس کام کو یعنی جو بہتر ہے اور کفارہ دے اپنی قسم کا۔

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے اور بعد میں رائے بدل جائے اور یہ خیال ہو کہ جس کام کی میں نے قسم کھائی ہے وہ گناہ کا کام ہے تو اس صورت میں قسم کا توڑنا واجب ہے، اگر یہ کام گناہ کا نہ ہو لیکن مصلحت کے خلاف ہو تو پھر اس قسم کو توڑنا جائز ہے اور حدیث کا مرکزی مفہوم بھی یہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ

کفارہ قسم توڑنے سے پہلے دے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَفْعَلْ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی کسی کام پر پھر دیکھا اس سے بہتر دوسرا کام تو چاہیے کہ کفارہ دے دے اپنی قسم کا پھر کرے وہ کام یعنی جو بہتر نظر آیا۔

تشریح ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل الحنث کفارہ دیا جاسکتا ہے حالانکہ یہ سب سے پہلے مسبب کا وجود ہے اور یہ خلاف قانون ہے۔ بنا بریں آئمہ کرام کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہوگیا۔

قول اوّل: امام شافعی و مالک و احمد رحمہم اللہ کے نزدیک یمین کے بعد قبل الحنث کفارہ دینے سے ادا ہو جائے گا۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کفارہ بالصوم کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں کہ وہ قبل الحنث جائز نہیں۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک قبل الحنث کفارہ قابل اعتبار نہیں بعد الحنث پھر دینا پڑے گا۔

فریق اوّل دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی آیت سے فرمایا: "ذٰلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم" یہاں کفارہ کا سبب حلف کو قرار دیا گیا۔ لہٰذا حلف کے بعد کفارہ دینے سے ادا ہو جائے گا۔

دوسری دلیل: آیت "ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته الآیة" تو یہاں حنث کے بغیر ایمان کے بعد فائے تعقیب کے ذریعے کفارہ لایا گیا تو معلوم ہوا کہ یمین کے بعد ہی کفارہ دینا جائز ہے حنث ضروری نہیں۔

تیسری دلیل: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے کہ اس میں قبل الحنث کفارہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے مسلم شریف میں "قال من حلف علی یمین فرأی خیر أمنها فلیکفر عن یمینه ولیفعل" یہاں بھی پہلے کفارہ دینے کا حکم ہے پھر حنث کا تو ان نصوص سے صاف معلوم ہوا کہ کفارہ قبل الحنث جائز

ہے اور حنث کفارہ کا وقت ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے جائز نہیں۔

احناف کی دلیل: حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "قال علیه الصلوٰة والسلام یا عبدالرحمٰن اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرها خیرا منها فأت الذی هو خیر و کفر عن یمینک" (رواہ ابوداؤد)

تو یہاں پہلے حانث ہونے کا حکم دیا، پھر کفارے کا تو معلوم ہوا کہ پہلے حنث ہو پھر کفارہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ کفارہ دینے کا حکم دیا، اللہ کے نام کی بے حرمتی کر کے جو جنایت کی اس کو چھپانے کے لیے اور لفظ کفارہ کے لغوی معنی بھی یہی ہے اور نفس حلف تو جنایت نہیں ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی حلف ثابت ہیں تو جب حلف میں جنایت نہیں تو اس پر کفارہ کا ترتب نہیں ہوسکتا جب حلف کے موافق کام نہیں کیا تو نام خداوندی کی عزت دری کی اس کی تلافی اور معافی کے لیے کفارہ لازم ہے۔ لہٰذا قبل الحنث کفارہ دینے سے قبل الوجوب حکم پر عمل کرنا لازم ہوگا اور یہ کافی نہیں پھر کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی حج فرض ہونے سے پہلے کرلیا تو حج فرض ہونے کے بعد پھر کرنا پڑے گا پہلا حج کافی نہیں۔

بیان ماسبق سے واضح ہوگیا کہ قبل الحنث کفارہ دینے سے ادا نہیں ہوگا وگرنہ دوبارہ سے دینا پڑے گا۔ شوافع وغیرہ نے اپنے استدلال میں جو دو آیتیں پیش کیں ان کا جواب یہ ہے کہ ہم نے نص وقیاس سے ثابت کردیا کہ نفس یمین سبب کفارہ نہیں ہے بلکہ حنث سبب ہے تو وہاں "اذا حنثتم" محذوف ماننا پڑے گا۔ "ای بما عقدتم الایمان و حنثتم فیها فکفارته و ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم و حنثتم" جیسا کہ دوسری آیت میں سب محذوف مانتے ہیں۔ وہ "فمن کان منکم مریضا او علی سفرة فعدة من ایام آخر" تو یہاں سب کہتے ہیں کہ او علی سفر کے بعد وافطرتم کا لفظ محذوف ہے "کما قال الامام رازی فی احکام القرآن" اور جن احادیث میں کفارہ قبل الحنث کا ذکر ہے اُن کا جواب یہ ہے بعض احادیث میں بعد الحنث کا ذکر ہے جیسا کہ مسلم شریف میں عدی بن حاتم سے روایت ہے "فیأت الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه" تو اب اس بارے میں احادیث متعارض ہوگئیں کہ قبل الحنث کفارہ ہے یا بعد الحنث؟ لہٰذا جو احادیث قیاس کے موافق ہوں گی ان کو ترجیح ہوگی اور بعد الحنث کفارہ ہونا قیاس کے موافق ہے کما ذکرنا۔ لہٰذا ان احادیث کو ترجیح ہوگی جن میں بعد الحنث کفارہ کا ذکر ہے اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "فلیکفر عن یمینه" کے پہلے "فلیات الذی هو خیر" کا جملہ محذوف ہے "کما ذکرنا فی الآیات" اور "ولیات الذی هو خیر" یہ مستقل جملہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ آئندہ اچھا کام کرتے رہو، اس کے نہ کرنے پر قسم نہ کھاؤ۔ لہٰذا اب دونوں قسم احادیث میں کوئی تعارض نہیں رہا اور احناف کا مذہب ثابت ہوگیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِينِ ۔۔۔ قسم میں ان شاء اللہ کہنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقَدِ اسْتَثْنَى فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قسم کھائے کسی کام پر اور کہے ان شاء اللہ پس اس پر حنث نہیں آتا یعنی ان شاء اللہ کہنے سے قسم منعقد نہیں ہوتی کہ اس کے خلاف معصیت ہو یا کفارہ آئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ يَحْنَثْ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی اور کہا ان شاء اللہ وہ حانث نہ ہوگا۔

تشریح یمین کے ساتھ اگر ان شاء اللہ کہہ دیا تو اس یمین کے منعقد ہونے نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یمین ہو جائے گی لیکن جمہور علماء و آئمہ کے نزدیک اگر متصلاً ان شاء اللہ کہہ دے تو یمین نہیں ہوگی اور اگر فصل کے ساتھ کہا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، یمین منعقد ہو جائے گی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس نص سے کوئی دلیل نہیں ہے صرف عقلی دلیل پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ تمام چیزیں جب اللہ کی مشیت سے ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کے ذکر سے یمین کا حکم نہیں بدلے گا بلکہ یمین منعقد ہو جائے گی۔ جمہور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور سے اور چونکہ اس میں فقال کے ذریعے سے آیا ہے جو تعقیب بلا تراخی کا تقاضا کرتا ہے۔ بنا بریں جمہور وصل کی قید لگاتے ہیں۔ نصف صریح کے مقابلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس قابل حجت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلِفِ بِغَيْرِ اللهِ ..... غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ وَهُوَ يَقُولُ وَأَبِي وَأَبِي فَقَالَ أَلَا إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَقَالَ عُمَرُ فَوَاللهِ مَا حَلَفْتُ بِهِ بَعْدَ ذَلِكَ ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ سنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور وہ کہتے تھے کہ قسم ہے میرے باپ کی فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تم کو اس سے کہ قسم کھاؤ تم اپنے باپ دادوں کی کہا عمر نے قسم ہے اللہ کی پھر قسم نہ کھائی میں نے باپ کی بعد اس کے نہ اپنی طرف سے اور نہ کسی اور کی طرف سے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكَ عُمَرَ وَهُوَ فِي رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ لِيَحْلِفْ حَالِفٌ بِاللهِ أَوْ لِيَسْكُتْ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور وہ ایک قافلہ میں تھے اور وہ قسم کھا رہے تھے اپنے باپ کی سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

بے شک اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تم کو اس سے کہ قسم کھاؤ اپنے باپ دادوں کی چاہیے کہ کھائے قسم اللہ تعالیٰ کی یا چپ رہے یعنی سوا اللہ کے اور کسی کی قسم نہ کھائے۔

تشریح اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں۔ قسم یا تو اللہ تعالیٰ کی کھائی جائے یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی کھائی جائے کیوں کہ صفات کی بھی قسم کھانا جائز ہے۔ انہی صفات میں سے ایک صفت قرآن مجید ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی قسم کھانا جائز ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ لَا وَالْكَعْبَةِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُحْلَفُ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ.

ترجمہ حضرت سعد بن عبیدہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر اللہ کی قسم نہ کھاؤ، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک؟

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَحْلِفُ بِالْمَشْيِ وَلَا يَسْتَطِيعُ۔۔ جو شخص قسم کھائے چلنے کی اور نہ چل سکے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ نَذَرَتْ امْرَأَةٌ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ فَسُئِلَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِهَا مُرُوهَا فَلْتَرْكَبْ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نذر کی ایک عورت نے کہ چل کر جائے بیت اللہ تک سو پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اس کے چلنے سے حکم کرو اس کو کہ سوار ہو کر جائے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْخٍ كَبِيرٍ يَتَهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هٰذَا، قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهُ، قَالَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑے بوڑھے پر کہ چلا جاتا تھا اپنے دونوں بیٹوں کے بیچ میں سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حال ہے اس کا کہا لوگوں نے نذر کی ہے اس نے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے کی، فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اس کے عذاب کرنے سے اپنے نفس کو کہا راوی نے پھر حکم کیا اس کو کہ سوار ہو جائے۔

تشریح ......مشی الی الکعبۃ کی نذر کا حکم

اس حدیث میں بیت اللہ کی طرف مشی کی نذر ماننے کا ذکر ہے۔ اسی مضمون کی کچھ احادیث فصل ثانی میں بھی مذکور ہیں۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رکوب کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن کو رکوب کی اجازت کے ساتھ بدنہ کی ہدی کا امر بھی فرمایا اور اسی حدیث کی دوسری روایت میں رکوب کی اجازت دی اور کفارۂ یمین کا امر فرمایا۔ ان احادیث کی وضاحت کے لیے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال کا منقح ہونا ضروری ہے۔

مذاہب: اتنی بات پر تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے بیت اللہ، کعبہ یا مکہ کی طرف مشی کی نذر مانی تو یہ نذر منعقد ہو جائے گی اور اس پر واجب ہے کہ پیدل چل کر یا حج کرے یا عمرہ، مشی کی قدرت ہوتے ہوئے اس پر مشی واجب ہے لیکن اگر مشی پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں رکوب بھی جائز ہے۔ اتنی بات پر تو فقہاء کا اتفاق ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ ص: ۱۲، ج: ۹)

اختلاف اس بات میں ہے کہ رکوب کی وجہ سے اس پر جزاء کیا واجب ہوگی؟

قول اوّل: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر دم واجب ہے جس کی کم از کم مقدار بکری ہے۔

قول ثانی: امام احمد رحمہ اللہ کا قول مختار یہ ہے کہ اس پر کفارۂ یمین لازم ہے۔ مالکیہ کے ہاں اس مسئلہ میں کافی تفصیل ہے۔ بعض صورتوں میں وجوبِ دم کے قائل ہیں اور بعض صورتوں میں قدرت ہو جانے پر دوبارہ حج یا عمرہ کے وجوب کے قائل ہیں۔ پچھلے سفر میں جتنا راستہ سوار ہو کر طے کیا تھا اتنے حصے میں اب پیدل چلے گا۔ (مذاہب از المغنی ص: ۱۲، ج: ۹)

دلائل، حنابلہ کی دلیل: وجوب کفارہ پر استدلال عبداللہ بن مالک کی حدیث سے ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے پیدل بغیر دوپٹہ اوڑھنے کے حج کی نذر مانی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوپٹہ اوڑھنے اور رکوب کی اجازت دی اور کفارۂ یمین یعنی تین دن روزے رکھنے کا امر فرمایا۔ حنفیہ اور شافعیہ کے ہاں وجوب دم کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو ہدی کا امر فرمایا تھا۔ (۲)......مستدرک حاکم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں "فمن نذر أن یحج ماشیا فلیھد ھدیا ولیرکب" اس میں ہدی کا امر فرمایا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے۔

حدیث عقبہ کا جواب

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن کو کفارۂ یمین کا امر فرمایا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کفارہ رکوب کی جزاء نہیں تھا بلکہ اختمار کی جزاء تھا۔ اس نے دو باتوں کی نذر مانی تھی۔ ایک مشی کی، دوسرے ترک اختمار یعنی دوپٹہ نہ اوڑھنے کی، ترک اختمار چونکہ معصیت ہے اور

معصیت کی نذر کی صورت میں کفارۂ یمین لازم ہوتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختمار کا اور کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اور ترک مشی پر ہدی کا امر فرمایا۔ چنانچہ اس واقعہ کی بعض روایات میں کفارہ کا امر ہے اور بعض میں ہدی کا ذکر ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ درحقیقت کفارہ اور ہدی دونوں کا امر فرمایا تھا۔ کفارہ اختمار کی وجہ سے اور ہدی رکوب کی وجہ سے۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ النَّذْرِ ۔۔۔۔ نذر کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نذر مت کرو اس لیے کہ نذر کام نہیں آتی ہے آگے تقدیر کے کچھ یعنی بنظر تبدیل تقدیر نذر کرنا بے سود ہے بلکہ نکالا جاتا ہے بحیلہ نذر بخیل سے کچھ مال۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ نذر نہ مانو کیوں کہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو رد نہیں کر سکتی یہ تو بخیل سے مال نکالنے کا ایک طریقہ ہے۔

یہاں جو نذر سے منع کیا گیا اس سے وہ نذر مراد ہے جس سے کسی نفع کے حصول یا نقصان کا دفع مقصود ہو اور یہ سخت بخل کی علامت ہے کیوں کہ سخی آدمی جب کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فوراً کر گزرتا ہے بخلاف بخیل آدمی کے کہ وہ کسی عوض کے بغیر کوئی نیک کام کرنے کو تیار نہیں۔ گویا وہ اللہ کے ساتھ شرط کرتا ہے کہ اگر میرا کام کردے تو تیرے نام پر کام کروں گا ورنہ نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''انما یستخرج بہ من البخیل'' اور نذر کی کراہت کی مختلف وجہ بیان کی گئی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ وجہ بیان کی کہ جب اس نے شرط لگائی کہ اگر میرا مقصود پورا ہو تو یہ کام کروں گا ورنہ نہیں تو اس کام کے کرنے میں اخلاص نہیں پایا گیا۔ بنا بریں مکروہ ہے اور علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ عقیدہ ہو کہ نذر سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نذر کی مذمت ہے کیوں کہ اس کی علت یہ بیان کی گئی ''فان النذر لا یغنی من القدر شیئا'' لہٰذا اگر نذر کرکے یہ عقیدہ ہو کہ اصل نافع وضار تو اللہ تعالیٰ ہے نذر صرف ایک ذریعہ و وسیلہ ہے تو وہ نذر جائز ہے اور اس کا پورا کرنا اطاعت وصف محمود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نذر پورا کرنے والوں کی تعریف کی۔ ''ویوفون بالنذر'' علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سب سے اچھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر سوء عقیدہ کے ساتھ نذر کرے تو حرام ہے اور اگر عقیدہ خراب نہ ہو بلکہ حصول مقصد کی غرض سے نذر مانے تو یہ مکروہ ہے کیوں کہ نیت میں خلوص نہیں ہے اور اگر خالص نیت کے ساتھ طاعت کے خیال سے نذر کیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کا نذر کیا تھا تو یہ منع نہیں بلکہ مستحب ہے۔ ''کذا فی المرقاۃ''

سوال: نذر کا ماننا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ پھر زیر بحث باب کی روایت میں ''لا تنذروا'' کیوں فرمایا؟

جواب: نذر کی دو قسمیں ہیں نذر مطلق اور نذر معلق۔ نذر مطلق وہ ہے کہ کوئی آدمی بغیر کسی غرض اور مقصد کے اپنے اوپر عبادت کو لازم قرار دے۔ مثلاً یوں کہے "للہ علی ان اصوم یوما" نذر معلق وہ ہے کہ انسان نذر کو معلق کرے، اپنی کسی غرض اور مقصد پر مثلاً، یوں کہے اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں دو نفل پڑھوں گا، اس حدیث میں اس دوسری قسم کی نذر سے منع کیا گیا ہے۔

سوال: "لا تنذروا" نہی ہے اس مقام پر، اس نہی کا درجہ کیا ہے؟

جواب: اس میں دو قول ہیں (۱) یہ درحقیقت نذر سے نہی نہیں بلکہ یہ کہ کوئی آدمی نذر کے علاوہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے۔ صرف نذر کے موقع پر کرے اور اس پر قرینہ اسی حدیث میں "انما یستخرج من البخیل" کا لفظ ہے۔

(۲) یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے دو وجہ سے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ یہ آدمی عبادت کر رہا ہے دُنیاوی غرض کے لیے حالانکہ عبادت اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نذر معلق کی صورت میں ایک خاموش انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر ماننے والا اللہ کو لالچ دے رہا ہے اور یہ مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَفَاءِ النَّذْرِ ...... نذر کو پورا کرنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ.

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے یارسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اعتکاف کروں گا میں ایک رات مسجد الحرام میں ایام جاہلیت میں تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری کرو اپنی نذر۔

تشریح مسئلہ اولیٰ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی نے کفر کی حالت میں نذر مانی کیا اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کفر کی حالت میں مانی ہوئی نذر پوری کرنا واجب نہیں۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کفر کی حالت میں نذر مانی ہوئی کو پورا کرنا واجب ہے۔

امام صاحب کی دلیل: ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الاسلام یھدم ما کان قبلہ" کہ اسلام پہلے کی تمام چیزوں کو ختم کردیتا ہے۔ جب اس نے نذر مانی اس وقت اس کا عقیدہ درست نہیں تھا، اس سے نذر نہیں ہوتی۔

امام شافعی کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے واپسی پر جعرانہ میں مقیم تھے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا۔

جواب: یہ استحباب پر محمول ہے کہ جب زمانہ جاہلیت میں نیکی کا ارادہ کیا تو اسلام کے بعد اس کو پورا کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ ثانی: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یا نہ اور دو قول ہیں۔
قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سنت اور واجب اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔
قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں۔
دلیل: امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات کو اعتکاف کی نذر مانی اور رات کو روزہ نہیں ہوتا۔
جواب: زیر بحث باب کی روایت میں لیلۃ سے وہ لیل مراد نہیں جو نہار کے مقابلہ میں ہے بلکہ اس سے مراد یوم ہے۔اس کا قرینہ یہ ہے کہ بخاری اور مسلم میں یہی روایت مذکور ہے اور اس میں یوماً کا لفظ ہے۔
حنفیہ کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے اور حدیث باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ "لیلۃ" سے "نہار" کے مقابلے میں "لیل" مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد "یوم" ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں "یوماً" کا لفظ آیا ہے۔اس لیے اس میں دن اور رات دونوں داخل ہیں۔لہٰذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔البتہ متاخرین حنفیہ فرماتے ہیں کہ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں۔نفلی اعتکاف روزہ کے بغیر بھی کیا جا سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ كَانَ يَمِينُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قسم کھایا کرتے تھے

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَثِيرًا مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ بِهٰذِهِ الْيَمِينِ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہا کہ اکثر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کھاتے تھے ساتھ اس قسم کے "لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ" یعنی قسم ہے دِلوں کے بدلنے والے کی یعنی اللہ تعالیٰ کی۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان الفاظ کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے۔"لا و مقلب القلوب" یعنی دلوں کے بدلنے والے کی قسم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً ۔۔۔۔ غلام آزاد کرنے کا ثواب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللّٰهُ مِنْهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰى يَعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے

جس نے آزاد کی ایک گردن مؤمنہ آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کو اس کے ایک ایک عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے یہاں تک کہ آزاد کرے گا فرج اس کا عوض میں اس کے فرج کے۔

تشریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی مؤمن غلام کو آزاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہر عضو کو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں دوزخ سے آزاد کرے گا۔ حتی کہ اس کی شرم گاہ کو بھی اس کی شرم گاہ کے بدلے میں آزاد کریں گے۔ (تقریر ترمذی)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَلْطِمُ خَادِمَهُ ..... جو شخص اپنے خادم کو طمانچہ مارے

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا سَبْعَةَ إِخْوَةٍ مَا لَنَا خَادِمٌ إِلَّا وَاحِدَةٌ فَلَطَمَهَا أَحَدُنَا فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُعْتِقَهَا.

ترجمہ حضرت سوید بن مقرن مزنی سے روایت ہے کہ دیکھا ہم نے اپنے کو کہ ہم سات بھائی تھے اور کوئی خادم ہمارا نہ تھا مگر ایک پھر طمانچہ مارا ہم سے ایک نے اس کو سو حکم فرمایا ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آزاد کر دیں ہم اس کو۔

تشریح الحاصل یہ کہ باندی کو تھپڑ مارنے کے کفارے کے طور پر آپ نے فرمایا کہ تم اس کو آزاد کر دو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے حقوق کا اہتمام فرمایا کہ تھپڑ مارنے کا بدلہ آزادی سے دلوایا۔ البتہ یہ حکم بالاتفاق استحباب پر محمول ہے، آزاد کرنا واجب اور فرض نہیں لیکن آزاد کرنا بہتر ہے۔

باب بلا ترجمہ ..... بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلِفِ بِغَيْرِ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی ساتھ کسی ملت کے سوا اسلام کے جھوٹی مثلاً کہا کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو میں نصرانی ہوں۔ پس وہ ویسا ہی ہو گیا جیسا اس نے کہا۔

تشریح حدیث ہذا کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ اگر میں یہ کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں گا، پھر اس نے یہ کام کر لیا تو اس نے جیسا کہا یہودی یا نصرانی ہو جائے گا کیوں کہ قسم سے اس کا مقصد نہ کرنا تھا جب کر لیا تو یہ جھوٹا ہوا تو بعض شوافع نے ظاہری حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہہ دیا کہ وہ ویسا ہی یہودی و نصرانی ہو جائے گا لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ ایسی قسم کھانے سے وہ حقیقتاً یہودی یا نصرانی نہیں ہوگا۔ بعض شوافع یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے یہ کام کر لیا تو اس نے اسلام کی حرمت دری کر کے رضا بالکفر کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا کافر ہو جائے گا لیکن جمہور کہتے ہیں کہ کفر کا تعلق اعتقاد کے ساتھ ہے اور اس کا مقصد

نفس کا زجر کرنا اور اس کو اس کام سے روکنا تھا اعتقاد کفر نہ تھا۔ لہٰذا کافر نہ ہوگا۔ البتہ سخت گنہگار ہوگا تو بہ کرنا ضروری ہے اور حدیث مذکور میں "فھو کما قال" ہے اس سے تہدید اور وعید مراد ہے کہ وہ یہود جیسے سزا کا مستحق ہے جیسے حدیث "من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر" میں عقوبت کفر وغیرہ مراد ہے۔ اب بحث ہوئی کہ اس قسم یمین کو یمین شرعی کہا جائے گا یا نہیں اور بصورت حنث کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ تو امام شافعی و مالک رحمہا اللہ کے نزدیک یہ شخص سخت گنہگار تو ہوگا توبہ لازم ہے مگر یمین نہیں ہوگی خواہ صادق ہو یا کاذب، لہٰذا کفارہ بھی واجب نہیں، لیکن احناف اور احمد و اسحق و سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک یہ یمین ہو جائے گی اور حنث کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔

شوافع حضرات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں "انہ علیہ السلام قال من حلف فقال فی حلفہ باللات والعزی فلیقل لا الہ الا اللہ" (متفق علیہ) تو اس میں صرف توبہ و تجدید ایمان کا ذکر ہے کفارہ کا ذکر نہیں۔ احناف وغیرہ فرماتے ہیں کہ تحریم مباح پر جب کفارہ لازم کیا گیا بنص قرآن، لہٰذا صورت مذکورہ میں تحریم حلال ہے بنا بریں اس کو یمین قرار دیا جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا۔

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس کی مذمت بیان کی اور اس کے تدارک کی صورت بیان کی اور یمین ہونے نہ ہونے اور کفارہ آنے نہ آنے کے بارے میں ساکت ہے۔ بنا بریں اس سے استدلال درست نہیں۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص ان الفاظ سے قسم کھائے کہ "ان دخلت دار فلان فانا یھودی" تو اس سے قسم منعقد ہو جائے گی۔ لہٰذا اب اگر وہ شخص اس گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے اور دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں یہودی بن جاؤں تو اس گھر میں داخل ہو جائے اور پھر قسم کا کفارہ ادا کرے۔

اور اس حدیث کا تعلق "یمین غموس" سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں نے ایسا کام کیا ہو تو میں یہودی حالانکہ اس نے وہ کام کیا تھا اور اب جھوٹی قسم کھا رہا ہے اور اپنے آپ کو یہودی کہہ رہا ہے تو یہ بھی اس حدیث کے تحت داخل ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُخْتِي نَذَرَتْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى الْبَيْتِ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ.

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! میری بہن نے نذر کی ہے کہ جائے بیت اللہ تک ننگے پاؤں بغیر چادر کے تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے البتہ اللہ تعالیٰ کچھ نہ کرے گا تیری بہن کی بدبختی کے ساتھ یعنی اللہ کو کیا پرواہ ہے۔ پس چاہیے کہ سوار ہو جائے اور چادر اوڑھے اور تین روزے رکھے یعنی بعوض اس نذر کے۔

تشریح یہی وہ حدیث ہے جس سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کفارہ یمین پر استدلال کیا ہے حنفیہ کی طرف سے جو اس کا جواب دیا گیا ہے وہ پیچھے تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

ننگے پاؤں بیت اللہ جانے کی نذر کا حکم؟

اس حدیث سے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ننگے پاؤں بیت اللہ جانے کی نذر مانے تو ننگے پاؤں جانا واجب نہیں ہوتا، اگر جوتے پہن کر جائے گا تو کفارہ نہیں آئے گا کیونکہ ننگے پاؤں ہونا کوئی عبادت نہیں اور جب عبادت نہیں تو اس کی نذر بھی نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک ''مشی'' کا تعلق ہے تو وہ ایک عبادت بھی ہے۔ چنانچہ طواف اور سعی میں ''مشی'' موجود ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس عمل کی جنس سے کوئی عبادت مقصود ہو تو اس کی نذر ماننا درست ہے چونکہ مشی کی جنس سے عبادت مقصودہ موجود ہے اور وہ طواف اور سعی ہے۔ اس لیے اس کی نذر ماننا بھی درست ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں کہے قسم ہے لات وعزیٰ کی پس چاہیے کہ کہے لا الٰہ الا اللہ اور جو کہے کسی شخص سے آؤ جوا کھیلیں ہم تجھ سے تو چاہیے کہ صدقہ دے۔

تشریح الحاصل یہ کہ غیر اللہ کی اور بالخصوص بتوں کی قسم کھانا جائز نہیں اور اس وقت کے مسلمان چونکہ عہد جاہلیت سے بہت قریب تھے اور جاہلیت کی بہت سی باتیں ان کی زبان پر چڑھی ہوئی تھیں، اس لیے گفتگو کے دوران بعض اوقات ان کی زبان سے ''واللات والعزیٰ'' نکل جاتا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ کر اس کا تدارک کرلیا جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ کلمہ ''واللات والعزیٰ'' ظاہراً شرک کا کلمہ ہے۔ اس لیے کہ کسی بت کے نام کی قسم کھانا اس بت کی تعظیم ہے اور بت کی تعظیم شرک ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لا الٰہ الا اللہ کہہ دو تاکہ اس کی تلافی ہوجائے۔ اگرچہ اس کہنے والے پر مشرک اور کافر ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ اس لیے کہ یہ کلمہ زبان سے بے اختیار نکل گیا، تعظیم مقصود نہیں تھی۔ اسی طرح جو شخص جوا کھیلنے کا ارادہ ظاہر کرے اور اس کی دعوت دے تو اس کو چاہیے کہ وہ کفارہ کے طور پر کچھ صدقہ کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ النَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ --- میت کی طرف سے نذر پوری کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ

تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْضِ عَنْهَا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم اس نذر کا کہ تھی ان کی ماں پر اور وہ وفات کر گئی تھی قبل ادا کرنے کے سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم ادا کرو ان کی طرف سے۔

تشریح قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُم سعد کے نذر کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ وہ صوم کی نذر تھی اور بعض کہتے ہیں کہ وہ صدقہ کی نذر تھی اور بعض کے نزدیک نذر عتق تھی وقیل مطلق نذر تھی لیکن سب سے صحیح یہ ہے کہ وہ نذر مبہم تھی اور اس کی تائید دارقطنی کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے ایک نہر کھودنے کے لیے فرمایا اور چونکہ اس میں نذر پورا کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا، اس کا سہارا لیتے ہوئے اہل ظواہر نے کہہ دیا کہ میت کی طرف سے وارث پر ایفاء نذر ضروری ہے لیکن جمہور کہتے ہیں کہ اگر نذر مال ہے اور وہ مال چھوڑ کر گیا اور وصیت بھی کی تو وارث پر اس کے ثلث مال سے نذر پورا کرنا واجب ہے اور اگر عبادت بدنیہ مثلاً نماز، روزہ کی نذر ہے تو وصیت کرنے سے بھی وارث پر ایفاء ضروری نہیں کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ عبادت بدنیہ میں نیابت نہیں چلتی۔ "حیث قال لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد" اور عبادت مالیہ میں بغیر مال یا بلا وصیت ایفاء ضروری نہیں البتہ مستحب ہے اور ام سعد رضی اللہ عنہا کے نذر کے ایفاء کا جو امر ہے وہ استحباب پر محمول ہے یا ان کا مال تھا اور وصیت کر کے گئی تھی، بنابریں حکم دیا۔ "فلا یصح"

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ أَعْتَقَ ...... گردنیں آزاد کرنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا كَانَ فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِي كُلَّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ وَأَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِي كُلَّ عُضْوٍ مِنْهُمَا عُضْوًا مِنْهُ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتْ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فَكَاكَهَا مِنَ النَّارِ يُجْزِي كُلَّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنْهَا

ترجمہ حضرت ابی امامہ وغیرہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ سب روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آزاد کرے ایک مرد مسلمان کو، جتنا اس نے آزاد کیا اتنا ہی اسے دوزخ سے فدیہ ہو جائے گا ہر عضو اس غلام کا اس کے عضو کے بدلے میں اور جو شخص مرد مسلمان آزاد کرے دو عورتیں مسلمان، ہوں گی وہ دونوں چھوڑائی اس کی دوزخ سے فدیہ ہو جائے گا ہر عضو ان کے بدلے میں اس کے ہر عضو کے اور جو عورت مسلمان آزاد کرے ایک عورت مسلمان کو ہو جائے گی وہ چھوڑائی اس کی دوزخ سے فدیہ ہو جائے گا ایک ایک عضو اس کا بدلے میں اس کے ایک ایک عضو کے۔

تشریح اس کی شرح ماقبل "ثواب من اعتق رقبۃ" کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

أَبْوَابُ السِّيَرِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جہاد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

سیر سیرۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی عادت خصلت اور طریقہ ہے۔ جب یہ لفظ مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہوتی ہے۔ ابتداء میں لوگوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنا شروع کی تو اس میں غالب حصہ مغازی اور سرایا کا تھا۔ اس لیے مغازی، سرایا اور جہاد پر سیر کا اطلاق ہونے لگا۔ اسی وجہ سے امام ترمذی نے جہاد کے احکامات کو ابواب السیر کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

تعریف جہاد: جہاد کا لغوی معنی ہے کوشش ومحنت۔ اصطلاح میں جہاد کی تعریف یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے دشمن سے جنگ کرنا، یہ اقدامی یا دفاعی دونوں طرح کے جہاد کو شامل ہے۔

سوال: کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

جواب: اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے پھیلا ہے۔ تلوار سے صرف ظلم کا استیصال ہوتا ہے کیوں کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے تو اس سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مستلزم محال خود محال ہوتا ہے۔

سوال: جہاد کا مقصد کیا ہے؟

جواب: جہاد کا مقصد ہے اعلاء کلمۃ اللہ، کفر کی شان وشوکت کو توڑنا اور اسلام کی شان وشوکت کو قائم کرنا۔

سوال: جہاد کا حکم کب ہوا؟ جواب: جہاد کے احکام کا نزول تدریجاً ہوا ہے۔

(۱) مکی زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مؤمنین کو صبر کرنے کا اور فریق مخالف کو تکلیف کا جواب نہ دینے کا حکم تھا۔ تلوار اٹھانے سے منع کیا گیا تھا۔ گویا اس وقت جہاد بالصبر تھا۔

(۲) پھر مدنی زندگی میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ”اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا“ جس میں جہاد اور قتال کی اجازت دی گئی مشروط بالشرط کہ جب دوسرا آدمی تم پر ظلم کرے تم قتال کرو۔

(۳) پھر سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی ”وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم“ اس آیت میں دفاعی جہاد کی اجازت دی گئی۔

(۴) ”کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم“ نازل ہوئی جس میں اقدامی جہاد کا حکم دیا گیا۔

(۵) اس کے بعد سورۃ توبہ کی آیت نازل ہوئی۔ ”فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین الخ“ اس کے نزول کے بعد حضرت علی وابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ جن کفار کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے وہ اپنی مدت تک رہے گا اور جن کا معاہدہ مطلق ہے آج سے اس کی مدت چار ماہ ہے، وہ چار ماہ تک جزیرۃ العرب کو خالی کردیں ورنہ اعلان جنگ ہے۔

سوال: اصطلاحی اعتبار سے مکی دور میں جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ بالفاظ دیگر مکی دور میں جہاد بالصبر کا حکم تھا نہ کہ جہاد بالسیف کا

کیونکہ مکی دور میں تزکیہ نفس پر محنت کی گئی۔ پھر مدنی دور میں جہاد کا حکم ہوا۔ موجودہ زمانے میں مسلمان تزکیہ نفس کے اُس معیار پر نہیں۔ لہٰذا جہاد بالسیف سے پہلے تزکیہ نفس پر محنت ہونی چاہیے؟

جواب: جہاد کے مفید ہونے کے لیے تین شرائط ہیں۔ (۱) جہاد فی سبیل اللہ ہو نہ کہ فی سبیل النفس یعنی جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہو، اپنی شجاعت اور شہرت کے لیے نہ ہو۔ (۲) امیر جہاد ایک ہو، سب مجاہدین اس پر متفق ہوں۔ اگر ایک امیر نہ ہوگا تو اس کا نتیجہ جہاد فی سبیل اللہ کے بجائے آپس کا تنازع اور چندہ وصول کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت ہوگا جیسے موجودہ زمانے میں ہو رہا ہے۔ (۳) دشمن سے لڑنے کی مادی اور اسباب کے اعتبار سے طاقت موجود ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ" اگر کوئی آدمی قوت کے اُصول کے بغیر جہاد کرے گا تو خود اپنے آپ کو مارنے کے مترادف ہوگا۔

سوال: آج کل جو جہاد ہو رہا ہے یہ اقدامی ہے دفاعی؟

جواب: بظاہر یہی نظر آرہا ہے کہ یہ جہاد دفاعی ہے۔ کفار نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور مسلمانوں نے اپنے دفاع کیلئے ان کا مقابلہ کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ۔۔۔ جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ أَنَّ جَيْشًا مِنْ جُيُوشِ الْمُسْلِمِينَ كَانَ أَمِيرُهُمْ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ حَاصَرُوا قَصْرًا مِنْ قُصُورِ فَارِسَ، فَقَالُوا يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ قَالَ دَعُونِي أَدْعُهُمْ كَمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوهُمْ فَأَتَاهُمْ سَلْمَانُ، فَقَالَ لَهُمْ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ فَارِسِيٌّ تَرَوْنَ الْعَرَبَ يُطِيعُونَنِي فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَلَكُمْ مِثْلُ الَّذِي لَنَا وَعَلَيْكُمْ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْنَا وَإِنْ أَبَيْتُمْ إِلَّا دِينَكُمْ تَرَكْنَاكُمْ عَلَيْهِ وَأَعْطُونَا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُونَ قَالَ وَرَطَنَ إِلَيْهِمْ بِالْفَارِسِيَّةِ وَأَنْتُمْ غَيْرُ مَحْمُودِينَ وَإِنْ أَبَيْتُمْ نَابَذْنَاكُمْ عَلَى سَوَاءٍ، قَالُوا مَا نَحْنُ بِالَّذِي نُعْطِي الْجِزْيَةَ وَلَكِنَّا نُقَاتِلُكُمْ، فَقَالُوا يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ قَالَ لَا فَدَعَاهُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَى مِثْلِ هَذَا ثُمَّ قَالَ انْهَدُوا إِلَيْهِمْ قَالَ فَنَهَدْنَا إِلَيْهِمْ فَفَتَحْنَا ذَلِكَ الْقَصْرَ.

ترجمہ: حضرت ابی البختری سے روایت ہے کہ ایک لشکر نے مسلمانوں کے لشکروں کے سے کہ امیر اس کے سلمان فارسی تھے محاصرہ کیا ایک قلعہ کا فارس کے قلعوں میں سے پس کہا لوگوں نے اے ابا عبد اللہ! یہ کنیت ہے سلمان کی کیا نہ دھاوا (حملہ) کریں ہم ان پر؟ فرمایا انہوں نے چھوڑ دو مجھ کو کہ میں دعوت کروں ان کو جیسا کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ دعوت کرتے تھے ان کی یعنی کافروں کی پس آئے ان کے پاس سلمان اور کہا ان سے تحقیق میں ایک آدمی ہوں تم میں سے رہنے والا فارس کا دیکھتے ہو تم عرب کو کہ اطاعت کرتے ہیں میری پس اگر اسلام لائے تم پس تمہارے لیے مثل ہے اس چیز کے کہ ہمارے لیے ہے یعنی حصہ غنائم اور فئے سے اور تم پر ہے مثل

اس کے کہ ہم پر ہے اور اگر انکار کیا تم نے اور نہ قبول کیا تم نے مگر دین اپنا چھوڑ دیں گے ہم تم کو اسی دین پر اور دو ہم کو جزیہ ہاتھ سے اور تم ذلیل ہو کہا راوی نے بیان کیا سلمان نے یہ مضمون ان سے فارسی میں اور یہ بھی کہا کہ تم اچھے نہیں یعنی بصورت عدم قبول ایمان کے اور اگر نہ مانو گے تم تو لڑیں گے ہم تم سے تم کو آگاہ کر کے جواب دیا انہوں نے کہ نہیں ہیں ہم ایسے کہ جزیہ دیں ولیکن لڑتے ہیں تم سے پھر کہا مسلمانوں نے اے ابا عبداللہ! کیا نہ دھاوا (لڑائی) کریں ہم ان پر؟ کہا انہوں نے نہیں کہا راوی نے پھر بلایا ان کو سلمان نے اسلام کی طرف تین دن مثل اسی کے پھر حکم دیا کہ دھاوا (حملہ) کرو ان پر کہا راوی نے پھر دھاوا (حملہ) کیا ہم نے ان پر اور فتح کیا اس قلعہ کو۔

تشریح یہ باب امام ترمذی نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے قائم کیا ہے کہ قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے یا نہ؟ ابوعبداللہ، یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

"قولہ ننھد" یہ "نھد ینھد" سے ہے۔ اس کا معنی ہے اُٹھنا، اُبھرنا، اسی سے ناہید اس عورت کو کہتے ہیں جس کا سینہ اُبھرا ہوا ہو۔ اسی وجہ سے یہ نام رکھنا مکروہ ہے۔

"قولہ رتن" اس کا معنی ہے بڑبڑانہ۔ یعنی ایسے الفاظ زبان سے نکالنا کہ سننے والے کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ اہل عرب کا یہ حال تھا کہ جب کوئی عجمی اپنی زبان میں بات کرتا تو اس کے لیے رتن کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ "قال یتکلم" کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے کیوں کہ عربی زبان کے علاوہ ہر زبان ان کے نزدیک بڑبڑاہٹ ہے۔

اختلافی مسئلہ: کیا کفار کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے؟ اس میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) بعض کے نزدیک قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے کیوں کہ زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری سمجھا اور تین دن تک دعوت دی، اس کے بعد حملہ کیا۔

(۲) جمہور فقہاء کے نزدیک قتال سے قبل دعوت دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بھی استحباب پر محمول کیا ہے۔

(۳) بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں کچھ تفصیل کی ہے وہ یہ کہ کفار دو حال سے خالی نہیں۔ ان کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے یا نہیں، اگر انہیں پہلے دعوت پہنچ چکی ہے تو پھر دعوت اسلامی قبل قتال ضروری نہیں۔ اگر انہیں پہلے دعوت نہیں پہنچی تو پھر دعوت اسلام قبل القتال واجب ہے۔

سوال: کیا موجودہ زمانہ میں کفار تک دعوت اسلام پہنچ چکی ہے یا نہیں؟

جواب: فرض دعوت اسلام تمام غیر مسلموں تک پہنچ چکی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ ایک ایک فرد کو علیحدہ علیحدہ دعوت دینا فرض نہیں ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنِ ابْنِ عِصَامٍ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا أَوْ سَرِيَّةً يَقُولُ لَهُمْ إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوا أَحَدًا.

ترجمہ حضرت عصام مزنی سے روایت ہے اوران کو صحبت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، کہا انہوں نے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھیجتے کسی لشکر کو فرماتے ان سے کہ جب دیکھو تم مسجد یا سنو تم آواز مؤذن کی یعنی کسی قریہ میں پس نہ قتل کرو وہاں کسی کو۔

تشریح اس باب میں امام ترمذی بتلارہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر کو جب بھیجتے تو ان کو فرماتے کہ جب تم مسجد دیکھو یا مؤذن کی اذان سنو تو پھر حملہ نہ کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ اذان اسلام کا شعار ہے، اس کو ترک کرنے والوں کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔

بَابُ فِي الْبَيَاتِ وَالْغَارَاتِ ۔۔۔۔ شب خون مارنے اور حملہ کرنے کے متعلق

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ خَرَجَ إِلَى خَيْبَرَ أَتَاهَا لَيْلًا وَكَانَ إِذَا جَاءَ قَوْمًا بِلَيْلٍ لَمْ يُغِرْ عَلَيْهِمْ حَتَّى يُصْبِحَ فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَافَقَ وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ الْخَمِيسَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نکلے خیبر کی طرف پہنچے وہاں رات کو اور تھے آپ جب پہنچتے کسی قوم پر رات کو نہ لوٹتے ان کو یہاں تک کہ صبح ہوجاتی پھر جب صبح ہوئی نکلے یہود پھاوڑہ اور ٹوکرہ اپنے لے کر (کھیتی باڑی کے لیے) پھر جب دیکھا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا برابر آگئے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے اللہ کی برابر آگئے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ساتھ لشکر لے کر سو کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر اخیر تک یعنی اللہ بڑی بزرگی والا ہے خراب ہوا خیبر تحقیق کہ جب ہم اُترے ہیں آنگن میں کسی قوم کے پس بری ہے صباح (صبح) ڈرائے گیوں کی۔

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِعَرْصَتِهِمْ ثَلَاثًا.

ترجمہ حضرت ابی طلحہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب غالب آتے کسی قوم پر ٹھہرتے ان کے میدان میں تین دن تک۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت کی وجہ سے بعض علماء نے رات کے وقت حملہ کرنے کو برا سمجھا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ

جنگی حکمت عملی کے مطابق دن کو حملہ کیا جائے یا رات کو دونوں جائز ہیں۔ اگر چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عموماً عادت مبارکہ یہی تھی کہ صبح کے وقت حملہ کرتے تھے کیونکہ رات کے وقت حملہ کرنے میں اور دن کے وقت حملہ کرنے میں شجاعت نہ تھی۔ اس لیے کہ رات کو نیند ہوتی ہے اور دن کو مرد گھر میں نہیں ہوتے اور صبح کے وقت نیند بھی نہیں ہوتی اور مرد بھی گھر میں موجود ہوتے ہیں۔

"بمساحیھم ومکاتلھم" مساحی جمع ہے مسحا کی اس کا معنی ہے پھاوڑا۔ مکاتل جمع ہے مکتل کی جس کا معنی ہے ٹوکرا۔ خیبر والے لوگ چونکہ کاشتکار تھے اس لیے زمین کی صفائی اور کھدائی کے لیے چل پڑتے۔ "الخمیس" خمیس کا معنی ہے لشکر اور لشکر کو خمیس اس لیے کہا جاتا ہے کہ عام طور پر لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ (۱) مقدمہ (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) قلب (۵) ساقہ۔

"خربت خیبر" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر ویران ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "تفاؤلاً" تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا صبح کے وقت لوگ اپنے ٹوکرے اور پھاوڑے لے کر جا رہے ہیں اور یہ دونوں چیزیں تخریب کی علامت ہیں۔ دوسری وجہ لفظی مناسبت خیبر کا مادہ ہے۔ خ ب ر اور خراب کا مادہ بھی یہی حروف ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ خیبر عنقریب خراب ہونے والا ہے۔

بَابٌ فِي التَّحْرِيقِ وَالتَّخْرِيبِ۔۔۔۔ کفار کے گھروں کو آگ لگانا اور برباد کرنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ {مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ} [الحشر:5]

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلا دیئے کھجور کے درخت بنی نضیر کے اور کٹوا ڈالے اور یہ معاملہ بویرا میں گزرا پھر اُتاری اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "مَا قَطَعْتُمْ" سے آخر تک یعنی جو کاٹ ڈالا تم نے کوئی درخت کھجور کا یا چھوڑ دیا اس کو قائم اور پر جڑوں ان کی کے پس حکم سے اللہ تعالیٰ کے اور اس لیے کہ ذلیل کرے اللہ فاسقوں کو۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو نضیر کے بویرہ مقام پر کھجور کے درخت جلوا دیئے اور کچھ کٹوا دیئے۔ اس وقت کچھ لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ یہ ہمارا تحریق اور تخریب والا عمل جائز ہے یا نہ۔ منافقین وغیرہ نے اعتراض بھی کیا کہ پھل دار درختوں کو جلا دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "ما قطعتم من لینۃ ... الخ" کہ درختوں کو چھوڑنا، جلانا، کاٹنا سب اللہ کے حکم سے ہے اور جائز ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جنگی حکمت عملی کے مطابق تحریق، تخریب، ہدم جائز ہے جس پر اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ جب جنگ میں انسان کی جان لی جاسکتی ہے یہ چیزیں اس سے بڑی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَنِيمَةِ۔۔۔۔ مال غنیمت کے متعلق

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَنِي عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ قَالَ أُمَّتِي عَلَى

الأُمَمِ وَأَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ.

ترجمہ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے فضیلت دی مجھ کو پیغمبروں پر یا فرمایا میری اُمت کو اُمتوں پر حلال کیں ہمارے لیے غنائم۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دی گئیں مجھے پیغمبروں پر چھ فضیلتیں پہلی یہ کہ دیا گیا میں جوامع الکلم، دوسرے یہ کہ مدد کیا گیا میں ساتھ رُعب کے یعنی کافروں کے دِل میں میرا رُعب ڈالا گیا، تیسرے حلال کی گئیں میرے لیے غنائم، چوتھے بنائی گئی میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی یعنی بوقت تیمم کے، پانچویں بھیجا گیا میں تمام خلق کی طرف، چھٹی ختم کیے گئے میرے ساتھ انبیاء علیہم السلام۔

تشریح زیر بحث باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء پر چھ خصوصیات عطا کی گئیں۔(۱) مجھے جوامع الکلم عطاء ہوئے۔(۲) مجھے رعب عطا ہوا۔
(۳) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے۔(۴) میرے لیے پوری زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا گیا ہے۔
(۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔(۶) میں خاتم النبین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔

بَابٌ فِي سَهْمِ الْخَيْلِ ...... گھوڑے کا مالِ غنیمت میں حصہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَمَ فِي النَّفَلِ لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ وَلِلرَّجُلِ بِسَهْمٍ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کیا غنیمت کو اور دو حصے دیئے گھوڑے کے اور ایک حصہ دیا مرد کو۔

تشریح مسئلہ اولیٰ: ایک سے زائد گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قولِ اوّل: ...... امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک سے زائد (گھوڑے) کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

قولِ ثانی: ...... امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دو گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا زائد کا نہیں۔

امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی دلیل: ...... وہ روایت ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گھوڑوں کے لیے حصہ مقرر فرمایا۔

عقلی دلیل:...... ایک گھوڑا کبھی تھک جاتا ہے یا زخمی ہو جاتا ہے تو دوسرے گھوڑے کی ضرورت پیش آتی ہے لہٰذا دو گھوڑوں کے لیے حصہ مقرر کیا جائے۔

جمہور کی دلیل:...... ایک دفعہ براء بن اوس رضی اللہ عنہ جہاد میں دو گھوڑے لے گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا۔

عقلی دلیل:...... درحقیقت ایک وقت میں ایک ہی گھوڑے پر جہاد ہوسکتا ہے دو پر نہیں ہوسکتا تو صرف ایک گھوڑے کے لیے حصہ مقرر کیا جائے گا۔

صاحبین کی دلیل کا جواب:...... جس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گھوڑوں کے لیے حصہ مقرر فرمایا وہ بطور تنفیل کے تھا جیسا کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو دو حصہ دیئے حالانکہ وہ پیدل جہاد میں تشریف لے گئے تھے۔

مسئلہ ثانیہ:...... گھوڑے کے دو حصے دیئے جائیں گے یا ایک حصہ دیا جائے گا؟

قول اوّل:...... امام مالک، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دو حصے دیئے جائیں گے۔

قول ثانی:...... امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فارس (گھوڑے والے) کو دو حصے دیئے جائیں گے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور ایک حصہ گھوڑے کا۔ (عمدۃ القاری، ص: ۱۵۴، ج: ۱۴)

جمہور کی دلیل: روایت الباب ہے کہ "أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل للفرس سهمين ولصاحبه سهمًا"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل للفارس سهمين وللراجل سهمًا" (عمدۃ القادری، ص: ۱۵۵، ج: ۱۴)

دلیل ثانی: غزوہ خیبر کے موقع پر غنائم کی تقسیم کے وقت فارس کو دو حصے دیئے تھے۔

عقلی دلیل: صاحب فرس ذوی العقول ہے اور فرس غیر ذوی العقول ہے تو اگر فرس کے لیے دو حصے مقرر کیے جائیں تو غیر ذوی العقول کو ذوی العقول پر ترجیح دینا لازم آئے گا اور یہ مناسب ہے۔

جمہور کی دلیل کا جواب اوّل: یہ روایت تنفیل پر محمول ہے۔

جواب ثانی: روایت الباب میں فرس بمعنی فارس ہے "جعل للفرس سهمين اي للفارس سهمين"

البراذین: باء کے کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ، "برذون" کی جمع ہے بمعنی ترکی گھوڑا۔

وبحث آخر: "واختلف في فرس يموت قبل حضور القتال فقال الشافعي واحمد واسحاق يسهم وابو ثور لا يسهم له الا اذا حضر القتال" (عمدۃ القاری، ص: ۱۵۶، ج: ۱۴)

اور اختلاف کیا گیا ہے ایسے گھوڑے کے بارے میں جو معرکہ میں حاضر ہونے سے پہلے مرجائے تو امام شافعی و امام احمد اور امام اسحٰق رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حصہ دیا جائے گا اور ابو ثور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حصہ نہیں دیا جائے گا مگر جب

کہ لڑائی میں پہنچ جائے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دار الحرب میں داخل ہو جانے کے بعد گھوڑا مر جائے تو اس گھوڑے کے مالک کو گھوڑے کا حصہ ملے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّرَايَا۔۔۔۔۔۔ لشکروں کے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ السَّرَايَا أَرْبَعُ مِائَةٍ وَخَيْرُ الجُيُوشِ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَلَا يُغْلَبُ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم چار ہیں یعنی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور بہترین لشکر جو چار سو ہیں اور بہترین فوج بڑی چار ہزار ہیں اور مغلوب نہ ہوں گے بارہ ہزار بسبب قلت کے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ساتھیوں کی اچھی تعداد چار ہے۔ ساتھیوں سے مراد یہ ہے کہ جب کچھ لوگ سفر کر رہے ہوں تو بہتر یہ ہے کہ چار آدمیوں کی جماعت بنالیں اور بہترین سریہ وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو اور بہترین لشکر وہ ہے جو چار ہزار افراد پر مشتمل ہو اور بارہ ہزار کا لشکر محض قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری باتیں اپنے حالات اور ماحول کے اعتبار سے ارشاد فرمائیں۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ حالات ہمیشہ اسی طرح برقرار رہیں بلکہ اس تعداد میں کمی وبیشی بھی کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَنْ يُعْطَى الفَيْءَ۔۔۔۔۔ مالِ غنیمت کن پر تقسیم ہوتا ہے

عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ أَنَّ نَجْدَةَ الحَرُورِيَّ كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَكَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبْتَ إِلَيَّ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ وَكَانَ يَغْزُو بِهِنَّ فَيُدَاوِينَ المَرْضَى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الغَنِيمَةِ وَأَمَّا يُسْهِمُ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: حضرت یزید بن ہرمز سے روایت ہے کہ نجدہ حروری نے لکھا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اور پوچھا کہ آیا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کرتے عورتوں کو ساتھ لے کر اور حصہ لگاتے ان کے لیے بھی؟ سو جواب لکھا ان کی طرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ تم نے جو لکھا طرف میری اور پوچھا مجھ سے کہ آیا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کرتے ان کو ساتھ لے کر تو تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جہاد کرتے ان کو ساتھ لے کر پس وہ خدمت اور علاج کرتیں بیماروں کا اور کچھ ملتا تھا ان کو غنیمت سے بطریق انعام کے لیکن مقرر نہیں کیا ان کے لیے کوئی حصہ۔

تشریح: یزید بن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا۔ یہ نجدہ حروری

خارجیوں کا سردار تھا اور مسلمانوں سے لڑائی کرتا تھا اور یہ مسئلہ پوچھا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں لے جایا کرتے تھے؟ اور کیا آپ ان عورتوں کے لیے کوئی حصہ مقرر فرماتے تھے؟ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں لکھا کہ تم نے مجھ سے یہ پوچھا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کو جہاد میں ساتھ لے جایا کرتے تھے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کو ساتھ لے جاتے تھے، وہ بیماروں کا علاج کرتی تھیں اور مال غنیمت میں سے ان کو کچھ عطا کیا جاتا تھا۔ یعنی تھوڑا بہت ان کو دے دیا جاتا تھا لیکن باقاعدہ کوئی حصہ مال غنیمت میں سے ان کے لیے مقرر نہیں کیا گیا۔

بَابُ هَلْ يُسْهَمُ لِلْعَبْدِ۔۔۔۔۔ کیا غلام کو بھی حصہ دیا جائے

عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِي فَكَلَّمُوا فِيَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمُوهُ أَنِّي مَمْلُوكٌ قَالَ فَأَمَرَ بِي فَقُلِّدْتُ السَّيْفَ فَإِذَا أَنَا أَجُرُّهُ فَأَمَرَ لِي بِشَيْءٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ وَعَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ أَرْقِي بِهَا الْمَجَانِينَ فَأَمَرَنِي بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا

ترجمہ حضرت عمیر مولیٰ ابی اللحم سے روایت ہے کہ حاضر ہوا میں خیبر میں اپنے آقاؤں کے ساتھ انہوں نے شفاعت کی میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا انہوں نے کہ میں غلام ہوں کہا عمیر نے پھر حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لٹکائی گئی میری تلوار اور میں اسے کھینچتا تھا یعنی بسبب دراز ہونے پر تلے کے اور کوتاہی قامت کے پھر حکم کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے کچھ اسباب خانگی کا یعنی مالِ غنیمت سے اور عرض کیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک منتر کہ میں جھاڑتا تھا اس سے دیوانوں کو سو حکم کیا مجھ کو اس میں سے کچھ چھوڑ دینے کا اور کچھ یاد رکھنے کا۔

تشریح حضرت عمیر مولی ابی اللحم صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے آقا کا لقب ''ابو اللحم'' ہے۔ اس کے معنی ہیں ''گوشت کا انکار کرنے والا'' چونکہ یہ گوشت نہیں کھاتے تھے اس لیے ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ان کے غلام ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ خیبر کی جنگ میں میں اپنے آقاؤں کے ساتھ حاضر ہوا تو میرے بارے میں میرے آقاؤں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ کو بتایا کہ میں غلام ہوں۔ بات کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو بھی مال غنیمت سے کچھ حصہ ملنا چاہیے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں حکم دیا تو میری گردن میں تلوار لٹکا دی گئی۔ ''قلد یقلد تقلیدا'' کے معنی ہیں کوئی چیز لٹکا دینا۔ یہ تلوار یہ دیکھنے کے لیے لٹکائی گئی کہ ان کا قد و قامت بڑوں کے برابر ہے یا نہیں؟ جب تلوار لٹکائی تو میں اس کو گھسیٹ رہا تھا۔ یعنی تلوار زمین پر گھسٹ رہی تھی اور میرا قد چھوٹا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ برتنے کا سامان دینے کا حکم دیا۔ یعنی چونکہ جنگ میں شریک ہوا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھر میں استعمال کرنے کا کچھ سامان دے دیا لیکن باقاعدہ حصہ نہیں لگایا۔ اس حدیث سے فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ چھوٹا بچہ یا غلام ہو تو اس کو مال غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الذِّمَّةِ يَغْزُونَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ هَلْ يُسْهَمُ لَهُمْ؟

ذمی اگر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں تو کیا انہیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جائے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى بَدْرٍ حَتَّى إِذَا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ لَحِقَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَذْكُرُ مِنْهُ جُرْأَةً وَنَجْدَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ، قَالَ لَا قَالَ ارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ. وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هَذَا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے بدر کی طرف اور جب پہنچے حرۃ الوبر میں کہ نام ہے ایک مقام کا ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرد مشرکوں میں سے کہ مشہور تھی اس کی دلیری اور شجاعت تو فرمایا اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان لاتا ہے تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جا میں مدد نہیں لیتا مشرک سے اور اس حدیث میں اور بھی بیان ہے اس سے زیادہ۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ خَيْبَرَ فَأَسْهَمَ لَنَا مَعَ الَّذِينَ افْتَتَحُوهَا.

ترجمہ حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ آیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت میں اشعریوں کے خیبر میں۔ پس حصہ لگایا ہمارے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ان لوگوں کے جنہوں نے اس کو فتح کیا تھا۔

تشریح "قولہ بحرۃ" حرہ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کالے پتھر ہوں۔ مدینہ منورہ کے اردگرد ایسی پتھریلی زمین ہے جس میں کالے پتھر ہیں اور مدینہ میں حرے بہت ہیں۔ اسی وجہ سے زیر بحث باب کی روایت میں حرہ کے ساتھ الوبر کی قید لگائی گئی ہے۔

مسئلہ اختلافی: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جہاد میں کافر سے مدد لینا جائز ہے یا نہ اور دو قول ہیں۔

قول اوّل: جمہور آئمہ کے نزدیک اگر مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہو تو اہل الذمہ سے مدد لینی جائز ہے۔

قول ثانی: اہل ظواہر کے نزدیک جہاد میں غیر مسلموں سے مدد لینا جائز نہیں۔

دلیل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف غزوات میں اہل ذمہ کو جہاد میں شریک کیا اور ان سے مدد لی گئی جیسے غزوہ حنین میں کفار سے مدد لی گئی۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے نکلے "حرۃ الوبر" کے مقام پر ایک کافر ملا جس نے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔ اس کی جرأت اور شجاعت بھی بہت مشہور تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کافر سے مدد لینا جائز نہیں۔

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کافر کو اس لیے شامل نہیں کیا تھا کہ غزوۂ بدر اسلام کا پہلا غزوہ تھا جسے یوم الفرقان کہا گیا تھا۔ کافر سے مدد لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحت نہیں سمجھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِانْتِفَاعِ بِآنِيَةِ الْمُشْرِكِينَ۔۔۔ مشرکوں کے برتن استعمال کرنا

عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قُدُورِ الْمَجُوسِ فَقَالَ أَنْقُوهَا غَسْلًا وَاطْبُخُوا فِيهَا وَنَهَى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ ذِي نَابٍ.

ترجمہ: حضرت ابی ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ پوچھے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجوس کی ہانڈیوں سے یعنی اسے استعمال کریں یا نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاف کرو اس کو دھو کر پھر پکاؤ اس میں اور منع فرمایا ہر درندے ذی ناب (کچلی والا جو دانتوں سے پھاڑ کر کھائے) کے کھانے سے۔

أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ عَائِذُ اللهِ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ يَقُولُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ نَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ قَالَ إِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ادریس خولانی سے روایت ہے کہ سنا میں نے ابو ثعلبہ خشنی سے کہتے تھے آیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا میں نے یا رسول اللہ! ہم لوگ ایسی قوم کی زمین میں ہیں اہل کتاب سے کہ کھاتے ہیں ہم ان کے برتنوں میں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر پاؤ تم ان کے سوا اور برتن تو مت کھاؤ ان کے برتنوں میں اور اگر نہ پاؤ اور برتن تو دھولو اس کو اور کھاؤ اسی میں۔

تشریح: مشرکین کے برتنوں کے استعمال کے متعلق چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: وہ برتن جس میں وہ ناپاک چیزیں بناتے اور استعمال کرتے ہیں اور اس کو قابل تعریف بھی سمجھتے ہیں۔ مثلاً ہنود مجوس وغیرہ گائے کے پیشاب سے برتن دھونے کو متبرک جانتے ہیں، یہ برتن نجس ہیں، ان کو استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

دوسری صورت: وہ برتن جس میں کافر و مشرکین مُردار اور حرام اشیاء خنزیر وغیرہ پکاتے ہیں تو ایسے برتن بغیر مانجھے اور دھوئے استعمال نہیں کر سکتے۔

تیسری صورت: وہ برتن جن میں کفار کوئی چیز پکائے اور بنائے نہیں بلکہ ان میں خشک اشیاء آٹا، چینی وغیرہ ڈالتے ہیں تو ان کو دھوئے بغیر استعمال کر سکتے ہیں۔

چوتھی صورت: اگر وہ کفار اہل کتاب ہوں اور اپنی کتاب پر عمل کرنے والے ہوں تو ان کے برتنوں کو استعمال کرنا درست ہے۔

بَابٌ فِي النَّفَلِ ۔۔۔۔ نفل کے بیان میں

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ فِي الْبَدْأَةِ الرُّبُعَ وَفِي الْقُفُولِ الثُّلُثَ۔

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفل دیتے تھے چوتھائی حصہ غنیمت کے مال سے ابتدائے جہاد میں اور تہائی حصہ لوٹنے کے وقت میں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَيْفَهُ ذَا الْفَقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ الَّذِي رَأَى فِيهِ الرُّؤْيَا يَوْمَ أُحُدٍ۔

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل میں لے لی تلوار اپنی ذوالفقار دن بدر کے اور اسی کا حال دیکھا خواب میں دن اُحد کے۔

تشریح نفل انعام کو کہتے ہیں۔امیر جہاد کو اختیار ہے کہ وہ مال غنیمت کے حصے کے علاوہ اس میں سے کسی کو انعام دے دے جیسے زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ذوالفقار تلوار نفل کے طور پر لی تھی۔یہ تلوار عاص بن اُمیہ کی تھی جو بعد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔

ذوالفقار:......یہ لفظ ف کی فتح کے ساتھ ہے، کسرہ کے ساتھ اس کا تلفظ غلط ہے۔فقار جمع ہے فقرہ کی۔اس کا معنی ہے مہرہ۔ اس تلوار میں بھی مہرے تھے، اس وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد میں خواب دیکھا تھا کہ تلوار ٹوٹ گئی اور اس میں دندانے پڑ گئے، بعد میں دوبارہ جڑ گئی اور ٹھیک ہوگئی۔اس سے اشارہ تھا مسلمانوں کی شکست اور فتح کی طرف۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ ۔۔۔۔ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے اس کا سامان اسی کا ہے

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ۔

ترجمہ حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قتل کیا کسی مقتول کو یعنی کافر اور اس کے لیے اس پر کوئی گواہ بھی ہے پس اسی کے لیے ہے سامان اس مقتول کا اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: اس میں اختلاف ہے کہ سلب دینے کا حکم شرعی اور ضروری ہے یا نہ اور دو مذہب ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سلب کا اعلان شرعی حکم

نہیں بلکہ یہ امیر جہاد کی طرف سے انعام کا اعلان ہے۔اس اُصول کے اعتبار سے سلب مال غنیمت میں شامل ہوگا۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سلب قاتل کے لیے ہے اور یہ شرعی حکم ہے۔

امام صاحب کی دلیل: ان کا استدلال قرآن کی آیت سے ہے "واعلموا انما غنمتم... الخ" اس آیت میں لفظ ما عموم کے لیے ہے۔اس عموم کی وجہ سے سلب بھی اس میں داخل ہے۔

امام شافعی کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا ہے کہ سلب قاتل کا ہوگا۔اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ شرعی حکم ہے۔

جواب: یہ حدیث خبر واحد ہے جس کی وجہ سے کتاب اللہ پر زیادتی یا تقیید یا تخصیص جائز نہیں۔البتہ دونوں میں تطبیق ہوسکتی ہے کہ سلب مال غنیمت میں شامل ہے کتاب اللہ کے حکم سے اور انعام کے طور پر قاتل کو دیا جاسکتا ہے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے۔

سوال: امیر جہاد سلب کا اعلان کس وقت کرے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امیر جہاد کو اختیار ہے ابتداء میں یا درمیان یا آخر میں کرے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخر میں اعلان کرے۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقْسَمَ

تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت کی چیزیں فروخت کرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقْسَمَ

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا غنیمت کی چیزیں خریدنے سے یہاں تک کہ تقسیم ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ وَطْءِ الْحَبَالَى مِنَ السَّبَايَا

قید ہونے والی حاملہ عورتوں سے پیدائش سے پہلے صحبت کرنے کی ممانعت

حَدَّثَتْنِي أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُوطَأَ السَّبَايَا حَتَّى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ.

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ جماع کیا جائے قیدی عورتوں سے یہاں تک کہ جنیں وہ جو اُن کے پیٹوں میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَعَامِ الْمُشْرِكِينَ ۔۔۔۔ مشرکین کے کھانے کا حکم

قَالَ سَمِعْتُ قَبِيصَةَ بْنَ هُلْبٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارَى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِي صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيهِ النَّصْرَانِيَّةَ.

ترجمہ: حضرت ہلب سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم کیا طعام نصاریٰ کا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شک نہ ڈالے تیرے سینے میں وہ کھانا جس میں مشابہت کی تو نے نصرانیت کی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ تو نصرانیوں کا کام ہے کہ وہ دوسرے مذاہب والے کے کھانوں سے پرہیز کرتے ہیں اور ان کے کھانے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا تمہارے دل میں کسی کھانے کی نفرت نہ ہونی چاہیے، چاہے وہ کسی کافر کا پکایا ہوا ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو نصرانیوں کے مشابہ ہو جاؤ گے کیونکہ وہ لوگ دوسرے مذہب والوں کے کھانوں سے نفرت کرتے ہیں۔

دو مسائل کا تذکرہ ہے۔

مسئلہ اولیٰ: زیر بحث باب کی حدیث اس کھانے پر محمول ہے جس میں گوشت شامل نہ ہو۔ مثلاً سبزی، دال وغیرہ ہو۔ اس صورت میں یہ حکم عام ہے اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں کو شامل ہے۔

مسئلہ ثانیہ: اگر اس کھانے میں گوشت شامل ہے تو اہل کتاب کے علاوہ دیگر کفار کا طعام جائز نہیں ہوگا کیونکہ اہل کتاب کو ذبیحہ کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ اس لیے کہ ان کے ذبح کا وہی طریقہ ہے جو اہل اسلام کا ہے۔ اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں عروق اربعہ کو مشروع طریقہ سے کاٹتے ہیں اور بوقت ذبح غیر اللہ کا نام نہیں لیتے لیکن ہمارے زمانہ میں عیسائیوں کا طریقہ بدل گیا ہے، اس لیے اب ان کا ذبیحہ ہمارے لیے جائز نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبْيِ ۔۔۔ قیدیوں کے درمیان تفریق کرنا

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جس نے ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان تفریق کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق کر دیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْأُسَارَى وَالْفِدَاءِ ۔۔۔۔ قیدیوں کے قتل اور فدیہ کے متعلق

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ جِبْرَائِيلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ خَيِّرْهُمْ يَعْنِي

أَصْحَابَكَ فِي أُسَارَى بَدْرٍ الْقَتْلَ أَوِ الْفِدَاءَ عَلَى أَنْ يُقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِثْلُهُمْ قَالُوا الْفِدَاءَ وَيُقْتَلَ مِنَّا

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جبرئیل اُترے مجھ پر اور کہا اختیار دو تم اپنے اصحاب کو اساریٰ بدر کے قتل اور فدیہ میں اور اگر اختیار کریں فدیہ کو تو قتل کیے جائیں گے سال آئندہ مثل ان اساری کے کہا انہوں نے اختیار کیا ہم نے فدیہ لے کر چھوڑ دینا کافروں کا اور قتل کیے جائیں ہم میں سے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَى رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

ترجمہ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ دیا دو مردوں کا مسلمانوں سے ساتھ ایک مرد سے مشرکوں کے یعنی ایک مشرک دے کر دو مسلمان چھڑا لیے۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا کہ قتل کردیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں لیکن فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال اتنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتل ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ کو اختیار کیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ "تخییر" کا تو یہ مطلب ہے کہ دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں اور جائز ہیں۔ لہٰذا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ دونوں صورتوں میں سے جو صورت چاہیں اختیار کرلیں اور پھر انہوں نے ایک صورت فدیہ والی اختیار کرلی تو پھر ان پر وہ عتاب کیوں ہوا جس کا ذکر اس آیت میں ہے "ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرة" چنانچہ اس آیت کے نزول کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس فدیہ لینے کے فیصلے کے نتیجے میں عذاب قریب آچکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کو دور فرمادیا۔ یہ عتاب کیوں ہوا؟ (سورۃ الانفال:۶۷)

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو تخییر دی گئی تھی وہ تخییر امتحان تھی۔ لہٰذا یہاں پر تخییر کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دونوں صورتیں اللہ کی رضا کے مطابق ہیں بلکہ ان میں سے ایک اللہ کی رضا کے مطابق ہے لیکن اب تمہارا امتحان ہے کہ تم کون سی صورت اختیار کرتے ہو؟ اور یہ جو فرمایا کہ فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال تمہارے ستر آدمی شہید ہوں گے۔ اس سے اس طرف اشارہ کردیا گیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پاداش میں آئندہ سال تم میں سے ستر کو قتل کیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس معاملے میں جو تخییر دی گئی وہ تخییر اباحت نہیں تھی بلکہ تخییر امتحان تھی۔ (الاحزاب:۲۸)

جیسے ازواجِ مطہرات کو ان آیات کے ذریعہ تخییر دی گئی۔ "ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا و ان کنتن تردن اللہ و رسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنت منکن اجراً عظیما" (۲) لیکن یہ تخییر امتحان تھی کہ کون دُنیا کو اختیار کرتی ہے اور کون اللہ کو اختیار کرتی ہے۔ حدیث باب میں بھی ایسی ہی تخییر ہے اور چونکہ سب کے سب یا تو غلام تھے یا غلاموں کی اولاد تھے اور یہی غلام بعد میں بادشاہ بھی بنے۔ اس طرح اسلام نے ان کی انسانی صلاحیتوں کو محفوظ رکھ کر ان سے خیر کا کام لیا۔ لیکن جہاں اس بات کا احتمال ہو کہ لوگ ان کے حقوق کی رعایت نہیں کریں گے تو چونکہ استرقاق نہ فرض ہے نہ واجب ہے، نہ سنت ہے اور نہ مستحب ہے اور نہ پسندیدہ عمل ہے، صرف مباح ہے جو ضرورت کے وقت اختیار کی جاسکتی ہے تو اس صورت میں غلام نہ بنایا جائے۔ تکملہ فتح الملہم کے اندر کتاب العتق کے شروع میں میں نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ اسلام نے غلامی کے نظام میں کیا اصلاحات کی ہیں۔

"وقال الاوزاعی: بلغنی ان ھذہ الایۃ منسوخۃ" جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا کہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس آیت "فاما منا بعد و اما فداء" نے قتل اور استرقاق کو منسوخ کر دیا ہے جبکہ امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت خود منسوخ ہے اور اس کی ناسخ دوسری آیت ہے۔ "واقتلوھم حیث ثقفتموھم" لہٰذا اب احسان کرنا اور فدیہ لینا جائز نہیں، اب تو قتل ہی کرنا ہے۔

"قال اسحٰق: الاثخان احب الی" امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ قتل ہی کیا جائے۔ الا یہ کہ کوئی قیدی کافروں کا مشہور آدمی ہو اور پھر اس کے ذریعہ بہت سے مسلمان قیدیوں کی رہائی کا ان کو لالچ دیا جائے۔ مثلاً ان سے کہا جائے کہ اگر تم اس کو چھڑانا چاہتے ہو تو ہمارے پچاس آدمی اس کے بدلے میں چھوڑ دو۔ اس طرح اس کو فدیہ میں چھوڑا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ

عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتُولَةً فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ وَنَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت ملی بعض لڑائیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل ہوئی پس برا جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کو اور منع فرمایا عورتوں اور لڑکوں کے قتل سے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الصَّعْبُ بْنُ جَثَّامَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ خَيْلَنَا أَوْطَأَتْ مِنْ نِسَاءِ الْمُشْرِكِينَ وَأَوْلَادِهِمْ قَالَ هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت صعب بن جثامہ نے عرض کیا کہ یا رسول

اللہ! ہمارے گھوڑوں نے کفار کی عورتوں اور بچوں کو روند ڈالا ہے۔آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے باپ دادا ہی سے ہیں۔
اس حدیث میں وہ صورت بیان کی گئی ہے جب عورتیں اور بچے بلا قصد مارے گئے۔اسی لیے آپ نے فرمادیا کہ وہ اپنے آباء واجداد سے تعلق رکھتے ہیں۔اس لیے مجبوری ہے۔

تشریح اس حدیث کی وجہ سے قصد کر کے تو عورتوں اور بچوں کو مارنا ناجائز ہی نہیں بلکہ حتی الامکان عورتوں اور بچوں کو بچانا ہی چاہیے۔لیکن اگر کہیں مجبوری پیش آجائے مثلاً مسلمانوں نے کافروں کے کسی علاقے پر شب خون مارا اور اب تاریکی کی وجہ سے پتہ نہیں چل رہا ہے کہ سامنے مرد ہے یا عورت ہے تو اس صورت میں اجازت ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْثٍ فَقَالَ إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ فَأَحْرِقُوهُمَا بِالنَّارِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللهُ فَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور فرمایا کہ اگر تم قریش کے فلاں فلاں شخص کو پاؤ تو انہیں آگ سے جلا دو۔پھر جب روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا، میں نے تم کو فلاں فلاں کو آگ میں جلانے کا حکم دیا تھا لیکن آگ سے عذاب صرف اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔لہٰذا اگر یہ دو آدمی تمہیں مل جائیں تو انہیں قتل کر دینا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُلُولِ۔۔۔۔۔غلول کے متعلق

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنْ ثَلَاثٍ الْكِبْرِ وَالْغُلُولِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مرا اور وہ پاک ہے تکبر اور غلول (خیانت) اور قرض سے داخل ہوا جنت میں۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الرُّوحُ الْجَسَدَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنْ ثَلَاثٍ الْكَنْزِ وَالْغُلُولِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ هَكَذَا قَالَ سَعِيدٌ الْكَنْزُ وَقَالَ أَبُو عَوَانَةَ فِي حَدِيثِهِ الْكِبْرُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ مَعْدَانَ وَرِوَايَةُ سَعِيدٍ أَصَحُّ.

ترجمہ حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی روح جدا ہوئی بدن سے اور وہ پاک ہے تین چیزوں سے تکبر اور غلول (خیانت) سے اور قرض سے جنت میں ایسا ہی داخل ہوا کہا سعید نے لفظ کنز کا اور ابوعوانہ نے اپنی حدیث میں لفظ کبر کا اور نہیں ذکر کیا معدان کا اور روایت سعید کی اصح ہے۔

ثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ فُلَانًا قَدِ اسْتُشْهِدَ قَالَ كَلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ بِعَبَاءَةٍ قَدْ غَلَّهَا قَالَ قُمْ يَا عُمَرُ فَنَادِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا.

ترجمہ حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ تحقیق کہ فلانا شخص شہید ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے دیکھا اس کو آگ میں یعنی دوزخ کے بسبب ایک عبا کی کہ چرایا اس کو مالِ غنیمت سے پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے عمر اور پکارا تین بار کہ نہیں داخل ہوں گے جنت میں مگر مؤمن لوگ۔

تشریح غلول مالِ غنیمت میں خیانت کرنا اور تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں چوری کرنا۔ غلول درحقیقت مطلقاً خیانت کو کہتے ہیں، بعد میں اس کا غالب استعمال مالِ غنیمت میں خیانت کے ساتھ ہوا۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غلول مطلقاً خیانت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اگر اس کا اطلاق مالِ غنیمت میں سرقہ پر کیا جائے تو پھر ان دونوں معنوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

غلول کی وجہ تسمیہ

غلول کے معنی باندھنے اور محبوس کرنے کے ہیں۔ چنانچہ امام نفطویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنے سے ہاتھ مغلول اور محبوس ہوتے ہیں، اس لیے اس میں خیانت کو ''غلول'' کا نام دیا گیا ہے۔

غلول گناہ کبیرہ کیوں ہے؟

مالِ غنیمت میں جرم خیانت کے اس قدر سنگین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت لشکر اسلام کا مشترکہ حق ہوتا ہے اس میں خیانت اور چوری کرنا بے شمار افراد کے حقوق کی حق تلفی کے مترادف ہے۔ (کشف الباری)

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ

عورتوں کے جہاد میں جانے کے متعلق

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مَعَهَا مِنَ الْأَنْصَارِ يَسْقِينَ الْمَاءَ وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں ساتھ رکھتے اُم سلیم اور چند عورتوں کو ان کے ہمراہ انصار سے کہ پلاتی تھیں پانی اور علاج کرتی تھیں زخمیوں کا۔

تشریح اس باب سے معلوم ہوا کہ جنگ میں عورتوں کی شرکت جائز ہے اور وہ زخمیوں کو پانی بھی پلاسکتی ہیں اور ان کی مرہم پٹی بھی کرسکتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ هَدَايَا الْمُشْرِكِينَ ..... مشرکین کے ہدایا قبول کرنا

عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ كِسْرَى أَهْدَى لَهُ فَقَبِلَ وَأَنَّ الْمُلُوكَ أَهْدَوْا إِلَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُمْ

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ بھیجا کسریٰ نے پس قبول کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بادشاہ ہدیہ بھیجتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول کرتے۔

تشریح زیر بحث باب کی دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ مشرکین سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے اور دوسری سے معلوم ہو رہا ہے کہ مشرکین سے ہدیہ قبول کرنا ناجائز ہے۔

جواب (۱): ہدیہ قبول نہ کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور کسریٰ وغیرہ سے ہدیہ قبول کرنے کا واقعہ بعد کا ہے۔ لہٰذا یہ اول کے لیے ناسخ ہے اور ہدیہ قبول نہ کرنے کا حکم منسوخ ہے۔

جواب (۲): یہ دونوں حدیثیں مختلف احوال پر محمول ہیں۔ اگر ہدیہ قبول کرنے میں کوئی ضرر نہ ہو تو قبول کرنا جائز ہے اور ضرر رسانی کا احتمال ہو تو ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ هَدَايَا الْمُشْرِكِينَ

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ أَنَّهُ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً لَهُ أَوْ نَاقَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ قَالَ لَا قَالَ فَإِنِّي نُهِيتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِينَ.

ترجمہ حضرت عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ انہوں نے ہدیہ بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہدیہ یا کوئی اونٹ راوی کو شک ہے سو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسلام لایا تو؟ کہا عیاض نے نہیں۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں منع کیا گیا ہوں مشرکین کے ہدیوں سے یعنی ان کے قبول سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَةِ الشُّكْرِ ..... سجدۂ شکر کے بیان میں

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ أَمْرٌ فَسُرَّ بِهِ فَخَرَّ لِلّٰهِ سَاجِدًا.

ترجمہ حضرت ابی بکرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آئی خوشخبری کسی کام کی اور خوش ہوئے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گر پڑے۔

تشریح ہمارے مشائخ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ سجدہ شکر کوئی چیز نہیں ہے اور یہی روایت امام مالک سے بھی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ یہ مکروہ ہے اور بعض نے کہا کہ شکر کامل یہ نہیں بلکہ شکر کامل تو دو رکعتوں میں ہے اسی کو ابن عابدین نے اختیار کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمَانِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ...... عورت اور غلام کا امان دینا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ يَعْنِي تُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے روایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کہ عورت لیتی ہے واسطے قوم کے یعنی پناہ مراد اس سے یہ کہ پناہ دلوائی مسلمانوں سے۔

عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ أَنَّهَا قَالَتْ أَجَرْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَحْمَائِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ.

ترجمہ حضرت اُم ہانی سے روایت ہے کہ پناہ دلوائی میں نے اپنے شوہر کی قرابت والوں میں سے دو شخصوں کو سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دی ہم نے جس کو امن دی تو نے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: آئمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک عورت کا کسی کو امان دینا صحیح ہے۔حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص بن ربیع کو امان دی تھی۔عبد الملک بن ماجشون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت کی امان امام کی اجازت پر موقوف ہے، اگر امام اجازت دے گا تو اجازت، ورنہ نہیں۔

فائدہ: اُم ہانی رضی اللہ عنہا فتح مکہ والے سال مسلمان ہوئیں اور ہبیرہ کے نکاح میں تھیں، ان سے اولاد بھی ہوئی جن سے ایک ہانی بھی تھیں جس کی بناء پر ان کی کنیت اُم ہانی ہوگئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَدْرِ...... دھوکہ دہی کے بیان میں

قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَ بْنَ عَامِرٍ يَقُولُ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ أَهْلِ الرُّومِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيرُ فِي بِلَادِهِمْ حَتَّى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ أَغَارَ عَلَيْهِمْ فَإِذَا رَجُلٌ عَلَى دَابَّةٍ أَوْ عَلَى فَرَسٍ وَهُوَ يَقُولُ اللهُ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ وَإِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتَّى يَمْضِيَ

أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ.

ترجمہ حضرت سلیم بن عامر سے روایت ہے کہتے تھے وہ کہ درمیان معاویہ رضی اللہ عنہ کے اور اہل روم کے صلح تھی اور یہ چلے ان کے شہروں میں اس ارادہ سے کہ جس وقت تمام ہو مدت صلح کی لوٹیں ان کو پس ناگہاں ایک مرد آیا دابہ یا فرس یعنی راوی کو شک ہے کہ دابہ کہا یا فرس اور وہ کہتا تھا اللہ اکبر تم کو وفا ضرور ہے نہ عہد شکنی پھر دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ تھے پوچھا ان سے حضرت معاویہ نے سبب اس کا فرمایا سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جس کا اور کسی قوم کے درمیان عہد ہو تو نہ توڑے عہد کو اور نہ شدت کرے اس میں یعنی کچھ تغیر نہ کرے یہاں تک کہ گزر جائے مدت اس کی یا پھینک دے وہ عہد ان کی طرف برابر یعنی ان کو آگاہ کر دے کہ ہمارے تمہارے درمیان اب صلح نہیں تا کہ علم و صلح میں دونوں برابر ہو جائیں پھر لوٹے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو لے کر۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت میں وفاداری کی ایک بہترین مثال بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان جنگ بندی کا ایک معاہدہ تھا۔ اہل روم سے ان کی جنگ رہتی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معاہدے کی مدت کے دوران جنگ کی تیاری کرتے رہے۔ جب معاہدہ کی مدت ختم ہونے کے قریب ہوئی، انہوں نے سوچا کہ مدت کے دوران حملہ مناسب نہیں لیکن اپنی فوج اس دوران روم میں داخل کر دی۔ خیال یہ ہوا کہ مدت ختم ہونے کے بعد وہاں سے چلیں گے تو دیر ہو جائے گی۔ جب معاہدہ کی مدت کا آخری دن ختم ہوگا تو فوراً حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور آپ نے بہت سے علاقے فتح کر لیے۔ اچانک حضرت عمر بن حبہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ آتے ہی فرمایا: ”اللہ اکبر وفاء لا غدر“ کہ مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے نہ کہ غداری۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا ہم نے کون سی غداری کی ہے۔ حضرت عمر بن حبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کسی کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو مدت معاہدہ کے اندر اس کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔ آپ معاہدے کی مدت کے دوران ان کے ملک میں داخل ہوئے تو جو معاہدے کے خلاف ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو فوراً واپس چلے گئے اور تمام مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا کیونکہ ان کی یہ جنگ ملک و مال حاصل کرنے کے لیے نہ تھی بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا ہوگا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکنی کرنے والے کے لیے جھنڈا گاڑا جائے گا۔ (یہ اس کی ذلت اور رسوائی سے کنایہ ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النُّزُولِ عَلَى الحُكْمِ...... کسی کے حکم پر پورا اُترنا

عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ رُمِيَ يَوْمَ الأَحْزَابِ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَطَعُوا أَكْحَلَهُ أَوْ أَبْجَلَهُ فَحَسَمَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّارِ فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَتَرَكَهُ فَنَزَفَهُ الدَّمُ فَحَسَمَهُ أُخْرَى فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَالَ اللَّهُمَّ لَا تُخْرِجْ نَفْسِي حَتَّى تُقِرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ فَاسْتَمْسَكَ عِرْقُهُ فَمَا قَطَرَ قَطْرَةً حَتَّى نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَحَكَمَ أَنْ يُقْتَلَ رِجَالُهُمْ وَتُسْتَحْيَا نِسَاؤُهُمْ يَسْتَعِينُ بِهِنَّ المُسْلِمُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْتَ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ وَكَانُوا أَرْبَعَ مِائَةٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِهِمْ انْفَتَقَ عِرْقُهُ فَمَاتَ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تیر لگا جنگ احزاب میں سعد بن معاذ کے اور کٹ گئی رگ اکحل ان کی یا ابجل پس داغ دیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ سے سوسوج گیا ان کا ہاتھ پھر چھوڑ دیا سو بہنے لگا خون پھر دوبارہ داغا اس کو پھر سوج گیا ان کا ہاتھ پھر جب دیکھا انہوں نے یہ حال یعنی یقین ہوا موت کا کہا یا اللہ! نہ نکال جان میری یہاں تک کہ ٹھنڈی کر آنکھیں میری بنی قریظہ سے یعنی ان کا ہلاک دیکھ لوں پس رُک گئی ان کی رگ اور نہ ٹپکا اس میں سے ایک قطرہ یہاں تک کہ اُترے وہ حکم پر سعد بن معاذ کے پس پیغام بھیجا حضرت نے ان کی طرف یعنی بلایا اور حکم کیا سعد نے کہ قتل کیے جائیں مردان کے اور زندہ رکھی جائیں عورتیں ان کی مدد ہو مسلمانوں کو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا تم نے حکم اللہ کا ان کے باب میں یعنی جو حکم اللہ کا تھا وہی تم نے حکم دیا اور چوتھے بنی قریظہ چار سو پھر جب فارغ ہوئے حضرت ان کے قتل سے کھل گئی سعد کی رگ اور وہ مر گئے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوا شُيُوخَ المُشْرِكِينَ وَاسْتَحْيُوا شَرْخَهُمْ وَالشَّرْخُ الغِلْمَانُ الَّذِينَ لَمْ يُنْبِتُوا.

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قتل کرو شیوخ مشرکین کو اور زندہ چھوڑ دو ان کے لڑکوں کو مراد اس سے وہ ہیں کہ جن کے زیر ناف کے بال نہ نکلے ہوں۔

عَنْ عَطِيَّةَ القُرَظِيِّ قَالَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيلُهُ فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِتْ فَخُلِّيَ سَبِيلِي.

ترجمہ حضرت عطیہ قرظی سے روایت ہے کہ سامنے لائے گئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن قریظہ کے اور حکم یہ تھا کہ جس کے موئے زہار (زیر ناف) نکلے ہوں قتل کیے جائیں اور جس کے نہ نکلے ہوں وہ چھوڑ دیا جائے پھر

میں ان میں تھا کہ جن کے زہار (زیر ناف بال) نہ نکلے تھے پس چھوڑ دیا مجھ کو۔

تشریح "نزلت بنو قریظة علی حکم سعد رضی اللہ عنه" یہودیوں کا غدار قبیلہ بنوقریظہ نے ایک قلعہ میں پناہ لی تھی، کئی دن کے محاصرہ کے بعد وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فیصل (ثالث) ماننے کے لیے تیار ہوئے تھے، سردار ہونے کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر فرمایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ فرمایا وہ حدیث الباب میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِلْفِ ------ حلف کے بیان میں

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ أَوْفُوا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ يَعْنِي الْإِسْلَامَ إِلَّا شِدَّةً وَلَا تُحْدِثُوا حِلْفًا فِي الْإِسْلَامِ.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ شعیب کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے خطبہ میں کہ پورا کرو حلف ایام جاہلیت کی اس لیے کہ وہ نہ بڑھائے گی یعنی اسلام میں مگر مضبوطی اور نئی حلف اب نہ کرو اسلام میں۔

تشریح جاہلیت میں کیے گئے معاہدے کا حکم

حدیث باب میں جس معاہدے کی ممانعت ہے یہ وہ معاہدہ ہے جس میں ہر حالت میں مدد کرنے کا معاہدہ ہوتا ہے اور عصبیت میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ اس میں بھی آدمی یہ سوچتا ہے کہ چونکہ یہ میرے وطن یا میری زبان کا یا میری قوم کا ہے، لہٰذا میں اس کی مدد کروں گا، چاہے یہ حق پر ہو یا نہ ہو۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کو "منتنة" فرمایا۔ یعنی یہ بدبودار چیز ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حق پر ہے یا باطل پر ہے۔ اگر حق پر ہے تو بیشک اس کی مدد کرو اور اگر باطل پر ہے تو اس کی مدد نہ کرو بلکہ اس شخص کی مدد کرو جو اس کے مقابلے میں حق پر ہے۔ چاہے وہ تمہارے قبیلے، تمہاری قوم اور تمہارے وطن کا آدمی نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْمَجُوسِ ----- مجوسی سے جزیہ لینے کے بیان میں

عَنْ بَجَالَةَ بْنِ عَبْدَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَلَى مَنَاذِرَ فَجَاءَنَا كِتَابُ عُمَرَ انْظُرْ مَجُوسَ مَنْ قِبَلَكَ فَخُذْ مِنْهُمُ الْجِزْيَةَ فَإِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ أَخْبَرَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ.

ترجمہ حضرت بجالہ بن عبدہ فرماتے ہیں کہ میں مناذر کے مقام پر حضرت جزء بن معاویہ کا کاتب مقرر تھا۔ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خط آیا کہ اپنے علاقے میں مجوسیوں کو دیکھو کہ کون کون ہیں اور ان سے جزیہ

وصول کرو، اس لیے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مقام کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

عَنْ بَجَالَةَ أَنَّ عُمَرَ كَانَ لَا يَأْخُذُ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ حَتَّى أَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ.

ترجمہ: حضرت بجالہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے حتیٰ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

بَابُ مَاجَاءَ مَايَحِلُّ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الذِّمَّةِ

ذمیوں کے مال میں سے جو حلال ہے اس کے متعلق

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ يُضَيِّفُونَا وَلَا هُمْ يُؤَدُّونَ مَا لَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْنُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ أَبَوْا إِلَّا أَنْ تَأْخُذُوا كَرْهًا فَخُذُوا.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ عرض کیا میں نے یارسول اللہ! ہم گزرتے ہیں ایک قوم پر کہ وہ نہیں ضیافت کرتی ہماری اور نہ ادا کرتی ہے جو کچھ ہمارا حق ہے ان پر یعنی مہمانداری کا اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں۔ سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر نہ مانیں وہ مگر یہ کہ لو تم ان سے زبردستی، پس لے لو جب بھی۔

تشریح: بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی جنگی مہم پر کوئی لشکر بھیجا جاتا تو راستے میں جو گاؤں اور بستیاں آتیں، لشکر والوں کو ان بستیوں سے کھانا خریدنے کی ضرورت ہوتی تو وہ بستی والے جو مسلمانوں کے دشمن ہوتے یا مسلمانوں سے عناد رکھتے وہ نہ تو ان لشکر والوں کی مہمانی کرتے۔ جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ اگر بستی میں کوئی اجنبی مسافر آجاتا تو لوگ اس کی مہمانی کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ لوگ ہمارا حق نہیں دیتے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ بستی والے اپنی دکانیں بند کر کے چلے جاتے تھے تا کہ یہ مسلمان کوئی چیز نہ خرید سکیں اور ہم اس خیال سے ان سے زبردستی بھی نہیں لیتے تھے کہ زبردستی لینا ٹھیک نہیں ہے۔ ایسے موقع پر ہم کیا کریں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بستی والے دینے سے انکار کریں، سوائے اس کے کہ تم ان سے زبردستی لو تو ان سے زبردستی لے لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی رضامندی سے بیع کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے تو تم زبردستی بھی ان سے لے سکتے ہو۔

جبری بیع کا حکم

اس حدیث سے فقہاء کرام نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کا امیر اور ولی الامر اگر مسلمانوں کی مصلحت سمجھے تو

کسی شخص کو زبردستی بیع پر آمادہ کرسکتا ہے۔عام حالات میں بیع کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ فریقین کی رضامندی سے وجود میں آتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے "لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" (سورۃ النساء:۲۹) لہٰذا زبردستی کسی کو بیع پر مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن ایسے حالات میں جہاں مسلمانوں کی کوئی حاجت داعی ہو اور مسلمانوں کی مصلحت عامہ کا تقاضہ ہو، اس وقت زبردستی بیچنے کا حکم ولی الامر اور حاکم دے سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهِجْرَةِ۔۔۔۔۔ ہجرت کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے دن نہیں ہجرت بعد اس فتح کے لیکن جہاد ہے اور نیت اور جب طلب کیے جاؤ تم جہاد کے لیے تو کوچ کرو۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ آج کے بعد ہجرت نہیں۔مطلب یہ ہے کہ جو ہجرت پہلے فرض عین تھی کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرے اب وہ فرض نہیں ہے۔اب ہجرت کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسے دار الکفر میں مقیم ہے جہاں دینی احکام پر عمل کرنا ممکن نہیں وہاں سے ہجرت کرنا اس کے حق میں فرض ہے۔اگر ایسی جگہ مقیم ہے جہاں اسلامی احکام پر عمل کرسکتا ہے وہاں سے ہجرت مستحب ہے لیکن اب جہاد اور نیت حسنہ ہے یعنی آدمی یہ نیت رکھتے کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے گی تو اللہ کے راستے میں اپنی جان ومال کو قربان کروں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى {لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ} [الفتح: 18] قَالَ جَابِرٌ بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے تفسیر میں آیت مذکورہ کے یعنی اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنوں سے جبکہ بیعت کرتے تھے وہ تجھ سے نیچے درخت کے کہا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر نہ بھاگنے کے نہیں بیعت کی ہم نے اوپر موت کے۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ.

ترجمہ حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے کہا انہوں نے پوچھا میں نے سلمہ بن اکوع سے کس پر بیعت کی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دن حدیبیہ کے کہا انہوں نے اوپر موت کے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُبَايِعُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَيَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تھے ہم بیعت کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم سننے اور فرمانبرداری پر پس فرماتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جہاں تک ہو سکے تم سے یعنی اطاعت بقدرِ استطاعت کے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمْ نُبَايِعْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَوْتِ إِنَّمَا بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا نہیں بیعت کی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بلکہ بیعت کی ہم نے ان سے نہ بھاگنے پر

تشریح اس روایت کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ اس میں آیت "لقد رضی اللہ عن المؤمنین" کے متعلق ابن منیر شارح بخاری کہتے ہیں کہ اس آیت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صبر پر بیعت کی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: "فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ" اور سکینہ لڑائی کے درمیان مضبوط (جمے رہنے) رہنے کا نام ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے لڑائی (جہاد) کے موقع پر نہ بھاگنے کا پختہ عزم کر لیا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو معلوم کر لیا تو ان پر سکینہ نازل فرما دیا۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نزاع، نزاعِ لفظی ہے۔ اس طرح کہ جنہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت پر بیعت لی تھی تو ان کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ ہم میدان جنگ سے بھاگیں گے نہیں، یہاں تک کہ مر جائیں گے اور جن حضرات نے بیعت علی الموت کا انکار فرمایا ہے تو ان کا مقصود بھی یہی ہے کہ موت مطلوب نہیں بلکہ بیعت عدم فرار پر ہے کہ جو بھی حالات پیش آئیں گے ہم ان پر صبر کریں گے تو دونوں طرف کے حضرات کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ ہم آخری سانس تک جہاد کریں گے بھاگیں گے نہیں، غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر ذوالقعدہ چھ ہجری کو کیکر کے درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چودہ سو صحابہ سے بیعت لی۔ اس پر اللہ پاک نے اُن سے راضی ہونے کا اعلان کیا اور اس بیعت کا نام "بیعۃ الرضوان" ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَكْثِ الْبَيْعَةِ ۔۔۔۔۔ بیعت توڑنے سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفَى لَهُ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ لَمْ يَفِ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے بات کریں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر اگر امام نے اس کو کچھ دے دیا تو اس کی اطاعت کی ورنہ نہیں کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ الْعَبْدِ ۔۔۔۔۔ غلام کی بیعت کے بیان میں

عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ وَلَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدُ حَتَّى يَسْأَلَهُ أَعَبْدٌ هُوَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ کے ہاتھ پر ہجرت پر بیعت کر لی۔ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔ اس کے بعد اس غلام کا مالک بھی آ گیا۔ آپ نے مالک سے فرمایا کہ یہ غلام مجھے فروخت کر دو۔ چنانچہ آپ نے اسے دو سیاہ غلاموں کے عوض خرید لیا۔ اس کے بعد آپ جب بھی کسی سے بیعت لیتے تو پہلے یہ پوچھ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النِّسَاءِ ۔۔۔۔ عورتوں کی بیعت سے متعلق

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ أُمَيْمَةَ بِنْتَ رُقَيْقَةَ تَقُولُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ، قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِأَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ بَايِعْنَا قَالَ سُفْيَانُ تَعْنِي صَافِحْنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کئی عورتوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے فرمایا جتنی تمہاری استطاعت اور طاقت ہو، میں نے کہا اللہ اور اللہ کے رسول ہماری جانوں پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم سے بیعت لے لیجیے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ بیعت

سے مراد مصافحہ ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا سو عورتوں کو کہا جانے والا قول ایک عورت کو کہے جانے والے قول کی طرح ہے۔ عورتوں کی بیع چادر کے پکڑنے کے ساتھ ثابت ہے مصافحہ کہیں سے بھی ثابت نہیں اور نہ اس کی اصل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ أَصْحَابِ أَهْلِ بَدْرٍ۔۔۔۔ بدر میں لڑنے والوں کی تعداد

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَصْحَابَ بَدْرٍ يَوْمَ بَدْرٍ كَعِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوتَ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا۔

ترجمہ حضرت براء سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ بدری لوگ جنگ بدر میں برابر گنتی طالوت والوں کے تھے یعنی جنہوں نے نہر سے عبور کیا تھا تین سو تیرہ آدمی۔

تشریح اصحاب بدر کی تعداد کے بارے میں زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ ۳۱۳ تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں احمد، بزار، طبرانی رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی رحمہما اللہ نے ایک بڑے تابعی عبیدہ بن عمرو سلمانی رحمہ اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ محمد بن اسحاق اور اہل مغازی کی جماعت یہی کہتی ہے۔ بعض روایات میں تین سو کے بعد چودہ اور بعض میں پندرہ اور بعض میں سترہ اور بعض میں انیس بھی آیا ہے لیکن پہلا قول ہی قوی ہے۔ یہ تعداد اُن لوگوں کی ہے جن کو غزوۂ بدر کا ثواب ملا اور مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ مقاتلین کم و بیش تین سو پانچ تھے۔ بعض روایات میں ۳۰۶، ۳۰۷ بھی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم ان کی تیمارداری کرو تمہیں مجاہدین کا ثواب اور درجہ ملے گا۔ لہٰذا وہ مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو اہل عالیہ پر قائم مقام کی حیثیت سے چھوڑا۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعید بن زید کو ایک قافلہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت حارث بن حاطب کو بنی عمرو بن عوف کی طرف ایک ضرورت سے بھیجا۔ حضرت حارث بن صمہ اور حضرت خوات بن جبیر گر پڑے، اس کی وجہ سے ہڈی ٹوٹ گئی، ان کو مدینہ منورہ واپس فرمایا، لیکن ان سب کو بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کا ثواب اور مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ (قسطلانی شرح بخاری)

غزوۂ بدر میں انصار کی تعداد ۲۴۰ سے کچھ زائد تھی۔ مہاجرین کی تعداد ۶۰ سے کچھ زائد تھی۔ دوسرا قول ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ ۸۳ تھے۔ سوم واقدی نے لکھا ہے کہ ۸۵ تھی۔ چہارم، طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ۷۷ تھی۔ ان روایات میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ زیادہ تعداد ذکر کرنے والوں نے ان افراد کو عدد میں شامل کر لیا ہو جو خادم کی حیثیت سے یا ناظرین میں سے تھے اور جنگ میں شرکت کی اُن کو اجازت نہ تھی۔ جیسے حضرت حارثہ بن سراقہ ناظرین میں سے تھے، اُن کے تیر آ کر لگا اور وہ شہید ہو گئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم کی حیثیت سے تھے، شریک جنگ نہ تھے۔ ''الی غیر ذالک'' (فتح الباری) واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الخُمُسِ ۔۔۔۔۔ خمس کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِوَفْدِ عَبْدِ القَيْسِ آمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَفِي الحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس سے فرمایا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرو۔

باب ماجاء فی کراھیۃ النھبۃ ۔۔۔۔ تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے کچھ لینا

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَتَقَدَّمَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَتَعَجَّلُوا مِنَ الغَنَائِمِ فَاطَّبَخُوا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُخْرَى النَّاسِ فَمَرَّ بِالقُدُورِ فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمْ فَعَدَلَ بَعِيرًا بِعَشْرِ شِيَاهٍ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو کچھ جلد باز قسم کے لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے مال غنیمت کی کچھ چیزیں لے لیں اور ان کو پکانا شروع کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پیچھے تھے، جب آپ ان دیگوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان دیگوں کو اُلٹ دینے کا حکم دیا، وہ اُلٹ دی گئیں۔ پھر آپ نے مال غنیمت کو تقسیم فرمایا اور تقسیم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر کیا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک مال غنیمت تقسیم نہ ہو جائے اس وقت تک اس میں سے کوئی چیز کھانا یا اپنے استعمال میں لانا درست نہیں کیوں کہ اگرچہ اس مال سے سارے مسلمانوں کا حق متعلق ہے لیکن جب تک تقسیم نہ ہو جائے اس وقت تک کسی فرد واحد کو اس سے انتفاع کا حق حاصل نہیں۔

مال غنیمت میں ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے اور اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر کیا۔ اس سے جمہور فقہاء کے اس مؤقف کی تقویت ہوتی ہے کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ ایک اونٹ دس آدمیوں میں تقسیم ہو سکتا ہے اس سے مراد تقسیم غنیمت ہے، قربانی مراد نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ انْتَهَبَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مال غنیمت میں تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ ۔۔۔۔ اہل کتاب کوسلام کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابتداء نہ کرو یہود ونصاریٰ سے ساتھ سلام کے اور جب ملاقات کرو کسی ایک کی ان میں سے راہ میں تو بے قرار کرو اس کو تنگ راہ میں۔

تشریح اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ ان سے ملاقات کے وقت تحیہ کا کوئی لفظ بھی ابتداءً استعمال نہ کرنا چاہیے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سلام کے علاوہ دوسرے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ انگریز ہے تو اس سے ملاقات کے وقت گڈ مارننگ کہہ تو دو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن السلام علیکم سے ابتداء نہ کرے بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر وہ لوگ تمہیں سلام کریں تو جواب میں تم صرف علیکم کہہ دو۔ البتہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جواب میں پورا وعلیکم السلام کہنا بھی جائز ہے لیکن یہ نیت ہو کہ اس کو سلامتی اسلام کے واسطے سے ہو یعنی یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اسلام کی توفیق دے اور اس کے نتیجے میں اس پر سلامتی ہو، اس نیت سے پورا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْيَهُودَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدُهُمْ فَإِنَّمَا يَقُولُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ عَلَيْكَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود جب تم کو سلام کرتے ہیں تو السام علیک کہتے ہیں۔ لہٰذا جواب میں تم علیک کہہ دو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُقَامِ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ

مشرکوں میں رہائش پذیر رہنے کی کراہت

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً إِلَى خَثْعَمٍ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ فِيهِمُ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ. قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَلِمَ قَالَ لَا تَرَاءَى نَارَاهُمَا

ترجمہ حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ایک لشکر طرف خثعم کی پس پناہ چاہی بعضے لوگوں نے ساتھ سجدے کے پس جلدی کی مسلمانوں نے ان کے قتل میں پھر پہنچی یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے لیے نصف دیت کا اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں بیزار ہوں اس مسلمان سے کہ رہے مشرکوں کے درمیان میں کہا یا رسول اللہ! کیوں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور ہے کہ مسلمان مشرک سے اتنی دُور رہے کہ دکھائی نہ دے ایک کو آگ دوسرے کی۔

تشریح زیر بحث باب کی روایت سے بطور عبارت النص کے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر مشرکین کی بستی میں کوئی مسلمان مقیم ہے جس پر مسلمانوں کی فوج حملہ آور ہو جائے اور ناواقفیت کی وجہ سے وہ مسلمان مارا جائے تو اس کا کوئی ضمان اور دیت نہیں ہوگی۔ اس حدیث سے بطور اشارۃ النص کے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ کسی مسلمان کو غیر مسلموں کی بستی میں نہیں رہنا چاہیے۔ اس مسئلہ کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دارالکفر میں رہ رہا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں۔ اس کے وہاں رہنے کا کوئی معقول عذر ہے یا نہ، اگر کوئی معقول عذر نہ ہو صرف اور صرف دولت کمانا مقصود ہو تو وہاں مستقل اقامت اختیار کرنی مکروہ تحریمی ہے۔ بعض فقہاء نے ایسے آدمی کو فاسق اور مردود الشہادت قرار دیا ہے۔ اگر کوئی معقول عذر اور ضرورت داعیہ ہو تو دارالکفر میں طلب معاش کے لیے جانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اسلامی احکامات اور واجبات پر عمل کرے اور بچوں کی صحیح تربیت کرے ورنہ نہیں جا سکتا۔

سوال: کیا جس اسلامی ملک میں اسلامی احکامات نافذ نہ ہوں بلکہ اسلام کا نام لینے والوں پر تشدد کیا جا رہا ہو ایسے ملک کو دارالاسلام کہہ سکتے ہیں؟

جواب: فقہی اعتبار سے ایسا ملک دارالسلام ہے کیونکہ دارالسلام کی یہ تعریف نہیں ہے کہ جس میں بالفعل اسلامی احکام نافذ ہوں بلکہ دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ اس ملک پر غالب قوت مسلمانوں کی ہو جس وقت بھی وہ اسلامی احکام نافذ کرنا چاہیں تو کر سکیں۔ اگرچہ اسلام کا نام لینے والوں پر تشدد اور ظلم ہو رہا ہو جیسے حجاج بن یوسف نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قتل کیا اور ان میں کثیر تعداد علماء، فقہاء، محدثین، قراء اور حفاظ تھے لیکن تشدد کے باوجود وہ ملک دارالاسلام ہی رہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِخْرَاجِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ

جزیرۂ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دینے سے متعلق

ثنا أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَلَا أَتْرُكُ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خبر دی مجھ کو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ سنا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے البتہ میں نکال دوں گا یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے اور نہ چھوڑوں گا میں اس میں مگر مسلمان۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَئِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللهُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ.

ترجمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں زندہ رہا ان شاء اللہ تعالیٰ نکال دوں گا یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے پھر بعد وفات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو نکال دیا۔

تشریح پہلی بات: تمام آئمہ کے نزدیک یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب میں سکونت کی اجازت دینا جائز نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم حجاز کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے نزدیک سے مراد مکہ مدینہ، یمامہ اور ان کے متعلقات ہیں۔ یمن وغیرہ اس سے خارج ہیں۔ اخراج سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کی سکونت جائز نہیں۔ البتہ مسافر کی حیثیت سے ورود جائز ہے لیکن تین روز سے زیادہ قیام کی اجازت دینا جائز نہیں اور مکہ اور حرم میں بالکل دخول بھی جائز نہیں، اگر خفیہ طور پر کوئی داخل ہو جائے تو اس کا اخراج واجب ہے اور دفن کر دیا گیا ہو تو قبر سے نکال کر اخراج ضروری ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مساجد میں غیر مسلموں کا دخول جائز نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام میں جائز نہیں، خواہ ذمی ہو یا مستامن بقیہ مساجد میں جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام اور تمام مساجد میں ان کا اتفاقی طور پر دخول جائز ہے لیکن حج وعمرہ کرنا جائز نہیں۔

فریق اوّل کی دلیل یہ ہے: "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نجس فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هٰذا" حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت میں حج وعمرہ کی ممانعت مراد ہے اور مشرکین کی نجاست سے مراد اُن کے اعتقاد کی نجاست وخبث ہے کیونکہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو حالت شرک میں مسجد میں رکھا گیا تھا۔ (روح المعانی بتلخیص)

دوسری بات: جزیرۃ العرب سے کیا مراد ہے؟ جزیرہ خشکی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو چاروں طرف سے پانی سے گھرا ہوا ہو۔ صاحب قاموس رحمہ اللہ نے لکھا ہے جزیرۃ العرب وہ علاقہ ہے جس کو بحر ہند، بحر شام، دجلہ اور فرات گھیرے ہوئے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے، جزیرۃ العرب مکہ مدینہ، یمامہ اور یمن ہے۔ ازہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کو جزیرۃ العرب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ایک جانب بحر فارس دوسری جانب بحر سودان اور شمالی جانب دجلہ وفرات ہیں۔

تیسری بات: عہد نبوت اور عہد صدیقی میں یہود خیبر میں برقرار رہے لیکن ان کی طرف سے شرارتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیبر گئے تھے وہاں ایک مکان کی چھت پر سو گئے، اسی حالت میں یہود نے ان کو چھت سے نیچے دھکیل دیا، ان کے ہاتھ پیر کی ہڈیاں اُتر گئیں۔ اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو اُنہوں نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل مشورہ کو جمع کیا، سب کے اتفاق سے طے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق یہود کو خیبر سے جلا وطن کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو ملک شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔

چوتھی بات: اس حکم میں بہت بڑی مصلحت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ نبوت کے ذریعہ معلوم تھا کہ یہود کی طرف سے کتنے خطرات پیش آسکتے ہیں، یہ بڑی چالاک، سود خور، مالدار، زر پرست اور سازشی قوم تھی، ان کی یہ خصوصیت ہے کہ جس

ملک میں رہتے ہیں مختلف طریقوں سے اس کے باشندوں کا خون چوس لیتے ہیں، اُن کو غریب اور مجبور کر دیتے ہیں اور خود پھولتے پھلتے ہیں، یہ عرب میں رہتے تو اسلام کے لیے بے شمار خطرات پیدا کر دیتے۔

سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ کا واقعہ:

اُنہوں نے عرب سے باہر رہ کر بھی نہایت خوفناک سازشیں جاری رکھیں۔ سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ان کتوں سے مجھے بچاؤ، سامنے دو آدمیوں کی صورت نظر آئی، رات میں تین مرتبہ خواب دیکھا تو سلطان فوراً مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر تمام اہل مدینہ کے بادشاہ کی طرف سے دعوت کا اعلان کر دیا اور یہ حکم دے دیا کہ کوئی شخص دعوت میں شرکت سے الگ نہ رہے۔ سلطان خود ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں سے تمام واردین کو دیکھتے رہے۔ تمام اہل مدینہ دعوت میں شریک ہوئے لیکن وہ دو آدمی نظر نہیں آئے جن کا حلیہ خواب میں دیکھا تھا۔

سلطان کے حکم سے تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ دو آدمی دعوت میں نہیں آئے جو ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور کہیں نہیں جاتے۔ بالآخر سلطان کے حکم سے ان دونوں کو بھی بلایا گیا تو یہی وہ دو آدمی تھے جن کا حلیہ خواب میں نظر آیا تھا۔ سلطان ان کے گھر پہنچا، تمام گھر کی تلاشی لی گئی لیکن کوئی بات شبہ کی نظر نہیں آئی۔ آخر میں اس مصلے کو اُٹھایا گیا جس پر وہ دونوں بیٹھے رہتے تھے تو اس کے نیچے سے زمین میں ایک زینہ نظر آیا، اس کے نیچے ایک سُرنگ تھی جو زیر زمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب تک پہنچ گئی تھی۔ جب ان دونوں افراد سے تحقیق کی گئی تو اُنہوں نے بیان کیا کہ وہ یہودی ہیں اور اُن کا مقصد یہ تھا کہ اس سُرنگ کے ذریعہ زیر زمین قبر مبارک تک پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو وہاں سے نکال لیں۔ سلطان نے اُن کو سخت سزا دی۔ اس کے بعد قبر مبارک کے چاروں طرف بہت گہرائی تک سیسہ پگھلا کر اس کی دیوار بنا دی جو آج تک موجود ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہود حرم محترم میں باقی رہتے تو ان کی جانب سے کتنی غیر شریفانہ بعید از قیاس سازشوں کا اندیشہ تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرِكَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ مَنْ يَرِثُكَ قَالَ أَهْلِي وَوَلَدِي قَالَتْ فَمَا لِي لَا أَرِثُ أَبِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا نُورَثُ وَلٰكِنِّي أَعُولُ مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهُ وَأُنْفِقُ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آئیں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور فرمایا کون وارث ہوگا تمہارا؟ کہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے گھر والے اور اولاد میری فرمایا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے پھر کیا ہے کہ میں وارث نہ ہوں اپنے باپ کی سو کہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے نہیں وارث ہوتا ہمارا کوئی لیکن روٹی کپڑا دوں گا میں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اور خرچ دوں گا میں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَدَخَلَ عَلَيْهِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ عُمَرُ لَهُمْ أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ قَالُوا نَعَمْ قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتَ أَنْتَ وَهٰذَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَطْلُبُ أَنْتَ مِيرَاثَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ وَيَطْلُبُ هٰذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.

ترجمہ حضرت مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے کہ داخل ہوا میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور داخل ہوئے ان کے پاس عثمان بن عفان اور زبیر بن عوام اور عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص پھر آئے حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما تکرار کرتے ہوئے سو فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم دیتا ہوں میں اس اللہ کی جس کے حکم سے ٹھہرا ہے آسمان اور زمین کیا جانتے ہو تم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا ہم نے صدقہ ہے؟ کہا سب حاضرین نے ہاں! فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر جب وفات ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میں خلیفہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھر آئے تم اور یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس طلب کرنے لگے تم میراث اپنے بھتیجے کی اور طلب کرنے لگے یہ میراث اپنی بی بی کی ان کے باپ سے کہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہم نے جو چھوڑا ہے صدقہ ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ سچے تھے اور سیدھی راہ پر حق کے تابع تھے اور اس حدیث میں ایک قصہ طویل ہے۔

تشریح اس باب کے تحت چند سوالات دیکھ لیں جو عام طور پر کیے جاتے ہیں۔

سوال: اصل قصہ میں تصریح ہے کہ حضرت علی وحضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: "لا نورث" جب ان حضرات کو اس فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیوں کیا؟ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سن لیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیوں کیا؟

جواب: حضرت علی وعباس و فاطمہ رضی اللہ عنہم کو "لا نورث" کے فرمان کے بارے میں تو علم تھا لیکن وہ اس کو عام نہیں سمجھتے تھے بلکہ مخصوص منہ البعض خیال کرتے تھے، اس لیے تقسیم کا مطالبہ کیا۔

سوال: جب حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ ان کی شرائط کے مطابق لے لیا تھا (جس میں کہ ان کا جھگڑا چل رہا تھا) تو انہوں نے اقرار بھی کر لیا تھا کہ "ما ترکنا صدقة" پھر کیا ضرورت پڑی کہ وہ جھگڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے؟

جواب: حضرت علی وحضرت عباس رضی اللہ عنہما میں شرکت مشکل ہو گئی تھی کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انتظامی طور پر غالب آجاتے تھے، اس لیے انہوں نے مطالبہ کیا کہ تولیت تقسیم کر دیں یعنی ان کا مطالبہ تقسیم کا تولیت کے طور پر تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار فرما دیا کہ تقسیم سے تو مال میں ان کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت ہی تھی اس لیے ان میں تقسیم کر دی گئی۔

سوال: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو پھر انہوں نے اس مال کو اپنے قبضہ میں کیوں نہ لیا؟

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مال کو چھوڑ دیا تھا اپنی ملک میں نہیں لیا تھا کیونکہ آئمہ کرام سے جب کوئی چیز چھن جائے تو وہ اس کو دوبارہ نہیں لیتے، اس لیے انہوں نے ایسے ہی رہنے دیا یعنی ملکیت کی طرف تبدیل نہیں کیا اور مالکوں والا تصرف نہیں کیا۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ خلافت کیوں واپس لی وہ بھی تو چھن گئی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: إِنَّ هٰذِهِ لَا تُغْزٰى بَعْدَ الْيَوْمِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع پر فرمان کہ آج کے بعد مکہ میں جہاد نہیں کیا جائے گا

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ الْبَرْصَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ يَقُولُ لَا تُغْزٰى هٰذِهِ بَعْدَ الْيَوْمِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ آج کے بعد قیامت تک مکہ مکرمہ کو فتح نہیں کرنا پڑے گا۔ یعنی ان شاء اللہ قیامت تک یہ مسلمان ہی کی تحویل میں رہے گا اور کافروں کی تحویل میں اس طرح نہیں جائے گا کہ اس کو چھڑانے کے لیے مسلمانوں کو جہاد کرنا پڑے اور اس کو فتح کرنا پڑے، ایسا نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّاعَةِ الَّتِي يُسْتَحَبُّ فِيهَا الْقِتَالُ ۔۔۔ قتال کا مستحب وقت

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ أَمْسَكَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ أَمْسَكَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ ثُمَّ أَمْسَكَ حَتَّى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ وَكَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُونَ لِجُيُوشِهِمْ فِي صَلَاتِهِمْ.

ترجمہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہا، جب فجر طلوع ہوتی تو آپ لڑائی روک دیتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور جب سورج طلوع ہو جاتا تو پھر لڑائی شروع فرماتے، پھر جب نصف النہار ہو جاتا تو لڑائی روک دیتے حتیٰ کہ آفتاب ڈھل جائے۔ پھر جب زوال آفتاب ہو جاتا تو پھر لڑائی شروع فرماتے اور عصر تک جاری رکھتے اور عصر کے وقت لڑائی روک دیتے اور عصر کی نماز ادا فرماتے، عصر کی نماز کے بعد پھر لڑائی شروع فرماتے اور اس وقت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت مدد الٰہی کی ہوا چلتی ہے اور مؤمنین نمازوں میں اپنے لشکروں کے لیے اس وقت دُعا کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطِّيَرَةِ ۔۔۔ طیرہ کے بیان میں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ وَمَا مِنَّا إِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ.

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدفالی پر عمل کرنا شرک ہے اور نہیں کوئی ہم میں سے جس کو خیال نہ آئے بدفالی کا مگر اللہ دور کر دیتا ہے اس کو ساتھ توکل کے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَأُحِبُّ الْفَأْلَ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْفَأْلُ قَالَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ عدوی (متعدی بیماری) ہے نہ بدفالی اور دوست رکھتا ہوں میں نیک فال کو کہا گیا یا رسول اللہ! کیا ہے فالِ نیک؟ فرمایا کوئی اچھی بات۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَنْ يَسْمَعَ يَا رَاشِدُ يَا نَجِيحُ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوست رکھتے تھے جب نکلتے تھے کسی اپنے کام کو کہ سنیں: ”یَارَاشِدُ یَانَجِیحُ“

تشریح الحاصل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بدفالی اور بدشگونی لینا شرک کا ایک شعبہ ہے اور ”ومامنا“ کے بعد ایک جملہ محذوف ہے۔ ”ومامنا الا وقدیتوھم الطیرۃ“ یعنی ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے دل میں کبھی بدفالی اور بدشگونی کا خیال دل میں نہ آتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کو توکل کے ذریعہ زائل فرمادیتے ہیں۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ توہمات دل سے نکل جاتے ہیں۔

بدفالی اور بدشگونی لینا:

اس حدیث میں بدفالی اور بدشگونی کی ممانعت فرمائی ہے جیسے سکھوں کے اندر یہ مشہور ہے کہ اگر یہ گھر سے کسی مقصد کے لیے نکلتے اور سامنے سے بلی راستہ کاٹ جائے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سفراب منحوس ہوگیا۔ یہ اس وقت واپس آجاتے اور سفرملتوی کردیتے ہیں۔ اسی طرح اگلی حدیث میں ”لا عدوی“ کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا زمانہ جاہلیت میں عدوی ایک مخصوص عقیدہ تھا، اس عقیدے کی تردید کی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصِيَّتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقِتَالِ

جنگ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا وَقَالَ اغْزُوا بِسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا فَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ أَيَّتُهَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ وَادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَالتَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ فَإِنَّ لَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ وَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ مَا يَجْرِي عَلَى الْأَعْرَابِ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتَ حِصْنًا فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ وَاجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَمَ أَصْحَابِكَ لِأَنَّكُمْ إِنْ تَخْفِرُوا ذِمَّتَكُمْ وَذِمَمَ أَصْحَابِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ

تَخْفِرُوا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلُوهُمْ وَلٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيهِمْ أَمْ لَا أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر پر کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تو آپ اس کو یہ وصیت کرتے کہ وہ اپنے نفس کے معاملات میں اللہ سے ڈرے اور جو لوگ ان کے ساتھ ہوتے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتے اور فرماتے کہ بسم اللہ پڑھ کر اللہ کے راستے میں جہاد کیا کرو اور کافروں سے قتال کرو اور مال غنیمت میں خیانت مت کرو اور بدعہدی مت کرو اور کسی کو مثلہ مت کرو اور کسی بچے کو قتل مت کرو اور جب تمہارا مقابلہ تمہارے مشرک دشمن سے ہو تو تم ان کو تین میں سے ایک بات کی دعوت دو۔ اگر وہ ان تین میں سے کسی ایک پر راضی ہو جائیں تو تم ان سے قبول کر لو اور پھر ان سے رُک جاؤ اور ان سے قتال نہ کرو۔ سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت اور یہ کہ وہ اپنے گھروں سے دارالمہاجرین کی طرف منتقل ہو جائیں اور ان کو بتا دو کہ اگر وہ ایسا کر لیں گے تو ان کے وہی حقوق اور وہی فرائض ہوں گے جو دوسرے مہاجرین کے ہیں اور اگر وہ لوگ اپنی جگہ سے منتقل ہونے سے انکار کر دیں یعنی اسلام تو لائیں لیکن ہجرت نہ کریں تو اس صورت میں ان پر وہی احکام جاری ہوں گے جو دوسرے اعراب المسلمین کے ہوتے ہیں اور مال غنیمت اور مال فئی میں سے اس وقت تک ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا جب تک وہ جہاد نہ کریں اور اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتے ہوئے ان سے قتال کرو اور اگر تم کسی قلعے کا محاصرہ کر لو اور وہ لوگ یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ اور اللہ کے رسول کا ذمہ دو تو تم ان سے یہ مت کہو کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کا ذمہ دیتے ہیں بلکہ یہ کہو کہ ہم اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمے کی بے حرمتی کرنا یہ زیادہ شدید ہے اس بات سے کہ انسان اپنے ذمے کی بے حرمتی کر لے۔ اسی طرح اگر تم کسی قلعے کا محاصرہ کر لو اور وہ لوگ یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اُتارو، یعنی اللہ کے فیصلے پر مصالحت کرنا چاہیں تو تم ایسا مت کرو بلکہ ان سے یہ کہو کہ ہم تم کو اپنے فیصلے پر اُتارتے ہیں اس لیے تمہیں کیا معلوم کہ جو تم فیصلہ کر رہے ہو وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ لہٰذا اپنے فیصلے کو اللہ کا فیصلہ قرار نہ دو۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُغِيرُ إِلَّا عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِلَّا أَغَارَ وَاسْتَمَعَ ذَاتَ يَوْمٍ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ فَقَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لوٹتے تھے مگر نمازِ صبح کے وقت پھر اگر سن لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان ٹھہر جاتے تھے ورنہ لوٹ لیتے تھے اور کان لگایا ایک دن

تو سنا کہ ایک مرد کہتا تھا اللہ اکبر! اللہ اکبر! سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہے تو فطرتِ اسلام پر پھر کہا اس نے اشھدان لاالٰہ الا اللہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلا تو دوزخ کی آگ سے۔

أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فضیلت جہاد سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْجِهَادِ ـــــ جہاد کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ قَالَ إِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ فَرَدُّوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ، فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ مَثَلُ الْقَائِمِ الصَّائِمِ الَّذِي لَا يَفْتُرُ مِنْ صَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا چیز برابر ہے جہاد کے یعنی ثواب واجر میں؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم طاقت نہیں رکھتے اس کی پھر دوبارہ پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا سہ بارہ ہر بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے تم اس کی طاقت نہیں رکھتے پھر فرمایا تیسری بار میں مثال مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند اس روزہ دار اور نمازی کی ہے کہ نہیں قصور کرتا نماز میں اور نہ روزہ میں یہاں تک کہ پھرے مجاہد فی سبیل اللہ۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِي هُوَ عَلَيَّ ضَامِنٌ إِنْ قَبَضْتُهُ أَوْرَثْتُهُ الْجَنَّةَ وَإِنْ رَجَعْتُهُ رَجَعْتُهُ بِأَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ مجاہد میری راہ میں ہے اس کی ضمانت مجھ پر ہے اگر قبض کروں میں اس کی روح وارث کروں اس کو جنت کا اور اگر پھیرے جاؤں اس کو یعنی اس کے گھر کی طرف پھیرے جاؤں ساتھ اجر اور غنیمت کے۔

تشریح لفظ جہاد باب مفاعلہ کا مصدر ہے جو مشتق ہے جہد سے بمعنی مشقت وطاقت اور شرعاً جہاد کہا جاتا ہے ظاہری دشمن، کفار و باطنی دشمن نفس شیطان کے مقابلہ میں اپنی طاقت کو خرچ کرنا اور جہاد کا اکثر استعمال کفار کے ساتھ قتال کرنے پر ہوتا ہے چاہے قتال ظاہری ہو کہ خود تلوار لے کر قتال کرے یا مال و نیک رائے ومشورہ سے نصرت واعانت کرے یا کم سے کم مسلمانوں کی جماعت کی تکثیر کرے یا قلم وزبان سے ان کا مقابلہ کرے، یہ سب صورتیں جہاد میں شامل ہیں چونکہ جہاد کا اصل مقصد قتل وقتال نہیں بلکہ حکومت الٰہیہ کو زمین میں قائم کرنا ہے اور اس کے لیے مانع نفس امارہ وشیطان ہے اور کفار ان کا لشکر ہے اور ظاہری دشمن

ہے اس لیے ان سے جہاد کرنا آسان ہے۔

بنابریں اس کو جہاد اصغر کہا جاتا ہے اور نفس وشیطان امیر لشکر ہیں اور پوشیدہ بڑا دشمن ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ''ان اعدی عدوک مافی جنبیک'' اس لیے ان کے ساتھ مقابلہ کر کے اللہ کی طاعت کے لیے نفس کو آمادہ کرنا اور گناہوں سے باز رکھنا بھی جہاد ہے بلکہ یہ دُشوار ہونے کی بناء پر جہاد اکبر و حقیقی جہاد کہا جاتا ہے۔ ''کما جاء فی الحدیث المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله'' اور ''والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا'' میں یہی جہاد مراد ہے۔ نیز جہاد بالکفار میں حسن لغیرہ ہے اور جہاد بالنفس مقصود لذاتہ وحسن لذاتہ ہے اور ہر وقت یہ ضروری ہے، لہٰذا یہ جہاد اکبر و افضل ہونا چاہیے۔

پھر جہاد مع الکفار جمہور علماء کے نزدیک قیامت تک فرض ہے، اگرچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے لیکن قرآن کریم کی ظاہری آیات سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ فرمایا: ''وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله وقوله تعالٰی فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم۔ وقوله تعالٰی کتب علیکم القتال وهو کره لکم وغیرها من الایات''

اب بحث ہوئی کہ جہاد ہر وقت فرض عین ہے یا کبھی کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے؟ تو سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے نزدیک جہاد ہر وقت فرض عین ہے وہ دلیل پیش کرتے ہیں مذکورہ آیتوں سے کہ ان میں مطلقاً فرض قرار دیا گیا، کسی خاص وقت وحالت کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا لیکن جمہور اُمت کے نزدیک تفصیل ہے کہ کفار اپنے بلاد میں رہیں بلاد اسلامیہ پر حملہ نہ کریں تو فرض کفایہ ہے اگر بعض نے ادا کرلیا تو باقیوں سے ساقط ہو جائے گا، اگر کسی نے بھی نہیں کیا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر کفار مسلمانوں پر سختی سے حملہ کردے اور حکومت کا متعین لشکر مقابلہ نہ کرسکے اور امام المسلمین نفیر عام کا اعلان کردے تو سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ امام خواہ عادل ہو یا فاسق عام حالت میں فرض کفایہ ہونے کی دلیل آیت قرآنی ہے: ''لیس علی الاعمٰی حرج... ولا علی الذین لایجدون ماینفقون حرج'' الآیہ۔

تو مذکورہ لوگوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ نماز وغیرہ ساقط نہیں ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے جن مطلق آیات سے استدلال کیا ان کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کو مذکورہ آیت سے خاص کیا جائے گا حملہ کے وقت اور نفیر عام کے وقت کے ساتھ پھر جہاد کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بوقت ضرورت قیامت تک حکم جہاد باقی رہے گا۔

جیسا کہ حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الجهاد ماض مذ بعثنی الله تعالٰی الٰی ان یقاتل اخر هٰذه الامة الدجال لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل'' پھر جہاد مع الکفار کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

دفاعی جہاد ہے کہ کفار ابتداءً مسلمانوں پر حملہ کریں تو ان کو دفع کرنے کے لیے جہاد کرنا لازم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم''

دوسری قسم: اقدامی جہاد ہے کہ کفار حملہ نہ کریں لیکن ان کی قوت وشوکت اتنی زیادہ ہو کہ مسلمانوں کو ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ کب حملہ کر کے اسلام کی آزادی میں خلل ڈال دیں گے تو اس وقت مسلمانوں کو حکم ہے کہ کفار پر حملہ کر کے ان کی طاقت وقوت کو توڑ دے اور اسلام ومسلمانوں کی حفاظت کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ دونوں قسم کے جہاد تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنے جہاد ہوئے اہل مغازی وسیر نے اس کی دوسری اور ایک تقسیم کی کہ جس جہاد میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس شریک تھے، اس کو "غزوہ" کہتے ہیں اور جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں ہوئے اس کو "سیر وبعث" کہتے ہیں۔

"جہاد مع الکفار" پر بعض معاندین اسلام اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں خونریزی اور فتنہ وفساد ہے جس سے عالم میں بے رحمی وبگاڑ وخرابی پیدا ہوتی ہے جو انسانیت کے خلاف ہے ہم ان کو مختصر جواب دیتے ہیں کہ جسم انسانی کا کوئی عضو اگر سڑ جائے اور اس کو نہ کاٹا جائے تو سرایت کر کے پورا جسم خراب ہو کر مر جانے کا خطرہ ہے تو تمام عقلاء وطبیب وڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ اس سڑے ہوئے عضو کو کاٹ دیا جائے تا کہ پورا بدن ہلاک ہونے سے محفوظ ہو جائے تو یہ آپریشن اس کے حق میں عین رحمت وعدل ہے کوئی بھی بے رحمی وظلم نہیں کہے گا۔ اسی طرح پورا عالم انسان اکبر کی حیثیت رکھتا ہے کفار ومشرکین اس کا ایک عضو فاسد ہے جب دوا سے اصلاح نہ ہوئی تو عین حکمت وانصاف یہ ہے کہ اس عضو فاسد متعدی کو کاٹ دیا جائے تا کہ پورا عالم اس سے متاثر ہو کر ہلاک نہ ہو سکے، اسی لیے تو اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ پہلے ان کی دوا کرو یعنی کلمہ کی دعوت دو، اگر قبول کر لیا تو دوا سے عضو اچھا ہو گیا، کاٹنے یعنی قتال کی ضرورت نہیں، اگر قبول نہ کرے تو مرہم لگاؤ یعنی جزیہ پر راضی ہو جائے تو وہ متعدی ہو کر دوسرے اعضاء کو خراب نہیں کرے گا تب بھی قتال نہیں۔ اگر دوا (دعوت) ومرہم (جزیہ) سے کام نہ چلے تب آپریشن یعنی قتال کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا کیوں کہ ان کا فساد متعدی نہیں ہے۔

الغرض جہاد کی غرض خونریزی وجلب المال نہیں ہے بلکہ پورے عالم کو فساد وظلم سے بچانا ہے۔ "واللہ اعلم بحقیقۃ الحال" نیز دُنیا کی ہر حکومت باغی قوموں کو قتل کر کے اپنی حکومت کی حفاظت کرتی ہے اور اس کو اس کے کمال اور سیاسی دور اندیشی اور عین مصلحت سمجھتے ہیں کوئی اس کو ظلم وبے انصافی نہیں کہتا تو اگر خداوند قدوس اپنی حکومت کے باغی، کفار ومشرکین کو قتل کا حکم دے تو اس کو ظلم وبے انصافی وخلاف مصلحت کیوں کہا جاتا ہے۔ "فالی اللہ المشتکی"

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا ------ جہاد میں چوکیداری کی فضیلت

فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَإِنَّهُ يُنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ.

ترجمہ حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے، وہ روایت کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ انہوں نے

فرمایا مہر کردی جاتی ہے ہر میت کے عمل پر یعنی تمام ہو جاتے ہیں اور بڑھتے نہیں مگر جو مرے مرابطا اللہ کی راہ میں پس بڑھائے جاتے ہیں اس کے لیے عمل اس کے قیامت کے دن تک اور امن میں رہتا ہے وہ فتنہ قبر سے اور سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے مجاہد وہ ہے جو مجاہدہ کرے اپنے نفس سے یعنی طاعت الٰہی میں صبر اور نفس کی پیروی نہ کرے اور یہ جہادِ اکبر ہے۔

تشریح اس حدیث شریف میں مجاہد کے فضائل کا بیان کیا ہے اس کو عذاب قبر سے نجات دی جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ فِي سَبِيلِ اللهِ

جہاد کے دوران روزہ رکھنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ زَحْزَحَهُ اللهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا أَحَدُهُمَا يَقُولُ سَبْعِينَ وَالآخَرُ يَقُولُ أَرْبَعِينَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزہ رکھے ایک دن اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں دور کردے گا اللہ تعالیٰ اس کو آگ سے دوزخ کی ستر برس کی مسافت تک۔ ایک راوی کہتا ہے ستر برس دوسرا چالیس برس یعنی عروہ اور سلیمان بن یسار دونوں نے گنتی میں اختلاف کیا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَصُومُ عَبْدٌ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا بَاعَدَ ذَلِكَ الْيَوْمُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ سَبْعِينَ خَرِيفًا.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں روزہ رکھتا ہے کوئی بندہ ایک دن اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں مگر دور کرتا ہے وہ دن دوزخ کی آگ اس کے منہ سے ستر برس کی مسافت تک۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

ترجمہ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزہ رکھے ایک دن کا اللہ کی راہ میں بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان میں خندق ایسے جیسے آسمان و زمین۔

تشریح سببِ فضیلت: اس میں فضیلت دو عبادتوں (جہاد اور صوم) کے جمع ہونے کی وجہ سے ہے۔

سوال: جہاد میں تو افطار اولیٰ ہے کیوں کہ روزہ سے کمزوری آتی ہے اور ماقبل میں "باب من اختار الغزو علی الصوم" میں روزہ نہ رکھنے کو بہتر بتلایا گیا تاکہ روزہ سے کمزوری پیدا نہ ہو جائے اور یہاں جہاد کے وقت روزہ کی فضیلت بیان کی جارہی ہے، یہ کیسے؟

جواب: جہاد میں افطار کی افضلیت اس شخص کے لیے ہے جس کو روزہ سے کمزوری کا خوف ہو اور جس شخص کو کمزوری کا خوف نہ ہو اس کے لیے روزہ افضل ہے۔

سوال: حدیث الباب میں ستر سال تک دوزخ سے دور فرمانے کا ذکر ہے تو بعد میں کیا ہوگا؟

جواب: "سبعین خریفًا" مبالغہ کے لیے ہے نہ کہ تحدید کے لیے، جیسا کہ قرآن پاک میں "خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" ہے تو مراد مبالغہ ہے تحدید نہیں ہے۔ "قولہ زحزحہ اللہ عن النار"

سوال: دور کر دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں کہ اللہ پاک کے راستہ میں روزہ رکھنے والے کا چہرہ جہنم سے ستر سال تک کی مسافت دور کر دیا جائے گا اور اس معنی کو مراد لینے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

روایات میں تعارض:

روایت الباب میں "سبعین خریفًا" (ستر سال) ہے۔ نسائی میں "باعد اللہ منہ جہنم مائۃ مسیرۃ عام" (سو سال) ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ نے کامل میں "میسرۃ خمس مائۃ عام" (پانچ سو سال) ذکر کیا ہے اور ترمذی میں "جعل اللہ بینہ وبین النار خندقًا کما بین السماء والارض" تو بظاہر روایات میں تعارض ہے؟ (کشف الباری)

شارحین نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اوّل: سبعین والی روایت صحیح ہے بنسبت خمسین اور اربعین والی حدیث سے۔

جواب ثانی: یہ جواب بھی دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے "اقل المسافاۃ" کا علم دیا پھر تدریجاً اس علم میں زیادتی کرتے گئے۔

جواب ثالث: اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس اختلاف کی بناء صائمین کے اختلاف پر مبنی ہو، روزے کے کمال صحت اور نقصان کے اعتبار سے کہ کچھ کا روزہ ہر اعتبار سے کامل ہوتا ہے اور بعض کا ناقص۔

جواب رابع: امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث باب میں سبعین کا لفظ تکثیر کے لیے آیا ہے۔ (کشف الباری)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ـــــ جہاد میں خرچ کرنے کی فضیلت

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ.

ترجمہ: حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جہاد کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے تو اس کیلئے ایک کے بدلے سات سو گنا لکھا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخِدْمَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ۔۔۔ مجاہدین کی خدمت کرنے کی فضیلت

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمِ الطَّائِيِّ أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ خِدْمَةُ عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ أَوْ طَرُوقَةُ فَحْلٍ فِي سَبِيلِ اللهِ.

ترجمہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں کسی غلام کی خدمت پیش کردی جائے۔ یعنی کسی مجاہد کو غلام دے دیا کہ وہ غلام اس مجاہد کی خدمت کرے گا یا کسی خیمے کا سایہ، یعنی کسی مجاہد کو خیمہ دے دیا تاکہ وہ مجاہد جہاد کے دوران اس خیمے سے سایہ حاصل کرے یا اللہ کی راہ میں کوئی نر دے دینا۔ یعنی کوئی شخص دوسرے کو اپنا نر دے دیتا ہے کہ وہ اس نر کے ذریعے مادہ سے جفتی کرائے اور اس سے جو بچہ پیدا ہو اس کو جہاد میں استعمال کرے، یہ بھی بڑا صدقہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا۔۔۔ غازی کا سامان تیار کرنے کی فضیلت

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَى.

ترجمہ حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیاری کردے غازی کی یعنی ہتھیار وغیرہ دے اللہ کی راہ میں سو اس نے بھی جہاد کیا اور جو خلیفہ رہے غازی کا اس کے گھر والوں میں یعنی خبر گیری ان کی کرے اس نے بھی جہاد کیا۔

تشریح ......تجہیز سے کیا مراد ہے؟

تجہیز کے معنی کسی کو اسباب و سامان سفر مہیا کرنے کے ہیں، خواہ زیادہ ہو یا کم، حتیٰ کہ کسی کو دھاگہ اور سوئی فراہم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ چنانچہ طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ "کوئی بھی گھرانہ جس کا کوئی بھی فرد غزوے میں شرکت نہ کرے یا کسی غازی کی دھاگے، سوئی یا اس کے مساوی چاندی سے تیاری نہ کروائے یا اس کے اہل وعیال کی خبر گیری نہ کرے تو قیامت سے پہلے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت میں مبتلا فرمادیں گے۔"

ایک اشکال اور اس کا جواب:

لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ امام ابن ماجہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کسی نے کسی غازی کو مکمل سامان و اسباب سفر فراہم کیا، اس کے لیے اسی غازی کے مثل اجر ہوگا، یہاں تک کہ وہ غازی یا تو شہید ہوجائے یا لوٹ آئے۔"

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ

جس شخص کے قدم جہاد میں گرد آلود ہوں

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ لَحِقَنِي عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ وَأَنَا مَاشٍ إِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَبْشِرْ فَإِنَّ خُطَاكَ هٰذِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ سَمِعْتُ أَبَا عَبْسٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَى النَّارِ.

ترجمہ حضرت یزید بن ابی مریم سے روایت ہے کہ مجھ کو عبایہ بن رفاعہ ملے اور میں جا تا تھا جمعہ کی نماز کو سو کہا بے شک تمہارے یہ قدم ہیں اللہ کی راہ میں سنا میں نے ابا عبس سے کہتے تھے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے گرد آلود ہوں دونوں قدم اللہ کی راہ میں پس وہ حرام ہیں آگ پر۔

تشریح مطلب حدیث کا یہ ہے کہ غبار کے ہوتے ہوئے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی اور اس میں اللہ عزوجل کے راستے میں تصرفات وحرکات کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ ذرا اندازہ لگایئے کہ اگر صرف قدمین پر غبار کے لگنے سے جہنم کی آگ حرام ہوتی ہے تو اس شخص کا کیا مرتبہ وفضیلت ہوگی جس نے اپنی پوری طاقت، قوت اور کوشش اللہ کے راستے میں لگا دی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُبَارِ فِي سَبِيلِ اللهِ ۔۔۔۔ جہاد کے غبار کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے خوف سے رو یا وہ اس وقت تک دوزخ میں داخل نہ ہوگا جب تک دودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے۔ یعنی جس طرح دودھ تھنوں میں واپس جانا ممکن نہیں اسی طرح ایسے شخص کا جہنم میں جانا بھی ممکن نہیں اور اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

تشریح احادیث میں جہاں کہیں لفظ "فی سبیل اللہ" آیا ہے اس کا براہِ راست "جہاد" پر ہی اطلاق ہوتا ہے لیکن یہ اور بات ہے کہ دین کے جو اور اعمال کیے جا رہے ہیں یا جو شخص دین کی کسی اور خدمت میں مشغول ہے تو اُمید ہے کہ ان شاء اللہ وہ بھی اللہ کی رحمت سے "فی سبیل اللہ" کے حکم میں داخل ہوگا لیکن بحیثیت مجموعی زیادہ تر "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللهِ

جو شخص جہاد کرتے ہوئے بوڑھا ہو جائے

عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ أَنَّ شُرَحْبِيلَ بْنَ السِّمْطِ قَالَ يَا كَعْبُ بْنَ مُرَّةَ حَدِّثْنَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحْذَرْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حضرت سالم بن الجعد سے روایت ہے کہ حضرت شرحبیلبن سمط نے حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائیے اور احتیاط سے کام لیجئے تو اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو گیا تو وہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لیے نور کی شکل میں ہوگا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللهِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے بوڑھا ہو گیا تو قیامت کے دن وہ بڑھاپا اس کے لیے نور کی شکل میں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ ارْتَبَطَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللهِ

جہاد کی نیت سے گھوڑا رکھنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ هِيَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ عَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَالَّذِي يَتَّخِذُهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُعِدُّهَا لَهُ هِيَ لَهُ أَجْرٌ لَا يَغِيبُ فِي بُطُونِهَا شَيْءٌ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ أَجْرًا وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی میں بندھی ہے خیر قیامت کے دن تک اور گھوڑے تین قسم کے ہیں ایک آدمی کے لیے اجر ہیں اور دوسرے پردہ پوشی اور تیسرے وزر یعنی عذاب و گناہ پس جو گھوڑا کہ اجر ہے وہ، وہ ہے کہ لیا اس کو اللہ کی راہ میں اور تیار کیا اس کو اسی واسطے سو وہ

اس کے لیے اجر ہے نہیں ڈالتا وہ اپنے پیٹ میں کوئی چیز یعنی دانہ، چارہ وغیرہ مگر لکھتا ہے اللہ تعالیٰ واسطے اُس کے اَجر۔

تشریح "نواصی" ناصیۃ کی جمع ہے، پیشانی پر لٹکے ہوئے بال۔ "قوله الخيل معقود" ان سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد کے لیے تیار کیے گئے ہوں کہ ان پر سوار ہو کر قتال کیا جائے۔

سوال: حدیث الباب میں ہے "البركة في نواصي الخيل" اور دوسری روایت میں آتا ہے "ان كان الشؤم ففي ثلاثة في الفرس الحديث" پس تعارض ہے۔

جواب اوّل: نحوست اُس گھوڑے میں ہے جو غیر جہاد کے لیے باندھا جائے فخر اور تکبر کے لیے رکھا جائے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

جواب ثانی: یہ بطور فرض والتقدیر کے ہے کہ بالفرض اگر نحوست ہوتی تو ان تین میں ہوتی جب ان میں نہیں ہے تو کسی اور چیز میں بھی نہیں ہے۔اس کی بقیہ تشریح کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الرَّمْيِ فِي سَبِيلِ اللهِ۔۔۔۔ جہاد میں تیر اندازی کی فضیلت

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةً الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَالْمُمِدَّ بِهِ وَقَالَ ارْمُوا وَارْكَبُوا وَلَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا كُلُّ مَا يَلْهُو بِهِ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ إِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَأْدِيبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ أَهْلَهُ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ.

ترجمہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ داخل کرتا ہے ایک تیر میں تین شخصوں کو جنت میں بنانے والا اس کا کہ ثواب چاہتا ہے اس کے بنانے میں اور خیر اور تیر پھینکنے والا اور اُٹھانے والا پھر فرمایا تیر پھینکو اور سواری سیکھو اور اگر تیر پھینکو گے تو پیارا ہے میرے نزدیک سواری سے ہر چیز کہ جس سے کھیلتا ہے مرد مسلمان باطل ہے مگر تیر پھینکنا اس کا کمان سے اور ادب سکھانا اس کا اپنے گھوڑے کو اور کھیلنا اس کا اپنی بیوی سے پس یہ تینوں حق میں داخل ہیں۔

تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے، ایک اس کے بنانے والے کو جو اچھی نیت سے اس کو بنائے گا۔ دوسرے تیر پھینکنے والے کو اور تیسرے اس شخص کو جو تیر اُٹھا کر دینے والا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تیر اندازی کرنا اور گھڑ سواری سیکھو اور تیر پھینکنا گھوڑ سواری سے بہتر ہے۔ ہر وہ کھیل جو مسلمان کھیلتا ہے سب باطل ہیں، سوائے تیر اندازی کے اور گھوڑے کو سدھانے کے اور بیوی کیساتھ ملاعبت کے، یہ تینوں درست ہیں۔

عَنْ أَبِي نَجِيحٍ السُّلَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهُ عَدْلُ مُحَرَّرٍ.

ترجمہ حضرت ابو نجیح سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں تیر پھینکتا ہے تو اس کا ایک تیر پھینکنا ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْحَرْسِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔۔۔۔ جہاد میں پہرہ دینے کی فضیلت

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ ان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الشُّهَدَاءِ۔۔۔۔ شہید کے ثواب سے متعلق

عَنْ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ أَوْ شَجَرِ الْجَنَّةِ.

ترجمہ حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح شہداء کی سبز چڑیوں کے اندر ہے جو لٹکائی جاتی ہیں پھلوں میں جنت کے یا درختوں میں راوی کو شک ہے کہ پھل کہا یا درخت۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ أَوَّلُ ثَلَاثَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ شَهِيدٌ وَعَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَنَصَحَ لِمَوَالِيهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرض کیے گئے میرے اوپر تین اشخاص جو جنت میں سب سے پہلے جانے والے ہیں ایک شہید، دوسرا پرہیز کرنے والا حرام سے بچنے والا شبہات سے تیسرا وہ بندہ جو اچھی عبادت بجالائے اللہ کی اور خدمت اپنے آقاؤں کی۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ خَطِيئَةٍ فَقَالَ جِبْرِيلُ إِلَّا الدَّيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الدَّيْنَ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل ہونا اللہ کی راہ میں کفارہ ہوجاتا ہے ہر گناہ کا کہا جبرئیل نے مگر قرض کا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مگر قرض کا۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ لَهُ عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَأَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدُ لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں کہ مرے اور اللہ کے نزدیک اس کے لیے خیر ہو پھر دوست رکھے لوٹنا دُنیا کی طرف اگرچہ ہو اس کی ساری دُنیا اور جو کچھ ہے اس میں مگر شہید کو دوست رکھتا ہے لوٹنا دُنیا میں بسبب اس بزرگی شہادت کے کہ دیکھتا ہے پس وہ دوست رکھتا ہے کہ لوٹے دُنیا میں اور مارا جائے دوبارہ۔

تشریح "قولہ ان ارواح الشھداء" یہاں مرنے کے بعد حیات کے بارے میں بحث ہے جس کی کافی تفصیل ہے لیکن یہاں ضبط کی غرض سے بالاختصار بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علامہ قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دُنیا کے لوگ مجموعی طور پر تین قسم ہوتے ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام، تو ان کے جسم دُنیا میں بھی نہایت پاک ونظیف تھے، ہر قسم کے عیوب ونقص سے مبرا تھے۔ گویا بشر ہونے کے باوجود مجسم نور بلکہ اس سے بھی اعلیٰ تھے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام پر تھوڑی دیر کے لیے موت طاری ہوتی ہے پھر دنیوی جسم کے ساتھ قبر میں حیات دُنیاوی دے دی جاتی ہے جس کو "حیات النبی" کہا جاتا ہے تو یہ حیات سب سے اعلیٰ ہے۔

(۲) شہداء کرام موت کے بعد بہشتی جسم کے ساتھ زندہ رہیں گے۔ جیسا کہ حدیث مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے۔

(۳) عام لوگ خواہ مسلمان ہوں یا کافر سب کی حیات روحانی ہوگی اور اسی پر عذاب ونعمت ہوگی۔ "کمامر تفصیلہ فی اثبات عذاب القبر"

دوسرا مسئلہ: یہاں تناسخ کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح اگر اوّل پیدائش میں فضائل کے ساتھ متصف ہو تو دوسری پیدائش میں دُنیا میں پہلے بدن سے بہتر بدن میں لوٹ کر آئے گی اور اگر رذائل کے ساتھ متصف ہو تو بدترین جسم میں لوٹے گی۔ مثلاً کتا، سور وغیرہ کے جسم میں آجائے گی اور ہندوؤں میں سے ایک فرقہ جس کا نام "آریہ سماج" ہے اس تناسخ کا قائل ہے اور ان کے نزدیک یہی جنت ودوزخ ہے یوم آخرت وقیامت کچھ نہیں ہے اور حدیث مذکور سے استدلال کرتے ہیں کہ شہداء کی روح سبز پرندوں کے اندر آجائے گی۔ جمہور اُمت تناسخ کو باطل قرار دیتے ہیں اور شہداء کی روح تو دنیوی جسم میں لوٹنے کا ذکر نہیں، اس کا تو بہشتی جسم میں لوٹنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا آریوں کا استدلال اس سے صحیح نہیں ہے۔

حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے ارواح شہداء کی تعظیم وتکریم مقصد ہے، پرندوں کے اندر روح کا لوٹنا مراد نہیں۔ نیز اس سے مراد بہشت میں آزادانہ سیر وسیاحت کر کے بہشت کے درختوں سے پھل کھانا ہے، پرندہ بننا مراد نہیں ہے، یہ تشبیہ ہے اور تشبیہ سے عین شئی بدلتی نہیں۔ جیسا کہ شجاعت میں شیر کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس سے عین شیر ہونا لازم نہیں آتا۔ بیان ماسبق سے دوسرا ایک اشکال بھی دفع ہو گیا کہ ارواح شہداء پرندوں کے اندر لانے سے انسان کی تنزیل لازم آتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء کی فضیلت

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ الَّذِي يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتَّى وَقَعَتْ قَلَنْسُوَتُهُ قَالَ فَمَا أَدْرِي أَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ أَرَادَ أَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَكَأَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ، وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ، وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلَى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ.

ترجمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے شہداء چار ہیں: پہلا وہ مرد مؤمن اچھے ایمان والا کہ ملا دشمن سے اور تصدیق کی اللہ کی یعنی یقین کیا ثواب کا یہاں تک کہ قتل کیا گیا پس وہ ایسا بلند رُتبہ ہے کہ اُٹھائیں گے لوگ اس کی طرف آنکھیں اپنی قیامت کے دن اس طرح اور بلند کیا آپ نے سر اپنا یہاں تک کہ گر گئی ٹوپی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راوی کہتا ہے نہیں جانتا میں کہ ٹوپی عمر کی گری یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دوسرا وہ مردِ مؤمن اچھے ایمان والا کہ ملا دشمن سے گویا کہ ماری گئی جلد اس کی ساتھ کانٹے طلح کے جبن سے آیا اس پر تیر ازغیب سو مار ڈالا اس کو پس وہ دوسرے درجہ میں ہے اور تیسرا وہ مؤمن کہ ملائے اس نے نیک عمل اور بد ملاقات کی دشمن سے اور تصدیق کی اللہ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا پس وہ تیسرے درجہ میں ہے اور چوتھا مردِ مؤمن کہ اسراف کیا اس نے اپنی جان پر یعنی بہت گنہگار تھا دشمن سے پھر تصدیق کی اللہ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا اور وہ چوتھے درجہ میں ہے۔

تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ شہداء کی چار قسمیں ہیں، ایک وہ جو مؤمن تھا اور اس کا ایمان بھی اچھا تھا۔ یعنی ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا تھا اور اس نے اللہ کے ساتھ اپنے کیے ہوئے

وعدے کو سچا کر دکھایا حتیٰ کہ وہ جہاد میں شہید ہو گیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ قیامت کے روز اپنی آنکھیں اُٹھا کر یوں دیکھیں گے، یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا سر اتنا بلند کیا کہ ان کی ٹوپی گر گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ بیان کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گر گئی یا یہ ٹوپی کا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا۔ بہر حال یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کا درجہ اتنا بلند ہو گا کہ لوگ اس طرح آنکھیں اُٹھا کر دیکھیں گے۔

دوسرا وہ شخص ہے کہ ایک مؤمن جید الایمان تھا۔ (لیکن کمزور اعضاء اور کمزور دل کا آدمی تھا) جب دشمن کا سامنا ہوا تو اس کو بزدلی کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ اس کی کھال میں طلح کے کانٹے چبھا دیئے گئے ہیں۔ یعنی کمزوری کی وجہ سے اس کو ڈر اور خوف محسوس ہو رہا تھا کہ اسی حال میں اس کو ایک ایسا تیر لگا جس کا مارنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ''سہم ضرب'' ایسے تیر کو کہا جاتا ہے جس کا مارنے والا سامنے نہ ہو۔ اس تیر نے اس کو قتل کر دیا۔ ایسا شخص دوسرے درجے پر ہو گا۔ اس لیے کہ اگر چہ اس کو ڈر لگ رہا تھا کمزور تھا، اور اس کے دل میں بزدلی پیدا ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں نکلا اور شہید ہو گیا، اس کو بھی دوسرا درجہ ملے گا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو ایسا مؤمن تھا کہ اس نے عمل صالح کے ساتھ دوسرے برے اعمال بھی ملا لیے تھے یعنی دونوں قسم کے اعمال کیے تھے، اچھے بھی اور برے بھی۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ یہ شخص تیسرے درجے میں ہو گا۔

چوتھا وہ شخص جو کہ مؤمن تو تھا لیکن اپنی جان پر ظلم کیا ہوا تھا یعنی زندگی میں اچھے اعمال کم اور برے اعمال زیادہ کیے تھے۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس نے بھی اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا۔ یہ شخص چوتھے درجے میں ہو گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزْوِ الْبَحْرِ ۔۔۔۔ سمندر میں جہاد

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ وَجَلَسَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكٌ عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ نَحْوَ مَا قَالَ فِي الْأَوَّلِ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ، قَالَ فَرَكِبَتْ أُمُّ حَرَامٍ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا

حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ۔

ترجمہ حضرت اسحق بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا انہوں نے کہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوتے تھے اُم حرام بنت ملحان کے گھر میں اور وہ کھلاتی تھی ان کو کھانا اور وہ نکاح میں تھیں عبادہ بن صامت کے پس داخل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز پس انہوں نے کھانا کھلایا اور روک رکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جوئیں دیکھنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی پس سو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر جاگے اور ہنسنے لگے کہا حرام نے پوچھا میں نے کس چیز نے ہنسایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اے رسول اللہ! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگ میری اُمت کے میرے سامنے لائے گئے یعنی خواب میں کہ جہاد کرنے والے ہیں اللہ کی راہ میں سوار ہیں بیچ دریا کے یعنی جہازوں پر بادشاہ ہیں اوپر تختوں کے یا فرمایا مثل بادشاہوں کے ہیں تختوں پر کہا میں نے یارسول اللہ! دُعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ کردے اللہ تعالیٰ مجھے ان میں پس دُعا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے پھر رکھا سر مبارک اور سو گئے پھر جاگے اور ہنسے، پھر کہا میں نے کس نے ہنسایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اے رسول اللہ! کہا چند لوگ میری اُمت کے عرض کیے گئے میرے اوپر کہ جہاد کررہے ہیں وہ اللہ کی راہ میں پھر فرمایا ویسا ہی جیسا فرمایا تھا پہلی بار یعنی تشبیہ دی ان کو ساتھ بادشاہوں کے پھر عرض کی میں نے یارسول اللہ! دُعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں کردے، فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پہلے گروہ میں ہو پھر سوار ہوئیں اُم حرام دریا میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پس گر گئیں اپنے جانور پر سے جبکہ نکلیں دریا سے اور شہید ہوگئیں۔

تشریح حالات حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا

اُم حرام بنت ملحان بن خالد نجاریہ، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ اپنے زوج کے ساتھ ملک روم میں جہاد کے لیے تشریف لے گئی تھیں وہیں ان کا انتقال ہوا۔ قبرص میں ان کی قبر ہے۔ ابن عبداللہ کہتے ہیں یہ کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ ان کا اصل نام مجھے معلوم نہیں ہوسکا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

"قوله يدخل على أم حرام رضى الله عنها" حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا قبیلہ بنونجار کی انصاریہ عورت تھیں۔ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حقیقی خالہ تھیں، کبھی کبھار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لیجا کر آرام فرمایا کرتے تھے اور وہ سر مبارک سے جوئیں تلاش کیا کرتی تھیں۔

سوال: اُم حرام رضی اللہ عنہا تو اجنبیہ تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس کیوں تشریف لے جاتے تھے؟

جواب: اس بات پر محدثین عظام رحمہ اللہ کا اتفاق ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محرمہ تھیں۔ حضرت علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔ "تحت عبادة بن الصامت رضى الله عنه"

تعارض: اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُم حرام رضی اللہ عنہا پہلے ہی سے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں لیکن

بعد میں آنے والی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں بعد میں آئیں، لہٰذا بظاہر تعارض ہوا؟
جواب: آپ رضی اللہ عنہا پہلے عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ بعد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ جن روایات سے اولاً نکاح میں آنا معلوم ہو رہا ہے وہ مایؤول کے اعتبار سے ہے۔
"قوله وجعلت تفلی رأسه" وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے جوئیں تلاش کرنے لگیں۔
اشکال: احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو پسینہ سے خوشبو مہکتی تھی، جوئیں تو خوشبو سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ مرجاتی ہیں، جوئیں تو میل کچیل سے پیدا ہوا کرتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس تو صاف ستھرا ہوا کرتا تھا تو جوئیں تلاش کرنے کا کیا مطلب؟
جواب (۱): اس حدیث میں جوئیں تلاش کرنے کا ذکر ہے یہ تو نہیں کہ جوئیں تھیں بھی؟
جواب (۲): اگر بالفرض ہوں بھی تو ہوسکتا ہے دوسرے کے کپڑوں سے سفر کر کے آئی ہوں؟
جواب (۳): ممکن ہے سر کے بالوں کو سنوارنے اور آرام پہنچانے کیلئے بالوں کو اِدھر اُدھر کیا ہو جس کو تلاش کرنے سے تعبیر کر دیا گیا ہو؟
"قوله ثبج هذا البحر": ......ثبج کے معنی وسط کے ہیں۔ مصباح اللغات میں ہے کہ "یرکبون ثبج هذا البحر" ......"وہ لوگ اس سمندر کے بڑے حصے پر سوار رہ گئے۔"
"قوله ملوکا علی الاسرة" ......"ای مثل ملوک علی الاسرة" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے ان افراد کا حال جو بحری جہاد کریں گے مثل بادشاہوں کے ہوگا، فراخی اور بلندی اور شان و شوکت کے لحاظ سے۔
"قوله فدعا لها رسول الله صلی الله علیه وسلّم" اس سے ترجمۃ الباب کا ایک جزء "باب الدعاء بالجهاد والشهادة للنساء" ثابت ہو گیا کہ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا نے جہاد و شہادت کی دُعا کی درخواست کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرما کر ان کے لیے دُعا فرمائی تو اس پر قیاس کرتے ہوئے دُعاءِ جہاد و شہادت للرجال بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گا کہ جب عورتوں کے لیے جہاد و شہادت کی دُعا کی جاسکتی ہے تو مردوں کے لیے بطریق اولیٰ کی جاسکتی ہے۔
"قوله فی زمان معاویة رضی الله عنه الخ" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا یعنی ان کی امارت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بحری جہاد کیا گیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا یہ اکثر "اهل سیر" کی رائے ہے اور حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہما اللہ نے فرمایا کہ بحری جہاد کی ابتداء حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ گویا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا جس غزوہ میں شہید ہوئیں وہ کب واقع ہوا تھا تو امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اور دیگر اصحاب سیر کے نزدیک دورِ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں وفات پائیں۔

"فی زمان معاویۃ بن ابی سفیان" اس سے مراد "زمان غزوۃ معاویۃ بن ابی سفیان فی البحر" ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی معجزات کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُقَاتِلُ رِيَاءً وَلِلدُّنْيَا ۔۔۔ جو شخص ریاکاری یا دُنیا کے لیے جہاد کرے

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شَجَاعَةً وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً فَأَيُّ ذَٰلِكَ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ

ترجمہ: حضرت ابی موسیٰ سے روایت ہے کہا پوچھے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرد سے کہ لڑتا ہے واسطے اظہارِ شجاعت کے یا واسطے حمیت کے یا واسطے ریا کے سو کون ان میں کا اللہ کی راہ میں ہے؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لڑے خاص اس لیے کہ ہو جائے کلمہ اللہ کا بلند پس وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثواب عملوں کا موقوف ہے نیت پر اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو نیت کی پھر جس کی ہجرت ہو واسطے اللہ کے اور اس کے رسول کی پس ہجرت اس کی ہے طرف اللہ کے اور طرف رسول اس کے اور جس کی ہجرت ہو واسطے دُنیا کے کہ لے اس کو یا واسطے کسی عورت کے کہ نکاح کرے اس سے پس ہجرت اس کی اسی کے لیے ہے جس کے لیے ہجرت کی۔

تشریح: اس باب کی شرح ترجمہ سے واضح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُدُوِّ وَالرَّوَاحِ فِي سَبِيلِ اللهِ

جہاد میں صبح اور شام چلنے کی فضیلت

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ أَوْ مَوْضِعُ يَدِهِ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک صبح کو چلنا اللہ کی راہ میں یا شام کو چلنا بہتر ہے ساری دُنیا سے اور جو اس میں ہے اور موافق ایک کمان تمہاری کے یا موافق ایک ہاتھ کے جگہ جنت سے بہتر ہے ساری دُنیا سے اور جو اس میں ہے اور اگر ایک عورت جنت کی عورتوں سے نکل آئے طرف زمین کے تو چمک جائے جو کچھ ہے آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور بھر جائے خوشبو سے اوڑھنی جو اس کے سر پر ہے بہتر ہے ساری دُنیا سے اور جو اس کے اندر ہے۔

تشریح:......اس باب کی احادیث میں جہاد اور اس میں شرکت کرنے کی فضیلت وثواب کا ذکر ہے اور اس کے بدلے میں ملنے والے انعام کا ذکر ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں حور دی جائے گی جو اگر آسمان سے زمین کی طرف جھانک لے تو پوری روئے زمین روشن ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَمَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک صبح کو چلنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہتر ہے ساری دُنیا سے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اور جگہ ایک کوڑا رکھنے کی جنت میں بہتر ہے ساری دُنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَجَّاجُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک صبح کو چلنا اللہ کی راہ میں اور ایک شام کو چلنا بہتر ہے تمام دُنیا سے اور جو اس کے اندر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٌ فَأَعْجَبَتْهُ لِطِيبِهَا فَقَالَ لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَأَقَمْتُ فِي هَذَا الشِّعْبِ وَلَنْ أَفْعَلَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ مُقَامَ أَحَدِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ سَبْعِينَ عَامًا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اغْزُوا فِي سَبِيلِ اللهِ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گزرے ایک مرد اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گھاٹی میں پہاڑ کی اس میں ایک چھوٹا سا چشمہ تھا میٹھے پانی کا سو بہت پسند آیا ان کو بسبب لطافت کے سو کہا انہوں

نے کاش کہ میں جدا ہو کر آدمیوں سے رہا کرتا اس گھاٹی میں اور نہ کروں گا ایسا جب تک نہ پوچھ لوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مت کر یعنی اعتزال وخلوت خلق سے اس لیے کہ ایک بار کھڑے ہونا تمہارے ایک کا اللہ کی راہ میں افضل ہے اس کی نماز پڑھنے سے اپنے گھر میں ستر برس تک کیا دوست نہیں رکھتے ہو تم کہ بخش دے تم کو اللہ تعالیٰ اور داخل کرے جنت میں جہاد کرو اللہ کی راہ میں جو لڑا اللہ کی راہ میں فواق ناقہ کے برابر واجب ہوگئی اس کے لیے جنت۔

تشریح "قولہ العین" عین کے کسرہ کے ساتھ، جمع ہے "عیناء" کی اور "عیناء" کشادہ چشم کو کہتے ہیں کہ جس میں سیاہی کی جگہ بہت زیادہ سیاہی اور سفیدی کی جگہ بہت زیادہ سفیدی ہو۔ "واصل الجمع بضم العین فکسرت لاجل الیاء قولہ عنداللہ خیر" خیر سے مراد اجر و ثواب ہے یہ جملہ عبد کی صفت ہے۔

"قولہ ولقاب قوس احدکم من الجنۃ او موضع قیدہ" یہ شک راوی ہے کہ انہوں نے قاب یا قید فرمایا، مراد دونوں سے مقدار ہے چونکہ عرب میں قوس (کمان) اور سوط (کوڑا) ہی سے پیمائش ہوتی تھی اسی تفہیم کے لیے ان کا ذکر فرمایا۔ قدیم زمانہ میں مسافر جب سفر کرتے ہوئے کہیں پڑاؤ ڈالتا تو وہ اپنا کوڑا یا کمان زمین پر پھینک دیتا تاکہ وہ جگہ اسی کی سمجھی جائے اس پر کوئی دوسرا شریک سفر قبضہ نہ کرلے۔ حدیث الباب میں کمان اور کوڑے کی جگہ سے مراد اتنی مختصر سی جگہ ہے جس پر وہ بستر وغیرہ لگا سکے۔

سوال: اس باب کو ماقبل و مابعد کے ساتھ بظاہر مطابقت نہیں، اس کو یہاں کیوں ذکر فرمایا؟

جواب: مجاہدین کے درجات کا بیان ہورہا تھا کہ مجاہدین کے لیے جنت میں سو درجات ہیں اور یہاں یہ بتلایا گیا کہ ان درجات میں حور عین بھی ہے۔

"قولہ خیر من الدنیا ومافیہا" یعنی "جنت کی ایک کوڑے جتنی جگہ دُنیا ومافیہا سے اس لیے بہتر ہے کہ دُنیا فانی ہے اور جنت کی ہر چیز اگرچہ تمثیل کے طور پر ہمارے لیے چھوٹی ہو جب کہ وہاں کی کوئی چیز حقیر و چھوٹی نہیں۔ دائمی ہے اور ختم و منقطع ہونے والی دُنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی ہے۔ چنانچہ دائمی اور باقی رہنے والی شئی منقطع سے بہتر ہوئی۔"

اس باب کی آخری حدیث میں ہے کہ ان کو گھاٹی نظر آئی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر میں ان لوگوں سے جدا ہو کر یہاں آکر رہنا شروع کردوں یعنی لوگوں کے معاملات سے الگ تھلگ ہو کر عبادت میں لگ جاؤں، پھر کہنے لگے کہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہ لے لوں، اس سے ایک مسئلہ نکلتا ہے۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کی اس خواہش کو رد فرمادیا کہ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر ایک گھاٹی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کردے۔ اس لیے کہ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اسی دُنیا میں رہے اور لوگوں سے میل ملاقات کرے، ان کے حقوق ادا کرے اور ساتھ ہی اللہ کے راستے میں جہاد کرے جب موقع اور ضرورت پیش آئے۔ اب ان سارے فرائض سے کنارہ کشی اختیار کرکے بیٹھ جانا شرعاً مطلوب نہیں۔ اس لیے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں کیونکہ رہبانیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ

سارے کاموں اور تمام لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے بیٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کرو۔ اس کے بغیر جنت نہیں مل سکتی۔ لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ تم اسی دُنیا میں رہو، یہ بہادری نہیں ہے کہ آدمی دُنیا کو چھوڑ کر بیٹھ جائے۔ بہادری یہ ہے کہ اس دُنیا میں رہے اور یہ دُنیا اس کو خراب نہ کرے۔ اس کے عقائد، اس کے اعمال، اس کی معاشرت، اس کے اخلاق خراب نہ ہوں بلکہ اسی دُنیا میں رہ کر دین کے مطابق زندگی گزارے۔ دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہوں اور پھر انسان ان سے بچے تو یہ اس کا کمال ہے، دُنیا کو چھوڑ کر بیٹھ جانا کمال نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ ۔۔۔۔۔ بہترین لوگ کون ہیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَتْلُوهُ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَهُ يُؤَدِّي حَقَّ اللهِ فِيهَا أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِاللهِ وَلَا يُعْطِي بِهِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو میں نہ بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اللہ کے راستے میں گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہو اور کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتلاؤں جو اس کے بعد دوسرے نمبر پر ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی بکریوں کے گلے میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا رہتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ اور دوسرے حقوق ادا کرتا رہتا ہے۔

تشریح اس کے ذریعہ یہ بتادیا کہ جہاد کرنے والے کا درجہ اعلیٰ ہے اور جو شخص لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے ہو اور حقوق بھی ادا کر رہا ہو یہ دوسرے نمبر پر ہے۔ پھر فرمایا: کیا میں نہ بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے برا آدمی کون ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو دوسروں سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہے لیکن اللہ کے واسطے پر دیتا نہیں ہے۔ یعنی اپنی ضرورت کے وقت لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر مانگتا ہے کہ اللہ کے واسطے مجھے دے دو لیکن جب دوسرا شخص اس سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو یہ اس کو نہیں دیتا۔ یہ شخص بدترین آدمی ہے۔

اور اس جملے کو اس طرح بھی پڑھا جاسکتا ہے کہ "رجل یسأل باللہ ولا یعطی بہ" یعنی وہ شخص جو لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہے لیکن اس کو دیا نہیں جاتا۔ یہ شخص اس لیے برا ہے کہ اس کے لیے مانگنا اچھی بات نہیں تھی اور پھر اللہ کا واسطہ دے کر مانگنا تو اور بھی برا ہے، پھر اگر اس کو کچھ مل جاتا تو کم از کم دُنیا کے اعتبار سے تو فائدے میں رہتا لیکن یہ شخص گناہ بھی کر رہا ہے اور اللہ کا واسطہ دے کر مانگ رہا ہے لیکن کوئی دیتا بھی نہیں ہے۔ ایسا شخص تو "خسر الدنیا والاخرۃ" کا مصداق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ ۔۔۔۔۔ جو شخص شہادت کی دُعا کرے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَأَلَ اللهَ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِهِ صَادِقًا مِنْ

قَلْبِهِ أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَجْرَ الشَّهَادَةِ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص خلوص دل کے ساتھ اللہ کے راستے میں شہید ہونے کو طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا اجر وثواب عطا فرما دیتے ہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ مِنْ قَلْبِهِ صَادِقًا بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ.

ترجمہ: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ بستر پر اس کا انتقال ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُجَاهِدِ وَالنَّاكِحِ وَالْمُكَاتَبِ وَعَوْنِ اللّٰهِ إِيَّاهُمْ

مجاہد، مکاتب اور نکاح کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمُ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمیوں کی معاونت کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ، دوسرے وہ مکاتب غلام جو بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، تیسرے وہ شخص جو عفت حاصل کرنے کی نیت سے نکاح کرے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَإِنَّهَا تَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيحُهَا كَالْمِسْكِ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان شخص نے فواق ناقہ کے برابر بھی اللہ کے راستے میں جہاد کیا، جنت اس کے لیے واجب ہوگئی اور جس شخص کو جہاد کے دوران کوئی زخم لگ گیا یا چوٹ لگ گئی تو وہ زخم قیامت کے دن بڑی صورت میں آئے گا اور اس کا رنگ زعفران کی طرح اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللهِ۔۔۔۔ جہاد میں زخمی ہو جانے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں زخمی ہونے والوں کو جانتے ہیں اور کوئی شخص اللہ کے راستے میں زخمی نہیں ہوتا مگر قیامت کے روز وہ اس زخم کے ساتھ اس طرح آئے گا کہ اس زخم کے خون کا رنگ تو خون ہی کی طرح ہوگا، مگر اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ۔۔۔۔ کون سا عمل افضل ہے؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ أَوْ أَيُّ الْأَعْمَالِ خَيْرٌ قَالَ إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ، قِيلَ ثُمَّ أَيُّ شَيْءٍ قَالَ الْجِهَادُ سَنَامُ الْعَمَلِ، قِيلَ ثُمَّ أَيُّ شَيْءٍ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُورٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل اور بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا، اس کے بعد پھر؟ آپ نے فرمایا: جہاد عمل کا کوہان ہے۔ عرض کیا گیا، اس کے بعد پھر کون سا عمل؟ فرمایا: حج مبرور

تشریح: "ایّ عمل افضل"

سوال: "ایّ عمل افضل" کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱) نماز (۲) برالوالدین۔ (۳) جہاد۔ ان تین کی تخصیص کیوں فرمائی؟

جواب: اس لیے کہ یہ تینوں عمل اپنے ماسوا طاعت کے لیے علامت اور عنوان ہیں کیونکہ جو شخص بغیر عذر نماز کو باوجود یکہ کم مشقت اور عظیم فضیلت والی عبادت ہے ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کے علاوہ دیگر طاعات کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ اسی طرح جو شخص اپنے والدین کے ساتھ باوجود یکہ ان کا حق بہت زیادہ ہے نیکی و بھلائی و حسن سلوک نہیں کرتا تو وہ ان کے غیر کے ساتھ کیا خیر خواہی و حسن و سلوک کرے گا؟ ایسے ہی وہ شخص جس نے کفار سے جہاد چھوڑ دیا باوجود یکہ ان کو دین اسلام سے سخت عداوت ہے اور وہ اس کو مٹانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تو وہ شخص ان کے غیر مثلاً فساق کے ساتھ (وہ جو سرعام فسق و فجور میں مبتلا ہوں) جہاد کو زیادہ چھوڑنے والا ہوگا، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور علامت و عنوان ان تین اعمال کو افضل الاعمال قرار دیا۔

سوال: علم میں مشغول ہونا افضل ہے یا جہاد کرنا افضل ہے؟

جواب: اس بارے میں آئمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

قول اوّل: حنفیہ اور مالکیہ رحمہا اللہ کے نزدیک علم میں مشغول ہونا افضل ہے۔

قول ثانی: حنابلہ رحمہ اللہ کے نزدیک جہاد میں مشغول ہونا افضل ہے۔ افضلیت کی بحث اس وقت ہے جب جہاد فرض نہ ہو چکا ہو یعنی یہ کلام فضائل کے باب سے ہے فرائض کے باب سے نہیں۔

سوال: اس حدیث سے بظاہر ثابت ہو رہا ہے کہ مبرور حج مطلقاً مردوں اور عورتوں کے لیے جہاد سے افضل ہے کیوں کہ وہ ارکان اسلام میں سے ہے اور فرض عین ہے حالانکہ بعض روایات سے جہاد کی افضلیت معلوم ہوتی ہے؟

جواب (۱): کبھی کبھی جہاد بھی فرض عین ہو جاتا ہے تو اس لحاظ سے جہاد حج سے افضل ہے کیونکہ جہاد میں نفع متعدی ہے جب کہ حج میں نفع لازمی ہے تو جس عبادت کا نفع متعدی ہو وہ اس عبادت سے جس کا نفع لازمی ہو افضل ہوتی ہے۔ لہٰذا جہاد سے افضل ہوگا۔

جواب (۲): حجۃ الاسلام یعنی فرض حج کے بعد حج سے جہاد افضل ہے۔ گویا کہ حدیث مذکور میں حج سے مراد حج فرض ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو اس کے لیے فرض کی ادائیگی جہاد سے مقدم ہے اس کے بعد جہاد افضل ہوگا۔

جواب (۳): افضلیت (حج مبرور جہاد سے افضل ہے) عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے کہ عورتوں کے لیے حج مبرور جہاد سے افضل ہے مردوں کے لیے جہاد ہی افضل ہے کیونکہ ایک حدیث مبارک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "جهاد كن الحج" کہ تمہارا جہاد حج ہے۔

حج مبرور: مراد وہ حج ہے جس میں کسی قسم کا کوئی گناہ شامل نہ ہو۔ اس کی تفصیل کتاب الحج کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

باب بلا ترجمہ۔۔۔ بَابُ مَا ذُكِرَ أَنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ

أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ رَثُّ الْهَيْئَةِ أَأَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُهُ قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ وَكَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں۔ قوم میں سے ایک شخص نے جو پراگندہ صورت والا تھا، کہا: کیا تم نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ راوی فرماتے ہیں کہ وہ شخص اپنے دوستوں کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا: میں تم کو الوداعی سلام کرتا ہوں، پھر اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور تلوار لیکر لڑنے لگا حتیٰ کہ خود قتل کر دیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ۔۔۔۔ کون سا آدمی افضل ہے؟

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ قَالَ رَجُلٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَالُوا ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، لوگوں میں سب سے زیادہ افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: پھر کون (افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: وہ شخص جو کسی پہاڑ کے دامن میں جا گزیں ہو اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور لوگوں کو اپنی برائی سے محفوظ رکھے۔

بَابٌ فِي ثَوَابِ الشَّهِيدِ۔۔۔۔ شہید کے ثواب سے متعلق

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ.

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس چھ انعامات ہیں: (۱) خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (۲) اس کو اس کا جنت میں ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔ (۳) عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کردیا جائے گا۔ (۴) اس کے سر پر یاقوت سے جڑا ہوا ایسا باوقار تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دُنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ (۵) بہتر ۷۲ بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کی شادی کرادی جائے گی۔ (۶) اس کے ستر قریبی رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا غَيْرُ الشَّهِيدِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا يَقُولُ حَتَّى أُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ فِي سَبِيلِ اللهِ مِمَّا يَرَى مِمَّا أَعْطَاهُ اللهُ مِنَ الْكَرَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل جنت

میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ وہ دوبارہ دُنیا میں بھیجا جائے۔سوائے شہید کے کہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کو دوبارہ دُنیا میں بھیج دیا جائے اور وہ یہ کہے گا کہ میں دس بار اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں کیونکہ ان نعمتوں کو دیکھ چکا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہوں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْمُرَابِطِ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَرَوْحَةٌ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ لَغَدْوَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک سرحد پر پہرہ دینا دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔جہاد میں کسی شخص کا ایک صبح یا ایک شام گزارنا دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تمہارے ایک کوڑے کے برابر جگہ بھی دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ مَرَّ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ بِشُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ وَهُوَ فِي مُرَابَطٍ لَهُ وَقَدْ شَقَّ عَلَيْهِ وَعَلَى أَصْحَابِهِ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكَ يَا ابْنَ السِّمْطِ بِحَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَفْضَلُ وَرُبَّمَا قَالَ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَمَنْ مَاتَ فِيهِ وُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَنُمِّيَ لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت شرحبیل بن سمط کے پاس سے گزرے۔وہ اپنی کمین گاہ میں پہرہ دے رہے تھے اور ان پر اور ان کے ساتھیوں پر پہرہ دینا شاق گزر رہا تھا۔حضرت سلمان نے فرمایا: اے ابن سمط! کیا میں تم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نہ سناؤں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں، حضرت سلمان نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں ایک دن پہرہ دینا ایک مہینے کے روزے رکھنے اور ایک ماہ تک راتوں کو قیام کرنے سے افضل یا بہتر ہے اور اگر اس دوران اس کا انتقال ہو جائے تو قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا اور اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ أَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَفِيهِ ثُلْمَةٌ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جہاد کے اثر کے بغیر ملاقات کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے دین میں نقص ہوگا۔

عَنْ أَبِي صَالِحٍ مَوْلَى عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ عُثْمَانَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ إِنِّي كَتَمْتُكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَاهِيَةَ تَفَرُّقِكُمْ عَنِّي ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ أُحَدِّثَكُمُوهُ لِيَخْتَارَ امْرُؤٌ لِنَفْسِهِ مَا بَدَا لَهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ.

ترجمہ حضرت ابوصالح مولیٰ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث تم سے چھپائی ہوئی تھی، اس لیے کہ مجھے یہ بات پسند نہیں تھی کہ تم مجھ سے بچھڑ جاؤ۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ حدیث تم کو سنا ہی دوں تاکہ جس کا جو جی چاہے وہ کرلے۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے راستے میں ایک دن پہرہ دینا ان ہزار دنوں سے افضل ہے جو اور منازل میں گزارے ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَجِدُ الشَّهِيدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید کو قتل ہونے کی صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی چٹکی لینے (یا مچھر کے کاٹنے) کی تکلیف ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ قَطْرَةٌ مِنْ دُمُوعٍ فِي خَشْيَةِ اللهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ تُهَرَاقُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَمَّا الْأَثَرَانِ فَأَثَرٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَثَرٌ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ.

ترجمہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشان سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں۔ ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلے، دوسرے خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستے میں بہایا جائے اور دو نشانوں میں سے ایک نشان وہ ہے جو اللہ کی راہ میں چوٹ وغیرہ لگنے سے ظاہر ہو اور دوسرا نشان وہ ہے جو اللہ کے فرضوں میں سے کسی فرض کی ادائیگی کرنے سے ظاہر ہو۔

أَبْوَابُ الْجِهَادِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے متعلق منقول احادیث کے ابواب

غزوہ کی تعریف: جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی ہو۔

سریہ کی تعریف: جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو شرکت نہ فرمائی ہو مگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو کفار کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ہو۔

چند اصطلاحات: "مالِ فئی" وہ مال ہے جو بغیر لڑائی کے ہاتھ آئے۔ "مالِ غنیمت" وہ مال ہے جو کافروں سے لڑائی کر کے حاصل ہوا ہو۔ "خمس" پانچواں حصہ۔ "اربع اخماس" پانچ حصوں میں سے باقی ماندہ چار حصے۔ "خمس الخمس" پانچویں کا پانچواں حصہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِأَهْلِ الْعُذْرِ فِي الْقُعُودِ

اہل عذر کو جہاد میں عدم شرکت کی اجازت

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ائْتُونِي بِالْكَتِفِ أَوِ اللَّوْحِ فَكَتَبَ {لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ} [النساء: 95] وَعَمْرُو ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَقَالَ هَلْ لِي مِنْ رُخْصَةٍ فَنَزَلَتْ {غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ} [النساء:95].

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس شانہ شتر یا تختی لاؤ پس لکھوایا: "لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ" اور عمرو بن اُم مکتوم پیچھے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سو پوچھا کیا میرے لیے رخصت ہے، پس اترا یہ لفظ: "غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ"

تشریح "کتف... بفتح الکاف و کسر التاء" شانے کی وہ ہڈی جو عریض اور پھیلی ہوتی ہے خواہ انسان کی ہو یا جانوروں کی۔ حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ جس کا نام عمرو بن قیس ہے نابینا صحابی تھے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ آیت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو املاء کرانے لگے تو یہ موقع پر پہنچ گئے اور عرض کیا کہ اگر میں استطاعت رکھتا تو ضرور جہاد میں شریک ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ استثناء نازل فرمایا "غیر اولی الضرر"

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ خَرَجَ فِي الْغَزْوِ وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ

جو شخص والدین کو چھوڑ کر جہاد میں جائے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ أَلَكَ وَالِدَانِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آیا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اجازت مانگتا تھا جہاد کی پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تیرے ماں باپ ہیں؟ کہا ہاں! فرمایا پس انہیں کی خدمت میں کوشش کر۔

تشریح "جاء رجل" احتمال یہ ہے کہ آنے والے شخص کا نام جاھمہ بن عباس بن مرداس ہے۔ بعض روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

"قولہ کان لایتھم ابو العباس رحمہ اللہ" ان کا نام سائب بن فروخ شاعر کی اعمیٰ ہے ان کے بارے میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ "کان لایتھم" سے ان کی توثیق فرمارہے ہیں کیوں کہ یہ شاعر تھے اور شاعر حضرات متہم ہوتے ہیں تو بتلایا کہ یہ متہم نہیں ہیں۔

"قولہ ففیھما فجاھد"...... "ففیھما، جاھد" کے متعلق ہے تخصیص کے لیے مقدم کیا گیا۔ فاء جزاء ہے۔ شرط محذوف کی اور دوسری فاء بھی جزا ہے کیوں کہ کلام معنی شرط کو متضمن ہے تقدیری عبارت ہے "اذا کان الامر کما قلت فاختص المجاھدۃ فی خدمت الوالدین" یعنی جاہد اپنے ظاہر پر نہیں ہے کیونکہ عرف میں جہاد دشمن کو ضرر پہنچانے کا نام ہے ماں باپ تو دشمن بھی نہیں اور انہیں ضرر بھی نہیں پہنچانا۔ لہٰذا مراد ان کی خدمت میں مجاہدہ ہے۔

مسئلہ: جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جب والدین یا ان میں سے ایک بھی منع کرے تو جہاد کرنا حرام ہے اس لیے کہ ان کی فرمانبرداری فرضِ عین اور جہاد فرض کفایہ ہے اور جب جہاد فرضِ عین ہو جائے تو پھر بغیر اجازت جانا جائز ہے لیکن یہ مسئلہ (اجازتِ والدین) تب ہے جب کہ والدین مسلمان ہوں گے۔ اگر (خدانخواستہ) والدین مسلمان نہ ہوں تو بغیر اجازت جانا جائز ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض جمہور علماء کی تائید فرمانا ہے کہ والدین مسلمین کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہیں جانا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُبْعَثُ وَحْدَهُ سَرِيَّةً ...... ایک شخص کو بطور لشکر بھیجنا

حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ فِي قَوْلِهِ {أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ} [النساء: 59] قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ السَّهْمِيُّ بَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى سَرِيَّةٍ أَخْبَرَنِيهِ يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ.

ترجمہ حضرت حجاج بن محمد سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ کہا ابن جریج نے تفسیر میں آیت مذکورہ کی کہ کہا عبداللہ بن حذافہ نے کہ بھیجا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلا بطور سریا کے خبر دی اس کی ان کو یعلی بن مسلم نے انہوں نے روایت کی سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔ (سریہ وہ چھوٹی ٹکڑی ہے جو بڑے لشکر سے جدا کر کے بھیجی جائے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُسَافِرَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ ...... اکیلے سفر کرنے کی کراہت

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ مِنَ الْوَحْدَةِ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ يَعْنِي وَحْدَهُ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اکیلے شخص کے سفر کرنے کے بارے میں جو میں جانتا ہوں اگر لوگ اس کو جان لیں تو رات کو (اکیلے) سفر نہ کریں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: راکب اگر تنہا ہو تو وہ شیطان ہے۔ اگر دو ہوں تو دو شیطان ہیں اور اگر تین آدمی ہوں تو یہ قافلہ ہے یعنی کوئی آدمی سفر میں تنہا نہ جائے، کم سے کم تین آدمی مل کر جائیں، یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ اس وقت بدامنی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْكَذِبِ وَالْخَدِيعَةِ فِي الْحَرْبِ

لڑائی میں جھوٹ اور مکر کی اجازت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑائی میں فریب جائز ہے۔

تشریح جنگ میں دھوکہ دینے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان ایسے الفاظ استعمال کریں جس سے دشمن دھوکے میں پڑ جائے اور دل میں صحیح معنی کی نیت ہو یہ جائز و درست ہے۔ البتہ صریح جھوٹ بولنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ البتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صریح جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔ البتہ عہد کی خلاف ورزی کے لیے جھوٹ بولنا جائز نہیں لیکن جنگی تدبیر کی بناء پر جھوٹ بولنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزَوَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَمْ غَزَا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ فَقِيلَ لَهُ كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةٍ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ، فَقُلْتُ كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ قُلْتُ أَيَّتُهُنَّ كَانَ أَوَّلَ قَالَ ذَاتُ الْعُشَيْرِ أَوِ الْعُشَيْرَةِ.

ترجمہ حضرت ابی اسحٰق سے روایت ہے کہ تھا میں بازو میں زید بن ارقم کے سو کسی نے ان سے پوچھا کتنے جہاد کیے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ فرمایا اُنیس میں نے پوچھا تم نے کتنوں میں رفاقت کی؟ کہا سترہ میں کہا پہلا ان میں کون سا غزوہ تھا؟ فرمایا انہوں نے ذات العشیر اء یا ذات العسیر اء راوی کو شک ہے۔

تشریح اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا ذکر کیا گیا ہے۔

"کل غزوات" کل غزوات ۱۹ ہیں جن میں سے ۸ میں قتال کیا جب کہ جمہور کے نزدیک ۲۷ ہیں۔ سعید بن مسیب سے چوبیس، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ۲۱ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ۱۹ غزوات کی تعداد منقول ہے۔

"کل سریہ" ابن سعد رحمہ اللہ سے ۴۰، ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے ۳۵، واقدی رحمہ اللہ سے ۴۸ اور ابن جوزی رحمہ اللہ سے ۵۶ کی تعداد منقول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّفِّ وَ التَّعْبِئَةِ عِنْدَ الْقِتَالِ۔۔۔ جنگ میں صف بندی اور ترتیب کے متعلق

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَبَّأَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ہماری صفیں بنائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ عِنْدَ الْقِتَالِ۔۔۔ جنگ کے وقت دُعا کرنا

عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو عَلَى الْأَحْزَابِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ.

ترجمہ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو (دشمنوں کے) لشکروں کے خلاف یہ دُعا مانگتے ہوئے سنا، اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے جلد حساب لینے والے ان لشکروں کو شکست دے اور ان کے قدم اُکھاڑ دے۔ (منہ)

تشریح "قولہ یدعوا علی الاحزاب فقال" حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب (خندق) کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے خلاف بددُعا فرمائی۔ یہاں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکین کیخلاف ایک بددُعا کو ذکر فرمایا ہے جس کے الفاظ حدیث میں آرہے ہیں۔

"فقال: اللّٰھم منزل الکتاب، سریع الحساب" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے۔ کتاب سے مراد تو قرآن کریم ہی ہے اور سریع الحساب کے علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔

(۱) یہ مطلب ہے کہ "أنه سريع حسابه و مجيئي وقته" کہ اللہ تعالیٰ کا حساب اور اس کا وقت جلد آنے والا ہے۔

(۲) "أو أنه سريع فى الحساب" یا یہ کہ وہ حساب و کتاب میں تیز ہیں اور جلد ہی گرفت کرتے ہیں۔

پہلی صورت میں "سریع" حساب کی صفت ہوگی اور دوسری صورت میں حق تعالیٰ جل شانہ کی صفت ہوگی۔

"اهزم الاحزاب وزلزلهم" مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! انہیں پارہ پارہ کردیجئے اور ان کی جمعیت کو تتر بتر اور متفرق کردیجئے تاکہ انہیں کہیں بھی قرار و سکون میسر نہ ہو اور وہ کہیں بھی جم نہ سکیں۔

اور علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود و مطلوب یہ تھا کہ ان کی عقلیں زائل ہو جائیں اور جنگ کے دوران ان کے قدم ڈگمگا جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَلْوِيَةِ ــــ جھنڈوں کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کا جھنڈا اسفید تھا۔(یعنی فتح مکہ کے دن)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّايَاتِ ــــ لشکر کے نیزوں سے متعلق

ثنا یُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَسْأَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمِرَةٍ.

ترجمہ: حضرت یونس بن عبید سے روایت ہے جو مولیٰ ہیں محمد بن القاسم کے کہا بھیجا مجھ کو محمد بن القاسم نے براء بن عازب کی طرف تاکہ پوچھوں میں کیسا تھا جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا براء نے سیاہ تھا اور چوکور تھا اس پر لکیریں بنی ہوئی تھیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہا انہوں نے تھا بڑا جھنڈا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ اور چھوٹا جھنڈا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفید۔

تشریح: اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا ذکر کیا گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے جیسا جھنڈا بناؤں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشِّعَارِ ۔۔۔ شعار کے بیان میں

عَنْ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ عَمَّنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَقُولُوا حم لَا يُنْصَرُونَ.

ترجمہ: حضرت مہلب بن ابی صفرہ سے روایت ہے انہوں نے روایت کی کسی ایسے شخص سے کہ سنا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ فرماتے تھے اگر آجائے رات کو تمہارے اوپر دشمن تو شعار تمہارا "حم لَا يُنْصَرُوْنَ" ہے۔

تشریح: شعار وہ لفظ جو فوج یا اسلامی لشکر کے درمیان کوڈورڈ کے طور پر مقرر کرلیا جاتا ہے اور یہ اعلان کردیا جاتا ہے کہ جو شخص یہ خفیہ لفظ بولے گا وہ ہمارا آدمی ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا رواج تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حم لا ينصرون" مقرر فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيْفِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شمشیر کے متعلق

عَنْ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا.

ترجمہ: ابن سیرین سے روایت ہے کہ بنائی میں نے اپنی تلوار سمرہ کی تلوار پر اور بنائی سمرہ نے اپنی تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار پر اور تھی تلوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی حنیف کی جو ایک قبیلہ ہے عرب میں۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار حنفیہ تھی۔ یعنی قبیلہ بنو حنیفہ نے بنائی تھی۔ اس لیے اس نام کی طرف منسوب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفِطْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ ۔۔۔ جنگ کے وقت افطار کرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا بَلَغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ مَرَّ الظَّهْرَانِ فَآذَنَنَا بِلِقَاءِ الْعَدُوِّ فَأَمَرَنَا بِالْفِطْرِ فَأَفْطَرْنَا أَجْمَعِينَ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پہنچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں جس سال مکہ فتح ہوا اور خبر دی ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے مقابلہ کی تو حکم کیا افطار کا پس افطار کیا ہم سب نے۔

تشریح: الحاصل یہ کہ جب روزہ رکھنے کی وجہ سے جسم میں قوت کے اندر کمی واقع ہو اور دشمن سے مقابلہ کرنے میں شکست کا اندیشہ ہو تو روزہ افطار کرلینا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے تشریف لارہے تھے تو "مرالظہران" پر پہنچے تو دشمن کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں افطار کا حکم دیا کما فی الحدیث الباب۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُرُوجِ عِنْدَ الْفَزَعِ

گھبراہٹ کے وقت نکلنا

عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ مَنْدُوبٌ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْ فَزَعٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ سوار ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ کے گھوڑے پر کہ اسے مندوب کہتے تھے پھر فرمایا کہ نہ تھی کچھ گھبراہٹ اور پایا ہم نے اس کو سبک رو مانند دریا کے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لَنَا يُقَالُ لَهُ مَنْدُوبٌ فَقَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ فَزَعٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تھی مدینہ میں کچھ گھبراہٹ سو مانگ لیا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا گھوڑا کہ اسے مندوب کہتے تھے پھر فرمایا نہ دیکھی ہم نے کچھ گھبراہٹ اور پایا اس گھوڑے کو تیز رو مانند دریا کے۔

تشریح: "فزعوا باللیل" یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے "ینبغی لامامھم ان الکشف الخبر بنفسه او بمن یندبه لذلک" اور ترجمۃ الباب سے غرض بھی یہی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے۔

"فزعوا": ...... الفزع مصدر سے ماضی جمع مذکر غائب ہے "الفزع" کا اصل معنی تو خوف ہے لیکن یہاں "اغاثة" (فریادرسی) اور نصر (مدد کرنا) کے معنی میں ہے۔ "فزع" باب سمع سے بمعنی دہشت زدہ ہونا، خائف ہونا، فریاد چاہنا، پناہ لینا، فریادرسی کرنا، مدد کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّبَاتِ عِنْدَ الْقِتَالِ ...... جنگ کے وقت ثابت قدم رہنا

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَجُلٌ أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عُمَارَةَ قَالَ لَا وَاللهِ مَا وَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہا اس شخص نے کیا بھاگ گئے تھے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس سے اے ابا عمارہ! کہا انہوں نے نہیں قسم ہے اللہ کی پیٹھ نہیں موڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیکن پیٹھ موڑی بعضے جلد باز لوگوں نے کہ مقابلہ کیا ان سے کفار ہوازن نے ساتھ تیروں کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر تھے اور ابوسفیان اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کڑکا فرماتے تھے: ''أنا النّبیّ'' ﷺ یعنی میں نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں اور میں پوتا ہوں عبدالمطلب کا۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ حُنَيْنٍ وَإِنَّ الْفِئَتَيْنِ لَمُوَلِّيَتَيْنِ وَمَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةُ رَجُلٍ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دیکھا ہم نے اپنے تائیں یعنی اصحاب کو کہ دونوں گروہ پیٹھ موڑنے والے تھے اور نہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو آدمی بھی۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَجْرَأِ النَّاسِ وَأَجْوَدِ النَّاسِ وَأَشْجَعِ النَّاسِ قَالَ وَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَيْلَةً سَمِعُوا صَوْتًا قَالَ فَتَلَقَّاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهُ فَقَالَ لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدْتُهُ بَحْرًا يَعْنِي الْفَرَسَ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مردم اور سخی زیادہ لوگوں سے اور بہادر زیادہ سب لوگوں سے کہا اور ایک رات گھبرائے اہل مدینہ کسی دشمن کی خبر سن کر اور سنی لوگوں نے ایک آواز پھر ملے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے ایک گھوڑے پر ابوطلحہ کے ننگی پیٹھ اور لٹکائے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار کو اور فرماتے تھے لوگوں سے مت ڈرو، مت ڈرو، پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے پایا اس کو چال میں مانند دریا کے یعنی گھوڑے کو۔

تشریح اس سے غزوۂ حنین کی طرف اشارہ ہے فتح مکہ کے بعد عرب کے ان قبائل میں بہت پریشانی وحیرانی لاحق ہوگئی جو مسلمانوں کے حلیف ومعاہد نہ تھے، ان میں قبیلہ ثقیف وہوازن بھی تھے، ان کے سردار مالک بن عوف نے مسلمانوں کے حملہ کے خوف سے تمام قبائل کو مقام اوطاس میں جمع کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معتبر ذرائع سے اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ۸ ہجری میں نکلے۔ اس سے پہلے کسی جنگ میں اتنی کثیر تعداد فوج نہیں تھی۔ لشکر لے کر وادئ حنین میں پہنچے، راستہ میں دشمنوں نے چپکے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مسلمان حواس باختہ ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ میدان میں قائم رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ رجز پڑھتے رہے: ''انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب'' پھر مسلمانوں کو پکارتے رہے اور سب جمع ہو گئے اور اتنے زور سے حملہ کیا

کہ سب کفار بھاگ نکلے اور بہت مارے گئے خصوصاً بڑے بڑے سردار بہادر مارے گئے۔ بالآخر میدان چھوڑ کر چلے گئے اور جس سردار مالک بن عوف نے سب کو جمع کیا وہ بھی مارا گیا۔

دراصل کثرت تعداد پر کچھ مسلمانوں کو عجب آ گیا تھا۔ چنانچہ بعض کی زبان سے یہ کلمہ بھی نکل گیا تھا کہ ہم اس لڑائی میں شکست نہیں کھائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں شکست کا منہ دکھلا کر سبق دلایا اور اصلاح کی کہ فتح کا مدار کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی نصرت پر ہے۔ چنانچہ خود اللہ نے فرمایا: "ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا" الآیہ۔ باقی تفصیل کتبِ تواریخ کے حوالہ ہے۔

"قولہ ثم لم تراعوا" ...... "ای لا تراعوا" تم نہ گھبراؤ، اس معنی کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں "لن تراعوا" کے الفاظ ہیں۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں یہی ترجمہ لکھا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "لم تراعوا" میں "لم" اپنے اصلی معنی پر ہے یعنی اصل روع (گھبراہٹ) کی نفی ہے۔ تعلیقات لامع الدراری میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے اس معنی کو سراہا ہے۔ یعنی "تم سرے سے خوف زدہ ہی نہیں ہوئے" اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں "مارأینا من شیء" کے الفاظ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّيُوفِ وَحِلْيَتِهَا ...... تلواریں اور ان کی زینت

عَنْ مَزِيدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً.

ترجمہ حضرت مزیدہ سے روایت ہے کہ داخل ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن یعنی مکہ میں اور ان کی تلوار پر سونا چاندی لگا ہوا تھا کہا طالب نے پوچھا میں نے مزیدہ سے چاندی کو کہا انہوں نے قبیعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار میں چاندی تھی۔

تشریح سوال: تلوار پر سونا، چاندی لگانا یعنی تلوار کو آراستہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: آئمہ کرام رحمہم اللہ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

احناف اور شوافع کے نزدیک تلوار وغیرہ کو چاندی سے آراستہ کرنا تو جائز ہے سونے سے نہیں۔ سنن ابوداود میں ہے "کانت قبیعة سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فضة" ...... حنابلہ کے نزدیک سونے سے آراستہ کرنا بھی جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّرْعِ ...... زرہ کے بیان میں

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعَانِ يَوْمَ أُحُدٍ فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ حَتَّى اسْتَوَى

عَلَى الصَّخْرَةِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَوْجَبَ طَلْحَةُ.

ترجمہ: حضرت زبیر بن عوام سے روایت ہے کہ تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زرہیں اُحد کے دن سو چڑھنے لگے پتھر پر پس نہ چڑھ سکے پھر بیٹھ گئے طلحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے اور چڑھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ سیدھے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر پر پھر سنا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے کہ واجب ہوئی طلحہ کے لیے یعنی جنت یا شفاعت۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو ان کے وزنی ہونے کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نیچے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا اور ان پر چڑھ کر چٹان پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خوشخبری کے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ طلحہ نے واجب کر لیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِغْفَرِ۔۔۔۔۔خود کے متعلق

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَقِيلَ لَهُ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا داخل ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خود تھا کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابن خطل لپٹا ہوا ہے کعبہ شریف کے پردوں میں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرو اس کو۔

تشریح: "المغفر" میم کے کسرہ کے ساتھ اور غین کے سکون اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ٹوپی کے نیچے کے خود جو زرّہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر خود تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُتارا تو ایک آدمی آیا، یہ ابو برزہ اسلمی تھے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردے پکڑے لٹکا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو وہیں مار ڈالو"۔ چنانچہ اسی حالت میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے والا کون تھا؟ روایات میں مختلف نام آئے ہیں۔

قول اوّل: ہلال ابن خطل کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

قول ثانی: ابن خطل کو قتل کرنے والے ابو برزہ اسلمی ہیں۔

قول ثالث: ابن خطل غلاف کعبہ پکڑے لٹکا ہوا پایا گیا، سعید بن حریث اور عمار بن یاسر اس کی طرف بڑھے لیکن سعید نوجوان تھے، اس لیے وہ سبقت لے گئے اور ابن خطل کو عمار سے پہلے قتل کر ڈالا۔ بعض نے تطبیق دی ہے۔ شارحین ان سب روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابن خطل کو سب نے مشترکہ طور پر قتل کیا ہو اور ابو برزہ اسلمی نے وار کرنے میں پہل کی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخَيْلِ ۔۔۔۔ گھوڑوں کی فضیلت

عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْرُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ.

ترجمہ: حضرت عروہ بارقی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر بندھی ہوئی ہے گھوڑوں کی پیشانی سے قیامت کے دن تک یعنی اجر اور غنیمت۔

اس باب کی مکمل شرح ماقبل "باب ماجاء من ارتبط فرسا فی سبیل اللہ" کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْخَيْلِ ۔۔۔۔ بہتر گھوڑوں کے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برکت گھوڑوں کی سرخ رنگ گھوڑوں میں ہے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ الْأَقْرَحُ الْأَرْثَمُ ثُمَّ الْأَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْيَمِينِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلَى هَذِهِ الشِّيَةِ.

ترجمہ: حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر گھوڑوں میں سیاہ رنگ ہیں جن کی پیشانی اور اوپر کا ہونٹ سفید ہو پھر پنچ کلیاں یعنی جن کے چاروں پیر اور پیشانی سفید ہو پھر اگر سیاہ رنگ نہ ہوں تو کمیت اسی صورت کا یعنی سیاہی سرخی ملی ہوں یا دُم اور ایال اس کے سیاہ ہوں اور باقی سرخ ہوں۔

اس حدیث میں اور اگلی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی پسندیدہ اقسام بیان فرمائی ہیں، ان کی تشریح یہ ہے۔

گھوڑوں کی پسندیدہ اقسام:

(۱) "الأدهم الأقرح الأرثم": "ادھم" سخت سیاہ رنگ کا ہو۔ "الأقرح" پیشانی میں ہلکی سی سفیدی ہو۔ "الأرثم" اُوپر والے ہونٹ میں کچھ سفیدی ہو۔ (۲) "الأقرح المحجل طلق اليمين" پیشانی میں سفیدی ہو، تین پاؤں محجل (سفیدی والے) ہوں اور دایاں پاؤں مطلق (بغیر سفیدی کے) ہو۔

(۳) "کُمیت" جس کا سارا جسم سرخ ہو، کان اور گردن کے بال سیاہ ہوں۔ "علی هذه الشية" گھوڑے کے اپنے

رنگ کے علاوہ جو تھوڑا، تھوڑا دوسرا رنگ ہو اس کو "شية" کہتے ہیں۔ اس سے پہلی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ادھم میں فضیلت کی جو ترتیب تھی وہی کمیت میں ہے۔

(۴) "أشقر" خالص اور صاف سُرخ رنگ کا گھوڑا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخَيْلِ ..... گھوڑوں کی ناپسندیدہ قسم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَرِهَ الشِّكَالَ مِنَ الْخَيْلِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ کہتے تھے شکار کو گھوڑوں میں۔

تشریح شکال کی تفسیر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے شکال کو ناپسند فرمایا ہے۔ "شکال" بکسر الشین اصل میں اس رسی کو کہتے ہیں جس کے گھوڑا باندھا جاتا ہے۔ گھوڑے میں شکال کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔

(۱) گھوڑے کے تین پاؤں محجل (سفیدی والے) ہوں اور ایک پاؤں مطلق (بغیر سفیدی کے) ہو۔

(۲) اس کے برعکس تین مطلق اور ایک محجل ہو۔

(۳) ایک پاؤں اور ایک ہاتھ خلاف جانب سے محجل ہوں۔ یعنی دایاں ہاتھ، بایاں پاؤں محجل ہو یا بایاں پاؤں محجل ہو۔

حدیث کے آخر میں راوی نے جو تفسیر کی ہے وہ بظاہر اسی پر منطبق ہوتی جن صفات والے گھوڑوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے ان میں پسندیدگی کی بنا وحی پر ہے یا اپنے تجربات پر ناپسند فرمایا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّهَانِ وَالسَّبَقِ ..... گھوڑوں کی شرط کے متعلق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْرَى الْمُضَمَّرَ مِنَ الْخَيْلِ مِنَ الْحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ أَمْيَالٍ وَمَا لَمْ يُضَمَّرْ مِنَ الْخَيْلِ مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَبَيْنَهُمَا مِيلٌ وَكُنْتُ فِيمَنْ أَجْرَى فَوَثَبَ بِي فَرَسِي جِدَارًا.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمر گھوڑے دوڑائے حفیہ سے ثنیۃ الوداع تک اور دونوں میں چھ میل کا فاصلہ ہے اور جو غیر مضمر گھوڑے تھے ان کو دوڑایا ثنیۃ الوداع سے بنی زُریق کی مسجد تک اور دونوں میں ایک میل کا فاصلہ تھا اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں میں بھی ان میں تھا جنہوں نے گھوڑے دوڑائے تھے سو کود گیا میرا گھوڑا ایک دیوار مجھے لے کر۔

تشریح "قوله اجرى المضمر ... الخ" یہ "اضمار" سے ہے۔ زیادہ تر یہ لفظ باب تفعیل سے استعمال ہوتا ہے مگر کبھی کبھی باب افعال سے بھی مستعمل ہے۔ گھوڑے کے اضمار کا معنی یہ ہے کہ گھوڑے کو کئی دن تک خوب کھلانے کے بعد رفتہ رفتہ اس

کی خوراک میں کمی کرتے جاتے ہیں۔ پھر اس کو تنگ جگہ میں جل وغیرہ کے ساتھ گرمی دیتے ہیں تاکہ پسینہ آ کر گوشت ہلکا ہو جائے اور گھوڑا چست ہو جائے۔

"مضمّر" گھوڑوں کا مسابقہ "حفیاء" سے "ثنیۃ الوداع" تک فرمایا جس کی مسافت تقریباً چھ میل ہے اور "غیر مضمّر" کا مسابقہ "ثنیۃ الوداع" سے مسجد بنی زریق تک فرمایا جس کی مسافت تقریباً ایک میل ہے مضمر چونکہ قوی ہوتا ہے اس لیے اس کی مسافت زیادہ رکھی گئی اور غیر مضمر کے ضعف کی وجہ سے مسافت تجویز فرمائی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا سَبَقَ إِلَّا فِي نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبق نہیں ہے مگر تیر میں یا اونٹ میں یا گھوڑے میں۔

"نصل" تلوار یا تیر کا لوہے والا حصہ۔ "خف" سے مراد "ذو حافر" یعنی گھوڑا وغیرہ ہے۔ "سبق" کی تشریح: اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ (۱) بسکون الباء۔ یہ مصدر ہے، گھوڑ دوڑ اور ان کی مسابقت کے معنی میں۔ مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز میں مقابلہ بازی جائز نہیں۔ یہ تین چیزیں اعداد آلہ جہاد میں داخل ہے اور جہاد کی تیاری کے لیے مقابلہ بازی نہ صرف جائز بلکہ ثواب ہے۔ اس کے علاوہ مقابلہ بازی عبث ہے جو مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔

(۲) با کو فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ مقابلہ میں جیتنے والے کو جو مالی انعام دیا جاتا ہے، اس کو سبق کہتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ان تین چیزوں کے مقابلے کے علاوہ اور کس مقابلے میں مالی انعام و معاوضہ جائز نہیں، البتہ ان تین چیزوں میں مالی انعام بھی جائز ہے۔

گھوڑ دوڑ وغیرہ میں انعام اگر مقابلہ میں شریک ہونے والے دو آدمیوں کے علاوہ اور کوئی شخص دے تو یہ جائز ہے، ایسے ہی فریقین میں سے صرف ایک شخص کی طرف سے انعام کی شرط ہو، دوسرے کی طرف سے انعام کی شرط نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ فریقین کا دونوں طرف سے انعام کی شرط لگانا جائز نہیں۔ البتہ دونوں طرف سے انعام کی شرط کے جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ فریقین ایک تیسرے شخص کو مقابلہ میں شریک کرلیں اور درج ذیل دو طریقوں میں سے ایک طریقے سے شرط ٹھہرائیں۔

(۱) فریقین میں سے ہر ایک یہ شرط ٹھہرا لے کہ دونوں میں سے کوئی بھی آگے نکل گیا تو دوسرا اس کو انعام دے گا لیکن اگر تیسرا شخص جس کو انہوں نے شریک کیا ہے وہ آگے نکل جائے تو اس کو کوئی انعامات نہیں دے گا۔

(۲) یہ شرط ٹھہرے کہ فریقین میں سے جو بھی آگے بڑھ گیا، دوسرا اس کو انعام دے گا۔ تیسرا شریک آگے بڑھ گیا تو دونوں فریقین اس کو انعام دیں گے لیکن اگر فریقین سے کوئی آگے بڑھ گیا تو اس تیسرے شریک کے ذمہ انعام ضروری نہیں ہوگا۔

یہ تیسرا شخص جس کو مقابلے میں شامل کیا گیا ہے اس کو "محلل" کہتے ہیں۔ محلل کو شریک کرنے کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اس کا گھوڑا بھی فریقین کے گھوڑوں کے برابر قوت کا ہو نہ اتنا کمزور ہو کہ اس کا پیچھے رہنا یقینی ہو اور نہ اتنا قوی ہو کہ اس کا آگے گزر جانا یقینی ہو، اگلی حدیث میں "فان کان یومن أن یسبق فلا خیر فیہ... الخ" کا یہی مطلب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُنْزَى الْحُمُرُ عَلَى الْخَيْلِ

گھوڑی پر گدھے چھوڑنے کی کراہت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَأْمُورًا مَا اخْتَصَّنَا دُونَ النَّاسِ بِشَيْءٍ إِلَّا بِثَلَاثٍ أَمَرَنَا أَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوءَ وَأَنْ لَا نَأْكُلَ الصَّدَقَةَ وَأَنْ لَا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلَى فَرَسٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندہ مامور کسی چیز میں خاص نہ کیا ہم کو اور لوگوں سے مگر تین چیزوں میں حکم کیا ہم کو کہ وضو پورا کریں اور زکوٰۃ مال کی نہ کھائیں اور گھوڑی پر گدھا نہ چھوڑیں۔

تشریح: بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کو کچھ ایسے علوم عطاء فرمائے ہیں جو کسی اور کو نہیں بتائے گئے۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اس کی تردید فرماتے رہتے تھے، یہ حدیث بھی اسی مضمون سے متعلق ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ہم اہل بیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص علم عطاء نہیں فرمایا۔ اگر کوئی خاص بات ہوسکتی ہے تو وہ یہ تین باتیں ہیں مگر یہ تین باتیں تو اور حضرات کو بھی معلوم ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کوئی علم بھی اہل بیت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس حدیث سے اور اگلی حدیث سے معلوم ہوا کہ خچر کا استعمال اور اس پر سواری تو جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری فرمائی ہے لیکن "انزاء الفرس علی الحمیر" نامناسب اور مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِسْتِفْتَاحِ بِصَعَالِيكِ الْمُسْلِمِينَ

فقراء مسلمین سے دُعائے خیر کرانا

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ابْغُونِي ضُعَفَاءَكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابی الدرداء سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے ڈھونڈو مجھ کو اپنے ضعیفوں میں اس لیے کہ تم کو رزق ملتا ہے اور مدد ملتی ہے بسبب ضعیفوں کے تمہارے یعنی ان پر رحم کرنے کے سبب سے تم کو برکت اور فتح ہوتی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نصرت وغیرہ نازل ہوتی ہے، اس کا سبب یہی کمزور لوگ ہوتے ہیں جن کی دُعاؤں، نمازوں اور اخلاص میں یہ برکت ہوتی ہے کہ وہ نصرت الٰہی اس کے بندوں کی جانب متوجہ ہونے کا سبب بنتے ہیں کیونکہ ان کے دل دُنیا کی چکا چوند اور اس کی زینت سے خالی ہوتے ہیں اور ان کے ضمیر ان چیزوں سے صاف ہوتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ سے

دور کردیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ہی مقصد سامنے رکھا ہوتا ہے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور اس کی خوشنودی حاصل کی جائے، اسی لیے ان کے دل پاکیزہ اور ان کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الأَجْرَاسِ عَلَى الخَيْلِ

گھوڑوں کے گلے میں گھنٹیاں لٹکانا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصْحَبُ المَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساتھ نہیں ہوتے فرشتے ان رفیقوں کے جن میں کتا ہو اور گھنٹی ہو۔

تشریح اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے گھنٹی اور کتے کی شناعت کے متعلق احادیث نقل کی ہیں یہ ملتے جلتے چند الفاظ ہیں۔ اجراس، معازف، ملاہی۔ عام طور پر یہی تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اجراس وہ گھنٹی جو بیل یا کسی جانور کے گلے میں ڈال دی جاتی ہے۔ معازف وہ ساز جو منہ سے بجایا جائے اور ملاہی وہ جو ہاتھوں سے بجایا جائے ڈھول وغیرہ۔ جمہور علماء کے نزدیک ساز اور ڈھول حرام ہے۔ البتہ دف بجانے کی گنجائش ہے لیکن اس میں بھی چند شرائط ہیں۔ مثلاً دف سادہ ہو، بجانے والی بچیاں ہوں اور وہاں بے حیائی اور حرام اشیاء کے کھانے پینے کا رواج نہ ہو، وغیرہ۔ موجودہ دور میں عام طور پر جو ڈھول بجایا جاتا ہے اس میں بہت ساری قباحتیں ہیں یہ دف میں نہیں آتا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ يُسْتَعْمَلُ عَلَى الحَرْبِ ـــــ جنگ کا امیر مقرر کرنا

عَنِ البَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَى أَحَدِهِمَا عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَلَى الآخَرِ خَالِدَ بْنَ الوَلِيدِ فَقَالَ إِذَا كَانَ القِتَالُ فَعَلِيٌّ قَالَ فَافْتَتَحَ عَلِيٌّ حِصْنًا فَأَخَذَ مِنْهُ جَارِيَةً فَكَتَبَ مَعِي خَالِدُ بْنُ الوَلِيدِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشِي بِهِ فَقَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ الكِتَابَ فَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ ثُمَّ قَالَ مَا تَرَى فِي رَجُلٍ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ، قَالَ قُلْتُ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ وَإِنَّمَا أَنَا رَسُولٌ فَسَكَتَ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لشکر بھیجے، ان میں سے ایک لشکر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور دوسرے لشکر پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور فرمایا کہ جب جنگ شروع ہو جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پورے لشکر کے امیر ہوں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں سے ایک جاریہ لے لی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے میرے

ذریعہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط بھیجا جس میں ان کی چغلی کی، میں وہ خط لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے وہ خط پڑھا تو اس کی وجہ سے آپ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا۔ پھر فرمایا، کیا دیکھتے ہو، تم اس شخص میں جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں، میں تو ایک قاصد بن کر آیا تھا، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سن کر آپ خاموش ہوگئے۔

تشریح اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس خط کا برا مانا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یقین سے جانتے تھے کہ یہ کوئی خیانت کا کام نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے جاریہ لی ہے تو حق کے ذریعہ لی ہوگی، اس کا کوئی نہ کوئی جواز ہوگا، اس لیے آپ نے اس شکایت کو پسند نہیں فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِمَامِ۔۔۔۔۔ امام کے متعلق

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! تم سب حاکم ہو اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا جو شخص حکمران ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں کا حاکم ہے، اس سے گھر والوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کی حاکم ہے، اس سے اس کے گھر کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا حاکم ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ خبردار! تم سب حاکم ہو اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَاعَةِ الإِمَامِ۔۔۔۔۔ امام کی اطاعت

عَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ الأَحْمَسِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ قَدِ الْتَفَعَ بِهِ مِنْ تَحْتِ إِبْطِهِ قَالَتْ فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى عَضَلَةِ عَضُدِهِ تَرْتَجُّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللهَ وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللهِ.

ترجمہ حضرت اُمِ حصین احمسیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطبہ دیتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ آپ کے اوپر ایک چادر تھی جس کو آپ نے بغل کے نیچے سے لپیٹا ہوا تھا اور میں آپ کے بازو کے گوشت کو دیکھ رہی تھی کہ وہ حرکت کر رہا تھا۔ رجّ یرجّ کے معنی ہیں "حرکت کرنا" آپ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اگر تمہارے اوپر ایسا حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں تو بھی اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو جب تک وہ تمہارے لیے اللہ کی کتاب کو قائم رکھے۔

امیر اور حاکم کی اطاعت واجب ہے

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور حاکم خواہ کیسا بھی ہو، جب تک وہ امیر کفر کا ارتکاب نہ کرے، اس وقت تک مباحات میں اس کی اطاعت واجب ہے، البتہ اگر اس کے کسی حکم سے گناہ کا ارتکاب لازم آئے تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی یا وہ کسی گناہ کا حکم دے تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں۔ "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق" لٰہذا امیر کے حکم کے بعد وہ مباح کام واجب بن جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَيْهِ وَلَا طَاعَةَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان شخص پر سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے، چاہے وہ اس حکم کو پسند کرے یا نہ کرے جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا واجب ہے اور نہ اطاعت کرنا واجب ہے۔ اس حدیث میں بالکل صاف صاف بیان فرما دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ وَالضَّرْبِ وَالْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ

جانوروں کو لڑانا اور چہرہ داغنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا جانوروں کے لڑانے سے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ وَالضَّرْبِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (چوپایوں کے) چہرے پر داغنے سے اور ان کے منہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ، وَمَتَى يُفْرَضُ لَهُ

بلوغ کی حد اور مالِ غنیمت میں حصہ دینا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِي قَالَ نَافِعٌ فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ بَلَغَ الْخَمْسَ عَشْرَةَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لشکر میں پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ آپ نے مجھے قبول نہیں فرمایا۔ پھر آئندہ سال ایک لشکر میں پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ آپ نے مجھے قبول فرمالیا۔ حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی تو آپ نے فرمایا: یہ چھوٹے اور بڑے کے درمیان حد فاصل ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ حکم جاری کر دیا کہ جس کی عمر پندرہ سال ہو جائے اس کے لیے (غنیمت کا) حصہ دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُسْتَشْهَدُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ ---- شہید کے قرض کے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْإِيمَانَ بِاللّٰهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَيُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ قَالَ لِي ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے درمیان کھڑے

ہو کر فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا تمام عملوں میں سب سے زیادہ افضل عمل ہیں۔ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں اللہ کے راستے میں قتل کردیا جاؤں تو کیا تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کردیئے جاؤ اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے (ثابت قدم ہوکر) ثواب کے طلبگار رہو۔ آگے بڑھنے والے ہو اور پیچھے ہٹنے والے نہ ہو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: تم نے کیا پوچھا؟ اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اگر میں اللہ کے راستے میں قتل کردیا جاؤں تو میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر تم اس حالت میں قتل کیے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے ہو، اجر وثواب کی نیت ہو۔ آگے بڑھنے والے ہو اور پیچھے ہٹنے والے نہ ہو، مگر دَین (معاف نہیں ہوگا) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے ایسے ہی کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ الشُّهَدَاءِ ۔۔۔۔ شہیدوں کی تدفین

عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ شُكِيَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجِرَاحَاتُ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ احْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا فَمَاتَ أَبِي فَقُدِّمَ بَيْنَ يَدَيْ رَجُلَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے (مقتولین کے) زخموں کی شکایت کی گئی، آپ نے فرمایا: قبریں کھودو اور کشادہ کھودو اور اچھی طرف صاف کرو اور ایک قبر میں دو اور تین کو دفن کردو اور جس کو قرآن شریف زیادہ یاد ہو اس کو آگے کرو۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرے والد بھی فوت ہو گئے تھے تو ان کو ایک قبر میں دو آدمیوں سے آگے رکھا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشُورَةِ ۔۔۔۔ مشورہ کے بیان میں

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ وَجِيءَ بِالْأَسَارَى قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُولُونَ فِي هَؤُلَاءِ الْأَسَارَى فَذَكَرَ قِصَّةً فِي هَذَا الْحَدِيثِ طَوِيلَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب جنگی قیدیوں کو لایا گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ان جنگی قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اور اس کے ساتھ طویل واقعہ ذکر کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُفَادَى جِيفَةُ الْأَسِيرِ ۔۔۔۔ کافر قیدی کی لاش فدیہ لے کر نہ دی جائے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ أَرَادُوا أَنْ يَشْتَرُوا جَسَدَ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَأَبَى النَّبِيُّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيعَهُمْ إِيَّاهُ.

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین نے چاہا خرید لیں لاش ایک شخص کی مشرکوں میں سے سو انکار کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیچنے سے۔

(تشریح) مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں پھینکنا اور ڈالنا جائز ہے اور اگر ان کی لاشیں ان کے ورثاء خریدنا چاہیں تو قیمت نہیں لینی چاہیے۔ جب مشرکین نے نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کے جسم کو خریدنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "لا حاجة لنا بثمنه ولا جسده" ہمیں اس کی رقم اور اس کے جسم کی ضرورت نہیں۔

مشرکین کی لاشوں کے بدلے رقم لی جائے گی یا نہیں؟

مشرکین سے اس کا فدیہ نہیں لیا جائے گا کیونکہ جو لوگ قلیب بدر میں ڈالے گئے وہ روسا مشرکین تھے۔ اگر ان کے اہل کو کنویں سے نکالنے اور دفن کی اجازت دی جاتی تو وہ لوگ اس کے لیے مال کثیر خرچ کر دیتے حالانکہ شریعت مطہرہ میں اس کا ثمن لینا جائز نہیں کیونکہ مُردار کا مالک بننا اور اس کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔ شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے۔ "وفی الترمذی من حدیث ابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان المشرکین ارادوا ان یشتروا جسد رجل من المشرکین فابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیعهم هذا"

سوال: اوجھڑی ناپاک ہے جو کہ نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے رہے اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ حامل نجاست کی نماز نہیں ٹوٹتی؟

جواب (۱): حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ استغراق میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ اوجھڑی ڈالی گئی ہے۔

جواب (۲): حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابقاء ہیئت حسنہ کے لیے نماز نہیں توڑی، ہو سکتا ہے کہ بعد میں قضاء کر لی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفِرَارِ مِنَ الزَّحْفِ۔۔۔۔۔ جہاد سے فرار ہونا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاخْتَبَأْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ أَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ نَحْنُ الْفَرَّارُونَ قَالَ بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُونَ وَأَنَا فِئَتُكُمْ.

(ترجمہ) وتشریح:...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا تو لوگوں نے راہِ فرار اختیار کر لیا۔ "حاص" کے معنی ہوتے ہیں مائل ہونا۔ مقصد یہ ہے کہ جب کافروں کی

طرف سے سخت حملہ ہوا تو اس کی وجہ سے ہم مسلمان واپس مدینہ منورہ آگئے اور مدینہ میں آ کر چھپ کر بیٹھ گئے اور یہ خیال کیا کہ ہم تو بھاگ کر واپس آ گئے ہیں تو اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے شکل دکھائیں اور ہم نے کہا کہ ہم تو ہلاک ہو گئے۔ پھر ہم آخر کار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو بھگوڑے ہیں۔ جواب میں آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔ عکر، یعکر کے معنی ہیں "دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنا"۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی کہ تم لوگ جو واپس آئے ہو، یہ فرار اختیار کر کے نہیں آئے بلکہ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے کی نیت سے آئے ہو اور میں تمہاری وہ جماعت ہوں جس کی طرف تم لوٹ کر آئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمادیا: "او متحیزا الی فئة" یعنی اگر کوئی لشکر اس نیت سے واپس آئے کہ فلاں جماعت کی مدد لے کر دوبارہ حملہ کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ الْقَتِيلِ فِي مَقْتَلِهِ۔۔۔ باب (بلا ترجمہ)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِي بِأَبِي لِتَدْفِنَهُ فِي مَقَابِرِنَا فَنَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلَى إِلَى مَضَاجِعِهِمْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دن میری پھوپھی میرے والد (کی لاش) کو ہمارے قبرستان میں دفن کرنے کے لے آئیں۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ شہیدوں کو ان کے شہید ہونے کی جگہ میں واپس لے جاؤ (تا کہ ان کو وہیں دفن کیا جائے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلَقِّي الْغَائِبِ إِذَا قَدِمَ۔۔۔ سفر سے واپس آنے والے کا استقبال

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَبُوكَ خَرَجَ النَّاسُ يَتَلَقَّوْنَهُ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ السَّائِبُ فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ وَأَنَا غُلَامٌ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگ مدینہ منورہ سے باہر ثنية الوداع تک آپ کے استقبال کے لیے آئے۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا اور میں اس وقت لڑکا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَيْءِ۔۔۔ مال فئی کے متعلق

عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِصًا وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْزِلُ نَفَقَةَ أَهْلِهِ سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

ترجمہ حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ بنو نضیر کے اموال "مال فئی" کے حکم میں تھے۔ اس لیے کہ مسلمانوں نے اس کو فتح کرنے کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ۔ یعنی جنگ کے بغیر وہ مال حاصل ہوا تھا۔ لہٰذا وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا۔ چنانچہ آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کیلئے سال بھر کا خرچہ نکال لیتے اور جو مال بچتا اس کو جہاد کی تیاری کیلئے گھوڑوں اور اسلحہ پر خرچ کر دیتے۔

تشریح فئی وہ مال ہے جو کفار سے بغیر جہاد وقتال حاصل ہو، خواہ وہ ڈر کر مال چھوڑ کر چلے گئے ہوں یا بطور مصالحت جزیہ و خراج کی صورت میں حاصل ہو۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ مال غنیمت پر قیاس کر کے فرماتے ہیں کہ مال فئی سے بھی خمس نکالنا پڑے گا۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور آئمہ کے نزدیک خمس صرف غنیمت کے لیے خاص ہے فئی سے خمس نہیں نکالا جائے گا کیونکہ آیت غنیمت میں خمس کا ذکر ہے لیکن فئی کی آیت میں خمس کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح احادیث فئی میں خمس کا ذکر نہیں۔ نیز شیخین اور دوسرے صحابہ کے تعامل میں بھی فئی کے اندر خمس مذکور نہیں ہے۔

احادیث صحیحہ اور تعامل صحابہ کے مقابلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قیاس مرجوح ہے اور فئی کا مال غانمین اور مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس میں کلی اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ جس طرح چاہیں تقسیم کریں یا اپنے لیے سب رکھ لیں۔ البتہ دینے کے لیے پابندی لگادی گئی اور مستحقین متعین کر دیئے گئے کہ یہ مال انہیں کے درمیان دائر رہنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا گیا: "ما فاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللّٰہ وللرسول" الآیہ۔ اور غنیمت کے مال کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اس کے خمس کے مستحقین وہی ذکر کیے گئے اور دونوں کے مستحقین چھ ذکر کیے گئے۔ اللہ، رسول، ذوالقربیٰ، یتیم، مسکین، ابن السبیل۔ اب اللہ تو ہر چیز کا حقیقی مالک ہے بنابریں اللہ کا ذکر تبرکاً اور اس مال کی شرافت وعظمت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ لہٰذا مال فئی اور خمس غنیمت کے مستحقین پانچ رہ گئے لیکن یہ اختیار صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئمۃ المسلمین کو یہ اختیار نہیں بلکہ ان کو ضروری ہے کہ مستحقین کو دیں۔

"قال سمعت عمر بن الخطاب یقول کانت اموال بنی نضیر" علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ مال فئی میں خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ سب عام مسلمین کا حق ہے کہ ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ مثلاً اپاہج اور دوسرے اعذار کی بناء پر کسی چیز پر قادر نہ ہو، اس کو دینا اور مقاتلین پر خرچ کر کے اسلامی سرحد کی حفاظت کرنے پر خرچ کرنا اور چوکیدار و قضاء وغیرہ کے ذریعہ سیاست مدنیہ بجا رکھنے کے لیے خرچ کرنا اور اسلامی تعلیم کو باقی رکھنے کے لیے مدرسین کا خرچہ دینا اور ترتیب اخلاق واصلاح اعمال کے لیے خطباء مقرر کر کے ان کے مصارف برداشت کرنا، عام مسلمانوں

کے مزارع وباغات کی سیرابی کے لیے نہر و تالاب کھودنا اور چلنے پھرنے کے لیے راستہ و پل بنانا۔ الغرض منافع مشترکہ میں خرچ کرنا تو نفس استحقاق میں برابر ہیں۔ البتہ اختلاف الراتب وتفاوت فی الفضائل کی وجہ سے کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل بدر اور بیعت رضوان کے درمیان تفاوت سے تقسیم کرتے تھے۔ لہٰذا قدیم الاسلام یا کثرت عیال اور دوسرے کمالات میں تفاوت کی بناء پر فرق کر کے تقسیم کیا جائے گا۔ یہی جمہور صحابہ وآئمہ کا مذہب ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک میراث کے مانند مال فئی برابری کے ساتھ تقسیم ہوگی۔ مگر جمہور صحابہ کے فتویٰ کے خلاف ان کا میراث پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

أَبْوَابُ اللِّبَاسِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لباس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

یہاں سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے چند ابواب لباس کے بارے میں قائم کیے ہیں اور لباس کے چند مقاصد ہیں۔

(۱) لباس ساتر ہو۔ (۲) لباس باعث زینت ہو۔ (۳) لباس میں مشابہت نہ ہو یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس نہ پہنیں۔ (۴) شلوار، تہبند کعبین سے نیچے نہ ہو۔ (۵) تکبر کا اظہار مقصود نہ ہو۔

(۶) تشبیہ بالکفار نہ ہو یعنی قصداً کفار والا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ ناجائز اور حرام ہے۔

سوال: کیا تشبیہ اور مشابہت میں کوئی فرق ہے؟

جواب: تشبیہ میں قصد کو دخل ہوتا ہے اور مشابہت میں قصد کو دخل نہیں ہوتا۔ تشبیہ حرام ہے اور مشابہت مکروہ تنزیہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ

مردوں پر ریشم اور سونے کے حرام ہونے سے متعلق

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابی موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام کیا گیا پہننا ریشمی کپڑوں کا اور سونے کا اوپر مردوں اُمت میری کے اور حلال کیا گیا ان کی عورتوں پر۔

عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ أُصْبُعَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خطبہ پڑھا جابیہ میں کہ نام ہے مقام کا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے ریشمی کپڑے سے یعنی مردوں کو مگر بقدر دو انگشت کے یا تین یا چار کے۔

تشریح ریشم کا حکم: یہ چند حدیثیں ہیں جن میں ریشم پہننے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس موضوع پر آگے بھی حدیثیں آرہی ہیں لیکن ریشم کا حکم یہیں سمجھ لیا جائے۔ ریشم کے حکم میں سلف سے تین قول منقول ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ ریشم پہننا مطلقاً حرام ہے یعنی مردوں پر بھی اور عورتوں پر بھی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر، عبداللہ بن زبیر اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے اور تابعین میں سے حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ریشم پہننا عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے جائز ہے۔ البتہ مردوں کو منع کیا گیا ہے، یہ یا تو تنزیہی ہے یا اس صورت میں ہے کہ جب، کہ تکبر یا فخر کے طور پر پہنے بذات خود مرد پر یہ ممنوع نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بظاہر یہی رائے معلوم ہوتی ہے اور بھی بعض سلف سے یہ بات منقول ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوف نے ریشم پہن رکھا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہنستے ہوئے کہا کہ اگر آپ میری مان لیں تو آپ بھی میری طرح پہن لیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے مکروہ تحریمی نہیں سمجھتے تھے، یہ دونوں قول تقریباً متروک ہو چکے ہیں۔

(۳) بعد کے فقہاء کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ ریشم عورتوں کے لیے جائز ہے مردوں کیلئے حرام ہے۔ اب اس کے خلاف اگر کوئی قول ہوگا تو وہ شاذ ہوگا۔

ریشم کی اقسام: فقہاء نے ریشمی کپڑے کی تین اقسام لکھی ہیں:

(۱) پہلی قسم حریر محض یعنی خالص ریشم، کپڑے کا تانہ اور بانہ ریشم کا ہو، اس کو حریر مصمت بھی کہتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ کپڑے کا تانہ تو کسی اور چیز کا ہے لیکن بانا ریشم کا ہے تانے کو عربی میں سدی کہتے ہیں اور بانے کو لحمہ کہتے ہیں تو سدی کسی اور چیز کا ہے اور لیکن لحمہ ریشم کا ہے۔

(۳) تیسری قسم اس کے برعکس ہے کہ تانا ریشم کا ہے اور بانا کسی اور چیز کا ہے۔

ان میں سے پہلی دو قسمیں ناجائز ہیں، خالص ریشم ہو تو وہ بھی مردوں کے لیے ناجائز ہے اور اگر بانا ریشم کا ہے اور تانہ کسی اور چیز کا ہے تو بھی ناجائز ہے لیکن اگر تانا ریشم کا ہے اور بانا کسی اور چیز کا ہے تو اس کا پہننا مردوں کے لیے جائز ہے یعنی وہ ریشمی کپڑا سمجھا ہی نہیں جائے گا۔ فقہاء کے ہاں کپڑے کا دارو مدار بانے پر ہے جس چیز کا بانا ہو اس چیز کا کپڑا سمجھا جائے گا۔ لہٰذا اگر بانا ریشم کا ہے تو کپڑا ریشم کا ہے اس لیے اس کا پہننا ناجائز ہے اور اگر بانا کسی اور چیز کا ہے مثلاً سوت کا ہے تو اس کا پہننا جائز ہے وہ سوتی کپڑا سمجھا جائے گا چاہے اس کا تانا ریشم کا ہو۔

عذر کی وجہ سے مردوں کیلئے ریشم پہننا

مردوں کے لیے اگرچہ ریشم ناجائز ہے لیکن عذر کی وجہ سے پہننے کی اجازت ہے، اس پر تقریباً اتفاق ہے عذر کئی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جسم پر کوئی خارش وغیرہ ایسی ہے کہ اس کا علاج ریشم پہنے بغیر نہیں ہو سکتا یا اس زمانے میں لڑائی کے اندر ریشم پہنا جاتا

تھا۔ اس لیے کہ لڑائی دراصل تلواروں سے ہوتی تھی اور ریشم چونکہ بہت نرم ہوتا ہے اس لیے جب اس پر تلوار کی دھار لگتی ہے تو سیدھی جسم کے اندر جانے کے بجائے پھسل جاتی ہے اور آدمی تلوار کی وجہ سے زخمی نہیں ہوتا تو ریشم تلوار سے بچاؤ کا کام دیتا ہے۔ لہٰذا عذر مثلاً خارش وغیرہ یا لڑائی کے اندر ریشم پہننا جائز ہے اور خود حدیث میں بھی اس کا ذکر آ رہا ہے۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ریشم پہننے کی اجازت دی، اس لیے کہ ان کے جسم پر کھجلی اور خارش تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ان کے جسم پر جوئیں تھیں، ان سے بچاؤ کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی تو معلوم ہوا کہ عذر کی وجہ سے مرد کے لیے ریشم پہننا جائز ہے۔

عذر کی وجہ سے کیسا ریشم پہننا جائز ہے؟

آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مذہب:...... آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے ہر قسم کا ریشم جائز ہے چاہے وہ حریر محض یعنی خالص ریشم ہو یا ایسا ریشم ہو جس کا بانا ریشم کا ہو، اگرچہ تانا کسی اور چیز کا ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حریر محض یعنی خالص ریشم پہننا جائز نہیں، عذر کی وجہ سے اجازت صرف اس ریشمی کپڑے کی ہے جس کا بانا ریشم کا تھا، تانا کسی اور چیز کا تھا کہ ایسا کپڑا عام حالت میں پہننا جائز نہیں تھا لیکن عذر کی وجہ سے جائز ہے۔

آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل:...... آئمہ ثلاثہ اور صاحبین یہ کہتے ہیں کہ جن حدیثوں میں عذر کی وجہ سے رُخصت آئی ہے ان میں کوئی تقیید نہیں کہ فلاں قسم کا ریشم پہن سکتے ہو اور فلاں قسم کا نہیں پہن سکتے۔ لہٰذا جب عذر ثابت ہو گیا تو ہر قسم کا ریشم جائز ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل کے اعتبار سے مرد کے لیے ریشم حرام تھا۔ یہاں ضرورت کی وجہ سے اجازت دی گئی ہے اور قاعدہ ہے "الضَّرُوْرت یتقدر بقدر الضرورۃ" کہ جو کام ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے وہ بقدر ضرورت کیا جاتا ہے اور ضرورت تھوڑے سے پوری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا زیادہ کی اجازت نہیں ہوگی۔ تھوڑے سے مراد یہ ہے کہ جس کا صرف بانا ریشم کا ہے تانا نہیں جب اس سے ضرورت پوری ہوگی تو خالص ریشم پہننا جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ فِي الْحَرْبِ

جنگ میں ریشمی کپڑا پہننا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ شَكَيَا الْقَمْلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ لَهُمَا فَرَخَّصَ لَهُمَا فِي قُمُصِ الْحَرِيرِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبد الرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام دونوں نے شکایت کی جوؤں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جہاد میں پس اجازت دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کُرتوں کی کہا راوی نے اور دیکھا میں نے کُرتوں کو ان کے بدنوں پر۔

باب بلا عنوان

حَدَّثَنَا وَاقِدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ قَدِمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ مَنْ أَنْتَ فَقُلْتُ أَنَا وَاقِدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ فَبَكَى وَقَالَ إِنَّكَ لَشَبِيهٌ بِسَعْدٍ وَإِنَّ سَعْدًا كَانَ مِنْ أَعْظَمِ النَّاسِ وَأَطْوَلِهِمْ وَإِنَّهُ بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبَّةٌ مِنْ دِيبَاجٍ مَنْسُوجٍ فِيهَا الذَّهَبُ فَلَبِسَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَامَ أَوْ قَعَدَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْمِسُونَهَا فَقَالُوا مَا رَأَيْنَا كَالْيَوْمِ ثَوْبًا قَطُّ فَقَالَ أَتَعْجَبُونَ مِنْ هَذِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا تَرَوْنَ.

ترجمہ حضرت واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ سے روایت ہے کہ آئے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پس گیا میں ان کے پاس سو پوچھا انہوں نے کہ تو کون ہے؟ کہا میں نے میں واقد بن عمرو ہوں کہا واقد نے پھر روئے انس اور کہا تمہاری صورت ملتی ہے سعد سے اور سعد بہت بڑے آدمیوں میں تھے اور دراز قد اور انہوں نے بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک جبہ ریشمی کہ اس میں سونا بنا ہوا تھا سو پہنا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور چڑھے منبر پر پھر بیٹھے یا کھڑے ہوئے یعنی راوی کو شک ہے سو لوگ اس کو چھونے لگے اور کہنے لگے ہم نے نہیں دیکھا آج کی مانند کوئی کپڑا کبھی سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تعجب کرتے ہو اس میں بے شک رومال سعد کے جنت میں اس سے بہترین ہیں جیسے تم دیکھتے ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لیے سرخ کپڑے پہننے کی اجازت

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَّةٍ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ.

ترجمہ حضرت براء سے روایت ہے کہا انہوں نے نہ دیکھا میں نے کسی لمبے بالوں والوں کو سرخ جوڑے میں خوبصورت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بال تھے کہ لگتے تھے شانوں میں، دور تھے دونوں شانے ان کے نہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوتاہ قد اور نہ لمبے۔

تشریح سرخ رنگ کا کپڑا: عورتوں کے لیے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے، مردوں کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے

حتیٰ کہ فقہائے حنفیہ کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ حسن بن عمار شرنبلانی رحمہ اللہ تعالیٰ جو نور الایضاح کے مصنف ہیں، ان کا اس موضوع پر مستقل رسالہ ہے۔ رسالے کا نام تحفۃ الاکمل ہے جس میں انہوں نے آٹھ (۸) اقوال نقل کیے ہیں۔ استحباب سے لے کر کراہت تحریمیہ تک۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس، ج:۶ ص:۳۵۸)

یعنی بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے بالکل برعکس سرخ رنگ کو مردوں کے لیے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

سرخ کپڑے کی اقسام:

سرخ رنگ کے کپڑے کی دو قسمیں ہیں ایک احمر قانی ہو یعنی خالص سرخ رنگ اور دوسرا یہ کہ خالص سرخ رنگ نہ ہو بلکہ کوئی اور رنگ بھی اس میں ہو، مثلاً سفید یا سیاہ کپڑے میں سرخ دھاریاں ہیں۔ دوسری قسم کا کپڑا تقریباً سب کے نزدیک جائز ہے بلکہ بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے لیکن استحباب کا قول محل نظر ہے جنہوں نے مستحب قرار دیا ہے۔ اس بنیاد پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ دھاریوں والا کپڑا پہنا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محض کسی لباس کو پہن لینا، یہ اس کے شرعی استحباب پر دلالت نہیں کرتا، زیادہ سے زیادہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن عادیہ میں سے ہوگا۔

سرخ کپڑے کا مکروہ ہونا اور اس کی دلیل:

اصل بحث خالص سرخ میں ہے کہ یہ مرد کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس کی کراہت تحریمیہ کے قائل ہیں اور انہوں نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے، ان میں سے اکثر تو بہت ضعیف ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُعَصْفَرِ لِلرِّجَالِ

کسم کے رنگے ہوئے کپڑے کی مرد کے لیے کراہت

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قسی'' کپڑے کے پہننے سے اور معصفر کپڑے کے پہننے سے منع فرمایا۔

تشریح ''قسی'' ایک کپڑا ہوتا تھا جس میں ریشم مخلوط ہوتا تھا۔ ''قس'' کی طرف منسوب ہے جو ایک جگہ کا نام ہے۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ لفظ اصل میں ''قزی'' تھا اور ''قزی'' کے معنی ہیں ریشم۔ گویا کہ مردوں کو ریشمی کپڑا پہننے سے منع فرمایا۔

عصفر کا معنی: معصفر کا معنی عصفر میں رنگا ہوا کپڑا، یہ عصفر ایک خاص قسم کی بوٹی ہوتی تھی جسے کسم بھی کہہ دیا جاتا ہے اور اس کے بیج قرطم کہلاتے تھے، شاید یہ آپ نے کئی جگہ شعروں میں پڑھا ہو اور اس بوٹی سے کپڑے رنگے جاتے تھے اور پیلا رنگ کپڑوں کو چڑھتا تھا جس بوٹی میں کپڑا رنگا جائے اس کو عصفر کہتے ہیں۔

معصفر کا حکم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں معصفر پہننے سے منع فرمایا ہے۔

عورتوں کیلئے معصفر کا حکم: فقہاء کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ عورتوں کیلئے جائز ہے۔

مردوں کیلئے معصفر کا حکم: مردوں کیلئے معصفر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرات شافعیہ و مالکیہ کا مذہب: امام شافعی اور امام مالک رحمہا اللہ وغیرہ کے نزدیک مردوں کے لیے بھی جائز ہے صرف کراہت تنزیہی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق یہ کراہت تنزیہی بھی محافل وغیرہ میں ہے یعنی آدمی گھر سے باہر پہن کر آئے، اگر گھر کے اندر عصفر میں رنگا ہوا کپڑا پہن لے تو کوئی کراہت نہیں ہے۔

حضرات حنفیہ کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مردوں کے لیے اس کی کراہت تحریمی ہے۔ لہٰذا مرد کے لیے عصفر میں رنگا ہوا کپڑا پہننا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرات حنفیہ کی دلیل: حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ متعدد حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی ہے اور نہی کا اصل مقتضاء کراہت تحریمیہ ہے۔

البتہ احسن الفتاویٰ میں نظر سے گزرا ہے کہ یہ کراہت تحریمیہ اس وقت ہے جب کہ خاص عصفر کی بوٹی سے کپڑے کو رنگا جائے، اگر کسی اور چیز سے کپڑے کو رنگا جائے لیکن وہ رنگ معصفر جیسا ہو جائے تو اس میں مرد کے لیے کوئی کراہت نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر معصفر کپڑے دیکھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کافروں جیسا لباس ہے، ایسا لباس نہ پہنا کرو تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں انہیں دھو ڈالوں، دھونے سے ایک تو بوٹی کی خاص مہک ختم ہو جائے گی، ہو سکتا ہے کہ کراہت اس مہک کی وجہ سے ہو اس لیے دھونے سے وہ کراہت ختم ہو جائے اور دوسرا یہ کہ دھونے سے اس زمانے کے رنگ عموماً اُتر جاتے تھے یا ماند پڑ جاتے تھے، دھو ڈالوں گا تو اس طرح رنگ باقی نہیں رہے گا تو کیا میں انہیں دھو ڈالوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ انہیں جلا دو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْفِرَاءِ ـــــ پوستین پہننے کے متعلق

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ.

ترجمہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال وہ ہے

جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا ہے اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا ہے اور جس کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا ہے یعنی اس کے حلال یا حرام ہونے کی کوئی تصریح نہیں کی ہے تو وہ ان چیزوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے معاف کی ہیں، یعنی وہ مباحات میں سے ہیں۔

تشریح اس حدیث سے یہ اُصول نکلتا ہے کہ اشیاء کے اندر اصل اباحت ہے۔ لہٰذا اگر کسی چیز کے متعلق قرآن وحدیث میں اس کے حرام ہونے کی صراحت موجود نہ ہو تو اس کو مباح ہی سمجھا جائیگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ ۔۔۔۔ دباغت کے بعد مُردار جانور کی کھال کا حکم

عن عطاء بن ابی رباح قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ مَاتَتْ شَاةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِهَا أَلَا نَزَعْتُمْ جِلْدَهَا ثُمَّ دَبَغْتُمُوهُ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ.

ترجمہ حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک بکری مر گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالکوں سے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اُتار لی کہ پھر اس کو دباغت دے کر کام میں لے آتے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کھال دباغت دے دی گئی وہ پاک ہو گئی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ أَتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عکیم سے روایت ہے کہ خط آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس کہ نفع نہ لو مُردہ کی کھالوں سے اور نہ پٹھوں سے۔

تشریح میتہ کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے؟

اس حدیث سے جمہور فقہاء اس بات پر استدلال فرماتے ہیں کہ اگر مُردار کی کھال اُتار کر اس کو دباغت دے دی جائے تو وہ کھال پاک ہو جاتی ہے اور اس کو استعمال کرنا جائز ہو جاتا ہے، چاہے وہ جانور میتہ ہو۔ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام اسحاق ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میتہ کی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی حتیٰ کہ ان کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک "مالا یؤکل لحمہ" کی کھال پاک ہی نہیں ہوتی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے لیکن بعد میں جمہور فقہاء کے مسلک کی طرف ان کا رجوع کرنا ثابت ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ عبداللہ بن عکیم کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آگے نقل کی ہے۔ وہ یہ کہ:

حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آپ کی وفات سے دو مہینے پہلے آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ میتہ کی کھال اور اس کی ہڈی سے انتفاع نہ کرو۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میتہ کی کھال سے انتفاع کرنے سے منع فرمادیا اور چونکہ اس روایت میں آگے یہ تصریح ہے کہ یہ خط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو مہینے پہلے آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث دوسری تمام احادیث کے لیے ناسخ ہے جس میں فرمایا گیا کہ ''ایما اھاب دبغ فقد طھر'' وغیرہ۔

اور ''ایما اھاب دبغ فقد طھر'' جو حدیث ہے، اس کے بارے میں امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ ''اھاب'' آیا ہے اور بعض علماء لغت نے کہا ہے کہ ''اھاب'' اسی جانور کی کھال کو کہتے ہیں جس کا گوشت کھانا جائز ہو اور جس جانور کا گوشت کھانا جائز نہ ہو، اس کی کھال کو ''جلد'' کہتے ہیں ''اھاب'' نہیں کہتے ہیں۔ یہ تفسیر امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے جو لغت کے عالم بھی ہیں اور محدث بھی ہیں۔

لیکن جمہور فقہاء یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تفسیر جمہور اہل لغت کے نزدیک درست نہیں۔ اس لیے کہ ''اھاب'' ہر جانور کی اس کھال کو کہا جاتا ہے جس کی ابھی تک دباغت نہ دی گئی ہو اور دباغت دینے کے بعد ''جلد'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ''اھاب'' سے مراد ''مایو کل لحمه'' کی کھال ہے، یہ تفسیر درست نہیں۔ اسی سے حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی جواب ہوگیا۔ اس لیے کہ اس حدیث میں فرمایا کہ ''لا تنتفعوا من المیتة باھاب'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کھال سے انتفاع نہ کرو جس کی ابھی دباغت نہ ہوئی ہو لیکن دباغت کے بعد نفع اُٹھانے کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے۔

حدیث باب جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ جمہور فقہاء کی صریح دلیل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ جَرِّ الْإِزَارِ ---- کپڑا ٹخنوں سے نیچا رکھنے کی ممانعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر نہ کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف جو لٹکائے ازار اپنی تکبر کی راہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي جَرِّ ذُيُولِ النِّسَاءِ ---- عورتوں کے دامنوں کے متعلق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَكَيْفَ يَصْنَعْنَ النِّسَاءُ بِذُيُولِهِنَّ قَالَ يُرْخِينَ شِبْرًا، فَقَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُرْخِينَهُ ذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لٹکایا اپنا کپڑا تکبر سے نہ نظر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن۔ سو عرض کی اُم سلمہ نے عورتیں کیا کریں اپنے دامنوں کو؟ کہا لٹکائیں ایک بالشت انہوں نے عرض کی کہ کھل جائیں گے قدم ان کے فرمایا لٹکائیں ایک ہاتھ نہ بڑھائیں اس سے زیادہ۔

عَنْ أُمِّ الْحَسَنِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَّرَ لِفَاطِمَةَ شِبْرًا مِنْ نِطَاقِهَا

ترجمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ کر دیا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نطاق کا ایک بالشت۔

تشریح قولہ جر الازار...... اسبال اور جر کا معنی

اسبال کا معنی لمبا کرنا اور ''جر'' کا معنی گھسیٹنا۔

اسبال ازار کا مطلب: اس کا مطلب یہ ہے کہ کپڑا اتنا لمبا ہو کہ زمین پر گھسٹتا ہوا چلا جائے۔ اسبال ہر لباس کے اندر ہو سکتا ہے لنگی وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ چنانچہ آگے تصریح آ جائے گی کہ اسبال عمامہ میں بھی ہوتا ہے یعنی عمامہ جتنا عموماً کسی عرف میں ہوتا ہے اس سے بڑا عمامہ باندھنا اس لیے کہ بعض علاقوں میں بڑا عمامہ باندھنا فخر کی بات سمجھا جاتا ہے یا آستین جتنی ہوتی ہے اس سے لمبی کرنا جب کہ اس کو فخر کی بات سمجھا جائے، قمیص یا جبہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ بھی اسبال میں داخل ہے۔ اسی طرح اگر لنگی تہہ بند، پائجامہ، پینٹ، شلوار ٹخنوں سے نیچے ہوں یہ بھی اسبال میں داخل ہے۔ اسبال کا مفہوم بڑا عام ہے لیکن زیادہ تر حدیثوں میں لنگی وغیرہ کے اسبال کا ذکر آتا ہے یعنی اسبال ازار کا ازار اگرچہ نیچے باندھنے والی چادر کو کہتے ہیں لیکن یہاں اسبال سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نچلے دھڑ کو چھپانے کے لیے پہنی جائے چاہے وہ لنگی اور تہبند ہو یا شلوار اور پائجامہ وغیرہ ہو سب اس میں داخل ہیں۔

اسبال ازار کا حکم: چونکہ اسبال ازار پر شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ اس لیے اتنی بات طے شدہ ہے کہ فی الجملہ اسبال اور خاص طور پر اسبال ازار ناجائز ہے۔

اسبال ازار کی صورتیں: لیکن مطلقاً ناجائز ہے یا بعض صورتوں میں اس میں تفصیل یہ ہے کہ اس کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت: کہ آدمی بالقصد تکبر کی وجہ سے اسبال کرے یعنی شلوار یا لنگی ٹخنوں سے نیچے کرتا ہے۔

دوسری صورت: کہ بالقصد اسبال ازار کرتا ہے لیکن اس کا منشاء تکبر نہیں کسی اور وجہ سے کرتا ہے۔

تیسری صورت: کہ بغیر قصد کے نیچے ہو جائے اور یہ عموماً اس وقت ہوتا ہے جب کہ کپڑے کا سائز اس انداز سے اختیار کیا جائے کہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو لیکن ازار بند ڈھیلا ہونے کی وجہ سے نیچے ہو گیا یا لنگی ڈھیلی ہو گئی اور وہ ٹخنوں سے نیچے چلی گئی وغیرہ وغیرہ۔

پہلی صورت کا حکم: بالاتفاق ناجائز ہے یعنی جب کہ تکبر کی وجہ سے ایسا کرے۔

تیسری صورت کا حکم: بالاتفاق جائز ہے اس لیے کہ جو کام بغیر قصد کے ہو وہ شرعاً ممنوع نہیں۔

دوسری صورت میں اختلاف: یعنی بالقصد کیا لیکن اس کا منشاء تکبر نہیں ہے یا جائز ہے یا ناجائز اس میں دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی مکروہ تحریمی ہے یعنی ناجائز ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتح الباری میں اسی طرف رُجحان ہے۔ (فتح الباری، ج:۱۰، ص: ۲۶۳، باب من جرّ ثوبہ من الخیلاء)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر تکبر کی وجہ سے نہیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح کی ہے اور خود نووی رحمہ اللہ کی اپنی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ (ایضاً) حنفیہ میں سے ابن ملک اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی رائے بھی یہی ہے۔ (مرقات: ج۸، ص:۱۳۸)

اور فتاویٰ عالمگیریہ میں بھی یہی لکھا گیا ہے کہ اگر بغیر تکبر کے ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ (عالمگیریہ، ج:۵، ص: ۳۳۳) یہ دو قول ہیں۔

پہلے قول والوں کی دلیل:

کہ اگر چہ بہت ساری احادیث میں "من الخیلاء" کی قید ہے کہ تکبر کی وجہ سے کرے لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے یعنی ایسا ہوتا ہی تکبر کی وجہ سے ہے، یہ قید فعل کی مزید شناعت کو بیان کرنے کے لیے ذکر کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے: "وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا" کہ اگر تمہاری باندیاں پاک دامنی کا ارادہ رکھتی ہوں تو انہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو یعنی اگر وہ پاک دامنی پر رہنا چاہتی ہوں تو پھر ان کو مجبور کرنا گناہ ہے اور اگر وہ پاک دامنی نہ چاہتی ہوں تو پھر ان کو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے یہ مراد نہیں بلکہ دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔ یہاں "اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا" کی قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے کیوں کہ عام اکراہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں یہ قید لگا کر فعل کی مزید شناعت مقصود ہے کہ اپنی باندیوں سے زبردستی بدکاری کروا رہے ہیں۔ بدکاری بذات خود بری بات ہے اور زبردستی بھی کروا رہے ہیں تو اس کی برائی دوگنی ہوگئی، اس طرح "من الخیلاء" کی قید اگر چہ احادیث میں ہے لیکن یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے۔

پہلے قول والوں کی دوسری دلیل:

جو حضرات اسبال ازار کو مطلقاً مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں چاہے وہ تکبر کی وجہ سے ہو یا بغیر تکبر کے ان حضرات کا استدلال یوں بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں درحقیقت دو طرح کی وعیدیں ہیں ایک وعید "ما أسفل من الكعبين من الازار ففي النار" ہے کہ ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں ہوگا، یہ وعید ایسی ہے کہ عام طور پر اس کے ساتھ تکبر یعنی "خیلاء" کی قید ذکر نہیں کی گئی ہے اور دوسری وعید "لا ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ" کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن دیکھیں گے بھی نہیں، اس وعید کے ساتھ اکثر احادیث میں "خیلاء" کی قید ہے یعنی تکبر کی وجہ سے ہو تو یہ وعید ہے البتہ ایک حدیث میں یہ وعید بیان کی گئی ہے

لیکن اس میں تکبر کی قید نہیں ہے وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں: "لا ینظر اللہ الیھم یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم" کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے اور ان کو پاکیزہ قرار نہیں دیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ پہلا وہ شخص جو احسان جتلانے کا عادی ہو اور دوسرا وہ شخص کہ جو اپنے سودے کو جھوٹی قسموں کے ذریعے چلائے اور تیسرا وہ شخص "المسبل ازراہ" ہے جو اپنی لنگی وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے کرے گا، اس میں وعید تو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر نظر نہیں فرمائیں گے لیکن اس میں تکبر کی قید نہیں تاہم اکثر و بیشتر احادیث میں جہاں یہ دوسری وعید ہے وہاں خیلاء کی قید یعنی تکبر کی قید ضرور موجود ہے۔

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دوسری وعید اس صورت میں ہے جب کہ آدمی اسبال تکبر کی وجہ سے کرے لیکن پہلی وعید دونوں صورتوں میں ہے۔ تکبر کے ساتھ ہو یا بغیر تکبر کے جس کا مطلب یہ ہوا کہ بغیر تکبر کے ہو تو بھی گناہ ہے اس لیے کہ "ففی النّار" کی وعید ہے اور اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے اس لیے کہ اس میں "ففی النّار" کی وعید کے ساتھ "لا ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ" کی وعید بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ دونوں صورتوں میں ہے چاہے تکبر کے ساتھ ہو یا بغیر تکبر کے ہو، ہاں بغیر قصد و ارادے کے ہو جائے تو وہ معاف ہے۔

دوسرے قول والوں کی دلیل:

جو حضرات کہتے ہیں کہ اگر اسبال ازار کا منشاء تکبر نہ ہو تو یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے، وہ حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جو احادیث میں آتا ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی آئے گا، بخاری کی حدیث آرہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری لنگی ٹخنوں سے نیچے ہو جاتی ہے۔ الا یہ کہ میں ہر وقت اس کا خیال رکھوں اور اس کو اوپر رکھوں اور ظاہر ہے کہ ہر وقت اوپر کرتے رہنا مشکل ہے اس لیے بے خیالی میں بے توجہی میں نیچے ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیٹ بڑا تھا اس کی وجہ سے اوپر کرتے بھی تھے تو وہ ڈھلک کر نیچے ہو جاتی تھی۔ یہ وجہ ہو یا کوئی اور وجہ ہو بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی یہ حالت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے فرمایا: "انک لست ممّن یصنعہ خیلاء" کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے اسبال ازار کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممنوع اس وقت ہے جب کہ تکبر کی وجہ سے ہو، اگر بغیر تکبر کے ہو تو ناجائز اور ممنوع نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس میں کراہت تنزیہی ہوگی۔

دلیل کا جواب: پہلے قول والے یعنی کراہت تحریمہ کے قائلین اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث اس صورت کے بارے میں ہے جب کہ غیر ارادی طور پر نیچے ہو جائے کیوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لنگی غیر ارادی طور پر نیچے ہو جاتی تھی، قصد و ارادے کے ساتھ ہو اور تکبر کی وجہ سے ہو اس کے بارے میں یہ حدیث نہیں ہے۔

دوسرے قول والوں کی دوسری دلیل:

کراہت تنزیہیہ کے قائلین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حکم ایک ہے کہ اسبال ازار ناجائز ہے اور اس حکم میں دو طرح کی حدیثیں ہیں، ایک وہ جن میں خیلاء کی قید ہے یعنی حدیثیں مقید ہیں اور دوسری وہ ہیں جن میں ''خیلاء'' یعنی تکبر کی قید نہیں ہے یعنی حدیثیں مطلق ہیں اور جب ایک ہی حکم میں دو یا دو سے زیادہ نصوص آجائیں ان میں سے بعض مطلق ہوں اور بعض مقید ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے یعنی جو مطلق ہے اس میں بھی وہ قید ملحوظ ہوتی ہے۔ لہٰذا جن نصوص میں اسبال ازار پر وعید ہے لیکن تکبر کی قید نہیں لگائی گئی، ان میں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی جس سے معلوم ہوا کہ یہ ساری وعیدیں چاہے ''فی النار'' کی وعید ہو یا ''لم ینظر اللہ الیہ فی یوم القیامة'' کی وعید ہو یہ اس وقت ہیں جب کہ تکبر ہو، اگر تکبر نہ ہو تو یہ وعید نہیں ہے۔

اسبال ازار کی حرمت معلول بالعلۃ ہے:

اگر بحیثیت مجموعی تمام روایات پر اور مسئلے کے تمام پہلوؤں پر نظر کی جائے تو بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ (واللہ اعلم) کہ اسبال ازار اگرچہ ناجائز ہے لیکن اس کی حرمت معلول ہے علت کی وجہ سے ناجائز ہے محض امر تعبدی نہیں ہے۔

امر تعبدی: وہ کام جو شریعت کا حکم ہوتے ہیں لیکن ان کی علت معلوم نہیں ہوتی کسی علت پر ان کا دارومدار نہیں ہوتا، ایسے کاموں کو امر تعبدی کہتے ہیں، اسبال ازار کا ممنوع ہونا امر تعبدی نہیں ہے بلکہ علت کی وجہ سے ممنوع ہے یہ حکم معلول بالعلت ہے اس لیے کہ یہ لباس کا حکم ہے جو بنیادی طور پر عادات کے قبیل سے ہے عبادات کے قبیل سے نہیں ہے اور عادات کے قبیل سے جو احکام ہوتے ہیں وہ عام طور پر معلول بالعلۃ ہوتے ہیں اور امر تعبدی نہیں ہوتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الصُّوفِ ۔۔۔۔اون کے کپڑے پہننا

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَيْنِ.

ترجمہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ ہمیں ایک صوف کی موٹی چادر اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند دکھایا اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی دو کپڑوں میں وفات ہوئی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ عَلَى مُوسَى يَوْمَ كَلَّمَهُ رَبُّهُ كِسَاءُ صُوفٍ وَجُبَّةُ صُوفٍ وَكُمَّةُ صُوفٍ وَسَرَاوِيلُ صُوفٍ وَكَانَتْ نَعْلَاهُ مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَيِّتٍ.

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک اون کی چادر اور ایک اون کا جبہ اور ایک اون کی ٹوپی اور ایک اون کی شلوار تھی اور ان کے جوتے ایک مُردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي العِمَامَةِ السَّوْدَاءِ۔۔۔۔۔سیاہ عمامہ کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

تشریح: عمامہ پہننا سنت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ دو رکعتیں جو عمامے کے ساتھ پڑھی گئی ہوں، بغیر عمامے کے دو رکعت نفل سے ستر گنا افضل ہیں۔ اس حدیث کی سند پر بعض لوگوں نے کلام کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کی سند ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت ہو تو پھر یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عادیہ ہے اور ایک سنت عادیہ کو بحیثیت سنت کے اختیار کرنا بیشک باعث اجر وثواب ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں لیکن محل کلام یہ ہے کہ آیا یہ ایسی چیز ہے جس کا واجبات کی طرح التزام کی جائے اور جو ترک کرے اس پر نکیر کی جائے؟ یہ بات درست نہیں۔

بَابٌ فِي سَدْلِ العِمَامَةِ بَيْنَ الكَتِفَيْنِ

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْدِلُ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ وَرَأَيْتُ القَاسِمَ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تھے لٹکاتے شملہ اپنے عمامہ کا اور دونوں شانوں کے درمیان کہا نافع نے اور تھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لٹکاتے شملہ اپنا دونوں شانوں کے درمیان کہا عبید اللہ نے اور دیکھا میں نے قاسم کو اور سالم کو دونوں ہی ایسا کرتے تھے۔

تشریح: عمامہ باندھنے کا طریقہ: عمامہ باندھنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اور ان میں سے اکثر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا بعض سلف سے ثابت ہیں۔

(۱) مثلاً ایک تو یہ کہ عمامہ باندھا جائے اور اس کا کوئی شملہ چھوڑا ہی نہ جائے۔

(۲) اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا ایک شملہ چھوڑا جائے اور وہ کمر پر یعنی پیچھے کی جانب چھوڑا جائے، یعنی دو کندھوں کے درمیان یہ طریقہ بہت ساری روایات سے ثابت ہے اور زیادہ تر حدیثوں میں یہی آتا ہے۔

(۳) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ عمامہ کا ایک شملہ پیچھے کی جانب ہو اور ایک آگے دائیں جانب ہو یہ بھی ایک طریقہ مروی ہے۔

(۴) ایک طریقہ بعض حضرات نے بائیں جانب کا بھی لکھا ہے کہ بائیں جانب شملہ چھوڑ دے۔

(۵) ایک یہ ہے کہ ایک شملہ ہو اور دائیں جانب ہو۔

(۶) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ عمامے کے کنارے اور شملہ کو ٹھوڑی کے نیچے سے گزار دیا جائے، اس میں ایک تو گرمی وغیرہ سے تحفظ زیادہ ہوتا ہے، گردن وغیرہ بھی لو سے بچ جاتی ہے اور دوسرا بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ فائدہ ہوتا تھا کہ جب گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہوتے تھے تو عمامہ گرتا نہیں تھا قابو آ جاتا تھا تو خیر کوئی بھی مقصد ہو یہ بھی طریقہ آتا ہے، مختلف طریقے آتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ طریقہ یہ تھا کہ شملہ پیچھے کی جانب چھوڑا جائے یا ایک پیچھے کی جانب اور ایک دائیں جانب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اگر کوئی اس طریقے کو اختیار کرتا ہے تو یہ برکت اور سعادت کی بات ہے لیکن یہ طریقہ بھی مقاصد شریعت میں سے نہیں ہے کہ ایسا اہم مقصود ہو کہ اس پر زور دینے کی ضرورت ہو۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ انہوں نے فرمایا کہ اس انداز کا عمامہ میں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر کے علاوہ کسی پر نہیں دیکھا۔ حالانکہ احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ آتا ہے لیکن بہرحال اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی اتباع میں ایسا کرتا ہے تو یہ برکت اور سعادت سے خالی نہیں ہے اچھی بات ہے۔

عمامے کا رنگ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامے کے مختلف رنگ منقول ہیں، خاص طور پر کالا رنگ متعدد روایات میں آتا ہے لیکن اگر تلاش کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اور رنگ بھی مل جائیں اور یہ بات میں عرض کر چکا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کے معاملے میں کسی خاص رنگ یا ڈیزائن وغیرہ کو مقصود بنا کر استعمال نہیں کیا زیادہ تر استعمال اس لیے کیا کہ وہ مل گیا یا اس لیے استعمال کیا کہ مروج وہ زیادہ تھا اس لیے خاص رنگ کو سنت قرار دینا مشکل ہے ہاں جو رنگ آتے ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لے جیسے جو کھانے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھے کوئی آدمی شوق سے کھالے تو اچھی بات ہے لیکن کسی رنگ کو سنت مقصودہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خَاتَمِ الذَّهَبِ ۔۔۔۔۔ سونے کی انگوٹھی کی ممانعت

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ نَهَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ وَعَنْ لِبَاسِ الْقَسِّيِّ وَعَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَعَنْ لِبَاسِ الْمُعَصْفَرِ.

ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور ریشم کے کپڑے پہننے سے اور رکوع اور سجدے میں تلاوت کرنے سے اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔

عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ حَدَّثَنَا أَنَّهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ.

ترجمہ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا سونے کی انگوٹھی پہننے سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ الفِضَّةِ۔۔۔۔ چاندی کی انگوٹھی کے بیان میں

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرِقٍ وَ كَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انگوٹھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی اور نگینہ اس کا حبشی تھا۔

تشریح انگوٹھی کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں ذہن میں رکھ لیں:

انگوٹھی کیوں اور کب بنوائی؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے انگوٹھی بنوائی تھی، اس کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی اور یہ انگوٹھی آپ نے کب بنوائی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (۶ ہجری) یا (۷ ہجری) کے شروع میں انگوٹھی بنوائی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ (۶ ہجری) میں جب صلح حدیبیہ ہوئی اور اس کے نتیجے میں عارضی طور پر مسلمانوں میں اور اہل مکہ میں جنگ بندی ہوگئی اور راستے وغیرہ پُرامن ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب یہ سمجھا کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بڑے بڑے بادشاہوں، حکام اور سرداروں کو دعوت الی الاسلام کے لیے خطوط لکھے جائیں۔ جب آپ نے اس طرح خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو یہ بتایا گیا کہ اکثر بادشاہ اور سربراہان مملکت خط کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس کو بند کر کے اس پر مہر نہ لگائی گئی ہو۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مہر بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور وہ مہر انگوٹھی کی شکل میں تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایک انگوٹھی بنوائی اور وہ پھینک دی، پھر دوسری مرتبہ ایک اور بنوائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جو انگوٹھی بنا کر پھینکی وہ کس چیز کی تھی اور آپ نے وہ کیوں پھینکی یہ دو مسئلے ہیں۔

انگوٹھی کیسی تھی؟: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے پہلے جو انگوٹھی بنائی تھی اور جس کو پھینک دیا تھا وہ کس چیز کی تھی اس کے بارے میں دو طرح کی روایات آتی ہیں۔ عام روایات میں تو یہ آتا ہے کہ آپ نے جو پہلے انگوٹھی بنائی تھی وہ سونے کی تھی اور آپ کو دیکھ کر بہت سارے صحابہ نے بھی اس طرح کی انگوٹھی بنالی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی پھینک دی تو صحابہ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھی پھینک دی اور اسے ضائع کر دیا۔ چنانچہ اس بات کی پہلی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس میں بھی یہی لفظ آرہے ہیں کہ "اِتَّخَذَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ذھب" کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنائی تھی اور اسے آپ نے دائیں ہاتھ میں پہنا تھا: "ثُمَّ القاہ" پھر آپ نے وہ انگوٹھی پھینک دی، اس کے بعد آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی اور اس میں "مُحمدٌ رَّسول اللّٰہ" کا لفظ نقش کیا گیا اور آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ میرے جیسا نقش کوئی بھی اپنی انگوٹھی پر نہ بنوائے لیکن اس کے برعکس ابن شہاب زہری کی ایک روایت ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ خاتما من ورق ثم القاہ" کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اسے پھینک دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو انگوٹھی پھینکی تھی وہ چاندی کی تھی تو اس طرح روایتوں میں تعارض ہے۔

حل تعارض: اکثر حضرات نے تو یہاں ترجیح کا راستہ اختیار فرمایا ہے کہ ایک روایت راجح ہے اور ایک مرجوح ہے اور راجح روایت وہ ہے جس میں یہ آتا ہے کہ آپ نے سونے کی انگوٹھی پھینکی ہے اور جس میں آتا ہے آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی اور پھینک دی، یہ ابن شہاب زہری کا یا ان کے کسی شاگرد کا وہم ہے، اصل میں آپ نے چاندی کی انگوٹھی نہیں پھینکی تھی بلکہ سونے کی پھینکی تھی اور اس وہم کی ایک وجہ بھی بعض حضرات نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چاندی کی انگوٹھی تھی اور جب آپ بیت الخلاء میں جاتے تو اسے اُتار دیتے، نزعہ کے لفظ آتے ہیں اور نزع کا معنی ہے انگوٹھی کو اُتارنا لیکن ابن شہاب زہری یا کسی اور نے نزع کا معنی پھینکنا سمجھ لیا اور یہ روایت کر دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنائی تھی اور اسے پھینک دیا حالانکہ اصل بات یہ نہیں کہ آپ نے پھینک دی تھی بلکہ بات یہ کہ اُتار دیا کرتے تھے اور اس لیے اُتارا کرتے تھے کہ اس میں مقدس نام ہے اس کو یوں ننگی حالت میں بیت الخلاء میں لے کر جانا خلاف ادب ہے، ایک راستہ تو یہ ترجیح کا ہے۔

بعض حضرات نے دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی بھی کوشش کی ہے، دونوں روایتوں کو جمع کیسے کیا جائے تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تقریباً چار قول نقل کیے ہیں، ان میں سے سب سے بہتر اور دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بھی پھینکی ہے اور چاندی کی انگوٹھی بھی پھینکی ہے لیکن دونوں کو پھینکنے کی وجہ الگ الگ تھی، پہلے آپ نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور آپ کو دیکھ کر صحابہ نے بھی بنوالی کیوں کہ صحابہ کے اندر آپ کی اتباع کا شوق تھا، اس وقت تک سونے کی حرمت مردوں کے لیے نازل نہیں ہوئی تھی، بعد میں سونے کی انگوٹھی مردوں پر حرام کر دی گئی۔

اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ انگوٹھی مستقل طور پر اُتار دی اور اسے پھینک دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں اُتار دیں، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں اپنا مخصوص نقش بنوایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی اتباع کے شوق میں چاندی کی انگوٹھی بنوالی اور اس پر نقش بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بنوالیا۔ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نقش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے شوق میں تھا لیکن یہ انگوٹھی کے مقصد کے خلاف کیونکہ انگوٹھی کا مقصد محض زینت نہیں تھا بلکہ مہر لگانا بھی مقصود تھا۔ اب جیسی مہر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے ویسی ہی اوروں کے پاس بھی ہو تو اس میں ظاہر ہے کہ التباس کا خطرہ ہے اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس انگوٹھی کو بھی اُتار دیا، اُتار کر پھینک دیا تاکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی اپنی اپنی انگوٹھیوں کو ضائع کر دیں۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اپنی چاندی کی ان انگوٹھیوں کو ضائع کر دیا۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ چاندی کی انگوٹھی بنوائی یا ہو سکتا ہے کہ وہی انگوٹھی پہلے کہیں رکھی ہوئی ہو، اس کو دوبارہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرما دیا کہ ”لا ینقشن واحد علی نقش خاتمی ھذا“ کہ میری اس انگوٹھی جیسا نقش کوئی آدمی اپنی انگوٹھی کا نہ بنائے تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی بھی پھینکی، سونے کی بھی پھینکی لیکن دونوں کو پھینکنے

کی وجہ الگ الگ تھی، سونے کی پھینکی اس لیے کہ اس کی حرمت نازل ہوگئی تھی اور چاندی کی پھینکی، اس لیے کہ صحابہ نے اس کا نقش بنالیا تھا اور اس لیے پھینکی تا کہ صحابہ بھی پھینک دیں اور التباس کا خطرہ زائل ہو جائے اور میں ازسر نو بعد میں دوبارہ بنوالوں۔ اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاندی کی انگوٹھیاں بنوائی تو ہیں لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم والا نقش اختیار نہیں کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ فِي فَصِّ الْخَاتَمِ ـــــ چاندی کے نگینہ سے متعلق

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انگوٹھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی اور نگینہ اس کا چاندی سے۔

تشریح پہلی بات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نگینہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بارے میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ اس کا نگینہ کیسا تھا تو اس کے بارے میں دو طرح کی روایتیں آتی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ "كان فصه منه" کہ چنانچہ اسی باب میں آگے روایت آرہی ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا یعنی وہ چاندی ہی کا بنا ہوا تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت ہے اور وہ بھی بخاری ومسلم کی ہے کہ "فيه فصه حبشي" اور یہ بھی اسی باب کے فصل اوّل میں آرہی ہے کہ اس میں حبشی نگینہ تھا یعنی کسی حبشی پتھر کا مثلاً عقیق وغیرہ کا نگینہ تھا اور اس زمانے میں عقیق پتھر اور اس طرح کے بعض دوسرے قیمتی پتھر حبشہ سے لائے جاتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ انگوٹھی تو چاندی کی تھی لیکن اس کا نگینہ کسی اور قیمتی پتھر کا تھا جو حبشہ سے لایا گیا تھا تو دونوں روایتوں میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کو رفع کرنے سے پہلے ایک اور بات سمجھ لیں۔

دوسری بات، انگوٹھیوں کی تعداد:

علماء کی اس میں بحث چلی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھیاں کتنی تھیں، ایک ہی انگوٹھی تھی یا متعدد تھیں، تو بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ کی ایک ہی انگوٹھی تھی لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ آپ کی انگوٹھیاں متعدد تھیں اور دوسری رائے راجح ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بارے میں اور بھی کئی اختلاف آئے ہیں، کسی میں آتا ہے کہ ایسی تھی اور کسی میں آتا ہے کہ ایسی تھی تو ان تمام روایات کو جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگوٹھی نہیں تھی بلکہ ایک سے زیادہ تھیں، اس قول کو اختیار کرلیں تو یہ تعارض بھی بآسانی رفع ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک انگوٹھی کا نگینہ بھی چاندی کا تھا اور دوسری انگوٹھی کا نگینہ کسی حبشی پتھر کا تھا۔

اگر یہ کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی ایک ہی تھی تو پھر روایتوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ تو پھر تطبیق کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ جو کہا کہ "كَانَ فَصُّهُ حَبَشِيٌّ" کہ اس کا نگینہ حبشی تھا تو حبشی سے مراد یہ نہیں کہ حبشی پتھر تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ نگینہ اگرچہ چاندی

کا بنا ہوا تھا لیکن اس کی بناوٹ حبشی طرز پر تھی۔ اس انداز سے بنا ہوا تھا جس انداز سے اہل حبشہ بناتے تھے لہٰذا کوئی تعارض نہیں اور بعض نے کہا کہ یہاں حبشی کا معنی کالا ہے کہ اس کا نگینہ کالا تھا، چاندی ہی کا تھا لیکن اس کا رنگ کالا پڑ گیا تھا، ایک تو اس وجہ سے کہ چاندی امتداد وقت یعنی وقت گزر جانے سے کالی پڑ جاتی ہے اور دوسرا اس لیے کہ اس کے ساتھ مہر بھی لگاتے تھے اور ظاہر ہے کہ جب مہر لگاتے ہوں گے تو اس پر سیاہی بھی لگاتے ہوں گے، اس لیے اور کالی ہوگئی تو اس کا نگینہ حبشی تھا، مطلب یہ کہ حبشیوں کی طرح کالا تھا لیکن راجح بات پہلی ہی معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھیاں متعدد تھیں کسی انگوٹھی کا نگینہ حبشی پتھر کا تھا کسی کا چاندی کا بنا ہوا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الخَاتَمِ فِي اليَمِينِ۔۔۔۔ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَتَخَتَّمَ بِهِ فِي يَمِينِهِ ثُمَّ جَلَسَ عَلَى المِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ اتَّخَذْتُ هٰذَا الخَاتَمَ فِي يَمِينِي ثُمَّ نَبَذَهُ وَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی انگوٹھی سونے کی اور پہنا اس کو داہنے ہاتھ میں پھر بیٹھے اوپر منبر کے اور فرمایا میں نے پہنی تھی اپنے داہنے ہاتھ میں پھر پھینک دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اور پھینک دی لوگوں نے اپنی انگوٹھیاں یعنی جو سونے کی تھیں۔

عَنْ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَلَا إِخَالُهُ إِلَّا قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ حضرت صلت بن عبد اللہ بن نوفل سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہ انگوٹھی پہنتے اپنے داہنے ہاتھ میں اور مجھے یہی خیال ہے کہ انہوں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انگوٹھی پہنے ہوئے اپنے داہنے ہاتھ میں۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا.

ترجمہ حضرت جعفر بن محمد سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا کہ تھے حسن وحسین رضی اللہ عنہما انگوٹھی پہنتے بائیں ہاتھ میں۔

عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ حضرت حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن ابی رافع کو کہ انگوٹھی پہنی تھی انہوں نے اپنے داہنے ہاتھ میں پھر پوچھا میں نے ان سے تو انہوں نے کہا دیکھا میں نے عبد اللہ بن جعفر کو کہ انگوٹھی پہنی تھی انہوں نے اپنے داہنے ہاتھ میں اور کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی پہنتے تھے اپنے داہنے ہاتھ میں۔

(تشریح) پہلی بات: کون سے ہاتھ میں انگوٹھی پہننی چاہیے؟

اگر انگوٹھی پہننی ہو تو کون سے ہاتھ میں پہننی چاہیے، دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں، اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے ہاتھ میں پہنی ہے تو اس میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں اور یہ دونوں طرح کی روایتیں اس باب میں آرہی ہیں۔بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں پہنی ہے اور بعض میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ میں پہنی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دائیں ہاتھ میں پہنی ہو کبھی بائیں ہاتھ میں پہنی ہو تا کہ یہ پتہ چل جائے کہ دونوں ہاتھوں میں پہننا جائز ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنی تھی جو بعد میں پھینک دی اور جو چاندی کی انگوٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوائی وہ بائیں ہاتھ میں پہنی۔

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الشمائل میں یعنی شمائل ترمذی کی شرح میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی معمول دائیں ہاتھ میں پہننے کا تھا اور آخری معمول بائیں ہاتھ میں پہننے کا تھا لیکن بہر حال دونوں طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ضرور ہے اس لیے اتنی بات پر تو اتفاق ہے کہ دائیں میں پہنی جائے یا بائیں میں دونوں طریقے جائز ہیں جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔البتہ افضلیت میں اختلاف ہے، افضل کیا ہے؟ تو شافعیہ وغیرہ کا زیادہ رُجحان اس طرف ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہننا زیادہ افضل ہے جب کہ حنفیہ کی معروف روایتیں دو ہیں، ایک یہ کہ بائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری معمول تھا اور دوسرا یہ کہ دونوں میں پہننا برابر ہے، کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں۔

یہ دو معروف روایتیں ہیں، اگرچہ ایک روایت حنفیہ کی بعض نے یہ بھی نقل کی ہے کہ دائیں میں پہننا افضل ہے لیکن یہ روایت شاذ ہے۔تو بہر حال یہ اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں بلکہ اولویت کا ہے اس لیے کوئی اتنا بڑا اختلاف نہیں۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قولوں میں تطبیق بھی دی ہے وہ یہ کہ انگوٹھی پہننے کے دو مقصد ہوتے ہیں کبھی زینت کے لیے پہنی جاتی ہے کبھی مہر کے طور پر، اگر زینت کے لیے پہننی ہو تو پھر بہتر یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہنے اس لیے کہ شریعت کا ایک عام اُصول یہ ہے کہ اکرام یمین یعنی دائیں ہاتھ کا اکرام کیا جائے اور ہر اچھا کام دائیں ہاتھ سے کیا جائے اور اگر مہر لگانے کے لیے پہننی ہو تو پھر بہتر یہ ہے کہ بائیں میں پہنے اس لیے کہ جب مہر لگائے تو ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ سے لگائے گا۔اب اگر انگوٹھی دائیں ہاتھ میں ہی پہنی ہوئی ہو تو زیادہ عمل کرنا پڑے گا کہ دائیں ہاتھ کی انگوٹھی اُتارے گا بائیں ہاتھ سے پھر بائیں ہاتھ سے دوبارہ دائیں ہاتھ میں لے گا اور پھر مہر لگائے گا اور اگر بائیں ہاتھ میں پہنی ہوئی ہوگی تو دائیں ہاتھ کے ذریعے نکالے گا اور دائیں ہاتھ ہی سے مہر لگائے گا، درمیان میں ہاتھ کے تبادلہ کا کام ہے کہ بائیں ہاتھ سے اس کو منتقل کیا جائے، نکالنے کے بعد دائیں ہاتھ میں یہ نہیں کرنا پڑے گا تو اس میں سہولت ہے۔

اس لیے اگر مہر لگانے کے لیے انگوٹھی ہے تو وہ بائیں ہاتھ میں افضل ہے۔اب اس سے حنفیہ کی تائید بھی خود بخود ہو جاتی ہے اس لیے

کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی زیادہ تر مہر لگانے کے لیے ہی پہنی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ خود فرما رہے ہیں کہ مہر لگانے کے لیے ہو تو بائیں ہاتھ میں ہونی چاہیے تو اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تر معمول بائیں ہاتھ میں پہننے کا رہا ہے۔

دوسری بات: انگوٹھی کون سی انگلی میں پہنی چاہیے؟

اب جس ہاتھ میں بھی پہنی ہو، اگلا سوال یہ ہے کہ کون سی انگلی میں پہنی جائے تو اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس باب میں آرہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، ایک درمیان والی یعنی بڑی انگلی اور دوسرے شہادت کی انگلی، لہٰذا ان دو انگلیوں میں تو انگوٹھی نہیں پہنی چاہیے، ان کے علاوہ جس انگلی میں چاہے پہن لے، گنجائش ہے۔ البتہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ چھوٹی انگلی یعنی "خنصر" میں پہنے لیکن بہرحال باقی انگلیوں میں بھی گنجائش ہے چاہے خنصر میں پہن لے چاہے اس کے ساتھ والی بنصر میں پہن لے اور انگوٹھے میں ظاہر ہے کہ کوئی پہنتا نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَقْشِ الْخَاتَمِ ـــــ انگوٹھی پر کچھ نقش کرانا

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولُ سَطْرٌ وَاللّٰهِ سَطْرٌ وَلَمْ يَذْكُرْ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى فِي حَدِيثِهِ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تھا نقش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کا تین سطر محمد ایک سطر میں اور رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں اور محمد بن یحییٰ نے اپنی حدیث میں تین سطر نہیں کہا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ فَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لَا تَنْقُشُوا عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوائی ایک انگوٹھی چاندی کی اور نقش کروایا اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرمایا کہ اور کوئی یہ نقش نہ کروائے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جاتے پاخانے میں اپنی انگوٹھی اُتارتے جاتے اس لیے کہ اس میں اللہ کا نام تھا۔

تشریح پہلی بات: انگوٹھی کا نقش

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش کیا تھا تو اس میں کئی روایتیں آتی ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا، بعض روایات میں آتا ہے کہ اس پر "بسم اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا اور بعض

روایات میں آتا ہے کہ اس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ یہ آخری روایت سند کے اعتبار سے بھی زیادہ قوی ہے کہ صرف "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا اور یہ روایت زیادہ قرین قیاس بھی ہے اس لیے کہ عموماً انگوٹھی میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ اس پر بہت لمبی عبارت لکھی جائے۔ مختصر سی عبارت ہی لکھی جاسکتی ہے اور اگر لمبی عبارت لکھیں گے تو بہت باریک لکھنا پڑے گا اور ایک تو اس زمانے میں شاید باریک لکھائی کا رواج ہی نہ ہو اور دوسرا یہ کہ اگر لکھائی باریک ہوگی تو مہر لگانے کا فائدہ نہیں ہوگا اور مہر صاف نہیں لگے گی۔ اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ اس پر صرف "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہوگا اور زیادہ تر صحیح روایات میں یہی آتا ہے۔

دوسری بات: انگوٹھی میں محمد رسول اللہ لکھنے کا انداز

محمد رسول اللہ کیسے لکھا ہوا تھا اتنی بات تو بخاری وغیرہ کی روایات میں واضح طور پر آتی ہے کہ محمد رسول اللہ تین سطروں میں لکھا ہوا تھا۔ ایک سطر میں "محمد" ایک سطر میں "رسول" اور ایک سطر میں "اللہ" لیکن ان سطروں کی پھر ترتیب کیا تھی اوپر سے نیچے یا نیچے سے اوپر کی طرف تو احتمال دونوں ہی ہیں۔ ایک یہ کہ اوپر سے نیچے کی طرف تھی اور یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے اس لیے کہ عام طور پر جب لکھا جاتا ہے تو اوپر سے نیچے کی طرف ہی لکھا جاتا ہے کہ جو لفظ سب سے پہلے پڑھا جاتا ہو وہ سب سے اوپر لکھا جاتا ہے جو اس کے بعد پڑھا جاتا ہو وہ اس سے نچلی سطر میں اور جو اس کے بعد پڑھا جاتا ہو وہ اس سے نچلی سطر میں، لیکن ایک احتمال یہ بھی ہے کہ سب سے نیچے "محمد" ہو اور اس سے اوپر "رسول" ہو اور اس سے اوپر "اللہ" ہو، ان میں سے کون سا احتمال حقیقت ہے اس کے بارے میں کوئی صریح روایت نظر سے نہیں گزری۔

اگر اوپر سے نیچے کی طرف تھیں تو اس کی وجہ واضح ہے کہ لکھا ہی یوں جاتا ہے کہ جو لفظ پہلے پڑھا جاتا ہو وہ پہلے لکھا جاتا ہے اور اگر نیچے سے اوپر کی طرف ہو تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ لفظ اللہ کے ادب کی وجہ سے یہ ترتیب اختیار کی گئی تاکہ لفظ اللہ سب سے اوپر رہے لیکن بہر حال کسی روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے اس لیے حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے اس لیے کہ لکھنے کی عام ترتیب یہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصُّورَةِ ۔۔۔۔۔ تصویروں کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصُّورَةِ فِي الْبَيْتِ وَنَهَى عَنْ أَنْ يُصْنَعَ ذٰلِكَ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تصویر رکھنے سے گھروں میں اور منع کیا اس کے بنانے سے۔

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُودُهُ قَالَ فَوَجَدْتُ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ قَالَ فَدَعَا أَبُو طَلْحَةَ إِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهُ فَقَالَ لَهُ سَهْلٌ لِمَ تَنْزِعُهُ فَقَالَ لِأَنَّ فِيهِ تَصَاوِيرَ وَقَدْ قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ عَلِمْتَ قَالَ سَهْلٌ أَوَلَمْ يَقُلْ إِلَّا مَا كَانَ

رَقْمًا فِي ثَوْبٍ، قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّهٗ أَطْيَبُ لِنَفْسِي.

ترجمہ حضرت عبیداللہ سے روایت ہے کہ داخل ہوئے وہ ابوطلحہ انصاری کے پاس عیادت کو سو پایا ان کے نزدیک سہل بن حنیف کو کہا عبیداللہ نے پھر لایا ابوطلحہ نے ایک آدمی کو کہ نکال لے وہ چادر جو ان کے نیچے بچھی تھی سو کہا سہل نے کیوں نکالتے ہو کہا طلحہ نے اس میں تصویریں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویروں کے باب میں جو فرمایا ہے وہ تمہیں معلوم ہے کہا سہل نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو کہا ہے مگر جو رقم ہو کپڑے کی کہا انہوں نے کہ ہاں یعنی حضرت نے اس کی اجازت دی ہے مگر میرے دل کو بھی بھاتا ہے یعنی میں چاہتا ہوں کہ عزیمت پر عمل کروں کہ رُخصت سے بہتر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُصَوِّرِينَ ...... مصوروں کے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً عَذَّبَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيهَا يَعْنِي الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی تصویر بنائی اللہ عذاب کرے گا اس کو قیامت کے دن یہاں تک کہ پھونکے وہ اس میں یعنی روح اور کبھی پھونکنے والا نہیں یعنی اس طرح کبھی عذاب سے چھوٹنے والا نہیں اور جس نے کان لگائے کسی قوم کی بات پر اور وہ اس سے بھاگتے ہوں ڈالا جائے گا اس کے کان میں سیسہ پگھلا ہوا قیامت کے دن۔

تشریح تصویر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف

ایک روایت کے مطابق اس حدیث سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر استدلال فرمایا ہے کہ وہ تصویر رکھنا ناجائز ہے جو سایہ دار ہو۔ یعنی مجسد اور مجسم ہو جیسے بت وغیرہ۔ اس لیے کہ ان کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔ لہٰذا ایسی تصویر ناجائز اور حرام ہے لیکن وہ تصویر جو مجسم نہ ہو اور اس کا سایہ زمین پر نہ پڑتا ہو۔ مثلاً کاغذ پر یا کپڑے پر کوئی تصویر بنادی گئی یا دیوار پر بنادی گئی، ایسی تصویر ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام اور ناجائز نہیں۔ البتہ مکروہ تنزیہی ہے۔ بہت سے علماء مالکیہ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ جمہور فقہاء جن میں آئمہ ثلاثہ داخل ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ تصویر مجسم اور غیر مجسم میں کوئی فرق نہیں بلکہ ہر قسم کی تصویر ناجائز ہے، چاہے وہ کپڑے پر بنی ہوئی ہو یا کاغذ پر یا دیوار پر ہو یا مجسمہ ہو۔ ہر حالت میں حرام اور ناجائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت اس کے مطابق ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس میں یہ استثناء موجود ہے "الا ما کان رقما فی ثوب"

اس میں اس تصویر کا استثناء کیا گیا ہے جو کسی کپڑے پر نقش ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے سایہ تصویر جائز ہے۔

جمہور فقہاء کا استدلال اوّل تو ان احادیث سے ہے جن میں تصویر کا عدم جواز علی الاطلاق بیان کیا گیا ہے۔ اس میں سایہ دار اور بے سایہ ہونے کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ جیسے اوپر حدیث گزری کہ "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عن الصورة فی البیت" اس میں مجسم اور غیر مجسم ہونے کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث آگے آرہی ہے کہ "من صور صورة عذبه الله" اس میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکثر احادیث ایسی ہیں جن میں تصویر کی حرمت علی اطلاق مذکور ہے۔ مجسم اور غیر مجسم کی کوئی تفریق اور تفصیل نہیں ہے اور اس باب میں جمہور کی نہایت صریح دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے کمرے میں ایک پردہ لٹکا دیا تھا جس میں تصویریں نقش تھیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں داخل ہوئے اور آپ کی نظر اس پردے پر پڑی تو آپ رُک گئے اور آپ نے اس پر نکیر فرمائی اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ جب تک اس کو نہیں نکالوگی، میں گھر میں نہیں داخل ہوں گا کیونکہ اس پر تصویر ہے۔ دیکھئے اس حدیث میں جس تصویر پر آپ نے نکیر فرمائی وہ کپڑے پر تھی، مجسم نہیں تھی بلکہ نقش فی الثوب تھی۔ اگر نقش فی الثوب والی تصویر ہر حالت میں جائز ہوتی تو آپ اس پر نکیر نہ فرماتے۔

اب اس حدیث کی روشنی میں "الا ما کان رقما فی ثوب" والی حدیث کو پڑھیں گے تو اس عبارت کے یہ معنی نکلیں گے کہ حدیث میں لفظ "رقم" سے مراد ایسا نقش ہے جس میں کسی ذی روح کی تصویر نہ ہو۔ مثلاً درخت، پودے، پھول، پہاڑ وغیرہ کی تصویر بنی ہوئی ہو۔ اس لیے کہ عربی زبان میں "رقم" کے معنی ہیں۔ "نقش" لہٰذا کوئی چیز بھی نقش کی جائے وہ سب رقم کے اندر داخل ہے، چاہے وہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح ہو۔ اس حدیث کے ذریعے غیر ذی روح کا استثناء فرما دیا کہ اگر کپڑے پر غیر ذی روح کے نقش ونگار ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور حدیث باب میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے انہی غیر ذی روح کے نقش ونگار کے بارے میں فرمایا کہ یہ جائز ہے لیکن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مجھے یہ نقش ونگار بھی زیادہ پسند نہیں ہیں، اگر ان کو نکال دیا جائے تو اچھا ہے۔

بہرحال "الا ما کان رقما فی ثوب" کی مندرجہ بالا توجیہ ہوسکتی ہے اور اس صورت میں یہ استثناء منقطع ہوگا، متصل نہیں ہوگا کیوں کہ پہلے جملے میں ذی روح کی تصاویر کی حرمت بیان کی اور پھر اس سے غیر ذی روح کا استثناء کیا۔ اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی روشنی میں مالکیہ کا استدلال مؤول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الخِضَابِ ۔۔۔ خضاب کے بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صورت بدل دو بڑھاپے کی اور مشابہت مت کرو یہود کی یعنی وہ کبھی خضاب نہیں کرتے تم کرو۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ.

ترجمہ: حضرت ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر شے کہ بدلتے ہو اس سے صورت بڑھاپے کی مہندی اور نیل کے پتے ہیں۔

تشریح: خضاب لگانے کا کیا حکم ہے؟

سفید بالوں کو مہندی یا کسی اور چیز سے کوئی بھی رنگ چڑھالیا جائے اسے عربی میں ''خضاب'' کہہ دیا جاتا ہے۔ کالے رنگ کے خضاب کے بارے میں اختلاف ہے۔ کالے کے علاوہ باقی رنگوں کے بارے میں اتفاق ہے کہ ان کا خضاب جائز ہے۔ البتہ بعض رنگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نسبتاً زیادہ پسند تھے بعض حدیثوں میں آیا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت یہود ونصاریٰ کے پیش نظر خضاب کا امر فرمایا۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفید بالوں پر خضاب کا حکم فرمایا جب کہ دوسری طرف بعض حدیثوں میں سفید بالوں کو مؤمن کا نور قرار دیا گیا ہے اس لیے اس بات میں اختلاف ہو گیا ہے کہ خضاب لگانا افضل ہے یا نہ لگانا، بعض حضرات نے خضاب لگانے کو افضل قرار دیا ہے بلکہ حافظ ابن حجر نے امام احمد سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ عمر میں کم از کم ایک مرتبہ خضاب واجب ہے لیکن امام احمد کی مشہور روایت استحباب کی ہے۔ ان حضرات نے حدیث زیر بحث اور اس مضمون کی دیگر احادیث سے استدلال کیا ہے۔

بعض حضرات نے ترک خضاب کو افضل قرار دیا ہے۔ ان حضرات نے ان حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن میں تغییر الشیب سے یعنی سفید بالوں کو تبدیل کرنے سے ممانعت آئی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تغییر الشیب سے مراد سفید بالوں کو سیاہ کرنا ہے۔ بعض علماء نے دونوں قولوں میں مختلف طریقوں سے محاکمہ بھی فرمایا ہے ایسے حضرات کی بات کا لب لباب یہ ہے کہ اگر تو کسی جگہ خضاب نہ کرنے کی وجہ سے کفار سے مشابہت ہو رہی ہو وہاں تو خضاب کرنا اولیٰ ہوگا اور جہاں یہ بات نہ ہو وہاں عوارض کے بدلنے سے حکم بدل جائے گا۔ مثلاً:

(۱)...... بعض حضرات نے یہ کہا کہ اگر بال مکمل سفید ہوں تو خضاب اولیٰ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بالوں کے بارے میں اگلی حدیث میں آرہا ہے اور اگر سفید اور کالے بال ملے جلے ہوں تو ترک خضاب اولیٰ ہوگا۔

(۲)...... بعض آدمیوں کو سفید بال زیادہ خوبصورت لگتے ہیں ان کے لیے ترک خضاب اولیٰ ہوگا اور بعض کے سفید بال اتنے اچھے نہیں لگتے ان کے لیے خضاب کرنا اولیٰ ہوگا۔

(۳)...... اگر کسی جگہ خضاب کی بالکل عادت نہ ہو وہاں خضاب کرنا عجیب سا لگتا ہے اور بعض جگہوں پر ہو سکتا ہے کہ خضاب کی ایسی عادت عام ہو کہ سفید بال عجیب سے لگتے ہوں۔ پہلی صورت ترک خضاب اور دوسری صورت میں خضاب کرنا اولیٰ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُمَّةِ وَاتِّخَاذِ الشَّعْرِ ۔۔۔۔ لمبے بال رکھنا

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ حَسَنَ الْجِسْمِ أَسْمَرَ اللَّوْنِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد نہ بہت لمبے اور نہ بہت کوتاہ سڈول بدن گندم گوں بال ان کے نہ بالکل گھنگھریالے نہ سیدھے یعنی متوسط جب چلتے پیر اُٹھا کر چلتے جیسا کوئی اوپر سے نیچے اُترتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُونَ الْوَفْرَةِ.

ترجمہ: حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کہا تھی میں غسل کرتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال جمہ سے اوپر اور وفرہ سے کم تھے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بال رکھنا ثابت ہے۔ سوائے حج کے حلق ثابت نہیں۔ بنا بریں یہی سب سے اعلیٰ سنت ہے اور حلق کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ حلق کرتے تھے۔ لہٰذا یہ بھی سنت ہے، اگرچہ پہلے سے کم درجہ ہے اور برابر کر کے کاٹنا جائز ہے اور کچھ کاٹنا اور کچھ رکھنا حرام ہے اور برابری کر کے نہ کاٹنا مکروہ ہے پھر بال رکھنے کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا الگ الگ نام ہے۔

وفرہ، لمہ جمہ: حدیثوں میں سر کے بالوں کے تین نام آتے ہیں وفرہ، لمہ اور جمہ۔ لمہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو کان کی لَو کے برابر یا ان سے تھوڑے سے اوپر ہوں اور جمہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو کندھوں کے قریب ہوں، وفرہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو ان کے درمیان ہوں یعنی کانوں کی لَو سے ذرا نیچے ہوں لیکن ان الفاظ کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا رہتا ہے۔ وفرہ، لمہ، جمہ یہ تینوں بول کر بعض اوقات ہر قسم کے سر کے بال مراد لیے جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کیسے تھے، اس کے بارے میں حدیثیں مختلف آتی ہیں۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بال جمہ تھے اور بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ کے بال کانوں کی لَو سے ذرا اوپر تھے اور بعض میں آتا ہے کہ آپ کے بال کانوں کی لَو سے ذرا نیچے تھے۔ یہ مختلف روایتیں ہیں اور ان میں حقیقت کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے اس لیے کہ بال کوئی ایسی چیز نہیں ہیں جو ایک ہی حالت پر یا ایک ہی حجم پر برقرار رہیں بلکہ یہ بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں اس لیے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال درمیانے ہوتے ہوں گے یعنی کانوں کی لَو کے قریب قریب، ہاں البتہ آپ نے بالکل نئی نئی حجامت کرائی ہوئی ہوگی، اس وقت کانوں کی لَو سے تھوڑے اوپر لگتے ہوں گے اور

کبھی کسی عارض کی وجہ سے آپ کو دیر تک بال چھوٹے کرانے کا موقع نہیں ملتا ہوگا تو ذرا زیادہ بڑے ہو جاتے ہوں گے۔اس لیے مختلف اوقات میں آپ کے بالوں کی مختلف حالتیں ہوں گی۔لہٰذا ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّرَجُّلِ، إِلَّا غِبًّا۔۔۔۔روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر یہ کہ ایک دن چھوڑ کر کی جائے۔

تشریح: ''غبا'' کے معنی ہیں کہ کوئی کام ایک دن کرنا اور ایک دن چھوڑنا۔

بالوں میں کنگھی کرنے میں اعتدال

ایک طرف تو حدیث میں یہ آیا ہے کہ اگر کوئی شخص بال رکھے تو ان بالوں کا اکرام کرے اور ان کو آلودہ نہ چھوڑ دے بلکہ ان کی خدمت کرے اور دوسری طرف حدیث باب میں فرمایا کہ روزانہ کنگھی نہ کرے بلکہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن کرے۔اصل مقصود ان احادیث کے ذریعہ اعتدال کا راستہ بتلانا ہے کہ نہ تو انسان بالکل بے ڈھنگا ہو کہ اس کو اپنے جسم کی اور اپنے کپڑوں کی اور اپنے بالوں کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو اور نہ ایسا ہو کہ ہر وقت مانگ پٹی اور کنگھی چوٹی میں لگا رہے اور عورتوں کی طرح ہر وقت آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال بناتا رہے بلکہ اعتدال ہونا چاہیے۔آدمی اپنے بالوں کے اندر کنگھی بھی کرے لیکن اس میں اتنا انہماک نہ ہو کہ ہر وقت اسی کے اندر مشغول ہو جائے۔یہی اعتدال اپنے کپڑوں اور اپنے جسم کو درست رکھنے میں ملحوظ ہونا چاہیے۔یہ چٹک مٹک بھی درست نہیں کہ آدمی ہر وقت اس فکر میں ہو کہ کپڑوں کی استری خراب نہ ہو جائے اور یہ بھی درست نہیں کہ آدمی ملنگ بنا پھرتا رہے اور اس کے اندر سلیقہ بھی نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاكْتِحَالِ۔۔۔۔سرمہ لگانے کے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اكْتَحِلُوا بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هٰذِهِ وَثَلَاثَةً فِي هٰذِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرمہ لگاؤ اثمد اس لیے کہ وہ صاف کرتا ہے بینائی کو اور اُگاتا ہے پلکوں کو اور کہا انہوں نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سرمہ دانی تھی کہ اس سے سُرمہ لگاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات میں تین تین سلائی اس (دائیں) آنکھ میں اور تین سلائی اس (بائیں) آنکھ میں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اثمد'' سرمہ لگایا کرو۔

تشریح اثمد کے فوائد: اس کے دو فائدے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، ایک تو یہ کہ اس سے بینائی بہتر ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ اس سے بال اُگتے ہیں یعنی آنکھوں کے بال اُگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ''اکتحلوا بالاثمد'' یہ امر تشریعی نہیں بلکہ ارشادی ہے۔ یعنی ایک دُنیاوی فائدے کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اثمد لگانے کا حکم دیا ہے۔ اس وجہ سے حکم نہین دیا کہ یہ مسئلہ شرعیہ ہے یا آخرت میں اس پر کوئی اجر وثواب ہے لیکن بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اثمد لگاؤ تو اس کا امتثال کرنا اس پر عمل کرنا یہ خیر و برکت سے خالی نہیں ہے اور جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجہ سے اس حکم کی تعمیل کرے گا تو اس پر آخرت میں بھی اجر وثواب کی اُمید ہے۔

اثمد سرمہ خاص قسم کا سرمہ ہوتا ہے۔ یہ عرب میں بھی پایا جاتا تھا لیکن کہا جاتا ہے کہ زیادہ تر اصفہان کے علاقے میں پایا جاتا تھا اور وہاں سے لایا جاتا تھا۔ اس کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ کالا نہیں ہوتا، عام سرمے تو کالے ہوتے ہیں یہ براؤن سے رنگ کا ہوتا ہے کسی قدر سرخی مائل ہوتا ہے۔ البتہ سننے میں آیا ہے خود تجربہ نہیں کیا کہ لگانے کے بعد یہ کالا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم، باقی سرموں کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب نہیں دی، ترغیب صرف اثمد سرمہ کی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کون سا سرمہ لگاتے تھے، اس کی اگر چہ کہیں وضاحت نہیں ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ترغیب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اثمد سرمے ہی کا زیادہ اہتمام فرماتے ہوں گے، اگر یہ مل سکتا ہو تو یہی استعمال فرماتے ہوں گے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اثمد مروح لگایا کرتے تھے، مروح ایسے سرمے کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوشبو لگائی گئی ہو اور عموماً سرمے میں کستوری ملائی جاتی تھی، اس کو پیستے وقت اس میں کستوری شامل کی جاتی تھی تو کستوری والا اثمد بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ کیسے لگاتے تھے؟ اس میں دو باتیں بہت واضح ہیں، ایک تو یہ کہ آپ دائیں جانب سے شروع فرماتے ہوں گے، پہلے دائیں آنکھ میں ڈالتے ہوں گے اس لیے کہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ دائیں کو مقدم کیا کرتے تھے اور اس کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ لگانے میں طاق عدد کی رعایت کرتے تھے بلکہ بعض روایتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قولی امر بھی آتا ہے کہ جب سرمہ لگاؤ تو طاق عدد میں لگاؤ۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ اس روایت کی سند کیسی ہے تو بہر حال سرمہ لگانے میں ایتار کی یعنی طاق عدد کی رعایت رکھنی چاہیے۔ اب طاق عدد کی رعایت کرنے کے دو طریقے ممکن ہیں اور دونوں ہی شارحین حدیث نے لکھے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر آنکھ میں الگ الگ طاق عدد کی رعایت ہو یعنی مثلاً تین مرتبہ دائیں آنکھ میں اور تین سلائیں بائیں آنکھ میں اس صورت میں مجموعہ طاق نہیں بنے گا کیونکہ مجموعہ چھ سلائیاں بنیں گی۔ البتہ ہر آنکھ میں الگ الگ طاق عدد کی رعایت ہے اور دوسرا طریقہ یہ ممکن ہے کہ ہر آنکھ میں الگ الگ طاق عدد رکھنے کے بجائے مجموعہ میں طاق عدد کی رعایت کی

جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دائیں آنکھ میں دو سلائیں ڈالیں پھر بائیں آنکھ میں دو سلائیاں ڈالے اور پھر ایک سلائی دائیں آنکھ میں ڈالے، کل پانچ سلائیاں ہوئیں تو مجموعہ میں طاق عدد کی رعایت ہے اور اس میں دائیں طرف کی ترجیح بھی کئی اعتبار سے ہے، ایک تو یہ کہ شروع دائیں آنکھ سے کیا، دوسرا یہ کہ ختم دائیں آنکھ پر کیا اور تیسرا یہ کہ دائیں آنکھ میں زیادہ سلائیاں ڈالیں کیونکہ دائیں آنکھ میں تین بنیں گی اور بائیں آنکھ میں دو بنیں گی اور چوتھا یہ کہ جہاں بحیثیت مجموعی طاق عدد کی رعایت ہوئی وہاں دائیں آنکھ میں بھی طاق عدد کی رعایت ہوگئی، بائیں میں طاق کی رعایت نہیں ہوئی کیونکہ اس میں دو سلائیاں ڈالی گئی ہیں۔ البتہ دائیں میں طاق کی رعایت ہے اس لیے کہ اس میں کل تین بنتی ہیں تو کئی اعتبار سے دائیں کو ترجیح ہو جائے گی تو طاق عدد کی رعایت کے دونوں ہی طریقے ممکن ہیں اور شارحین حدیث نے دونوں ہی لکھے ہیں لیکن پہلا طریقہ زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اکثر روایات میں وہ صراحتاً مذکور ہے۔ مثلاً ہمارے سامنے جو حدیث ہے اس میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "ثلاثۃ فی ھذہ و ثلاثۃ فی ھذہ" ہر آنکھ میں تین تین سلائیں ڈالتے تھے اور اس سے اگلی حدیث میں بھی آرہا ہے کہ "ثلاثا فی کل عین" کہ ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالتے تھے، اس لیے پہلا طریقہ راجح ہے۔

مرد کا زینت کے لیے سرمہ لگانا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت سرمہ لگایا ہے لیکن آپ رات کے وقت سرمہ لگاتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ رات کو لگا رہتا ہوگا اور صبح کے وقت اُٹھ کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے ہوں گے تو وہ سرمہ ڈھل جاتا ہوگا، اس پر یہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ کیا مرد کے لیے زینت کی نیت سے سرمہ لگانا جائز ہے؟ آنکھوں کی حفاظت اور علاج کی نیت سے لگانا جائز ہے اور عورت کا زینت کے لیے سرمہ لگانا بھی بظاہر جائز ہے لیکن مرد کا زینت کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے یا نہیں تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ مرد کا زینت کے لیے لگانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ خلقت کے اندر صنعت کو داخل کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اور طرح کی بنائیں لیکن یہ مصنوعی طریقے سے ان کی اور رنگت بنا رہا ہے تو خلقت کے اندر صنعت کو داخل کرنا ہے اور ایسا کام محض زینت کے لیے جائز نہیں ہوتا۔

اس لیے بعض حضرات نے یہ کہا کہ مرد کے لیے زینت کی نیت سے سرمہ لگانا جائز نہیں ہے لیکن راجح یہی ہے کہ جائز ہے اس لیے کہ جب سرمہ لگانے کا جواز بلکہ اس کی ترغیب ثابت ہوگئی تو اب محض زینت کی نیت سے وہ ناجائز نہیں ہو جائے گا کیونکہ فعل بھی جائز اور جس چیز کی نیت کی جا رہی ہے وہ بھی کوئی ناجائز نہیں، اس لیے کہ زینت بالکل کوئی امر ممنوع نہیں ہے اس لیے راجح یہی ہے کہ یہ جائز ہے باقی خلقت کے اندر صنعت کو داخل کرنے والی بات اس صورت میں بنتی ہے جب کہ یہ تبدیلی پائیدار ہو اور یہاں تو عارضی سی تبدیلی ہوتی ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ زینت کی نیت سے سرمہ لگانا جائز ہے۔ البتہ اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ جو طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کرے کہ رات کے وقت لگالے اور صبح کو ظاہر ہے جب وضو وغیرہ کرے گا تو ڈھل بھی جائے گا اور اس کا کچھ اثر باقی بھی رہے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَالِاحْتِبَاءِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

اشتمال صما اور ایک کپڑے میں احتباء کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لِبْسَتَيْنِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ بِثَوْبِهِ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا دو پہناووں میں سے ایک صماء اور دوسرے یہ کہ احتباء کرے آدمی ساتھ ایک کپڑے کے کہ اس کے فرج پر اس میں سے کچھ نہ ہو۔

تشریح اشتمال الصماء کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔

اشتمال الصماء کی پہلی تفسیر

"اشتمال صماء" کہا جاتا ہے کہ ایک چادر سے پورے بدن کو اس طور پر گھیر لینا کہ کسی جانب کھولا نہ جائے اور ہاتھ بھی اندر اس طرح رہے کہ باہر نہ کر سکے۔ چونکہ اس میں منافذ و مداخل بند ہوتے ہیں اس لیے اس کا صماء سے نام رکھا جوایسا پتھر ہے جس میں کسی قسم کا کوئی سوراخ نہ ہوا۔ اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہود کے ساتھ مشابہت ہوجاتی ہے۔ نیز جہنمی کے لباس کی طرح ہوجاتا ہے۔ نیز اگر پھسل کر گر جائے تو منہ ناک زخمی ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ ہاتھ نکال نہیں سکتا۔

اشتمال الصماء کی دوسری تفسیر

بعض حضرات نے اشتمال الصماء کی تفسیر یہ کی ہے کہ بڑی چادر لپیٹ کر اس کا ایک کنارہ کندھے پر رکھ لے، یہ اس لیے ممنوع ہے کہ اس سے کشف عورت کا خطرہ ہوتا ہے ستر کے کھلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ دیہاتوں میں کرتے ہیں، اگر چہ وہ اشتمال الصماء میں داخل نہیں لیکن اس کے قریب قریب ہے کہ لنگی کا ایک کنارہ باتیں کرتے کرتے اوپر کو اُٹھا لیتے ہیں، اگر اس طرح اوپر اُٹھالیا کہ ستر کا کچھ حصہ ظاہر ہو گیا تو وہ ناجائز ہے، اگر اتنا نہیں اُٹھایا تو وہ ناجائز نہیں ہے اور چوتھے آپ نے احتباء فی ثوب واحد سے منع فرمایا ہے۔

احتباء فی ثوب واحد کا معنی

اور احتباء کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرین پر بیٹھ کر ساقین کو کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں یا کپڑے سے پنڈلیوں کو باندھ لے۔ اس کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ صرف ایک چادر ہو اور نیچے دوسرا کپڑا نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں کشف عورت کا قوی اندیشہ ہے اور اگر نیچے دوسرا کپڑا ہو تو منع نہیں ہے۔

احتباء جائز ہے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن عادیہ میں سے ہے کہ آپ بھی اس انداز سے بکثرت بیٹھا کرتے تھے لیکن جہاں احتباء سے کشف عورت کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے۔ مثلاً اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ ایک بڑی ساری قمیص پہنی جاتی تھی۔ اسی سے اوپر کا دھڑ چھپتا تھا اور اسی سے ٹانگیں چھپتی تھیں اس لیے نیچے کچھ پہننے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی تھی، یہ تو ٹھیک ہے کہ ستر چھپ گیا لیکن ایسی حالت میں کہ محض ایک قمیص پہنی ہوئی ہے، ایک لمبا سا جبہ پہنا ہوا ہے، اگر احتباء بیٹھے گا تو خطرہ ہے کہ ستر ظاہر ہو جائے اس لیے اس سے منع فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ ۔۔۔۔ مصنوعی بال جوڑنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ قَالَ نَافِعُ الْوَشْمُ فِي اللِّثَةِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی اور لگوانے والی اور بال گودنے والی اور گدوانے والی سب پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ وشم مسوڑھے میں ہے چونکہ پہلے زمانے میں لوگ خاص طور پر مسوڑھوں میں وشم کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس کا علیحدہ ذکر کر دیا ورنہ مسوڑھوں کے ساتھ اس کی خصوصیت نہیں ہے، جسم کے دوسرے حصوں پر بھی وشم کا وہی حکم ہے جو مسوڑھوں پر ہے۔

تشریح بالوں میں پیوندکاری کرنے والیاں:

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وصل کرنے اور کرانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے، وصل کا معنی ہے ملانا اور استوصل کا معنی ہے کسی کو ملانے کا کہنا، کسی سے یہ طلب کرنا کہ وہ ملائے۔ یہاں ملانے سے مراد ہے عورت کا سر کے بالوں میں کوئی اور چیز مثلاً بال یا دھاگے وغیرہ ملانا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر لعنت فرمائی ہے، اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً بعض اوقات انسانی بالوں کو اپنے بالوں میں ملایا جاتا ہے۔ اس صورت میں ایک انسانی جزو کا استعمال لازم آتا ہے جو کہ اس کے اکرام کے منافی ہے اس لیے کہ بغیر ضرورت شدیدہ کے انسانی جزو کو استعمال میں لانے میں اس کا ابتذال ہے جو کہ ممنوع ہے۔

بعض اوقات ایسے بال ملائے جاتے ہیں جو ناپاک ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض آئمہ کے نزدیک مُردار کے بال یا حرام جانوروں کے بال ناپاک ہیں۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک خنزیر کے علاوہ باقی جانوروں کے بال پاک ہیں، خواہ وہ مُردار ہو، خنزیر چونکہ نجس العین ہے یعنی سراپا نجاست ہے اس لیے اس کے بال بھی ناپاک ہیں۔

بعض اوقات اپنے بالوں میں دوسرے بال وغیرہ ملانے کا مقصد دھوکہ دینا ہوتا ہے، مثلاً ایک عورت کے بال چھوٹے ہیں

لیکن وہ شادی کرانے کے لیے خاوند کو دھوکہ دیتے ہوئے یہ ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ میرے بال بڑے ہیں یا عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے بال چھوٹے ہوگئے، اپنی عمر چھپانے کے لیے اپنے بالوں میں دوسرے بال ملالیتی ہے۔ اپنے بالوں میں کچھ اور ملانا کس صورت میں ناجائز ہے اس میں فقہاء کے کئی اقوال ہیں۔ مثلاً:

(۱)...... بعض حضرات کے نزدیک یہ مطلقاً جائز ہے۔ ان حضرات تک غالباً یہ حدیث نہیں پہنچی ہوگی۔

(۲)...... مطلقاً ناجائز ہے چاہے بال ملائے یا اون وغیرہ کسی اور چیز کے دھاگے، بال خواہ انسان کے ہوں یا جانور کے یہ قول اکثر مالکیہ کا ہے۔

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وصل انسانی بالوں یا ناپاک بالوں کے ساتھ ہو تو ناجائز ہے اور پاک بالوں کے ساتھ ہو یا بالوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ ہو تو شادی شدہ عورت کے لیے خاوند کے کہنے پر جائز ورنہ ناجائز۔

(۴) ہر قسم کے بالوں کے ساتھ وصل ناجائز ہے باقی جائز ہے۔

(۵) حنفیہ کے نزدیک انسانی بالوں کے ساتھ وصل ناجائز ہے خواہ اس عورت کے اپنے پہلے سے اُترے ہوئے بال ہوں یا کسی اور کے، دوسری صورت میں ممانعت کی وجہ جزو انسان کو استعمال میں لانا ہے اور پہلی صورت میں یعنی اپنے بال ہونے کی صورت میں وجہ یہ ہے کہ اس میں تغریر یعنی دھوکہ دینا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ ...... ریشمی زین پوشی کی ممانعت

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زین پوشوں پر سوار ہونے سے۔

تشریح میاثر "میثرۃ" کی جمع ہے اور "میثرۃ" غالیچے کی طرح ایک کپڑا ہوتا تھا جو دولت مند قسم کے لوگ اپنی سواری کے اوپر بچھایا کرتے تھے۔ گھوڑے پر ایک نمدہ ہوتا ہے اور ایک زین ہوتی ہے اور ایک کپڑا زین کے اوپر بچھاتے تھے جو قالین کی طرح ہوتا تھا۔ اس کو میثرہ کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں اس پر بیٹھنے سے منع فرمادیا۔

اس ممانعت کی علت کے بیان میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ چونکہ "میثرۃ" عموماً سرخ رنگ کا ہوتا تھا اور مردوں کے لیے سرخ رنگ کا استعمال ممنوع ہے اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ میثرہ کو عموماً ناز ونعم میں پلی ہوئی عورتیں استعمال کرتی ہیں۔ مردوں کو اس کے استعمال سے اس لیے منع فرمادیا کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہوجائے گی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ میثرہ کا استعمال ترفہ اور تنعم کی علامت تھی اور مترفیھن اس کو استعمال کیا کرتے تھے اس لیے منع فرمادیا تاکہ آدمی ان کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرے۔ اس آخری صورت کے اعتبار سے یہ ممانعت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ أَدَمٌ حَشْوُهُ لِيفٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ تھا بچھونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے چمڑے کا بھرتی اس میں تھی پوست خرما کی۔

تشریح: یہاں حدیث میں فراش کا لفظ ہے۔ دوسری احادیث میں وسادہ کا لفظ بھی آیا ہے اس لیے اس کی وضاحت کردینی مناسب ہے۔

وسادہ کا معنی:

وسادہ عربی زبان میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے، وسادہ کا ایک معنی وہ تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے یا سوتے وقت سر کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ "وسادۃ" کا دوسرا معنی گدا ہے جس کو بچھا کر اس پر لیٹا جاتا ہے یہاں دونوں معنی استعمال ہوئے ہیں، ایک یہ کہ آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی روئی یا کوئی اور چیز نہیں تھی اور دوسرا یہ تھا کہ آپ کا نیچے بچھانے والا گدا وہ بھی چمڑے کا تھا اور اس میں روئی وغیرہ کے بجائے کھجور کی چھال کی بھرائی تھی، ان دونوں حدیثوں سے دو باتیں سمجھ میں آئیں۔

بستر بنانا اور اس کا استعمال

پہلی بات یہ کہ بستر بنانا اور اس کا استعمال کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کا بستر تھا، آپ نے اس کو استعمال کیا وگرنہ سونے کو تو آدمی زمین پر بھی سو سکتا ہے لیکن بستر پر سوئے گا تو نسبتاً آرام کی نیند آجائے گی، نیند میں سہولت ہو آرام کی نیند آجائے یہ بھی کسی درجہ میں مطلوب ہے۔

بستر میں تکلف کی بجائے سادگی اختیار کرنا

اس سے یہ بھی سمجھ میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر میں زیادہ تکلف نہیں فرمایا بلکہ سادگی اختیار فرمائی کہ گدے کے اندر بجائے روئی وغیرہ بھرنے کے (روئی سے گدا زیادہ نرم ہوجاتا ہے) آپ نے کھجور کی چھال بھرلی۔ مطلب یہ ہے کہ جیسا ملا آپ نے استعمال کرلیا، زیادہ اچھا بستر مل جائے تو یہ بھی اللہ کی نعمت ہے شرعاً ناجائز نہیں لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھے بستر کا اہتمام نہیں فرمایا، جیسا ملا ویسا اختیار فرمالیا یہ نہیں کہ بستر مل رہا ہے اور کسی درجہ میں آرام کی نیند مل رہی ہے لیکن تقویٰ اور تصوف کی مد میں اس کو بھی چھوڑ دے کہ نہیں میں تو مجاہدہ کروں گا، مشقت اٹھاؤں گا اور یہ بھی نہیں کہ آرام ہی کو اپنا مقصود اصلی بنالیا کہ اس کے لیے ہر وقت پاپڑ بیل رہے ہیں کہ کسی طریقے سے نرم سے نرم بستر مل جائے۔ یہ انداز بھی اختیار نہیں فرمایا بلکہ اعتدال کی راہ اختیار فرمائی، سہولت مل گئی تو اچھا ہے ورنہ زیادہ سہولت کے طالب نہ بنے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَمِيصِ۔۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے متعلق

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ.

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بہت پیارا کپڑوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کُرتا تھا۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ بْنِ السَّكَنِ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ كَانَ كُمُّ يَدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ تھیں بانہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گٹوں تک۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص پسند ہونے کی وجوہ۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص پسند ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں ستر اور جسم زیادہ چھپتا ہے بنسبت ازار اور رداء کے۔

(۲) دوسری یہ کہ اس میں ستر چھپانے کی سہولت زیادہ ہے۔ آدمی ازار اور رداء کے ساتھ بھی ستر چھپا سکتا ہے لیکن اس میں آدمی کو ذرا مشقت اُٹھانی پڑتی ہے ہر وقت خیال رکھنا پڑتا ہے جب کہ قمیص میں بسہولت ستر چھپا رہتا ہے چونکہ قمیص پسند ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں سہولت ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ لباس میں سہولت بھی کسی درجے میں مطلوب ہے۔ اگرچہ اتنی مطلوب نہیں جتنے پہلے اُصول مطلوب ہیں۔

اہم اُصول: یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھیں کہ بعض کام ایسے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار کیے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی مطلوبیت زیادہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم اس لیے کیے کہ زیادہ کرنے کا موقع نہیں ملا، وسائل مہیا نہیں ہوئے اور مطلوبیت اس لیے زیادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اس کا مطلوب ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اگر دیکھیں تو زیادہ ملے گا کہ آپ نے زیادہ تر ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کیا، پانی کے ساتھ استنجاء کرنا شاید کم ملے اور اتنی بات طے شدہ ہے کہ صحابہ میں سے اکثر ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرتے تھے، پانی کے ساتھ استنجاء کم کیا جاتا تھا، عمل زیادہ ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرنے کا تھا لیکن اس کے باوجود پانی کے ساتھ استنجاء کرنا افضل ہے۔ افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اس کی فضیلت ثابت ہے اور قولاً فضیلت نہ بھی ہوتی تب بھی اس کی مطلوبیت اس لیے زیادہ ہے کہ مقصودِ شریعت اس سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

شریعت کا مطلوب نظافت ہے، ڈھیلوں کا پھیرنا مقصود نہیں ہے اور صفائی اور نظافت زیادہ استنجاء بالماء میں ہوتی ہے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ایک کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کم کیا گیا ہو، بعد میں زیادہ رواج پایا گیا ہو یا ایجاد ہی بعد میں ہوا ہو لیکن چونکہ مقصودِ شریعت اس سے زیادہ حاصل ہو رہا ہے اس لیے اس کی مطلوبیت زیادہ ہوگئی چونکہ اس زمانے میں مہیا

نہیں تھا، اس لیے آپ نے نہیں کیا یا کم کیا۔ یہی معاملہ قمیص کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص پہنی ہے لیکن ہوسکتا ہے کوئی یہ کہے کہ آپ نے قمیص کم پہنی ہے، ازار اور رداء زیادہ پہنی ہے لیکن اس کے باوجود قمیص کی مطلوبیت زیادہ ہے کم اس لیے پہنی کہ ملی کم ہوگی۔ مطلوبیت اس لیے زیادہ ہے کہ لباس کے مقاصد اس سے زیادہ حاصل ہوتے ہیں ستر بھی اس میں زیادہ ہے، زینت بھی اس میں زیادہ ہے اور سہولت بھی اس میں زیادہ ہے۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا ۔۔۔۔۔ نئے کپڑے پہننے کی دُعا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً أَوْ قَمِيصًا أَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ.

ترجمہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے۔ مثلاً عمامہ یا قمیص یا تہبند، اور پھر یہ دُعا پڑھتے: اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں، آپ نے ہی یہ کپڑا مجھے پہنایا، میں آپ سے اس کپڑے کی بھلائی اور جس بھلائی کے لیے یہ بنایا گیا ہے، اس کو طلب کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس شر کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّيْنِ ۔۔۔۔ جبہ پہننے کے متعلق

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُومِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ.

ترجمہ حضرت عروہ بن مغیرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسا جبہ زیب تن فرمایا کرتے تھے جو روم کا بنا ہوا تھا اور اس کی آستین تنگ تھی۔

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَهْدَى دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتَّى تَخَرَّقَا لَا يَدْرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا.

ترجمہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ ہدیہ بھیجا دحیہ کلبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوڑا موزے کا پھر پہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کہا اسرائیل نے اپنی روایت میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ روایت کرتے ہیں عامر سے کہ بھیجا انہوں نے ایک کُرتہ بھی پھر پہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک کہ پھٹ گئے وہ دونوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانتے تھے کہ وہ جانور مذبوح کی کھال کے تھے یا غیر مذبوح کے۔

تشریح بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ جبہ آپ کے پاس کہیں سے ہدیہ کے طور پر آیا تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جبے کی قیمت دو ہزار دینار تھی یعنی تقریباً بیس ہزار درہم۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا قیمتی جبہ بھی زیب تن فرمایا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی زیب تن فرمائے۔ آپ کی عام عادت سادے اور معمولی کپڑے پہننے کی تھی لیکن اس قیمتی جبے کو زیب تن فرما کر اس بات کا اظہار فرما دیا کہ ایسے کپڑے پہننا بھی جائز ہے اور جواز کا راستہ پیدا کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اور آپ کے لیے سہولت پیدا فرما دی۔

یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلے تو میں آپ کے ساتھ تھا، آپ نے ایک رومی جبہ پہن رکھا تھا، آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے لیکن کافی دیر ہو گئی، اس لیے کہ قضائے حاجت کافی دور جا کر کرتے تھے، قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد میں وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا، آپ نے وضو فرمایا لیکن وضو فرماتے وقت اس جبے کی آستینوں کو اوپر چڑھانا مشکل تھا اس لیے کہ وہ آستینیں بہت تنگ تھیں تو آپ نے اپنی آستینوں کو بازو کے نیچے سے نکال لیا اور اس طریقے سے بازو کو دھویا اور اس کے بعد جبہ دوبارہ پہن لیا اور آپ نے موزے پہنے ہوئے تھے تو آپ نے ان موزوں پر مسح فرمایا اور آپ واپس وہاں تشریف لائے جہاں پڑاؤ ڈالا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کچھ دیر انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وقت تنگ ہو رہا ہے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کے لیے آگے کر دیا، وہ نماز پڑھا رہے تھے، وہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ دوسری رکعت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہوئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نہیں اپنی جگہ پر ہی رہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور سلام پھیرنے کے بعد جو رکعت رہ گئی تھی اس کو پورا فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فعل کی تحسین فرمائی کہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا، میرا انتظار نہیں کیا بلکہ خود نماز کھڑی کر دی۔ اس میں جو حصہ کتاب اللباس کے متعلق ہے وہ صرف اتنا ہے جتنا یہاں صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم لبس جبّة رومیّة ضیقة الکمین" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جبہ پہنا جو کہ رومی تھا، رومی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ روم کا بنا ہوا سلا ہوا ہوگا۔

اس زمانے میں روم کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا جس کو بیزنطینیہ کہا جاتا تھا، اب اس شہر کا نام استنبول ہے۔ شام کا علاقہ بھی رومی سلطنت کے ماتحت تھا اور آج کل سوریا جس کو شام کہتے ہیں اُردن اور فلسطین کے سارے علاقے شام کے اندر ہی سمجھے جاتے تھے یہ سارے علاقے سلطنت رومیہ یعنی بیزنطینیہ کے ماتحت تھے، روم کے علاقے کی بنی ہوئی چیز کو بھی رومی کہہ دیا جاتا تھا اور شام کے علاقے وغیرہ کی بنی ہوئی چیز کو بھی رومی کہہ دیا جاتا تھا یہاں دونوں احتمال ہیں۔ اصل مرکز کا بنا ہوا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شام کا بنا ہوا ہو، لیکن حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ شام بھی اس وقت کافروں کا ملک تھا اور بیزنطینیہ بھی کافروں کا علاقہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا اور یہ جبہ تنگ آستینوں والا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَدِّ الأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ۔۔۔۔۔ دانت پر سونا چڑھانا

عَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ أَسْعَدَ قَالَ أُصِيبَ أَنْفِي يَوْمَ الْكُلَابِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاتَّخَذْتُ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَأَنْتَنَ عَلَيَّ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ: حضرت عرفجہ بن سعد سے روایت ہے کہ کٹ گئی میری ناک دن کلاب کے ایام جاہلیت میں سو بنائی میں نے ایک ناک چاندی کی اور وہ بد بودار ہوگئی اور حکم کیا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنالوں میں ایک ناک سونے سے کہ اس میں بدبو نہیں آتی۔

تشریح: یوم الکلاب زمانہ جاہلیت کی ایک مشہور جنگ ہے اس میں عرفجہ بن اسعد بھی شریک ہوئے ہوں گے اور اس جنگ کے اندر ان کی ناک کٹ گئی تو اس کی جگہ پر چاندی کی مصنوعی ناک لگوائی لیکن چاندی کے اندر بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اگر جسم کے ساتھ لگی رہے، ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا، اس لیے کہ سونا جسم پر لگا بھی رہے تو وہاں پر بدبو پیدا نہیں ہوتی، تعفن پیدا نہیں ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ مصنوعی اعضاء آج کل کی کوئی نئی ایجاد نہیں ہیں بلکہ قدیم زمانے سے مروج ہیں۔

سونے، چاندی کے مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مصنوعی اعضاء اگر سونے کے لگوا لیے جائیں تو یہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک لگوانے کا حکم کیا، سونے کی ناک کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ یہ جائز ہے لیکن اگر کسی کو سونے کا دانت لگوانا پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چاندی کے دانت کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ جائز ہے اور آج کل جو مخصوص قسم کے مسالوں کے بنے ہوئے دانت ہوتے ہیں وہ بھی بالاتفاق جائز ہیں۔ البتہ سونے کے دانت کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تو یہی ہے کہ وہ جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت کراہت کی ہے اور ایک روایت جواز کی ہے۔ اصح جواز کی روایت ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک لگوانے کی اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سونے کے مصنوعی اعضاء لگوانا جائز ہے جب ناک جائز ہے تو دانت بھی بظاہر جائز ہونا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ مسند بزار کی روایت ہے جس کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا دانت لگوانے کی اجازت دی، پہلے انہوں نے چاندی کا دانت لگوایا تھا لیکن وہ خراب ہو گیا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا دانت لگوانے کی اجازت دی کیوں کہ سونے کا دانت خراب نہیں ہوتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے کا دانت بھی لگوانا جائز ہے، جب سونے کا دانت لگوانا جائز ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دانتوں کو سونے کی تار کے ساتھ باندھنا تا کہ وہ سیدھے رہیں یا سیدھے ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ

درندوں کی کھال کے استعمال کی ممانعت

عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ أَنْ تُفْتَرَشَ.

ترجمہ حضرت ابی الملیح سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا درندوں کی کھال بچھانے سے۔

تشریح درندے کی کھال استعمال کرنے سے نہی آئی ہے کیوں کہ یہ جبابرۃ کا طریقہ ہے اور اس میں تکبر بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چپل کے متعلق

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ نَعْلَاهُ لَهُمَا قِبَالَانِ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلوں میں دو تسمے تھے۔

تشریح نعل: وہ پاؤں کا لباس ہے جس سے پاؤں کی زمین اور تکلیف دہ چیزوں سے حفاظت کی جاتی ہے اور وہ کبھی مصدری معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور اکثر اسم جامد میں اور یہاں یہی مراد ہے کیونکہ جمع کا لفظ لایا گیا اور مصدر کی جمع نہیں آتی ہے۔ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نعل لباس الانبیاء ہے اور لوگوں نے غیر نعل کو استعمال کرنا شروع کیا زیادہ کیچڑ کی بنا پر اور ہر قوم کا نعل اپنے اپنے عرف کے اعتبار سے مختلف کیفیت کا ہوتا ہے۔ باب ہذا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی صفت بیان کرنا مقصود ہے جو ملک عرب میں متعارف تھا اور بھی مختلف انواع کے ہوتا تھا۔

قولہ نعلاہ لھما قبالان

تسمے سے مراد: یہاں تسمے وغیرہ سے مراد چمڑے وغیرہ کی یا کسی اور چیز کی باریک چیز جو پاؤں کے تلوے میں لگائی جاتی ہے تاکہ اس میں پاؤں اور پاؤں کی انگلیاں پھنسائی جائیں۔ جیسا کہ ہمارے ہاں بعض چپلوں وغیرہ میں ہوتا ہے خاص طور پر ہوائی چپل میں اور بھی مختلف قسم کی چپلوں وغیرہ میں ایسا ہوتا ہے۔ یہاں تسمے سے مراد وہ تسمہ نہیں جو ہمارے ہاں بوٹ کے اوپر ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی کیفیت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے میں قبال تھیں یعنی اس طرح کی دو چیزیں تھیں جن میں پاؤں پھنسایا جائے، ان میں سے ہر ایک دوہری تھی۔ جیسا کہ اگلی روایات میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوہری تھی۔ بعض روایتوں میں ان کی ترتیب

یوں آتی ہے کہ ان میں سے ایک قبال ایسی تھی جو آپ کے انگوٹھے اور انگوٹھے کے برابر والی انگلی کے درمیان میں آجاتی تھی۔ جیسے ہمارے ہاں ہوائی چپل میں ہوتا ہے اور دوسری وہ ہوتی تھی جو چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں آجاتی تھی یا درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں آجاتی تھی۔

نعل مبارک کا نقشہ چھپا ہوا ہوتا ہے اور بڑا خوبصورت چھپا ہوا ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا اس طرح کا خوبصورت نہیں تھا وہ ویسے ہی بنانے والوں نے نقش ونگار بنادیئے، نیچے اس طرح کا تلوہ دو اس طرح کے قبال تھے یعنی اس طرح کے دو لمبے چمڑے تھے، ایک بائیں طرف سے لے کر دائیں طرف تک دائیں طرف سے لے کر بائیں طرف کو جارہا ہے، اس کے درمیان پاؤں ہوتا ہے یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی کیفیت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

ایک چپل پہن کر چلنے کی کراہت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِي أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيَنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا نہ چلے کوئی تم میں سے ایک نعل (جوتی) پہن کر بلکہ چاہیے دونوں نعل پہن کر چلے یا ننگے پاؤں چلے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کھڑے ہوئے نعل پہننے سے۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

ایک چپل پہن کر چلنے کی اجازت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک چپل پہن کر چلا کرتے تھے۔

اس حدیث میں بیان جواز ہے اور پیچھے جو حدیث گزری اس میں نہی تنزیہی تھی کہ آدمی ایک جوتے کے اندر نہ چلے۔

تشریح: ایک جوتا پہن کر چلنا وقار و مروت کے خلاف ہے۔ دیکھنے میں بے ڈھنگا معلوم ہوتا ہے۔ نیز گر جانے کا احتمال ہے۔ پھر لوگوں کے مذاق و ہنسی کرنے کا احتمال ہے جس سے منازعت و مناقشہ کر کے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے۔ بنا بریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمۃً وشفقۃً منع فرمایا لیکن سامنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ترمذی میں "ربما مشی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نعل واحدۃ" جس سے تعارض ہو رہا ہے تو جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث قولی ہے جو اصل قانون بتا رہی ہے اور یہ حدیث فعلی ہے جو بیان جواز کے لیے ہو سکتی ہے یا کسی عذر کی بناء پر ہوگی یا کوئی دوسری ضرورت ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ بِأَيِّ رِجْلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ ۔۔۔ چپل کون سے پاؤں میں پہلے پہنی جائے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْتَكُنِ الْيُمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص چپل پہنے تو دائیں پاؤں سے شروع کرے اور جب اُتارے تو بائیں پاؤں سے شروع کرے تاکہ دایاں پاؤں پہننے میں پہلے ہو اور اُتارنے میں پیچھے ہو۔

تشریح: **جوتے کا ادب دائیں طرف سے پہننا:**

اس حدیث میں جوتا پہننے کا ایک ادب بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ جب جوتا پہنا جائے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنا جائے پھر بائیں پاؤں میں پہنا جائے اور جب جوتا نکالا جائے تو اس کے برعکس ترتیب اختیار کرے یعنی پہلے بائیں پاؤں سے نکالا جائے، پھر دائیں پاؤں سے نکالا جائے۔

اکرام یمین یعنی دائیں جانب کو ترجیح دینا:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حکمت بھی بیان فرمادی۔ اس کی حکمت اکرام یمین ہے یعنی دائیں جانب کو اہمیت دینا اس لیے کہ جب پہنتے وقت دائیں پاؤں میں پہلے پہنیں گے اور نکالتے وقت دائیں پاؤں سے بعد میں نکالیں گے تو دائیں پاؤں کا زیادہ دیر جوتے میں رہنا پایا جائے گا تو یہ دائیں پاؤں کا اکرام ہے اور یہ ادب صرف جوتا پہننے کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام اُصول ہے کہ جب بھی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف منتقل ہوں تو دائیں کو مقدم کیا جائے۔ جب اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہوں تو بائیں کو مقدم کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْقِيعِ الثَّوْبِ ۔۔۔۔ کپڑوں میں پیوند لگانا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَدْتِ اللُّحُوقَ بِي فَلْيَكْفِكِ مِنَ

الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْبًا حَتَّى تُرَقِّعِيهِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو دُنیا کا اتنا حصہ تمہارے لیے کافی ہو جائے جتنا ایک مسافر کا توشہ ہوتا ہے۔ مسافر اپنے ساتھ جو سامان لے جاتا ہے اس میں وہ اختصار سے کام لیتا ہے، اسی طرح دُنیا کے اندر تم اختصار سے کام لو اور مال داروں کی ہم نشینی اور ان کی صحبت سے بچو اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ کرو جب تک اس میں پیوند نہ لگا لو۔

تشریح یہ حدیث اگرچہ سنداً صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے اور اس کی ہر بات دوسری روایات سے ثابت اور مؤید ہے، وہ یہ کہ آدمی دُنیا کے اندر توسع اختیار نہ کرے بلکہ اتنا اختیار کرے جتنے کی حاجت ہے اور اوپر کی حدیث کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ جو میں نے اوپر دُنیا برتنے کے درجات بیان کیے ہیں، یعنی رہائش، آسائش اور آرائش، یہ تینوں درجے اختیار کرنا جائز ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ آدمی بقدر حاجت پر ہی اکتفا کرے۔ اس لیے کہ یہ اسباب انسان کو رفتہ رفتہ انہماک فی الدنیا کی طرف لے جاتے ہیں۔

اغنیاء کی مجالست سے بچو:

دوسری بڑی عجیب نصیحت یہ فرمائی کہ اغنیاء کی مجالس سے بچو، اس کے بارے میں آگے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نصیحت کا مفہوم اس حدیث کی طرح ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ: "من رأى من فضل عليه في الخلق والرزق فلينظر الى من هو اسفل منه ممن هو فضل عليه فانه اجدر الا يزدرى نعمة الله"...... اگر کسی شخص نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی بناوٹ اور رزق میں اس پر فضیلت دی ہے۔ مثلاً وہ زیادہ خوبصورت ہے، اس کی صحت اچھی ہے اور اس کے پاس پیسے زیادہ ہیں اور اسباب دُنیا کی فراوانی ہے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے سے کم درجے کے انسان کو دیکھے۔ مثلاً ایسے شخص کو دیکھے جس کی صحت اس سے زیادہ اچھی نہیں ہے یا جس کے پاس مال و دولت کم ہے، اس کے ذریعے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری نہیں کرے گا اور جو شخص اوپر کی طرف دیکھتا رہے گا وہ ہمیشہ ناشکری کے اندر مبتلا رہے گا۔ مثلاً اس کو تو فلاں نعمت حاصل ہے مجھے حاصل نہیں۔

باب (بلا ترجمہ)...... بَابُ دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ.

ترجمہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو آپ کے سر کے بالوں کی چار گندھی ہوئی لٹیں تھیں۔ (ایک اور حدیث میں ضفائر آیا ہے اس کے معنی بھی چوٹی ہی کے ہیں)

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ ضَفَائِرَ.

ترجمہ حضرت اُم ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے یعنی مکہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار چوٹیاں تھیں۔

باب (بلاترجمہ)۔۔۔۔۔بَابُ كَيْفَ كَانَ كِمَامُ الصَّحَابَةِ؟

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَهُوَ عَبْدُاللهِ بْنُ بُسْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيَّ يَقُولُ كَانَتْ كِمَامُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحًا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ سنا میں نے ابو کبشہ انماری سے کہ تھیں ٹوپیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصحاب کی چوڑی ملی ہوئیں سروں سے نہ اونچی تھیں یا نہیں ان کی چوڑی ڈھیلی۔

تشریح کمام جمع ہے کم کی۔اس کے معنی ہیں ٹوپی۔حضرت عبداللہ بن بسر فرماتے ہیں کہ میں نے ابو کبشہ انماری سے سنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں واسع اور کشادہ اور سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔"بطح" جمع ہے "ابطح" اور "بطحاء" کی،اس کے معنی ہیں واسع، کشادہ اور پھیلی ہوئی۔لہٰذا ٹوپی اتنی تنگ نہ ہو کہ وہ سر کے صرف سامنے کے حصے میں اوپر کو رکھی رہے، جیسے یہودی ٹوپیاں پہنتے ہیں،ان کی ٹوپیاں چھوٹی ہوتی ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں پورے سر کو ڈھانپے ہوئے ہوتی تھیں اور بطح کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں، بہت بلند نہیں ہوتی تھیں اس لیے کہ ٹوپی کی یہ ہیئت تواضع کے زیادہ قریب ہے۔

باب (بلاترجمہ)۔۔۔۔۔بَابٌ فِي مَبْلَغِ الْإِزَارِ

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَةِ سَاقِي أَوْ سَاقِهِ فَقَالَ هٰذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلَ فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْإِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ پکڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوٹی میری پنڈلی یا اپنی پنڈلی کی اور فرمایا یہ موضع ازار کا ہے پھر اگر تیرا جی نہ مانے یعنی زیادہ لٹکائے تو اس سے نیچے پھر اگر تیرا جی نہ مانے تو ملا تہبند کو ٹخنوں تک یعنی اس سے نیچے نہ کر۔

تشریح ٹخنوں کو ازار میں چھپانا جائز نہیں ہے اس کے متعلق بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

باب (بلاترجمہ)۔۔۔۔۔بَابُ الْعَمَائِمِ عَلَى الْقَلَانِسِ

عَنْ أَبِي جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رُكَانَةَ صَارَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَرَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُكَانَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ فَرْقَ مَا

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ.

ترجمہ حضرت ابی جعفر سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رکانا نے کشتی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو پچھاڑا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ فرق ہمارے اور مشرکوں میں عماموں کا ہے ٹوپیوں پر۔

تشریح اس حدیث کی دو مرادیں ہوسکتی ہیں۔

اوّل: یہ کہ ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں اور وہ بغیر ٹوپی پگڑی باندھتے ہیں۔

دوسرا: یہ کہ ہم ٹوپی اور عمامہ دونوں پہنتے ہیں اور وہ صرف ٹوپی پہنتے ہیں پگڑی نہیں باندھتے ہیں۔ پہلا مطلب راجح ہے اور اس لیے کہ مشرکین سے فقط عمامہ باندھنا ثابت ہے مگر ٹوپی پہننا ثابت نہیں ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کی مقدار کے بارے میں علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باوثوق ذریعہ سے مجھے اطلاع ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسم کی پگڑیاں تھیں۔ ایک قصیر جو سات ذراع کی تھی، دوسری طویل جو بارہ ذراع کی تھی۔

باب (بلاترجمہ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَاتَمِ الْحَدِيدِ ۔۔۔۔ لوہے کی انگوٹھی کے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ مَا لِي أَرَى عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ ثُمَّ جَاءَهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ مَا لِي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْأَصْنَامِ ثُمَّ أَتَاهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ ارْمِ عَنْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ أَتَّخِذُهُ قَالَ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اہل نار کا زیور ہے، جب دوسری مرتبہ وہ صاحب آئے تو پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں سے بتوں کی خوشبو آرہی ہے کیونکہ بت عام طور پر پیتل کے بنائے جاتے تھے۔ جب تیسری مرتبہ آئے تو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جنت والوں کا زیور ہے۔ لہٰذا دنیا میں مرد نے کیسے پہن لیا۔ پھر ان صاحب نے پوچھا کہ میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا کہ چاندی کی بناؤ اور اس کا وزن ایک مثقال تک نہ پہنچا ہو۔ یعنی ایک مثقال سے کم رہے جو ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔

باب (بلاترجمہ)۔۔۔بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّخَتُّمِ فِي أُصْبُعَيْنِ

عَنْ ابْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقَسِّيِّ وَالْمِيثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَأَنْ أَلْبَسَ خَاتَمِي فِي هَذِهِ وَفِي هَذِهِ وَأَشَارَ إِلَى السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى.

ترجمہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ریشمی کپڑا پہننے سے اور سرخ زین پوش پر سوار ہونے سے اور شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

باب (بلاترجمہ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَحَبِّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حبرہ کے بیان میں

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا الْحِبَرَةُ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس دھاری دار یمنی چادر تھی۔

تشریح "حبرہ" یعنی ایک قسم کی یمنی چادر ہے جو منقش سرخ دھاری دار ہوتی ہے اور نیلے و سبز رنگ کی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زیادہ پسند کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سبز ہونے کی بناء پر جنتی لباس کی مشابہ ہوتی تھی، اس لیے پسند تھی اور یہ پسندیدگی رنگ و جنس کے اعتبار سے تھی اور بناوٹ و استر کے اعتبار سے قمیص زیادہ پسندیدہ تھی۔ جیسا کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے "کان احب الثیاب الیہ القمیص"

الحمد للہ آج بروز جمعرات ۹ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ ۲۴ ستمبر ۲۰۱۵ کو جامع ترمذی جلد اول کی شرح مکمل ہوئی۔

اشرفیہ مجلس علم و تحقیق ملتان

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

تمت بحمد اللہ

مکمل 6 جلد

قدیم وجدید شارحین حدیث کے علوم ومعارف
کی امین مشکوٰۃ شریف کی پہلی مفصل اُردو شرح

خیر المفاتیح

اُردو شرح

مشکوٰۃ المصابیح

از جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ (استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان)
تلمیذ رشید: حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہما اللہ

تقریظ
حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ
سابق مفتی و اُستاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

جمع وترتیب
حبیب الرحمٰن
فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان

مع افادات
استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ
حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دھلوی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

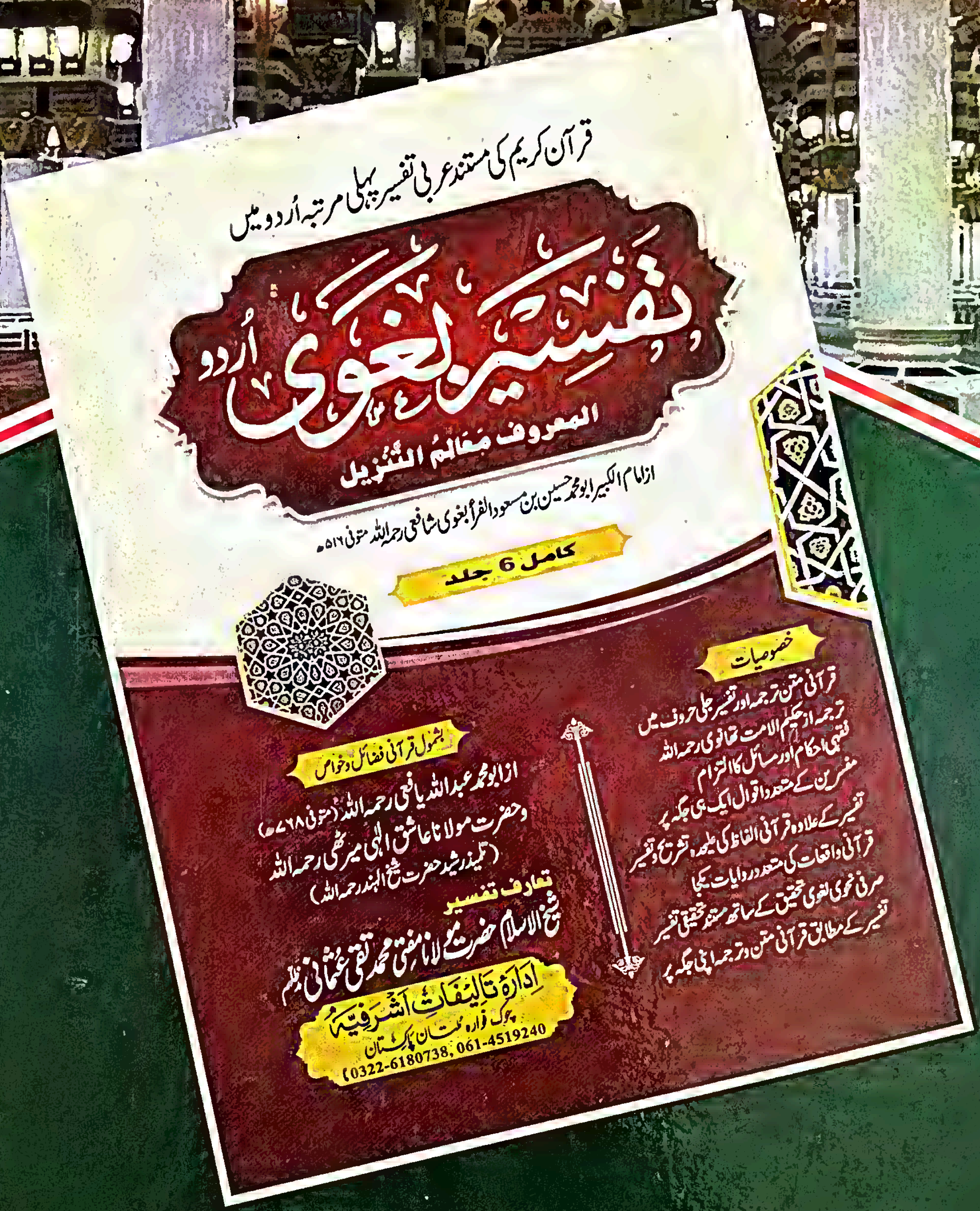

اَمانی الاَحبار فی شرح مَعانی الاثار (عربی)

امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کے مبارک قلم سے لکھی ہوئی علمی شرح (کامل 4 حصے)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

000001 007985
taqrirat trimzi